سیرۃ النبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسولِ رحمت

ڈاکٹر خواجہ سلام الدین نیاز

سابق وزیر قانون حکومت آزاد کشمیر

کلاسیک 42- دی مال، لاہور

ترتیب

پیش لفظ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ والصلاۃ وَالسَّلاَمُ علی من لا نبی بَعدَہٗ۔اَماَّ بَعدُ○

عرصہ دراز سے میری یہ آرزو تھی کہ حضرت سید الآدم جناب حضرت محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر اپنی سی علمی وسعت، مگر اپنی عقیدت کے مطابق کچھ لکھوں۔ یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اقدس پر اردو زبان میں وسیع ذخیرہ موجود ہے اور مجھ جیسے ہیچ مدان کا اس موضوع پر قلم اٹھانا جرأت رندانہ کے مترادف ہوگا، تاہم فراوانی شوق اور حصول سعادت کچھ عرصہ مجھے چٹکیاں لیتا رہا اور حوصلہ بڑھاتا رہا کہ میں اس مبارک کام کی طرف قدم بڑھاؤں اور اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کروں۔

مجھے پورا احساس ہے کہ میری یہ ناچیز کوشش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محامد و محاسن کا اسی قدر اظہار کر سکتی ہے، جس قدر ایک ذرۂ بے مایہ آفتاب عالم تاب کے نور کا کر سکتی ہے۔ پھر بھی اس احساس نے ڈھارس بندھائی کہ اگر میری اس سعی ناتمام سے کچھ تھوڑے ابنائے عالم اور افرادِ ملت کو ہی آگاہی ملے اور فائدہ پہنچے تو میری کوشش بارآور تصور ہوگی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے امید وبیم کے ملے جلے جذبات سے التجا و دعا کرتا ہوں کہ وہ اس

ناچیز محنت کو شرف قبولیت بخشے اور اس مبارک کام کو میرے لئے' میرے والدین مرحومین کیلئے اور میرے آل اولاد اور دیگر متعلقین کیلئے آیۂ رحمت اور مایہ تقویٰ بنا دے!

این دُعا از من واز ہمہ دنیا آمین باد!

سیرت مبارکہ کی تیاری کے طویل سفر میں سال ہا سال میری' میری رفیقۂ حیات بیگم زبیدہ نیاز کی پرعقیدت ہمدردی اور عملی تعاون میرے لئے چراغ راہ کا کام دیتا رہا ہے۔ اسی طرح میرے ایک فرزند تسی عزیزم انجم بٹ کا دست تعاون میرے لئے وارہا ہے۔ اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ دونوں کے رضا کارانہ تعاون اور عقیدت مندانہ جذبات کا ان کو نعم البدل عطا فرمائیں۔ آمین!

ڈاکٹر سلام الدین نیاز

سابق وزیر قانون'

حکومت آزاد کشمیر

مقدمہ

خطۂ عرب دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ اس کے ریگ زاروں میں ریگ کے ذرات ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اس لق ودق صحرا کی سرزمین میں آبِ ارزاں بھی نہیں۔ موسم گرما میں جب سموم وصرصر کے طوفاں اٹھتے ہیں تو ریت کے پہاڑ وجود میں آتے ہیں۔ اس کے صحراؤں میں خارِ مغیلاں اور خرماء کے سواء کوئی پیڑ نظر نہیں آتا۔ البتہ سمندر کے کنارے کہیں کہیں روئیدگی دکھائی دیتی ہے۔ صحرا نورد بدوی قبائل جہاں کوئی پانی کا چشمہ دیکھتے ہیں' خیمہ لگا لیتے ہیں۔ ان کی بدوی زندگی کا دار و مدار بارانِ رحمت پر منحصر ہے۔ اگر وقت پر چار چھینٹے پڑ گئے تو جنگل میں منگل ہو گیا۔ ورنہ انتظار میں دنوں بیت گئے۔

جزیرہ عرب دنیا کی ناف کہلاتا ہے۔ یہ جنوبی ایشیا میں مستطیل شکل میں واقع ہے۔ اس کا کل رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے۔ اس کے تین طرف پانی اور سطح پر ریت کے سمندر ہیں...... کرۂ ارض پر آباد دنیا کو دیکھو کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ 40 درجہ عرض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ 80 درجہ تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ 120 اور نصف 60 ہوا۔ جب 60 کو 80 درجہ شمال سے منہا کریں تو باقی 20 رہ جاتے ہیں اور جب 60 میں سے 40 درجہ جنوب کو تفریق

کریں، تب بھی 20 درجہ شمال رہتے ہیں۔ مکہ معظمہ 1/2-21 درجے پر آباد ہے۔ اس لئے کرۂ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔ لغت کی کتابوں میں مکہ کا نام ناف زمین ہے۔ انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں مکہ وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہے تا کہ مکہ ناف زمین ثابت ہو۔ خدا نے اسے ایشیاء سے یورپ اور افریقہ کے براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی وتری دونوں راستوں سے دنیا کو اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لئے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہنچ جانا اور جہالت کی حکومت کے زیر اثر سب ہی کا بگڑ جانا ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ اگر دنیا کی ہدایت کیلئے ایک واحد مرکز کا انتخاب کرنا چاہیں، تو عرب ہی اس کیلئے موزوں ہے۔ خصوصاً جب افریقہ، یورپ اور ایشیاء کی تین بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا، تو عرب کی آواز ان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بھی بخوبی موجود تھے۔ رب العالمین نے اسی لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں پیدا کیا اور ان کو بتدریج قوم، ملک اور عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔

یہاں کے رہنے والے قبائل میں زیادہ تر لوگ شاعر، بہادر اور عاشق مزاج ہوتے تھے۔ ان بے چاروں کے ہاں نہ تہذیب تھی نہ علم وادب، نہ کوئی آسمانی مذہب، نہ قانون، علم بذات خود وہ جوہر ہے، جس کے بغیر انسان آدمیت کی خلعت حاصل نہیں کر سکتا۔ عرب من جملہ اس جوہر سے بے خبر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کی تمام آبادی ان پڑھ اور بے علم تھی۔ اس زمانے میں شاعر اپنے قبیلے کے قصیدے پڑھتے تھے اور قبیلوں کی بے کار باتوں پر آپس میں الجھنا اور لڑنا شروع کرتے تھے، یہ جنگ صدیوں تک نسل در نسل چلتی رہتی۔ انسان انسان کا غلام اور عورتوں کو لونڈیاں اور باندیاں بنا کر رکھا جاتا۔ شراب نوشی، قمار بازی، سخن وری ان کے مشاغل تھے۔ شرک اور بت پرستی ان کا مذہب تھا۔ ہر قبیلے کا الگ الگ بت تھا، جس کی پرستش کی جاتی یہاں تک کہ کعبہ مکرمہ میں 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ ان تمام برائیوں کے باوجود عرب قوم میں خودداری، غیرت، بہادری اور سخاوت جیسی اعلیٰ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ تلوار کے دھنی اور دل کے غنی تھے۔ کوئی مظلوم اگر ان کی پناہ میں آ جاتا تو اس کی حفاظت کرتے۔ مہمان نوازی ان کا شیوہ تھا۔

یہ تھا وہ ملک جس کو مشیت ایزدی نے گہوارۂ اسلام بننے کا شرف بخشا۔ یہ سرزمین قابل

مبارک ہے کہ تہذیب وتمدن کی بنیاد اس پر رکھی گئی اور ایک عالم گیر امت مسلمہ کی تاسیس ہوئی۔ یہ تھی وہ قوم جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عالم گیر انقلاب کیلئے مبعوث کیا گیا۔ قدرت کاملہ نے اس ملک کی ریت کے ذرات میں تجلیات بھر دیں اور ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس نے تمام دنیا کے نظام اور آئین تبدیل کر دیئے۔ اس وقت مسجود ملائک کی اولاد اشرف المخلوقات انسان' خدا کا نائب انسان صرف عرب میں ہی نہیں' تمام روئے زمین پر قعر مذلت میں گر چکا تھا۔ آسمانی صحائف کے ابدی احکام پس پشت ڈال دیئے گئے تھے۔ عرفانی حقیقتیں اور پاکیزہ اخلاق افسانہ پارینہ بن چکے تھے۔ ضلالت' گمراہی اور حرص وہوا کا عالم تھا۔ جنسی جذبات کی تسکین کیلئے نئے اصول وضع کر لئے جاتے تھے۔ ہر طرف عام بدامنی اور طوائف الملوکی تھی۔

اہل عرب دین ابراہیمی چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا تھے۔ حجاز مقدس توحید سے یک سر خالی ہو چکا تھا۔ ضلالت کی آندھیاں درپئے انسانیت تھیں۔ کفر وشرک کا کی سیل بے پناہ عرب کی سرزمین کو قعر مذلت کی طرف دھکیل رہا تھا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پیرو کفر وشرک کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔ ملک کا کوئی نظام نہ تھا۔ شراب خوری قمار بازی' انتقام' نسلی تفاخر اور بے کسوں پر ظلم عرب کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا۔ قومی حمیت اور خاندانی وجاہت کا جاہلانہ جوش' شاعری' انانیت اور کبر وغرور کا دور دورہ تھا۔ ام اقسام کی سفلی غلط کاریاں کارفرما تھیں۔ الغرض تمام دنیا جہنم کے کنارے کھڑی تھی۔

آج تقریباً پانچ ہزار سال قبل سلطنت بابل نہایت عروج پر تھی۔ سلطنت کی مالی حالت مستحکم' فوجی طاقت زبردست' دولت کثیر اور امن بسیط نے بادشاہ کے دماغ میں نخوت وغرور اس قدر بھر دیا کہ اس نے سلطنت کے معبد اعظم میں اپنی سونے کی مورت رکھوا کر حکم دیا کہ مخلوق اس کو سجدہ کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے' آپ کے والد کا پیشہ نجاری اور بت تراشی تھا۔ بت فروشی سے اس کی گذر بسر ہوتی تھی۔ جب حضرت ابراہیم سن رشد کو پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا باپ بت تراش اور لوگ ان کے تراشیدہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کے آگے ماتھا ٹیکتے ہیں اور انہیں معبود سمجھتے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابراہیم کو تشویش ہوئی۔ اپنے باپ سے سوال کیا کہ آپ اپنے خودساختہ بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہیں۔ انہوں

نے اس مسئلہ پر دوسروں سے بھی تبادلہ خیال کیا۔ ان کے باپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ میرے بیٹے کی باتوں سے میرے کاروبارہ کو نقصان نہ پہنچے۔ لہٰذا اس نے حضرت ابراہیم کو ایسی باتوں سے منع کیا۔ لیکن حضرت ابراہیم ایسے انسان تھے جنہیں اپنی بات کے سچ ہونے اور اپنی رائے کی پختگی کا پورا احساس تھا۔ اور دلائل و براین کی بنیاد پر دوسروں کو ہم خیال بنانے کی صلاحیت کے حامل تھے۔ چنانچہ ایک دن حضرت ابراہیم نے بت پرستوں کے خودساختہ بتوں کو توڑ ڈالا' لیکن ایک بڑے بت سے تعرض نہ کیا۔ جب ان سے باز پرس ہوئی' تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا یہ ساری کارروائی بڑے بت کی ہے۔ اس سے جواب طلب کیجئے۔ اگر اس میں قوت گویائی ہے تو یہ جواب دے گا۔ حضرت ابراہیم نے بت پرستوں کی بے راہ روی پر غور وفکر کے بعد یہ قدم اٹھایا تھا۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَباً قَالَ هٰذَا رَبِّى ج فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِينَ

(الانعام۔76)

پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے' مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

فَلَمَّآ رَا لْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ هٰذَا رَبِّى ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِى رَبِّى لَاَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّينَ

(الانعام۔77)

پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرے رب نے ہدایت نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا

فَلَمَّارَا الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّى هٰذَ آاَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّى بَرِیٓءٌ مِّمَّاتُشْرِكُونَ

(الانعام۔78)

پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے' یہ تو سب سے بڑا ہے' پھر جب

وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

(الانعام۔79)

میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یک سو ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

قوم نے حضرت ابراہیم کی بات نہ مانی' بلکہ آگ بگولا ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بادشاہ اور مدعی الوہیت نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلتی آگ میں ڈالا۔ لیکن اللہ نے اپنے خلیل کو ایسے بچایا کہ آگ سے جلانے کی صلاحیت سلب کی اور خود آگ ہی ان کی سلامتی کی ضامن بن گئی۔ اس کے باوجود نمرود اپنی خدائی کے دعویٰ سے باز نہ آیا اور اسی بات پر مصر رہا کہ میں رب ہوں۔ حیات و ممات پر قادر ہوں۔ اس لئے تمام سلطنت مصر کی مخلوق اس کو سجدہ کرے اور اسی سے حاجت روائی کی آرزو کرے۔

رب العلمین نے اس کی ہدایت کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ بادشاہ کو توحید کی آواز پسند نہ آئی۔ دوسری جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان اپنے نونہال سے ناراض ہو گیا۔ سلطنت نمرود اور اپنے خاندان کی مخالفت دیکھ کر آپ نے حضرت بی بی سارہ یعنی اپنی زوجہ محترمہ علیہ السلام اور اپنے برادر زادہ جناب لوط علیہ السلام بن فاراں کے ہمراہ اپنا وطن چھوڑ دیا۔ گذران کیلئے بھیڑ بکریاں پالنے کا پیشہ اختیار کیا۔ اللہ نے برکت عطا کی اور ان کے پاس بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ پلتے اور بڑھتے گئے۔

سوئے اتفاق سے خشک سالی نے آ گھیرا' جس کے باعث سبز و شاداب چراگاہیں سکڑتی گئیں جس کی وجہ سے ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ریوڑوں کے ساتھ جانا پڑا۔ حتیٰ کہ وہ ارض مصر تک جا پہنچے۔

حسن ابراہیم حسن مصری کی تصنیف ''عمر ابن العاص جلد 2'' کے مطابق اس وقت مصر پر

رقون طوطیس بن مالیا حکومت کرتا تھا اور اس کا پایہ تخت ''منصف'' تھا۔ طوطیس اس کا شاہی لقب تھا۔ رقیون دراصل بابل ہی کا باشندہ تھا اور عین ممکن ہے کہ مصر جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہموطنی کے رشتہ کو وجہ تعارف بنایا ہو۔ بادشاہ مصر رقیون نے بی بی سارہ کو اپنے ملک کی خاتون سمجھ کر بڑی خاطر و مدارات کی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ خدا کے برگزیدہ نبی کی بیوی ہے تو اس نے اپنی بیٹی حاجرہ ان کے ساتھ کر دی تا کہ اس نیک خاندان میں اس کی تربیت ہو اور وہ اپنے ہی ملک کے قدیم باشندوں میں بیاہی جائے۔ اپنے مہمان نواز بادشاہ کی خوش آئند آرزو پوری کرنے کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت حاجرہ سے نکاح کر لیا۔ حضرت حاجرہ کو صرف یہی شرف حاصل نہیں کہ وہ شاہزادی اور ایک برگزیدہ نبی کی زوجہ تھیں۔ بلکہ تورات کی رو سے خدائے تعالیٰ کے ہاں ان کا درجہ بالاتر تھا۔ کتاب پیدائش سے واضح ہوتا ہے کہ خدا کے فرشتے حضرت حاجرہ کے سامنے خود پیش ہوتے تھے اور خدا کا حکم ان تک پہنچاتے تھے۔ خدائے تعالیٰ نے حضرت حاجرہ کو پہلوٹا بیٹا عطا کیا۔ اس کا نام اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔ کتاب پیدائش سے ثابت ہے کہ حضرت سارہ کو بیٹے کی بشارت فرشتہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معرفت دی تھی۔ چنانچہ حضرت بی بی سارہ یا سرہ سے دوسرا بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام اسحاق علیہ السلام رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتا دیا کہ یہ دونوں بیٹے بڑے بابرکت ہوں گے اور بڑی بڑی قوموں کے جداعلیٰ ہوں گے۔ کتاب پیدائش کے مطابق حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کا برابر کا درجہ اور برابر کی برکت مندرجہ ذیل حوالجات سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

خدا نے دردوغم کو سنا	حاجرہ کے	کتاب پیدائش	11-16
	سارہ کے	//	14-18
خدا نے نام رکھا	حاجرہ کے فرزند اسماعیل کا		11-16
	سارہ کے فرزند اسحاق کا	//	17-19
خدا نے برکت دی	حاجرہ کے فرزند اسماعیل کو	//	17-20
	سارہ کے فرزند اسحاق کو	//	17-19
خدا ساتھ تھا	اسماعیل کے	//	2-21

اسحاق کے	//	24-26
قوموں اور بادشاہوں کا باپ ہوگا' اسماعیل ان کی اولاد کثرت سے گنی نہ جاسکے گی	//	16-25
اسحاق	//	6-17

اس لئے باپ نے خاندان والوں کی درخواست پر ان کیلئے علیحدہ علیحدہ ملک تقسیم کر دیئے۔ شام کا ملک اسحاق علیہ السلام کو دیا کیونکہ بابل اس کے مشرق میں واقع تھا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے ننھال کے قریب تر تھا۔

عرب کا ملک حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیا کیوں کہ مصر اس کے مغرب میں تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ننھال سے قریب تر رہنے کا موقع مل گیا۔ بایں ہمہ دونوں بھائی اس طرح آباد ہوئے کہ ان کے درمیان کوئی تیسرا ملک نہ تھا۔ تا کہ وقت پر ایک بھائی دوسرے کی امداد واعانت کر سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیس صحیفے نازل ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال ہوئی۔ حضرت اسماعیل ذبیح کی عمر ایک سو تیں سال ہوئی۔ آپ کی شادی بنو جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی۔ بنو جرہم عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی اپنے ننھال میں ہوئی۔ اس طرح ایک ہی نسل کے بچوں میں جسمانی بعد بڑھتا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خوف سے بھاگ کر عرب ہی میں پناہ لی تھی اور پھر بنی اسرائیل کو مصر سے نجات دلا کر بیابان عرب ہی میں چالیس سال تک آباد رکھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب بادشاہ سموئیل کے خوف سے بھاگ کر اپنے ملک سے نکلے تو عرب ہی میں آ کر قیام کیا۔ جب بنی اسرائیل کو بخت نصر نے تباہ کیا تو انہیں معد بن عدنان نے عرب ہی میں آرام وعزت سے رکھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ فرزند عطا کئے۔ سیمہ آپ کی صاحبزادی تھیں' جن کے بطن سے ایوب ذوالکفل اور جناب اسماعیل ثانی پیدا ہوئے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہونے والے انبیاء نے بھی اپنے الہامات میں بنی اسرائیل کی بابت بہت اشارے کئے ہیں۔ لیکن ہمیں یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

بابت لکھنا مقصود ہے۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ کو اس جگہ آباد کیا' جہاں اب شہر مکہ آباد ہے۔ عظیم ومقدس باپ نے نامور بیٹے کی شمولیت سے اس جگہ ایک مسجد مکعب شکل کی تعمیر کی اور خدا سے دعا کی کہ "اے مالک الملک اس سنسان جگہ میں آباد ہونے والی قوم کی روزی کا خود سامان پیدا کر' انہیں کھانے کیلئے عمدہ عمدہ میوے' ترکاریاں یہاں ملتی رہیں۔ ان کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے ایک عظیم الشان رسول بھی اسی مقام پر پیدا ہو' جو لوگ مکہ کو دیکھتے ہیں انہیں تعجب ہوتا ہے کہ زمین مکہ میں کوئی روئیدگی یا پیداوار نظر نہیں آتی۔ تاہم مکہ کے بازاروں میں سبز تر میوے' ترکاریاں بہت سستی اور بہتات سے ملتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول کی تھی اور خدا نے دعا کے دوسرے جز یعنی رسول پیدا کرے' کو بھی قبول کیا تھا۔ یعنی موعود کو حضرت اسماعیل کی نسل سے پیدا ہونا تورات کی کتاب استثنیٰ باب 19-18-17 سے اور مکہ (فاراں) سے ظاہر ہونا' استثنا 23-2 سے ثابت ہے۔

ذبیح سے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ خصوصاً اس موضوع پر کہ آیا یہ واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے رونما ہوا یا بعد میں؟ ذبح کا واقعہ فلسطین میں پیش آیا یا حجاز میں۔ اسرائیلی مورخ مصر ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام تھے اور واقعہ فلسطین میں پیش آیا۔ شیخ عبدالوہاب نجار اپنی مشہور تصنیف قصص الانبیا میں رقمطراز ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور یہ واقعہ حجاز میں پیش آیا۔ وہ اپنے دعویٰ کی دلیل تورات سے دیتے ہیں کیونکہ تورات ذبیح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے کو قرار دیتی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلوٹے اور اکلوتے بیٹے تھے کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل کے بعد پیدا ہوئے۔ لٰہذا داستان ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام پر صادق آتی ہے۔ اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام کو تسلیم کیا جائے تو واقعہ فلسطین میں ہوا۔ کیوں کہ وہ کبھی حجاز نہیں آئے حالانکہ ذبح کا واقعہ حجاز میں وقوع پذیر ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی والدہ کے ساتھ حجاز میں نشوونما پائی۔ چونکہ قرآن کریم میں ذبح کے نام کی وضاحت نہیں اس لئے مؤرخین اس موضوع پر اختلاف کا شکار ہو گئے۔ ذبح کا واقعہ یوں بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ اللہ نے

حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو اس کی راہ میں قربان کردیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ ج وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ لا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔

(الصافات 102-107)

چنانچہ جب وہ اس کے ساتھ کام کرنے (کی عمر) کو پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا......اے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کررہا ہوں۔ تو سوچ کر بتا' تیری کیا رضا ہے؟ (بیٹے نے) کہا کہ آپ مجھے انشاء اللہ صابروں میں سے ضرور پائیں گے ۝ پھر جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کردیا اور ابراہیم نے اسے ماتھے کے بل لٹا دیا ۝ ہم نے اسے ندا دی کہ اے ابراہیم ۝ بلاشبہ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ ہم بے شک اچھا اور معیاری کام کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں ۝ بلاشبہ یہ ایک کھلی آزمائش تھی ۝ اور پھر فدیہ دیکر (ہم نے اسے) ایک بڑی قربانی سے چھڑالیا ۝

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کررہا ہوں تو یقین آ گیا کہ یہ خداوندی حکم ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے بیٹے سے اپنا خواب بیان کیا۔ بیٹے نے جواب دیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس کو بلا تاخیر بجالائیں۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے تیار ہو گئے کہ آواز آئی "تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا" اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک مینڈھا نظر آیا جسے آپ علیہ السلام نے بیٹے کے بدلے میں ذبح کیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بارہ بیٹے ہوئے۔ انہوں نے عرب کو آپس میں تقسیم کرلیا اور وہ بہت جلد اس قدر پھیل گئے کہ مغرب کی طرف مصر سے جوان کا ننھال تھا' جا ملے

اور جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے' جہاں باپ نے ان کے بھائیوں بن وقطورہ کو آباد کیا تھا اور شمال کی طرف ان کی بستیاں شام سے جاملیں۔ جہاں ان کے بھائی بنو اسحاق آباد تھے۔ حضرت یعقوب بن اسحاق علیہ السلام کے بھی بارہ بیٹے ہوئے۔ بی بی لیاہ کے بطن سے چھ' روبن' شمعون' لاوی' یہودہ' اشکار' زبولن' راحیل کے بطن سے دو' یوسف اور بنیامین' ظیفہ جو لیاہ کی لونڈی تھی' کے بطن سے دو۔ جد اور آشر' بلہہ کے بطن سے جو بی بی راحیل کی لونڈی تھی' دو۔ دان اور نفتائی پیدا ہوئے (پیدائش باب 30) انہی بارہ کی اولاد سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے وجود میں آئے' جنہیں حضرت شعیب' موسیٰ' داؤد' یشوع یوحنا نے برکت یافتہ بتایا ہے۔ اگر عیسائیوں کا یہ بیان صحیح مانا جائے کہ بی بی حاجرہ بھی بی بی سارہؑ کی لونڈی تھی جسے بی بی سارہ نے اپنے شوہر سے بیاہ دیا تھا۔ تب بھی وہ نبی اسماعیل علیہ السلام پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے' جیسا کہ جد' آشر' دان نفتائی اور ان کی اولاد پر کوئی اعتراض نہیں رکھتے جو بلہہ اور زلفہ لونڈیوں کے بچے ہیں۔

اس طرح ایک ہی باپ کے فرزند بابل اور مصر کے قدیم علم وتہذیب کے مالک ہو گئے اور بحر ہند اور بحر احمر کے ایسے بندرگاہوں پر انکا قبضہ ہو گیا یہاں نے اس وقت کی تمام متمدن دنیا کی تجارت پر قبضہ کر چکے تھے اور عرب کا اندرونی حصہ بھی ان کے پاس آ گیا جو ان اقوام کے بچاؤ کیلئے ہمیشہ ناقابل تسخیر حصار ثابت ہوا۔

حضرت اسماعیل کی اولاد میں ان کا دوسرا فرزند قیدار نہایت نامور گزرا ہے۔ قیدار کی اولاد خاص مکہ میں آباد ہوئی۔ انہوں نے اپنے نامور باپ کی طرح اس مقدس مسجد کے حقوق کو ہمیشہ پورا کیا جو دنیا کیلئے توحید کی پہلی درسگاہ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی معیت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبہ کی تعمیر بغرض زیارت شروع کی اور اسے مخلوق کیلئے عبادت گاہ قرار دیا گیا۔ خدا کے اس گھر میں بت پرستی کیسے داخل ہوئی' اس مسئلے پر تاریخ خاموش ہے۔ اسی زمانہ میں عرب میں ستارہ پرستی زوروں پر تھی۔ لوگ ستاروں کو مظاہر ربوبیت قرار دے کر ان کی تعظیم وتکریم کرتے۔ اس لئے ستارہ پرستی کو فروغ حاصل ہوا۔ کبھی ان لوگوں کو آتش فشاں پتھر' چقماق' مل جاتے تو یہ سمجھتے کہ آسمان سے گرے ہیں۔ اس گمان سے اول اول انہیں ستاروں کے مظاہر سمجھ کر

لوگوں نے پوجا شروع کیا اور بعد میں بت پرستی کا سلسلہ چل نکلا۔ اس طرح رفتہ رفتہ بت پرستی کا رواج عام ہو گیا اور بے جان مجسمے مقدس خیال کئے جانے لگے۔ عرب میں لات اور خانہ کعبہ میں 360 بتوں کی پوجا ہونے لگی۔ اس سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عرب میں قدیم ایام سے بت پرستی کا رواج تھا۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اور وہ اسے تبلیغ سے خدا پرست بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل کی معیت میں کعبہ کی تعمیر کی۔ قرآن کریم میں اس سے متعلق یہ تصریحات ہیں:۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ○ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ○

(آل عمران آیت نمبر 97-96)

بے شک پہلا گھر جو بنایا گیا (عبادت گاہ) لوگوں کیلئے یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام جہانوں کیلئے مرکز ہدایت ہے ○ اس میں ایسی نشانیاں ہیں جو (اپنی صداقت) کی خود گواہ ہیں، مقام ابراہیم ہے اور (یہ بات کہ) جو اس میں داخل ہوا، اسے امن مل گیا اور اللہ کا لوگوں پر حق ہے کہ ہر وہ شخص جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس کے گھر کا حج کرے اور اگر کوئی انکار کرے تو بے شک اللہ سب جہان والوں سے بے نیاز ہے ○

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۗ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى ۗ وَعَهِدْنَا إِلٰى إِبْرٰهِيمَ وَإِسْمٰعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعٰكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ

اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ O وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ O

(البقرہ۔125-127)

اور جب ہم نے اس گھر (کعبہ) کولوگوں کیلئے مرکز اورامن کی جگہ قرار دیا تھااورلوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم جہاں عبادت کیلئے کھڑے ہوتے ہیں' اس مقام کومستقل جائے نماز بنالواور ابراہیم اوراسماعیل کوتاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کوطواف اوراعتکاف اورسجدہ کرنے والوں کیلئے پاک رکھوO اور یہ کہ ابراہیم نے دعا کی...... ''اے میرے رب! اس شہر کوامن کا شہر بنادے اوراس کے باشندوں میں سے جواللہ اور آخرت کو مانیں' انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔ جواب میں اس کے رب نے فرمایا......اور جو نہ مانے گا' دنیا کی چندروزہ زندگی کا سامان تو میں اسے بھی دوں گا' مگر آخرکار اسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانہ ہےO اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھارہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے۔ اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے تو سب کی سننے اورسب کچھ جاننے والا ہےO

قریش کی وجہ تسمیہ (1)

قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو اپنی قوت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے۔ وہ جس جانور کو چاہتا ہے کھاجاتا ہے' مگر اسے کوئی نہیں کھا سکتا۔ اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہے ہیں۔ کسی سے مغلوب نہیں ہوئے اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔ زرقانی کے مطابق قریش ایک جانور ہے جو دریا میں رہتا ہے۔ اسی کے نام پر قبیلہ قریش کا نام قریش رکھ دیا گیا۔ قریش جانور جو پتلے' دبلے اور موٹے جانور کو کھا جاتا ہے' پر تک نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح قبیلہ قریش شہروں کو بسرعت کھا جاتا ہے اور اسی قبیلہ قریش

---

(1) ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ مکہ کے باشندوں کو روٹی نہ ملتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایک وقت روٹی کھاتے تھے کیونکہ وہ باہر سے غلہ منگوایا کرتے تھے اوران کی اپنی غذا کھجور' شیر شتر' گوہ اور ماہی خشک تھی جو ساحل بحراحمر سے لاتے تھے۔ اس لئے کہ مکہ اور بحراحمر کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ چونکہ مکہ سمندر کے قریب تھا' لہٰذا باشندگان مکہ سمندری جانوروں میں سے' کوسہ مچھلی' سے آشنا تھے۔ کوسہ مچھلی کو قریش کہتے ہیں' اس لئے اپنا نام قریش رکھا۔ قریش' یعنی کوسہ' کو چک۔

سے آخری زمانہ میں ایک نبی ظاہر ہوگا' جو خدا کے نافرمانوں کو کثرت سے قتل کرے گا۔

قریش کا سلسلہ نسب اور اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:۔

عدنان	قریش کے جدِ اعلیٰ
معد	
نزار	آپ کی اولاد میں امام احمد بن حنبل تھے
مضر	آپ کی اولاد سے حلیمہ سعدیہ تھیں
الیاس	
مدرکہ	
خزیمہ	آپ کی دسویں پشت سے ام المومنین حضرت زینب بنت جحش تھیں
کنانہ' انضر' مالک	فہر' غالب' لوی' کعب' مرہ'
کلاب	آپ کی تیسری پشت کی پوتی حضرت آمنہ۔ سرکارِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ تھیں۔
قصی	
عبد مناف	حضرت امام شافعی آپ کے خاندان میں سے تھے
ہاشم	آپ کی پوتی ام ہانی تھیں
عبدالمطلب	
عبداللہ	
محمدؐ	حضرت ابراہیمؑ، طاہر' قاسمؑ زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہ زہراؑ

قیدار کی اولاد میں 37 پشتوں کے بعد عدنان اوّل نہایت اولوالعزم شخص گزرا ہے۔ اس کے چھوٹے بھائی عک نے یمن میں سلطنت قائم کی۔ عدنان کے بعد اس قوم پر بنی جرہم کا قبیلہ غالب آ گیا۔ اگر چہ وہ ان کے ماموں ہی تھے تاہم بنی جرہم نے ان کو مکہ سے نکال دیا کیونکہ بنو اسماعیل نے اب تک بنو جرہم کا بت پرستی میں ساتھ نہ دیا تھا۔ لیکن قصی نے جو عدنان دوم سے پندرہویں پشت میں ہے پھر مکہ پر قبضہ حاصل کر لیا اور اس نے مکہ میں مشترکہ حکومت کی بنیاد رکھ کر

مندرجہ ذیل عہدے قائم کئے:۔

1-رفادہ 2-سقایہ 3-حجابت 4-قیادہ 5-لواء جس کو قومی نشان کہتے تھے۔ قصی کے بعد اس کا فرزند عبد مناف جس کا اصل نام مغیرہ تھا۔ لیکن مناف بت کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس لئے عبد مناف مشہور ہو گیا' پھر قصی کا دوسرا فرزند ہاشم جو عام طور پر شوربا میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر غریبوں کو کھلایا کرتا تھا اس لئے ہاشم کہلایا۔ پھر اس کا فرزند عبد المطلب جن کا نام شیبہ تھا' ان کے سر کے بال سفید تھے اس لئے شیبہ مشہور ہوئے۔ مطلب نے بچپن میں انہیں پالا پوسا اس لئے تمام عمر عبد المطلب کہلائے۔ عبد المطلب اپنے وقت میں مکہ کے محترم سردار تھے۔ نبی محتشم سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پوتے تھے۔

ملک عرب کے مختلف حصے اپنی اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ یمن کی وادی اور طائف کے پہاڑ ایسے سرسبز ہیں کہ ہندو پاک کے بہترین حصوں کو رشک آتا ہے۔ الحجر کی پتھریلی زمین اور وسط عرب کا وسیع ریگستان اس قدر بے آب و گیاہ ہے کہ صحرائے افریقہ سے مقابلہ کرتا ہے۔

اس زمانہ میں جنوب پر سلطنت حبش کا' مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اور شمال پر روما کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ تھا۔

پروفیسر سیڈیو کے مطابق ملک کا اندرونی حصہ بزعم خود آزاد تھا۔ لیکن ہر سلطنت اس پر قبضہ کرنے کی مساعی تھی۔ ملک کے باشندوں پر خود مختاری نے بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ان میں خود مختاری کی بجائے خودسری پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے اپنی شجاعت و جرأت کا نشانہ اپنے ہی بھائی بندوں کو بنا رکھا تھا۔ بیکاری اور کاہلی نے جوا اور شراب کی لت پیدا کر دی تھیں۔ دنیا سے الگ تھلگ رہنے سے ان کی زبان اور نسل بے شک کھری تھی۔ لیکن فصاحت کا استعمال وہ زیادہ تر خودستائی اور دوسری قوموں کی تحقیر میں کیا کرتے تھے یا اپنے فحش کارناموں کو مشتہر کرنے کیلئے زبان کی ساری طاقت خرچ کر کے اپنے ساتھ اپنی معشوقہ کی بھی خوب تشہیر کیا کرتے تھے۔ مدعیان شرافت بڑی دلیری اور فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔

جہالت نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی۔ بت پرستی نے انسانی دل و دماغ پر قابض

ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ فطرت کی ہر ایک چیز‘ پتھر‘ درخت‘ سورج‘ پہاڑ اور دریا وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگ گئے تھے۔ اس طرح وہ خدا کی عظمت و جلال کے فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قدر و قیمت کو بھی بھول چکے تھے۔ اس لئے انسانی حقوق کا نہ کوئی ضابطہ تھا اور نہ ایسے حقوق کو صحیح مرکز پر لانے کیلئے کوئی قانون تھا۔ قتل انسان‘ رہزنی‘ حبس بیجا‘ تصرف ناجائز‘ مداخلت بے جا‘ عورتوں کو جبر یا پھسلاہٹ سے بھگا لے جانا‘ بیٹیوں کو زندہ پیوند خاک کر دینا اسی شجر کے ثمر تھے کہ بت پرستی‘ نے ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ حقیر ہستی انسان ہی کو بنا دیا تھا۔

عرب میں مختلف حکومتوں اور سلطنتوں کے تعلق کی وجہ سے تمام ملک میں مختلف مذاہب اور بھی پائے جاتے تھے۔ یہودیوں کو جب یونانیوں اور سریانیوں نے اپنے علاقہ سے نکال دیا تو وہ عرب کی طرف چلے آئے اور بنو اسماعیل نے اپنے چچا زاد بھائیوں کا خیر مقدم کیا اور ان کے مذہب نے حجاز اور نواحِ خیبر و مدینہ میں اچھی اشاعت پائی۔ چنانچہ یہودی‘ عیسائی‘ صابی وغیرہ ایسے مذاہب ہیں‘ جن کے نام سن کر ناواقف شخص دھوکہ کھا جاتا ہے۔ کہ ان لوگوں میں ان مذاہب کی عمدگیوں کے نمونے بھی پائے جاتے ہوں گے‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کرنے کی بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پانچ ہزار سال پہلے کلدانی سلطنت کے شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ کلدانی اپنے وقت کی شائستہ اور متمدن قوم تھی۔ نصف کرہ ارض پر اس کا پرچم لہرا رہا تھا۔ چار سو سال سے خاندان نمرود اس پر حکمران تھا۔ اس کا مذہب ستارہ پرستی اور بت پرستی تھا۔ اپنی عظیم سلطنت اور جاہ و جلال کے باعث نمرود نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اس کے عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ بت شکن تھے جنہوں نے نمرود کے دعویٰ کی تکذیب کی جس کے باعث انہیں طرح طرح کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ ادھر صانع قدرت نے ان کے اعلان حق و صداقت پر یہ اعزاز بخشا کہ نار میں گلزار آراستہ کر دی۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے اپنی زندگی میں طویل مسافتیں طے کر کے قوموں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام توحید پہنچایا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام قوموں کا باپ مشہور ہو گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبری عطا ہوئی تو حضرت خلیل اللہ رب کائنات کے حکم سے حضرت

حاجرہ علیہ السلام اور شیر خوار بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لق و دق صحرا جس میں کوئی انسان موجود نہ تھا' چھوڑ کر چلے گئے اور خود بدستور فلسطین میں مقیم رہے' البتہ کبھی کبھی مکہ مکرمہ تشریف لاتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق سامی نسل سے تھا۔ مکہ مکرمہ تشریف لانے سے پیشتر یہاں بنی جرہم قبیلہ کے آثار بھی ملتے تھے۔ بنو جرہم اور حضرت حاجرہ علیہ السلام کی زبانیں مختلف تھیں۔ چونکہ مخزن و مخرج ایک جیسا تھا چنانچہ آپس میں میل ملاپ کی وجہ سے ایک نئی زبان عربی کے سانچے میں ڈھل گئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی یہی زبان سیکھی' لیکن یہ عربی ظہور اسلام کی عربی سے کچھ مختلف تھی۔ شاید یہی وجہ ہو کہ آپ کی اولاد مستعربہ (مخلوط) عرب کہلاتی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پندرہ برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ حضرت حاجرہ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ جب بالغ ہوئے تو ان کا پہلا نکاح قوم عمالقہ میں عمارہ بنت سعد سے ہوا۔ طبائع کے اختلاف کے باعث گزر نہ ہو سکی تو قبیلہ بنو جرہم کے سردار کی بیٹی سعیدہ بنت مضاض سے شادی ہوئی جس کے بطن سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں دوسرا بیٹا قیدار بہت مشہور ہوا۔ قیدار حجاز میں آباد ہوا۔ اس کی اولاد شاخ در شاخ وسیع خاندان میں منقسم ہوتی رہی۔ ان میں قریش عبد مناف کا خانوادہ معزز و ممتاز ہوا۔ قریش کے مورث اعلیٰ نضر بن کنانہ کی نسل سے قصی بہت باہمت نکلا۔ بیت اللہ کی تولیت بھی قیدار کے حصہ میں آئی۔ قصی نے کعبہ کے آخری متولی خلیل بن حیتہ الخزاعی کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ عبدالدار' عبد مناف' عبدالعزیٰ اور عبد قصی۔ عبد مناف کا بیٹا عبدالشمس امیہ کا باپ اور حرب کا دادا تھا۔ عبد مناف کا دوسرا بیٹا ہاشم تھا اور ہاشم کا بیٹا عبدالمطلب جس کی کنیت ابو حارث تھی۔ عبدالمطلب کے دس فرزند تھے۔ جن میں حضرت ابو طالب' حضرت حمزہؓ' حضرت زبیر' حضرت عباس اور سرور کائنات کے پدر بزرگوار جناب عبداللہ بہت مشہور ہوئے۔ جناب عبداللہ جس رات پیدا ہوئے علمائے اہل کتاب نے کہا کہ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹوں کی نسل بھی بڑی پھلی پھولی حتیٰ کہ نجد' عراق اور مصر تک پھیل گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالنے والے بھی اولاد اسماعیل کے تاجر

تھے جو سامان تجارت لے کر مصر جا رہے تھے۔

اوپر جو نسب بیان کیا گیا وہ پدری اور جدی سلسلہ تھا۔ مادری سلسلہ نسب کچھ یوں ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرۃ بن کلاب بن مرہ۔ کلاب پر مادری اور پدری دونوں سلسلہ نسب جمع ہو جاتے ہیں۔

عدنان

قیدار' اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ عدنان' معد' ربیعہ' خزیمہ اور اسد یہ سب ملت ابراہیمی پر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مضر اور ربیعہ کو برا مت کہو۔ وہ اسلام پر تھے۔

معد

معد العاد سے مشتق ہے۔ بڑے بہادر اور جنگ جو تھے۔ ساری عمر بنی اسرائیل سے جنگ اور مقابلہ میں گزری اور ہر لڑائی میں مظفر و منصور رہے۔ ابونزار ان کی کنیت تھی۔ معد بن عدنان بخت نصر کے زمانہ میں بارہ سال کے تھے۔ اس زمانہ کے پیغمبر ارمیا بن حلقیاء پر اللہ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی کہ بخت نصر کو اطلاع کر دو کہ ہم نے اسے عرب پر مسلط کیا اور آپ معد بن عدنان کو اپنے براق پر سوار فرمائیں تا کہ معد کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔

(طبقات' ج 1' صفحہ 28)

نزار

نزار' نزر سے مشتق بمعنی قلیل ہے۔ نزار چونکہ اپنے زمانہ کے یکتا تھے اس لئے نزار ان کا نام ہو گیا۔

(فتح الباری' ج 7' صفحہ 125)

علامہ سہیلی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب نزار پیدا ہوئے۔ تو ان کی پیشانی نور محمدی سے چمک رہی تھی۔ مدینہ منورہ کے قریب مقام ذات الجیش میں ان کی قبر ہے۔

مضر

ان کا اصل نام عمرو تھا' ابو الیاس کنیت تھی۔ مضر ان کا لقب تھا۔ مضر ماضر سے مشتق ہے' جس

کے معنی ترش کے ہیں۔ ترشی اور دہی آپ کو بہتر مرغوب تھی۔ اس لئے مضر کے نام سے مشہور ہوئے۔

الیاس

حضرت الیاس علیہ السلام کے ہم نام بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجنے کی سنت سب سے پہلے آپ نے جاری کی۔ الیاس بن مضر کے متعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ الیاس کو برا مت کہو وہ مومن تھا۔

نضر

نضر نضارہ سے مشتق ہے جس کے معنی رونق اور تروتازگی کے ہیں۔ حسن و جمال کی وجہ سے ان کو نضر کہتے تھے اصل نام قیس تھا۔

مالک

مالک نام ابوالحارث کنیت تھی اور عرب کے بڑے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔

فہر

فہر نام اور قریش لقب ہے۔ انہی کی اولاد کو قریش کہتے ہیں۔

قبل ازیں قصی سے متعلق مختصر تعارف ہو چکا ہے۔ قصی کا نام مجمع تھا جو جمع سے مشتق ہے۔ قصی نے قریش کے تمام قبائل کو مکہ میں جمع کیا اور ایک جگہ آباد کیا۔ امام احمد حنبل اور امام شافعیؒ کی روایات کے مطابق قصی کا نام زید تھا۔ قصی بڑے حکیم اور دانا تھے۔ عرب میں ان کو خاص اقتدار حاصل تھا۔ قصی نے دار الندوہ کے نام سے ایک مجلس مشاورت قائم کی تھی جس میں تمام اہم اور ضروری مشورے ہوتے تھے۔ دار الندوہ عرب کا باب حکومت اور پارلیمان تھا۔ حجابت، سقایت، رفادہ، ندوہ اور لوا جیسے تمام مناصب کے تنہا علم بردار قصی تھے۔ باقی مناصب اور عہدے مختلف قبائل پر تقسیم ہوئے۔ جن کی مختصر تشریح کچھ اس طرح ہے:۔

1- حجابت

بیت اللہ کی دربانی اور مسجد حرام کی خدمت۔ یہ خدمت بنی عبدالدار کے سپرد تھی۔ جس کو عثمان بن طلحہ انجام دیتے تھے۔

2- سقایت

حجاج کو زم زم کا پانی پلانا۔ یہ خدمت بنو ہاشم کے سپرد تھی۔ بنی ہاشم کی جانب سے حضرت

عباس یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

3- رفادت

فقراء اور مساکین، حجاج اور مسافرین کی اعانت و امداد کرنا۔ اس محکمہ میں محتاجوں کی امداد کیلئے کچھ رقم جو چندہ سے حاصل کی جاتی تھی، جمع رہتی تھی۔ اس منصب پر وارث بن عامر بنی نوفل کی جانب سے مامور تھے۔

4- عمارت

مسجد حرام اور بیت اللہ کی حفاظت، تعمیر اور مرمت حضرت عباس بنی ہاشم کی جانب سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

5- سفارت

دو فریق کا کسی معاملہ میں مراسلت کرنا۔ یہ خدمت بنی عدی میں سے حضرت عمرؓ بن الخطاب کے سپرد تھی۔

6- ندوہ

یعنی مشورہ، بنی اسد میں سے یزید بن زمعہ بن الاسود مجلس شوریٰ کے امیر تھے۔

7- قبہ

بوقت جنگ فوج کیلئے خیموں کا انتظام کرنا۔ یہ خدمت بنی مخزوم کے سپرد تھی۔ بنی مخزوم کی جانب سے خالد بن الولید اس خدمت کو سرانجام دیتے تھے۔

8- لواء

علم برداری اس کو عقاب بھی کہتے تھے۔ علم برادری بنو امیہ کے سپرد تھی جس کو ابوسفیان اموی (امیر معاویہ کے والد) پورا کرتے تھے۔

9- اعنہ

زمانہ جنگ یا زمانہ گھوڑ دوڑ میں گھوڑوں اور سواروں کا انتظام کرنا۔ اس خدمت کو بھی بنی مخزوم کی جانب سے خالد بن الولید انجام دیتے تھے۔ غرض یہ کہ خالد بن الولید زمانہ جاہلیت میں بھی امیر الحرب تھے۔

10- اشناق

قبائل کے باہمی مناقشات رفع کرنے کیلئے دیت اور تاوان کا ادا کرنا اور جس شخص میں دیت اور تاوان دینے کی طاقت نہ ہو اس کی اعانت اور امداد کرنا۔ یہ خدمت بنی تمیم میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سپرد تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جس کام کیلئے کھڑے ہو جاتے تو قریش حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق کرتے اور دل و جان سے اس میں اعانت و امداد کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوا اگر کوئی کھڑا ہوتا تو پھر قریش اس کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔

11- اموال محجرہ

اموال موقوفہ بتوں کی نذر و نیاز کیلئے وقف کئے جاتے تھے۔ بنی سہم اموال موقوفہ کے منتظم تھے۔ بنی سہم سے حارث بن قیس ان اوقاف کے متولی تھے۔

12- ایسار و ازلام

تیروں سے فال نکالنا کہ اس وقت سفر کرنا مبارک ہے یا منحوس۔ بنی خزرج میں سے صفوان بن امیہ محکم فال کے مہتمم تھے۔

عبد مناف

عبد مناف کا نام مغیرہ تھا۔ بہت حسین و جمیل تھے۔ اسی وجہ سے ان کو قمر البطحا بھی کہتے تھے۔

ہاشم

ہاشم کا نام عمر تھا۔ مکہ میں قحط تھا۔ ہاشم نے شوربہ میں روٹیاں چورہ کر کے اہل مکہ کو کھلائیں۔ اس لئے ان کا نام ہاشم ہو گیا۔ ہشم کے معنی چورہ کرنے کے ہیں۔ ہاشم اس کا اسم فاعل ہے۔ عمرو بلند مرتبہ تھا اور تمام اہل مکہ کو ثرید بنا کر کھلایا کرتا تھا۔ نہایت سخی تھا۔ دستر خوان بہت وسیع تھا۔ غریب مسافروں کو سفر کیلئے اونٹ عطا کرتا۔ نہایت حسین و جمیل تھا اور نور نبوت اس کی پیشانی پر چمکتا تھا۔ بنو اسرائیل آپ کو دیکھتے تو سجدہ کرتے اور ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ ایام حج میں ہاشم تمام حجاج کو گوشت، روٹی اور ستو اور کھجور کھلاتے اور زم زم کا پانی پلاتے۔ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں بھی

کھانے پینے کا انتظام کرتے۔

امیہ بن عبدالشمس

امیہ کو ہاشم کا جود و سخا اور تمام عرب میں ان کا اقتدار بہت شاق اور گراں گزرتا۔ امیہ نے بڑی کوشش کی کہ ہاشم کی طرح لوگوں کو کھلائے پلائے مگر باوجود ثروت و دولت کے ہاشم کا مقابلہ نہ کر سکا۔ بنی ہاشم سے بنی امیہ کی عداوت کا سلسلہ اوّل یہیں سے شروع ہوا۔ عبدالمطلب ہاشم کے فرزند ارجمند تھے۔ پیدائش کے وقت ان کے سر میں ایک سفید بال تھا' اس لئے شیبہ نام رکھا گیا۔ ہاشم دوران تجارت غزہ میں انتقال کر گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

(طبقات الکبریٰ' ج 1 'صفحہ 46-45)

قریش میں اس دستور کی بنا انہوں نے رکھی تھی کہ مکہ سے باقاعدہ طور پر دو تجارتی کاروان روانہ کئے جائیں۔ ایک موسم سرما میں یمن کی طرف اور دوسرا گرمیوں میں شام کی طرف۔ ان کا اکلوتا بیٹا شیبہ (عبدالمطلب) ایک کنیز خاتون سلمیٰ کے بطن سے تھا۔

عبدالمطلب

عبدالمطلب کا نام شیبہ تھا۔ نہایت خوبصورت اور حسین و جمیل جوان تھے۔ عبدالمطلب کے لفظی معنی ''مطلب کا غلام'' ہیں۔ ان کے چچا مطلب نے ہاشم کی وفات پر ان کو اپنی کفالت میں لے لیا اس لئے عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ عبدالمطلب قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت' سب سے زیادہ قوی' سب سے زیادہ حلیم' سب سے زیادہ بردبار اور سب سے زیادہ کریم و سخی' سب سے زیادہ شر اور فتنہ فساد سے دور بھاگنے والے اور قریش کے مسلم سردار تھے۔

(طبقات الکبریٰ' ج 1 'صفحہ 51)

مطلب نے 520ء کے آخر میں شہر غزوان میں وفات پائی اور ان کے بعد عبدالمطلب مکہ کی جمہوری ریاست کے سربراہ بنے۔ مکے کی حکومت ارباب اقتدار کی ایک جماعت خواص

کے ہاتھوں میں تھی۔ جو خاندان قصی کے سر برآوردہ افراد پر مشتمل تھی۔ جب عبدالمطلب نے چاہ زم زم کو از سر نو دریافت کیا اور اس کی نگرانی کے بارہ میں تنازعات کا تصفیہ ہو گیا تو اس وقت جو جماعت برسر اقتدار تھی وہ دس افراد پر مشتمل تھی جو ''شریف'' کے لقب سے ملقب تھے۔ ان عمائدین کا مرتبہ ریاست میں سب سے بلند تھا۔ ان کے عہدے موروثی تھے۔ جن کا حق خاندان کے سب سے بڑے رکن یا سربراہ کو پہنچتا تھا۔ یہ عہدے حسب ذیل تھے:۔

-1 حجابہ

(سدانہ) خانہ کعبہ کی چابیوں کی نگہداشت ایک متبرک عہدہ جو اونچا درجہ رکھتا تھا۔ یہ عہدہ خاندان عبدالدار کے حصہ میں آیا تھا اور جب اہل مکہ نے اسلام قبول کیا تو اس عہدے پر عثمان بن طلحہ فائز تھے۔

-2 سقایہ

یعنی زم زم کے مقدس کنوؤں کا اور ان کے تمام پانی کا اجارہ جو حجاج کے استعمال کیلئے مخصوص تھا۔ یہ عہدہ بنو ہاشم کے خاندان میں تھا اور فتح مکہ کے وقت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس اس پر مامور تھے۔

-3 دیات

یعنی دیوانی اور فوجداری عدالت' جو مدت دراز تک تمیم ابن مرہ کے خاندان میں رہی تھی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت عبداللہ بن قحافہ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اس منصب پر فائز تھے۔

-4 سفارہ

یا حکومت کی نمائندگی۔ جس شخص کے ہاتھوں میں یہ عہدہ ہوتا تھا' وہ ریاست کا وکیل مطلق سمجھا جاتا تھا اور اسے اس بات کا پورا اختیار حاصل ہوتا تھا کہ قریش اور دوسرے عرب قبائل اور غیر ملکی لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو جاتے تھے ان کے بارے میں مذاکرات کرے اور تصفیہ کرے۔ اس عہدے پر حضرت عمر متعین تھے۔

5- لواء

یعنی جس پرچم تلے جمع ہو کر قوم دشمن سے جنگ کرنے جاتی تھی۔ اس کی محافظت' قومی جھنڈے کا محافظ تمام افواج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔ یہ قومی عہدہ خاندان بنوامیہ میں تھا اور اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدترین دشمن ابوسفیان بن حرب قابض تھا۔

6- رفادہ

یعنی اس رقم کا انتظام جو خیرات سے جمع کی جاتی تھی اور جو غریب حجاج کیلئے' وہ مقامی ہوں یا مسافر' جنہیں حکومت خدا کے مہمان سمجھتی تھی' کھانے پینے کا انتظام کرنے پر خرچ کی جاتی تھی۔ یہ خدمت جو ابوطالب کو مطلب سے ملی' ان کی وفات کے بعد نوفل بن عبدمناف کے خاندان میں منتقل ہوگئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حارث بن عمرو اس پر مامور تھے۔

7- ندوہ

یعنی قومی مجلس کی صدارت۔ جو شخص اس عہدے پر مامور ہوتا تھا' وہ حکومت کا مشیر اعلیٰ تصور کیا جاتا تھا اور تمام امور سلطنت اسی کے مشورہ سے انجام پاتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہ عہدہ عبدالعزیٰ بن قصی کے خاندان کے ایک فرد اسود کے قبضے میں تھا۔

8- خائمہ یا قبہ

یعنی قومی جلسہ گاہ کی تولیت۔ یہ منصب جس کے مالک کو یہ حق ہوتا تھا کہ مجلس کو اکٹھا کرے' بلکہ یہ حق بھی ہوتا تھا کہ فوجوں کو جنگ کیلئے جمع کرے' خالد بن ولید کے سپرد تھا' جو مخزوم بن مرہ کے خاندان میں سے تھے۔

9- خازنہ

یعنی بیت المال کا انتظام' حسن بن کعب کے خاندان میں تھا اور حارث بن قیس اس پر قابض تھا۔

10- ازلام

یعنی ان تیروں کی نگہبانی جو بتوں سے استخارہ کرنے کیلئے چلائے جاتے تھے۔ یہ عہدہ ابوسفیان کے بھائی صفوان کے ہاتھوں میں تھا۔

یہ سب عہدے اپنی اپنی جگہ تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ مسلمہ دستور تھا کہ ''اشراف'' میں جو شخص سب سے معمر ہوتا تھا اسے سب سے زیادہ اثر ورسوخ حاصل ہوتا تھا اور اسے رئیس یا سید کے خطاب سے پکارا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مرتبہ حاصل تھا۔

زم زم

خانہ کعبہ کے مشرق میں زم زم ایک قدرتی چشمہ ہے۔ یہ چشمہ ایک معصوم بچے کی پیاس بجھانے کیلئے قدرت کی طرف سے ایک عطیہ ہے۔ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم پر جناب حضرت حاجرہ ام العرب اور معصوم حضرت اسماعیل کو کچھ کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ دے کر رخصت ہوئے۔ خوراک اور پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو یہ چشمہ جناب اسماعیل کی ایڑیوں کی رگڑ سے معرض وجود میں آیا۔ حضور سرور عالم نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قدر جوش میں تھی کہ اگر جناب حاجرہ اس کے گرد ریت کی منڈیر نہ بناتیں اور زم زم ''ٹھہر ٹھہر'' نہ فرماتیں تو یہ پانی ساری دنیا میں پھیل جاتا۔

قبیلہ جرہم

قبیلہ جرہم کے وطن یمن میں مشیت ایزدی سے قحط پڑا۔ بنی جرہم تلاش معاش میں نکلے۔ اتفاق سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت حاجرہ سے چاہ زم زم کے قریب ملاقات ہو گئی۔ بنو جرہم کو یہ جگہ پسند آئی اور یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بنی جرہم میں ہوئی اور بنو عمالقہ جرہم اور یمن کی طرف مبعوث ہوئے۔ ایک سو تیس سال عمر پائی اور حطیم میں اپنی والدہ محترمہ کے قریب مدفون ہوئے۔ حضرت اسماعیل کے وصال کے بعد ان کے بیٹے قیدار خانہ کعبہ کے متولی ہوئے۔ مرور زمانہ کے بعد بنو اسماعیل اور بنو جرہم میں منازعت اور مخاصمت کی نوبت آئی۔ بنی جرہم غالب آ گئے اور مکہ میں بنو جرہم کی حکومت قائم ہو گئی۔ بنو جرہم کے مظالم سے تنگ آ کر اولاد اسماعیل مکہ کے اطراف و جوانب میں آباد ہو گئی۔ جرہم کے فسق و فجور اور ظلم وستم سے تنگ آ کر قبائل عرب مقابلے کیلئے اٹھ کھڑے ہو گئے۔ مجبوراً

قبیلہ جرہم کو مکہ سے نکلنا پڑا لیکن جس وقت مکہ سے نکلنے لگے تو خانہ کعبہ کی تمام اشیاء کو چاہ زم زم میں دفن کر گئے' جب مکہ کی حکومت اور سرداری عبدالمطلب کے قبضہ میں آئی تو وہ اس جانب متوجہ ہوئے کہ چاہ زم زم عرصہ سے بند اور بے نام و نشان پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ عبدالمطلب قریش کے مشورے سے کدال اور پھاوڑا لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور نشان کے مطابق کھودنا شروع کیا۔ تین روز کے بعد چاہ زم زم ظاہر ہوا۔ عبدالمطلب نے فرط مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ یہی اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔ کنویں سے چند تلواریں اور سونے کے ہرن کے بت بھی نکلے جو بعد ازاں کعبہ میں رکھے گئے۔ یہ واقعہ حضور نبی علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری سے چند روز پہلے کا ہے۔

حضرت عبداللہ کا فدیہ

سرزمین عرب میں خانہ خدا کے معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد قریش کے مورث اعلیٰ نضر بن کنانہ کی نسل میں ہاشم ہوش منداور بہ اعتبار عقل و دانش نہایت ممتاز تھے۔ ہاشم جوانی میں شام کا سفر کرتے ہوئے جب یثرب پہنچے تو بنونجار کی ایک صاحبزادی سے جو حسن و جمال میں یکتا تھی اور سلمٰی کے نام سے پکاری جاتی تھی' نکاح کر لیا' سلمٰی کے بطن سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے ایک کا نام عبداللہ تھا۔ باپ نے منت مانی کہ میرے نونہال بار آور ہوں تو ایک کو اللہ تعالیٰ کی نذر کروں گا۔ جب بیٹے جوان ہوئے تو کعبہ کا متولی قرعہ اندازی کرتا ہے اور عبداللہ کا نام نکلتا ہے۔ سرداران قریش عبدالمطلب پر زور دیتے ہیں کہ بیٹے کے عوض اونٹ قربان کر دو۔ ایک کاہنہ ''عرافہ قطبہ'' کی تائید سے فیصلہ ہوتا ہے چنانچہ جب ہدایہ کی تعداد ایک سو اونٹوں تک پہنچتی ہے تو نام اونٹوں کا نکلتا ہے۔ اس طرح عبداللہ بچ جاتے ہیں۔

نبیوں کا خاندان بلا مبالغہ ممتاز اور شریف ہوتا ہے۔ سرور کائنات کے آباؤ اجداد کا خاندانی کردار بلند و بے عیب ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کی تربیت کا اہتمام خود قدرت بطور خاص کرتی ہے۔ اولاد آدم میں کوئی بھی ان کی عالی نسبی بزرگی و برتری تک نہ پہنچ سکا۔ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ دونوں باپ بیٹا قرآن السیدین تھے۔ ان کی اولاد کو تمام جزیرہ نمائے

عرب میں جو عزت وتکریم نصیب ہوئی کوئی دوسرا خاندان ان کا ہمسر نہ ہو سکا۔ جناب عبداللہ سن بلوغت کو پہنچے تو رشتہ کی تلاش ہوئی۔ 25 سال کی عمر میں قبیلہ زہرہ کی عالی نژاد پاک دامن بی بی آمنہ بنت وہب کے ساتھ نکاح ہوا۔ اس سے پہلے عبدالمطلب نے اسی دودمان عالی کی صاحبزادی ہالہ بنت وہب سے شادی کر لی تھی۔ جس کے بطن سے حضرت حمزہ پیدا ہوئے۔ جناب عبداللہ معمول کے مطابق کچھ عرصہ سسرال میں رہے۔ چند ماہ ازدواجی زندگی گزاری پھر تجارت کے سلسلہ میں شام کا سفر کیا۔ واپسی پر یثرب پہنچ کر بیمار ہو گئے اور یہیں انتقال کر گئے۔ دارالنابغہ جعدی میں دفن ہوئے۔

ابرہہ

مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ اہل عرب کی عبادت گاہ تھی۔ شام سے یمن تک یعنی شمال سے جنوب تک لوگ یہاں عبادت کیلئے آتے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ یمن کے حبشی حکمران کے دل میں حسد پیدا ہوا کہ کیوں نہ مکہ مکرمہ سے اللہ تعالیٰ کا گھر العیاذ باللہ برباد کر دیا جائے اور یمن میں ایک گرجا تیار کیا جائے تاکہ لوگ یہاں آ کر عبادت کریں' اس طرح یمن کی معیشت اور تجارت بھی بڑھے گی۔ یہ سوچ کر اس نے ساٹھ ہزار فوج کا ایک لشکر تیار کیا جس میں ہاتھی شامل تھے۔ جب یہ فوج یمن سے روانہ ہوئی تو بنو ثقیف نے ابو رخال کو مکہ کے لئے رہنما ساتھ کر دیا۔ لیکن وہ طائف کے قرب وجوار میں پہنچ کر مر گیا اور اہل عرب نے اس کی قبر پر پتھر برسائے۔ یہ رسم آج تک جاری ہے۔

یہ بات بتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ ابراہہ کعبہ کو اقتصادی اور تجارتی غرض سے منہدم کرنا چاہتا تھا۔ ابرہہ جنوبی عرب میں حبشہ کی جانب سے گورنر اور فوج کا افسر اعلیٰ تھا۔ ابرہہ ایک جاہ پسند حکمران تھا۔ جنوبی عرب میں جو اس کے کتبے ملے ہیں ان سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس نے ہر کتبہ میں اپنے نام کو مختلف القاب و آداب سے لکھایا ہے۔ ابرہہ نے چاہا کہ مکہ کی بین الاقوامی تجارتی حیثیت کو ختم کر دے اور صنعاء کو یہ حیثیت دے دے اور ایک کعبہ بشکل کلیسا یمن میں تعمیر کر دے۔ اس کلیسا نما کعبہ کی تعمیر کے بعد بھی بین الاقوامی منڈی مکہ سے جنوب عرب کی طرف منتقل نہ ہوئی تو اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کعبہ کو مسمار کر دے تاکہ یمن کا دارالحکومت صنعا عالمی منڈی بن

جائے۔ابرہہ کا یہ اقدام تجارتی غرض سے تھا۔چونکہ ابرہہ ہاتھیوں کا لشکر لیکر مکہ کی طرف روانہ ہوا تھا اس لئے عرب اس کی راہ گذر کو خط الفیل اور اس کی راہ میں پڑنے والے چشمے کو عین الفیل اور جس راہ سے وہ مکہ میں داخل ہوا۔اسے باب الفیل کہتے تھے۔حتیٰ کہ 570ء کو جس میں وہ مکہ آیا' عام الفیل کہتے تھے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی سال پیدا ہوئے۔

عام الفیل

غرض ابرہہ نے کعبے کے انہدام کی نیت سے مکہ پر چڑھائی کیلئے ایک زبردست فوج ترتیب دی اور ایک بڑے ہاتھی پر سوار ہو کر مکہ کا رخ کیا۔قریش کو اس فوج کی خبر ہوئی تو وہ سخت تشویش میں مبتلا ہوئے۔یمن کے شیخ ذونضر نے ابرہہ سے مقابلہ کیا تا کہ ابرہہ کو کعبہ کے انہدام سے باز رکھے لیکن اس کی جماعت مقابلہ میں نہ ٹھہر سکی۔ابرہہ نے ذونضر کی فوج کو قید کر لیا۔اسی طرح نفیل بن حبیب خثعمی نے شہران اور ناہس کے قبیلوں کے لوگوں کو ہمراہ لے کر ابراہہ سے ٹکر لی لیکن شکست کھائی اور اس کی فوج بھی گرفتار ہوگئی۔اصحاب الفیل کا لشکر طائف پہنچا تو طائف والوں نے درخواست کی کہ ہماری عبادت گاہوں میں لات کی پرستش ہوتی ہے۔آپ جس عبادت گاہ کو منہدم کرنا چاہتے ہیں وہ مکہ ہے چنانچہ طائف کے کچھ لوگ ابرہہ کی راہنمائی کیلئے ساتھ ہو لئے۔مکہ کے قریب پہنچ کر ابراہہ نے چند فوجیوں کو مکہ کی حدود میں داخل ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ اہل مکہ کے مال میں سے جو کچھ ان کے ہاتھ لگے لوٹ لائیں۔اس لوٹ سے عبدالمطلب کے سو اونٹ بھی حبشیوں کے تصرف میں آ گئے۔قریش پہلے حملہ پر تیار ہوئے لیکن مقابلہ کی طاقت نہ ہونے کی بنا پر حملہ کا ارادہ ترک کر دیا آخر ابرہہ کا ایک قاصد امیر قریش کے پاس آیا اور امیر قریش عبدالمطلب سے کہا ہمارا مقصد جنگ نہیں ہم صرف کعبہ کو منہدم کرنا چاہتے ہیں۔اس گفت وشنید میں کچھ وقت گزرا لیکن آخر الامر ماہ محرم الحرم میں یمن کا یہ حبشی جوار مکہ میں پہنچا تو اہل مکہ کو تشویش ہوئی کہ ہم کمزور قبائل ایک منظم فوج کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔ابرہہ کے سپاہیوں نے اہل مکہ کے اونٹ گھیر لئے۔جناب عبدالمطلب اپنے اونٹ چھڑانے کیلئے ابرہہ کے پاس گئے۔وہ پیکرِ غرور آپ کی بات سن کر مسکرایا اور کہا:۔

''تم اونٹ چھڑانے آئے ہو۔میں تو خانہ کعبہ کو مٹانے آیا ہوں۔''

عبدالمطلب نے تاریخی جواب دیا۔

''اونٹ میرے ہیں میں لینے آیا ہوں۔ کعبۃ اللہ خدا کا گھر ہے۔ وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔''

یہ سن کر ابرہہ نے غصہ میں آ کر اونٹ چھوڑ دیئے اور حکم دیا کہ مکہ پر حملہ کر دیا جائے۔ قریش یہ دیکھ کر پہاڑوں کی غاروں میں روپوش ہو گئے۔ اس وقت عبدالمطلب نے کعبہ کا غلاف تھام کر دعا کی کہ اے مالک ''اپنا گھر خود سنبھال'' کہا جاتا ہے۔ اس وقت کچھ خوفناک آوازیں بلند ہوئیں اور آسمان پر ابابیلوں کا غول نمودار ہوا' جن کی ہر چونچ میں تین تین کنکریاں تھیں۔ ساتھ ہی ابرہہ کے لشکر پر کنکریوں کی بارش ہو گئی۔ تمام لشکر' ہاتھی' گھوڑے' اونٹ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو گئے۔ خود ابرہہ کے اعضاء جھڑ گئے۔ انگلیاں گر گئیں' گوشت کا لوتھڑا رہ گیا۔ یہ واقعہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پچپن دن پہلے ظہور پذیر ہوا۔ قرآن پاک نے سورہ ''الفیل'' میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ جب ابرہہ کی فوج مکمل تباہ و برباد ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب بھیجا جو سب کو بہا کر دریا برد کر گیا۔

(زرقانی' ج 1' صفحہ 390-383)

قاری کو اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام کس قدر مشکل تھا۔ انہوں نے اس فرض کو کیسی خوش اسلوبی' صبر وعلم' استقامت اور تحمل سے شروع کیا۔ کیوں کر تہذیب اور تمدن اور علم و اخلاق کو پھیلایا۔ کیوں کر قوموں اور ملکوں کو ایک بنایا۔ کس طرح انسان کا درجہ بلند کیا۔ کس طرح توحید کی اشاعت کی اور انسان کے دل پر عظمت و کبریائے ربانی کا نقش قائم کرنے کے بعد کس طرح جملہ اشیاء و اسباب کا خادم انسان ہونا ثابت کر دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح نسل اور قومیت کی خصوصیتوں' ملک و مقام کی حالتوں' امیری اور مذہبی کے امتیازوں اور فاتح اور مفتوح کے تقاضوں' مختلف زبانوں' مختلف رنگتوں کے مابہ الامتیاموں سے قطع نظر کر کے کیسی خوش اسلوبی سے سب کو دین واحد کے رشتہ سے متحد و متفق یکساں و مساوی' ہم سطح و ہم خیال' ہم اعتقاد و ہم آواز بنایا۔ اور جب وہ اس عظیم الشان کام کو انجام

دے چکے' بندوں کو خدا سے نزدیک اور قوموں سے قریب بنا چکے' نفرت و عداوت کی جگہ نصرت و اخوت کو بٹھا چکے' ظلمت اور جہالت کو نکال کر ان کے دلوں پر نور صداقت و حلم کو متمکن کر چکے' تب کیسی فارغ البالی' کشادہ پیشانی اور مسرت کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان کام کا اندازہ کرنے کیلئے دیکھو کہ اسلام کا بیج کیسے پاک قلوب میں بویا گیا تھا۔ جو نیک پھل لائے تھے۔ نجاشی ملک حبشہ' جیفر ملک عمان' اکیدر شاہ دومتہ الجندل' نجد کے وحشی' تہامہ کے بدو اور یمن کے مسکیں دوش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں ہو رہے ہیں۔ عبداللہ بن سلام یہودیت' ورقہ بن نوفل عیسائیت اور عثمان بن طلحہ ابراہیمیت کی سند ہائے امامت چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار کئے جانے پر مفتخر ہیں۔

یہودیوں کا زرخرید غلام سلمان فارسی منا اہل البیت کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور بت پرستوں کے زرخرید غلام بلال حبشی کو فاروق اعظم بھی جس کی سطوت و ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے اندام پر لرزہ تھا' سید' سیدا آقا' آقا کہہ کر پکار رہا ہے' رنگتوں کا اختلاف' زبانوں کا تباین' قومیتوں کا تفرقہ' ملکی خصوصیت کا امتیاز سب کچھ جاتا رہا۔ حسب ونسب کی شرافت کا زبان پر لانا کمینگی کی دلیل بن گیا ہے۔ دین واحد نے سب کو ملت واحد بنا کر ایک ہی ولولہ دلوں میں' ایک ہی جوش طبیعتوں میں' ایک ہی خیال دماغوں میں' ایک ہی آوازۂ توحید زبانوں پر جاری کر دیا ہے۔ دشمن دوست بن گئے۔ جاں ستاں جانثار بن گئے ہیں۔ وہ عمرو بن عاص جو حبش میں نجاشی کے پاس قریش کا سفیر بن کر گیا تھا کہ مسلمانوں کو بطور مجرموں کے حاصل کرے' چند سال بعد وہی عمان کے بادشاہ کے پاس داعی اسلام بن کر جاتا ہے اور ہزاروں اشخاص کے مسلمان ہو جانے کی بشارت رسول رحمت صلی اللہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

وہی خالد بن ولید جو جنگ احد میں بت پرستوں کے رسالہ کی کمانڈ کرتا ہوا مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد حاضر ہو کر لات و عزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھوں سے منہدم کرتا ہے اور اسلامی فتوحات پر جوش گرم کمانڈر انچیف کا درجہ پاتا ہے۔ وہی عروہ

بن مسعود جو حدیبیہ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے قریش کا سفیر بن کر آیا تھا' خود بخود مدینہ میں حاضر ہوتا اور اپنی قوم میں دعوت اسلام کی اجازت حاصل کر کے اسی خدمت میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہی سہیل بن عمرو معاہدہ حدیبیہ میں بت پرستوں کی جانب سے کمشنر معاہدہ تھا اور جس نے عہد نامہ میں محمد کے ساتھ لفظ رسول اللہ لکھنے سے انکار کیا تھا' وفات نبوی کے بعد بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اسلام کی صداقت اور دین الٰہی کی تاکید میں ایسی زبردست تقریر کرتا ہے۔ جو سینکڑوں دلوں میں ایمان بھر دیتی ہے۔ وہی عمرؓ جو تلوار لے کر گھر سے رسول رحمت کا سر قلم کرنے کیلئے نکلا تھا۔ وفات نبوی کے دن وہی شمشیر برہنہ لے کر کہہ رہا تھا کہ جو کوئی کہے گا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ وہی وحشی جس نے امیر حمزہ کو شہید کیا' کلیجہ نکالا' اعضا کاٹے' جنازہ بے حرمت کیا تھا' کچھ دنوں بعد مسلمان ہو گیا' شرم و خجالت سے منہ چھپاتا پھرتا تھا اور بالآخر مسیلمہ جیسے کذاب کے قتل کو اپنی حرکتِ سابقہ کی تلافی سمجھتا ہے۔ وہی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو حقیقی چچا کا بیٹا ہو کر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں متواتر اشعار کہا کرتا تھا۔ جذبہ توفیق سے خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اور جنگ حنین کے میدان میں وہی اکیلا رکاب نبوی تھامے نظر آتا ہے۔ ابوسفیان بن حرب جو سات برس تک برابر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں فوجیں لاتا رہا اور مسلمانوں کے خلاف سارے ملک میں آتش فساد بھڑکاتا رہا۔ اسلام لا کر بخران کے عیسائی علاقہ پر اسلامی حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ طفیل دوسی جو مکہ میں روئی کی ڈاٹ کانوں میں ٹھونس کر پھرتا ہے کہ رسول رحمت کی آواز کان میں نہ پہنچے۔ بالآخر وطن میں گھر گھر جا کر رسول رحمت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ وہ عبد یالیل ثقفی جس نے طائف میں غلاموں اور بچوں کو پتھراؤ کرنے کیلئے رسول رحمت کے پیچھے لگا دیا ہے۔ آخر مدینہ حاضر ہو کر اپنی قوم کے پاس جواہر ایمان و ایقان لاتا ہے۔ وہی بریدہ بن الحصیب اسلمی جو قریش سے ایک سو سرخ شتر کے انعام کے وعدہ پر رسول رحمت کی گرفتاری کیلئے ستر سواروں کا دستہ لیکر نکلا چند ہی گھنٹے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا علمبردار بن جاتا ہے۔

یہ سب کرشمے اس پاک تعلیم کے تھے جو آہستہ آہستہ دلوں کو فتح کرتی جاتی تھی۔ اکثر انبیاء علیہ السلام نے معجزے دکھائے' لاٹھی' سانپ' پتھر' دریا' آگ کی قلب ماہیت یا سلب خاصیت کا نظارہ دیکھنے والوں کو نظر آیا۔ لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عظیم الشان معجزہ یہ دکھایا کہ دلوں کو بدل کر رکھ دیا اور روح کو پاکیزہ بنا دیا۔ انسان اور لاٹھی انسان اور سانپ' انسان اور پتھر میں جتنا تفاوت ہے' وہی تفاوت اس معجزہ اور دیگر معجزات میں بھی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو آج تک ان سب دماغوں کی حیرت و محویت کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ جنہوں نے رسول رحمت کے متعلق کچھ کہنا یا کچھ لکھنا چاہا ہے۔ کاش مسلمان اس پاکیزہ تعلیم کی قدر کریں۔ کاش وہ رسول رحمت کے پاکیزہ مقصد سے آگاہی حاصل کریں۔ کاش وہ اسلام کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھیں' کاش وہ اسلام کی بقا کو اپنی جانوں' اپنے بچوں' اپنے ماں باپ' پیر بزرگوں کی حیات و بقاء سے زیادہ ضروری سمجھنے لگیں۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں سانس لینے سے پہلے ہی یتیم ہو چکے تھے' اس لئے بیکسی اور غربت ایسے اوصاف ہیں جو حضور کے توام ہیں۔ ابتدائی عمر کے ایام دیہاتی زندگی میں بسر ہوئے اس لئے سادگی اور بے تکلفی نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ نشو ونما پائی۔ لڑکپن کا زمانہ ایسے وقت میں کٹا جب قوم حرب الفجار کی لڑائیوں میں مصروف تھی۔ اس لئے امن بسیط اور ہمدردی عامہ کی قدر و منزلت شروع ہی سے حضور کے خاطر نشین تھی۔ 25 سال کی عمر تک رسول رحمت نے شادی نہیں کی۔ تجرد کا یہ زمانہ جو عین عنفوان شباب کا عالم تھا' کمال عفت و عصمت' شرم و حیا سے بسر ہوا۔ دیکھنے والوں کی شہادت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر باشرم و حیا تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاش کیلئے تجارت کو پسند فرمایا تھا اور اس طرح ان بلند حوصلہ لوگوں کیلئے جو ثبات و استقلال' معاملہ فہمی اور ضرورت شناسی' حلم اور بردباری سے متصف ہوں' ہدایت فرمائی کہ تجارت سے بہتر اور کوئی معاش نہیں۔ مردانہ جمال میں کمال حسین' حسب و نسب میں عالی خاندان ہونے پر بھی ایک بیوہ عورت سے جو عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے پندرہ سال بڑی تھی' نکاح کیا اور اس سے عقدِ بیوگاں کی ضرورت اور عظمت پر نہایت شاندار نمونہ قائم فرمایا' نیز واضح کر دیا کہ متاہل زندگی میں بھی ہم کیوں کر شہوانی خیالات کے تقید سے آزاد رہ سکتے ہیں۔

یہ بیوی نہایت متمول تھی۔ لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قانعانہ قابلیت اور زاہدانہ سیرت کی وجہ سے اپنے آپ کو اپنی بیوی یا اپنے خاندان کی امداد مالی سے ہمیشہ مستغنی ثابت کیا اور اس طرح اپنی مدد آپ کرنے والوں کیلئے سرراہ ایک مشعل روشن فرمائی۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی صادقانہ اور ہمدردانہ زندگی کا اثر خونخوار عرب پر پھیلا دیا تھا اور سب کیلئے اپنے دلوں میں عزت و محبت کے ساتھ جگہ بنالی تھی۔ اور اس طرح راست بازوں کیلئے ایک درخشندہ مثال قائم فرما دی کہ کیوں کر نیکی اور صداقت کی طاقت ظلم اور جہالت کو مغلوب کر سکتی ہے۔ حضور نے تعاون و تمدن کی برکات اور طاقت کو سمجھا اور حلف الفضول کے قائم کرنے سے قیام امن اور حفاظت نوع انسان کی جدید راہ تیار کر دی اور ان منتظمین کو جو سچے دل سے کسی ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اس ملک کے باشندوں کو شریک انتظام کر لینے کے زریں اصول کو سبق دیا۔

لڑائی کا سلسلہ تو عرب میں مدت سے جاری تھی' مگر کہاں تک! حرب فجار کے بعد بعض طبیعتوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح زمانہ ماسبق میں قتل و غارت گری کے انسداد کیلئے فضل بن فضالہ' فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا تھا جو انہی کے نام پر ''حلف الفضول'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح اب دوبارہ اس کی تجدید کی جائے۔ زبیر بن عبدالمطلب نے بعض اشعار میں اس معاہدہ کا ذکر کیا ہے۔ جس سے متاثر ہو کر سب نے پختہ عہد کیا کہ مکہ میں پڑوسی اور آنے والا سب مامون و محفوظ ہیں۔ سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب اس معاہدہ پر حلف کے محرک ہوئے۔ بنو ہاشم اور بنو تیم عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔ اس وقت سب نے مظلوم کی حمایت و نصرت کا عہد کیا کہ مظلوم خواہ اپنا ہو یا پرایا۔ دیسی ہو یا پردیسی' حتی الوسع

اس کی اعانت اور امداد سے دریغ نہ کیا جائے گا۔

(طبقات ابن سعد۔ج 1 'صفحہ 83)

حنیف کے معنی ہیں جوئندہ حقیقت' حلف الفضول خوددار نوجوانوں کی ایک انجمن تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی فوج تھی جسے چند سرباز جواں مردوں نے قائم کیا تھا تا کہ کسی مظلوم کا حق کوئی ظالم نہ مار سکے۔ یہ لوگ رضا کارانہ طور پر خدمات سرانجام دیتے تھے۔ حلف الفضول کے جواں مرد کعبہ کے پاس جمع ہو کر قسم کھاتے تھے کہ

''ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہم مظلوم کی اس حد تک حمایت کریں گے کہ ظالم اس کے حق کی واپسی پر مجبور ہو جائے۔ ہم قسم کھاتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی لالچ نہیں کریں گے' خواہ مظلوم دولت مند ہو یا فقیر۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حلف میں شامل تھے۔

حرب فجار کے اختتام پر زبیر بن عبدالمطلب نے حلف الفضول کی سلسلہ جنبانی کی۔ بنو ہاشم اور بنو تیم عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور مظلوم کی حمایت ونصرت کا عہد کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلہ میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کیطرف بلایا جاؤں تو بھی اس کی شرکت کو ضرور قبول کروں گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عربوں کے دل میں دین حق کی تلاش کا خیال ڈال دیا اور بعض لوگ اس بت پرستی کے منکر ہو گئے۔ جو ان کی قوم میں رائج تھی۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل' عثمان بن حویرث' زید بن عمرو اور عبیداللہ بن جحش جمع ہوئے۔ پتھروں اور بتوں کی پرستش سے بیزاری کا اظہار کیا اور پھر مختلف ملکوں میں حنفیت یعنی دین ابراہیمی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ورقہ بن نوفل نصرانیت میں راسخ ہو گیا۔ عبیداللہ بن جحش مسلمان ہو گیا' پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا اور اسی حالت میں مرا۔ وہ مسلمان مہاجرین کے پاس جا کر کہتا کہ ہمیں تو بصیرت مل گئی مگر تم ابھی تک بینائی کی تلاش میں ہو۔ عثمان بن حویرث نے قیصر روم کے ہاں جا کر نصرانیت

اختیار کرلی اور بڑی قدر و منزلت پائی۔ زبیر بن عمرو کسی دین میں داخل نہ ہوا تاہم وہ بتوں اور قربانیوں سے علیحدہ ہو گیا۔ مردار اور خون کو حرام سمجھتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے سے منع کرتا تھا اور ان کے معبودوں کو صاف صاف عیب لگاتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تو ابراہیم علیہ السلام کے رب کی پرستش کرتا ہوں۔

بیت اللہ کی تعمیر جدید کے دوران حجر اسود کے نصب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ جب مختلف الخیال معاشرے کے لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ان کو کیوں کر مرکز واحد پر لایا جاسکتا ہے۔ نیز ثابت فرمادیا کہ خدشہ جنگ کے ٹال دینے اور امن کو مستحکم رکھنے کیلئے جنگی طاقت کی نہیں اعلیٰ دماغی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آنحضرت کی شان نبوت میں جملہ انبیاء کی شان نظر آتی ہے۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح جھٹلائے اور ستائے گئے پھر بھی صابر و شاکر ہی پائے گئے۔ آپ نے یحییٰ علیہ السلام کی طرح بیابانوں اور بستیوں میں خدا کی آواز کو پہنچایا۔ آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا کی عظمت و وحدت کو از سر نو زندہ فرمایا۔ آپ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر و شکیبائی کے ساتھ گھاٹی میں تین سال تک محصوری کے دن کاٹے اور پھر بھی آپ کا دل خدا کی ثنا گزاری سے لبریز اور زبان ستائش سے زمزمہ سنج رہی۔ آپ نے نوح علیہ السلام کی طرح قوم کے برگشتہ لوگوں کو خفیہ اور اعلانیہ، خلوت اور جلوت میں میلوں اور جلسوں میں، گزرگاہوں اور راہوں میں، پہاڑوں اور میدانوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور لوگوں کو ان کے افعال بد سے نفرت دلائی۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کرلی۔ مادر وطن کو چھوڑ کر شجرہ طیبہ اسلام کے لگانے کیلئے پاک زمین کی تلاش میں رہ نورد اور شب ہجرت کو اپنی تئیں داؤد کی طرح دشمنوں کے نرغہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ نے یونس علیہ السلام کی طرح غار ثور کے شکم میں تین دن رہ کر پھر مدینہ طیبہ میں کلمۃ اللہ کی آواز کو بلند فرمایا۔ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح شمالی عرب کو شاہ قسطنطنیہ کی ملوکیت سے اور مشرقی عرب کو کسریٰ ایران کی حلقہ غلامی سے اور جنوبی عرب کو شاہ حبش کے طوق بندگی سے نجات دلائی۔ آپ نے

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح مدینہ میں خدا کیلئے ایک گھر بنایا جو ہمیشہ کیلئے خدا کی یاد کرنے والوں سے معمور اور ضیاء توحید سے پرنور رہتا ہے جسے کوئی بخت نصر جیسا بادشاہ ویران نہیں کر سکا۔ آپ نے حضرت یوسف کی طرح اپنے ایذا رساں وستم پیشہ برادراں مکہ کیلئے نجد سے بتوسط ثمامہ بن اثال غلہ بہم پہنچایا اور بالآخر فتح مکہ کے دن لا تثریب علیکم الیوم کا مژدہ سنا کر انتم طلقاء فرمودہ سے انہیں پابندمنت' احسان بنایا۔ وقت واحد میں آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب حکومت تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح صاحب امامت بھی۔ ذات مبارک میں حضرت نوح علیہ السلام کی سی سرگرمی' حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی نرم دلی' حضرت یوسف علیہ السلام کی درگزر' حضرت داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات' حضرت یعقوب علیہ السلام کا گریہ' حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر' حضرت سلیمان علیہ السلام کی سطوت' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی خاکساری' حضرت یحییٰ کا زہد' حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سی سبک روی کامل ظہور بخش تھی۔

اے کہ بر تخت سیادت ز ازل جاداری
حسن یوسف' دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

خورشید رسالت میں اگرچہ تمام مقدس رنگ موجود تھے لیکن رسول رحمت وہ نور تھا' جس نے تمام رنگوں کو اپنے اندر سمو کر دنیا کو ایک برگزیدہ وچیدہ روشنی سے منور کر دیا۔

ارہاص' یہ آسمانی نشان نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا غیبی اشارہ اور غیبی اعلان تھا۔ قریش کی یہ غیبی نصرت اور حمایت فقط اس لئے تھی کہ نبی آخر الزماں جو عنقریب اسی عالم میں تشریف لانے والے تھے' یہ ان کا قبیلہ اور کنبہ ہے۔ اللہ کے قبلہ کے متولی اور محافظ ہیں اس لئے بطور خرق عادت ان کی مدد فرمائی ورنہ مذہبی حیثیت سے شاہ حبش اور شاہ یمن قریش مکہ سے بہتر تھے۔ اس لئے کہ قریش مشرک اور بت پرست تھے اور اہل حبشہ ویمن اہل کتاب اور عیسائی تھے۔ معلوم ہوا کہ قریش کی یہ غیبی نصرت اور بیت اللہ کی فوق العادت حفاظت یہ سب حضور پرنور رسول

رحمت کی ولادت باکرامت کی برکت اور بشارت دی۔ دعوائے نبوت کے بعد نبی کے ہاتھ پر جو امر خارقِ عادت ظاہر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور جو خوارق نبی کی ولادت کے قریب ظاہر ہوں وہ ارہاص کہلاتے ہیں۔ ارہاص کے معنی بنیاد کے ہیں۔ چونکہ اس قسم کے خوارق نبوت کے مبادی اور مقدمات ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کو ارہاص کہتے ہیں۔

ابرہہ کی لشکر کشی اور پھر اس کی تباہی و بربادی کا واقعہ ماہ محرم الحرام میں پیش آیا۔ جبکہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا زمانہ بالکل قریب آ چکا تھا۔ اس زمانہ میں جو اس قسم کے خوارق ظاہر ہوئے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ارہاصات یعنی علامات اور نشانات تھے۔ اس وقعہ کے پچاس یا پچپن روز بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی۔

............*

ابتدائیہ

عرب۔ قبل از اسلام

نام اور وجہ تسمیہ

معنوی اعتبار سے لفظ عرب سے فصیح اللسان مراد ہے اہل عرب کو اپنی زبان پر ایسا ناز تھا کہ وہ دنیا کی دوسری قوموں کو "عجم" یعنی گونگا کہہ کر پکارتے تھے۔ اس ملک کو "عرب" کے نام سے موسوم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لفظ عرب "عربہ" سے مشتق ہے اور عربہ کے معنی ہیں "دشت وصحرا" چونکہ جزیرہ نمائے عرب کا اکثر حصہ دشت وصحرا پر مشتمل ہے اس لئے سارے ملک کو "عرب" کہنا بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس کا رقبہ بارہ لاکھ بیس ہزار مربع میل ہے۔

جغرافیہ

جس قطعہ زمین کو "عرب" کہا جاتا ہے وہ بحر احمر، بحر ہند، خلیج عمان اور دریائے فرات سے

اس طرح گھرا ہوا ہے کہ ایک جزیرہ نما معلوم ہوتا ہے۔ طبعی لحاظ سے اس ملک کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1- تہامہ

وہ حصہ ہے جو بحر قلزم کے ساحل سے کوہ سراۃ تک پھیلا ہوا ہے۔

2- حجاز

سراۃ کے کوہستانی علاقے کا نام ہے جو یمن سے شمال تک پھیلا ہوا ہے۔ مشہور شہر مکہ مکرمہ ہے۔

3- نجد

وہ ریگستانی علاقہ ہے جو کوہستان سراۃ کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ یہ علاقہ یمن سے شروع ہو کر سماوہ اور عراق تک پہنچتا ہے۔

4- یمن

وہ قطعہ ہے جو نجد کے جنوب سے بحر ہند کے ساحل تک اور مشرق میں حضر موت اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔

5- عروض

بلاد یمامہ اور بحرین وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔

عرب میں بارش کم ہوتی ہے۔ وہاں کی زمین بیشتر ریگستانی ہے' پہاڑ بہت کم ہیں اور ہیں بھی تو ان پر روئیدگی نہیں ہے۔ انہیں پہاڑوں سے جگہ جگہ پانی کے چشمے نکلتے ہیں۔ ان چشموں کی بدولت ملک میں کہیں کہیں سرسبزی نظر آجاتی ہے' ایسے ہی مقامات پر لوگ آباد ہو گئے ہیں ورنہ اس ملک کا زیادہ تر حصہ بے آب وگیاہ اور غیر آباد ہے۔ پہاڑوں سے نکلنے والے چشمے ریگستانوں میں جذب ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ باشندے تالاب کھود کر پانی جمع کر لیتے ہیں۔ جس کو ''روضہ'' کہتے ہیں۔ یہ تالاب بھی اکثر خشک ہو جاتے ہیں اور ملک میں پانی کی قلت کا مسئلہ برقرار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے بادیہ نشین اکثر ایک جگہ نہیں رہ سکتے اور پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں جابجا سفر کرتے رہتے ہیں۔ اس دائمی سفر نے ان کو جفاکش اور چست اور چالاک بنا دیا ہے۔

یمن کا خطہ نسبتاً زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ اس میں نخلستان ہیں اور زراعت بھی ہوتی

ہے۔اسی لئے عرب کے دوسرے حصوں کے برخلاف اس خطے میں زیادہ شہر آباد ہیں۔عراق اور شام کے خطے بھی شاداب وزرخیز ہیں۔محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب وہوا مختلف ہے۔ لیکن عموماً گرم اور خشک ہے۔

ملک عرب کے باشندے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ''سام'' کی اولاد ہیں۔اس لئے لسانی اور قومی اعتبار سے اہل عرب ''سامی'' کہلاتے ہیں۔مؤرخین نے انہیں تین طبقات پر تقسیم کیا ہے۔

1- عرب بائدہ

وہ قدیم عرب کے باشندے جو پہلے اس ملک میں آباد تھے اور پھر مٹ گئے۔ان کے متعدد قبیلے تھے۔عاد'ثمود'عمالقہ'طسم' جدیس'عمیم'جرہم اور حضرموت وغیرہ۔ان لوگوں نے عراق سے لے کر شام اور مصر تک سلطنتیں قائم کی تھیں۔یہی لوگ بابل اور اشور کی حکومت اور قدیم تمدن کے بانی تھے۔تاریخوں میں ان کے مفصل حالات کا انکشاف ہوتا جارہا ہے۔

2- عرب عاربہ

یعنی ''قحطان'' جو یمن کے باشندے تھے۔

3- عرب مستعربہ

یعنی ''عدنان'' جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔آخر الذکر دو طبقوں کا حال ہم مختصر لکھتے ہیں۔

1- قحطان

ان کا اصلی گہوارہ یمن ہے۔ان کے مشہور قبیلے حمیر' کہلان اور ازد ہیں۔حمیر کی تین شاخیں مشور ہیں۔قضاعہ'سکاسک اور زید جمہور۔کہلان کی سات شاخیں ہیں'ہمدان'النمار'طے'مذحج'لخم' جذام'اور کندہ'ازد کی بھی بہت سی شاخیں ہیں'ملوک تبابعہ انہی قبیلوں سے ہوئے ہیں اور یہیں کے شہر سبا کی ملکہ حضرت بلقیس تھیں۔ان لوگوں نے جابجا بند باندھ کر چشموں کو محفوظ کیا تھا اور اس پانی سے وہ کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرتے تھے۔انمیں سب سے بڑا بند مارب کا تھا جو تین پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔اس بند میں مختلف چشموں کا پانی جمع ہوتا تھا۔ایک عرصے کے بعد پانی کے



عرب
کی قدرتی تقسیم
خیابان اور زرخیز زمین
میدانی اور کوہستانی علاقہ
ریگستان
بحیرہ روم
شمال
النفود
تیماء
جدہ
الربع الخالی
عدن
بحیرہ عدن

دباؤ سے یہ بند ٹوٹ گیا اور یمن میں سیلاب آ گیا۔ سیلاب کی تباہ کاریوں سے یمن کے اکثر خاندان وطن سے نکل کر عرب کے مختلف مقامات پر آباد ہو گئے۔

ازد میں تعلبہ اپنے قبیلے کے ساتھ مدینہ جا پہنچا اور بنی اسرائیل کے چند خاندانوں کو جو وہاں پہلے سے آباد تھے' مغلوب کر کے اپنا تسلط قائم کیا' قلعے بنائے اور نخلستان آباد کئے۔ مدینے کے دو مشہور قبیلے ''اوس'' اور ''خزرج'' ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔ ازد کا دوسرا شخص حارثہ بن عمرو قضاعہ کے نام سے مشہور ہے' مکہ پہنچا۔ اس نے مکہ پر قبضہ کر کے بنی جرہم کو وہاں سے نکال دیا۔ ازد کا تیسرا شخص نصر' تہامہ' میں آباد ہوا۔ اس کی اولاد کے متعدد قبیلے ہوئے' جو ازد شنوہ کے نام سے پکارے گئے۔

عمرو ازدی کا ایک لڑکا عمران عمان پہنچ گیا۔ اس کی اولاد ازد عمان کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس کے دوسرے بیٹے جفنہ نے شام کے سرحدی قبائل پر حکومت قائم کر لی' یہی لوگ تاریخ میں ملوک غسانیہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے چشمے کے کنارے سکونت اختیار کر لی تھی جس کا نام غسان تھا۔

کہلان میں سے لخم کا قبیلہ عراق میں جا بسا۔ انہی میں ملوک حیرہ ہوئے۔ طے کے لوگوں نے مدینے کے شمال میں سکونت اختیار کر لی۔ قضاعہ کی ایک شاخ بنی کلب نجد کے شمالی حصہ میں آباد ہوئی۔ حمیرہ' کندہ' مذحج وغیرہ قبائل یمن ان ہی میں سے ہیں۔

2- عدنان

عدنان مکہ معظمہ کے اصلی باشندے تھے۔ ان کے بیٹے کا نام معد اور پوتے کا نزار تھا۔ اسی لئے عدنانی قبائل معدی اور نزاری کے نام سے بھی پکارے جاتے ہیں۔ عدنان کے مشہور قبیلے ایاد' ربیعہ اور مضر ہیں۔ ربیعہ اور مضر شہرت میں ایک دوسرے کے حریف تھے۔ بکر اور تغلب ربیعہ کی دو شاخیں ہیں۔

مضر دو شعبوں میں تقسیم ہو گئے ''قیس عیلان'' اور ''یاس'' قیس عیلان میں سے بنی سلیم' بنی ہوازن اور بنی غطفان ہوئے ادھر یاس کے مشہور قبیلے تمیم' ہذیل' اسد اور کنانہ تھے۔ کنانہ میں فہر

بن مالک ہوئے۔ جن کو قریش بھی کہتے ہیں۔ قریش کی اولاد میں متعدد قبائل ہوئے جن میں حسب ذیل مشہور ہیں۔

بنی جمح، بنی سہم، بنی مخزوم، بنی یتیم، بنی عدی، بنی زہرہ، بنی عبدالدار اور بنی عبدمناف۔ حضرت ابوبکر قبیلہ بنی یتیم اور حضرت عمر قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔

عبدمناف کے چار بیٹے تھے۔

1-عبدشمس 2-نوفل 3-مطلب 4-ہاشم

ہاشم کی اولاد میں ہمارے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم ہوئے۔

خلفائے عباسی حضرت عباس بن عبدالمطلب اور علوی حضرت علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔

عبدشمس کے بیٹے امیہ تھے۔ ان کی اولاد بنی امیہ کہلائی۔

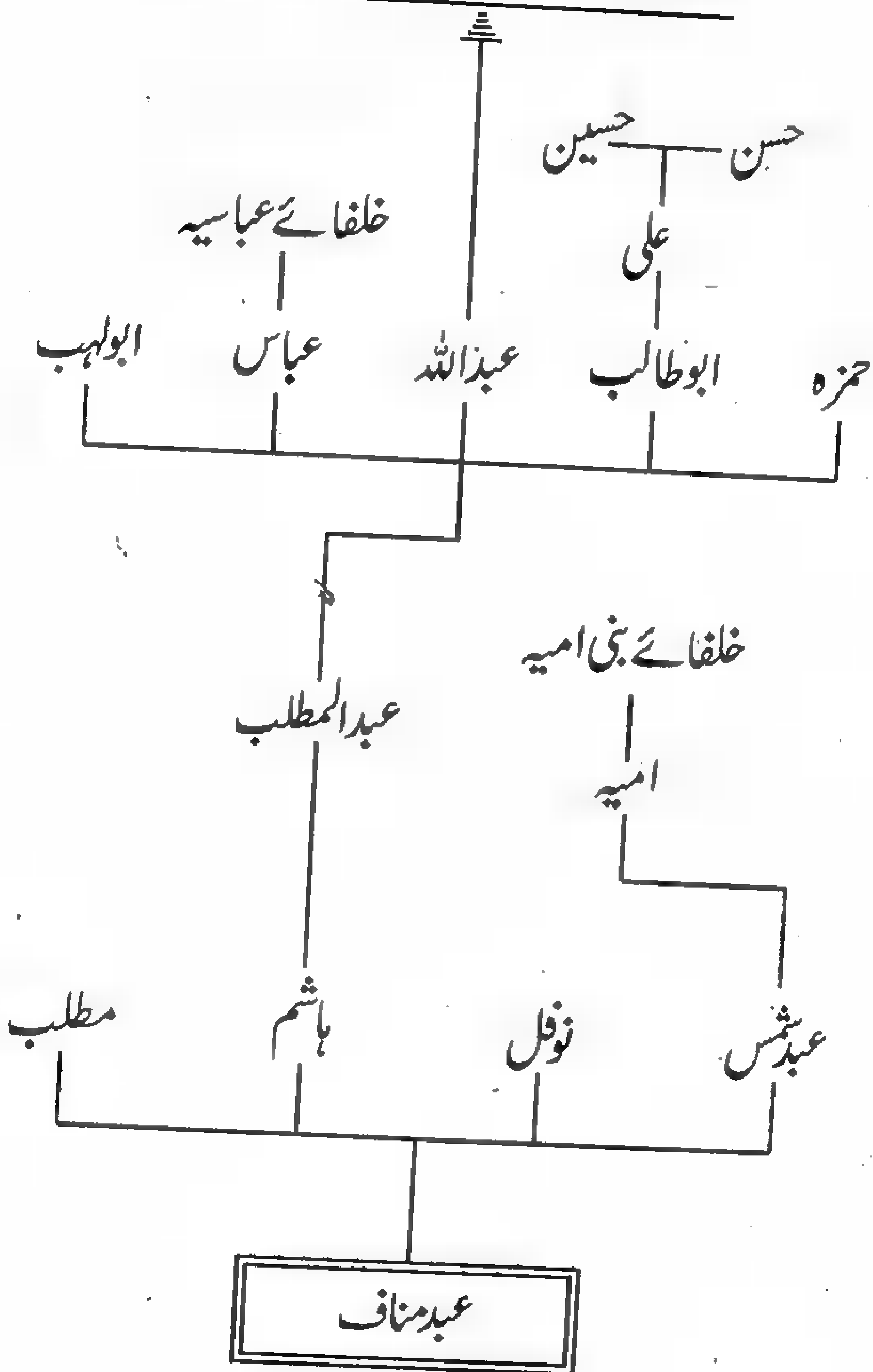
(ملاحظہ ہو شجرہ نسب، اگلے صفحہ پر)

دور جاہلیت کا سیاسی نظام

عرب میں دو قسم کی حکومتیں تھیں۔ شاہان تاجدار خودمختار یا کسی شہنشاہ کے زیر اثر حکومت کرتے تھے۔ دوسرے رؤسا، قبائل جو اپنے قبیلوں کے امیر مانے جاتے تھے۔ یہ لوگ بھی عموماً خودمختار اور کبھی کبھی تاجدار کے ماتحت ہوتے تھے۔ خودمختار بادشاہوں میں یمن، حیرہ اور سرحد شام کے ملوک خاص طور پر مشہور تھے۔

ملوک یمن

یمن میں قحطانی قبائل کی شاخیں آباد تھیں۔ ہر قبیلہ ایک خاص حصہ زمین پر مسلط تھا۔ اس کو مخلاف کہتے تھے۔ یمن میں مخلافوں کی کل تعداد 84 تھی۔ ایسا بھی ہوتا کہ ایک مخلاف کا امیر اپنی طاقت بڑھا کر دوسرے مخلاف پر قابض ہو جاتا تھا۔ جب اس کا دائرہ حکومت وسیع ہو جاتا تھا تو وہ


مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلعم
حسن
حسین
خلفائے عباسیہ
علی
ابولہب
عباس
عبداللہ
ابوطالب
حمزہ
خلفائے بنی امیہ
عبدالمطلب
امیہ
مطلب
ہاشم
نوفل
عبدشمس
عبدمناف

بجائے مخلاف کے ملک کہلاتا تھا۔ یمن میں اسی قسم کے دو مشہور خاندان معینی اور سبائی گزرے ہیں۔ ملکہ بلقیس سبائی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔۔ صنعا کا مخلاف سب سے بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ وہاں کے امیر ملوک کہلاتے تھے۔ ان ملوک میں یوسف ذونواس بہت مشہور ہے۔ اس نے موسوی دین اختیار کرلیا تھا۔ عیسائی مبلغین کی کوشش سے ذونواس کی اکثر رعایا عیسائی ہوگئی' خصوصاً نجران کے باشندے۔ 534ء میں ذونواس نے ان پر ایسے مظالم کئے کہ عیسائیوں کو آگ میں جلوا دیا۔ جب یہ خبر قیصر جسٹینین کو پہنچی تو اس نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کو حکم دیا کہ ذونواس سے بدلہ لے۔ اس نے ایک لشکر ارياط کی ماتحتی میں روانہ کیا' جس نے صنعا پر قبضہ کرلیا۔ ذونواس نے سمندر میں ڈوب کر خودکشی کرلی۔ ارياط کو اس کے لشکر کے ایک امیر ابرہہ نے قتل کردیا اور نجاشی کو راضی کر کے صنعا کی حکومت کا فرمان حاصل کرلیا۔

ابرہہ نے صنعا میں ایک کلیسا تیار کرایا اور مکہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کیلئے جہاں ہزاروں سال سے اہل عرب کعبۂ ابراہیمی کا طواف اور حج کرتے تھے' اس نے تمام عرب کے قبائل کو صنعا میں حج کی دعوت دی۔ لیکن اکثر قبائل جن کے دلوں میں بیت اللہ کا احترام تھا' صنعا جانے کیلئے رضامند نہ ہوئے۔ اس پر ابرہہ نے ٹھان لی کہ کعبہ کی منہدم کردیا جائے۔ اس خیال سے وہ ایک لشکر جرار لے کر مکہ پہنچا' مگر وہاں لشکر سمیت ہلاک ہوگیا۔ اس واقعہ کو قرآن شریف نے سورہ فیل میں بیان کیا ہے۔

سابق ملوک یمن اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت واپس لیں۔ چنانچہ معدی کرب نے نوشیرواں شاہ ایران سے مدد مانگی۔ نوشیروان نے ایک ایرانی سپہ سالار دھرز کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا۔ قحطانی قبیلوں نے معدی کرب کا ساتھ دیا۔ حبشہ کی فوج کو شکست ہوئی اور ایرانیوں نے ابرہہ کو یمن سے نکال کر معدی کرب کو تاج پہنایا۔ معدی کرب کے مرنے کے بعد یمن کی حکومت ایران کا ایک صوبہ بن گئی۔ جب اسلام یمن پہنچا تو یمن کا والی "باذان" تھا۔

ملوک حیرہ

333ق۔م میں جب ایرانیوں کو سکندر کے ہاتھوں شکست ہوئی اور دارا قتل ہوگیا تو اس نے ایران کی عظیم الشان سلطنت کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کردیا تاکہ ایران کمزور ہو

جائے۔ تقریباً پانچ سو سال تک ایران اس طوائف الملو کی کا شکار رہا۔ 230ء میں اردشیر نے ایرانیوں کا شیرازہ باندھا اور ایک متحدہ سلطنت قائم کی۔ اس نے عراق پر بھی تسلط جما لیا۔ حیرہ اور انباء کے عربوں نے اطاعت قبول کرلی۔ اردشیر نے جذیمہ کی وفات کے بعد قبیلہ لخم کے سردار عمرو بن عدی کو حیرہ کا بادشاہ تسلیم کیا۔ نوشیروان اور کسریٰ کے زمانے تک لخمی خاندان حیرہ پر حکومت کرتا رہا لیکن کسریٰ نے ناراضگی کی بنا پر حکومت لخمی قبیلے سے چھین کر ایاس بن قبیصہ کو جو بنی طے کا رئیس تھا' حوالے کر دی۔ لیکن 632ء میں پھر لخمی خاندان کے سردار منذر نے حیرہ کی حکومت حاصل کرلی' مگر اس واقعہ کے آٹھ مہینہ بعد خالد بن ولیدؓ لشکر لے کر حیرہ پہنچے اور اس کو اسلامی قلمرو میں شامل کرلیا۔

ملوک شام

سکندر کی فتح کے بعد سے شام پر رومیوں کی حکومت قائم تھی۔ انہوں نے بنی قضاعہ کے ایک سردار کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد غسانی قبیلے نے بنی قضاعہ کو مغلوب کر لیا۔ اب رومی سلطنت کی طرف سے بنی غسان کا سردار جفنہ بن عمرو بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔ بنی جفنہ نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ دورِ حضرت عمرؓ تک اس خاندان کی حکومت رہی جنگ یرموک کے بعد اس کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایم مسلمان ہوگیا۔

امارت حجاز

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کر کے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں چھوڑ گئے تو اس وقت مکہ کے رئیس جرہم تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم میں شادی کی اور ان کی اولاد خانہ کعبہ کی مجاور ہونے کی حیثیت سے معزز و محترم مانی جانے لگی' البتہ ریاست و حکومت مکہ میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ یمن کے سیلاب کی وجہ سے جب حارثہ بن عمر جس کا لقب خزاعہ تھا۔ اپنا قبیلہ لے کر مکہ پہنچا تو اس نے وہاں کے باشندوں کو نکال دیا۔ یہ لوگ نجد' عراق اور بحرین میں جا بسے۔ مکہ اور اس کے اطراف میں اسماعیلی خاندان میں صرف قریش کی اولاد رہ گئی۔ جب خاندان قریش میں قصی بن کلاب پیدا ہوا تو اس نے منتشر قبیلوں کو متحد کر کے بنی خزاعہ

سے ریاست مکہ چھین لی' اور خود خانہ کعبہ کا متولی بن گیا۔ قصی نے مکہ کی حکومت کو اس طرح منظم کیا۔

1- دارالندوہ' جس میں تمام قریش جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ یہاں بڑے بڑے امور کا تصفیہ ہوتا تھا۔ قریش کی شادیوں کے معاملات بھی وہیں طے ہوتے تھے۔

2- لوا' قومی نشان کی علمبرداری کا ادارہ تھا۔

3- قبہ' فوجی کیمپ کے انتظام کا محکمہ تھا۔

4- اعنہ' سواروں کی سپہ سالاری کیلئے مخصوص تھا۔

5- سفارۃ' دوسری حکومتوں سے خط و کتابت کا محکمہ تھا۔

6- اشناق' جہاں جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت ہوتی تھی۔

7- حکومت' جہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے۔

8- سقایہ' حاجیوں کی خورد و نوشی کا انتظام کرتا تھا۔

9- عمارۃ' خانہ کعبہ کا انتظام کرتا تھا۔

10- رفادۃ' حاجیوں کی مہمان نوازی اور مالی امداد کیلئے تھا۔

11- سدانۃ' خانہ کعبہ کی کلید برداری کا کام سنبھالتا تھا۔

12- ازلام' بتوں سے استخارہ کرنے کا کام انجام دیتا تھا۔

13- اموال اور المجرۃ، بتوں کے چڑھاوے کا انتظام کرتا تھا۔

14- مشورہ' دارالندوہ کی ایک شاخ تھی۔

قصی کے چھ بیٹے تھے۔ عبدالدار' عبدمناف' عبدالعزیٰ' عبد' تخمر اور ہرہ' مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام عہدے عبدالدار کو دیئے اور قریش کی سیادت عبدمناف نے حاصل کر لی۔ عبدمناف کے بعد ان کے بیٹوں نے عبدالدار کا ان حقوق میں مقابلہ کیا' لیکن کعبہ کی خدمات آپس میں تقسیم کر دی گئیں اور اس طرح مصالحت ہو گئی۔ تولیت کعبہ' لوا اور دارالندوہ بنی عبدالدار کے حصے میں آئے' سقایہ اور رفادہ عبدمناف کے۔ عبدمناف کے چاروں بیٹوں میں قرعہ اندازی ہوئی اور سقایہ اور رفادہ ان کے ہاتھ آ گئے۔ کچھ دنوں بعد ہاشم کے بھتیجے امیہ بن عبدالشمس نے جو

کثرت مال واولاد کی وجہ سے ممتاز تھے۔ یہ خدمات ہاشم سے چھین لینے کی کوشش کی اور یہاں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے اختلافات کی داغ بیل رکھی گئی۔ ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب اور عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ تھے جو محمد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پدر بزرگوار تھے۔ آل ہاشم اور بنی امیہ کے اس ابتدائی اختلاف میں جنگ کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ ان کے جھگڑے دارالندوہ میں مصالحت کے ساتھ طے ہو گئے۔ وہ حرم کے باشندے تھے۔ جنگ ان کی شان کے منافی تھی اور حرم کی شان کے بھی۔

قبائلی حکومت

بادیہ نشین عرب قبیلے اپنا سردار خود منتخب کرتے تھے۔ اہل قبیلہ ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔ جہاں سردار جاتا تھا' وہ اس کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اسی کے حکم سے لڑائی یا صلح ہوتی تھی۔ مال غنیمت میں سردار کو سرداری کا حق ملتا تھا' جس سے وہ قبیلے کی ضروریات کا سامان مہیا کرتا تھا۔ طاقتور قبیلے کبھی کبھی کمزور قبیلوں کو مغلوب کر کے خراج بھی لیتے تھے۔ سردار بگڑتا تھا تو پورا قبیلہ بگڑ جاتا تھا اور تلواریں نیام سے باہر آ جاتی تھیں۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ لڑائی کس بات پر ہے۔

اجتماع

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا مختلف مقامات پر اجتماع ہوتا تھا۔ جہاں خرید وفروخت کے علاوہ شعر وشاعری کا بازار بھی گرم رہتا تھا۔ اس اجتماع کی غرض سے رجب' ذیقعدہ' ذی الحجہ اور محرم میں لڑائی بند رہتی تھی۔ پہلا اجتماع دومتہ الجندل میں ہوتا تھا' پھر حجر میں' پھر عمان میں' پھر حضرموت میں اور پھر صنعا میں' ذیقعدہ میں سب سے بڑا اجتماع بازار عکاظ میں ہوتا تھا۔ نہم ذی الحجہ کو میدان عرفات میں حج کیلئے جمع ہوتے تھے۔ ان بازاروں میں خصوصاً بازار عکاظ میں اکثر اہم قبیلوں کے جھگڑے اور خون کے مقدمے طے ہوتے تھے۔ ہر قبیلے کے شعراء اور دیگر ماہرین فن یہاں اپنی لیاقتوں اور صلاحیتوں کا اظہار کر کے قبیلوں میں درجہ اور مرتبہ حاصل کرتے تھے۔ گویا یہ ایک امتحان گاہ تھی اگر یہاں قابلیت تسلیم کر لی گئی تو تمام ملک میں شہرت ہو جاتی تھی۔

اہل عرب کے اخلاق و عادات

کرم نوازی

یہ عربوں کے نمایاں ترین اوصاف میں سے ہے۔ اگر کسی مصیبت زدہ عرب کے پاس صرف ایک ہی اونٹنی ہوتی تھی جس سے اس کا اور اس کے اہل و عیال کا گزارہ ہوتا تھا' تب بھی وہ اپنے مہمان کیلئے اس اونٹنی کو بلا دریغ ذبح کر دیتا تھا۔ امیر اور رئیس اونٹوں کے گلے کے گلے اہل ضرورت کو بخش دیتے تھے۔ عربوں کے اشعار کا بیشتر حصہ اسی وصف کو اجاگر کرتا ہے۔

ایفائے عہد

عہد و پیماں کی پابندی کو اہل عرب فرض سمجھتے تھے۔ عرب کے مشہور شاعر امراء القیس نے اپنی تلواریں اور زرہیں سموال بن عادیا کے پاس امانت رکھیں۔ حارث غسانی نے اس سے یہ چیزیں طلب کیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ حارث نے حملہ کیا اور اس کے لڑکے کو گرفتار کر لیا اور پیغام دیا کہ اگر یہ چیزیں نہ ملیں تو تمہارا بیٹا قتل کر دیا جائے گا۔ اس نے بیٹے کا قتل گوارا کر لیا' مگر امانت میں خیانت نہ ہونے دی۔ جو شخص انؐ کی پناہ میں آ جاتا تھا' اس کو بیٹوں اور بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

شجاعت

بہادری عرب کا طرۂ امتیاز تھا۔ لڑائی کیلئے صرف ایک آواز پر تیار ہو جاتے تھے۔ تلوار کی دھار پر جان دینا شرافت اور بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ذلت سمجھتے تھے۔ شعراء بہادروں کی شان میں قصیدے پڑھتے تھے۔ ماں اور بہن بہادر لڑکے اور بھائی سے محبت اور بزدل سے نفرت کرتی تھیں۔ اگر مرد بزدلی دکھاتا تو عورتیں اس کو غیرت دلاتی تھیں۔ قمار بازی اور شراب خوری کو اہل عرب تمغہ شرافت سمجھتے تھے۔ وہ اپنے اشعار میں ان دونوں عادتوں پر فخر کرتے تھے اور ان خصائل کو کرم کا جزو شمار کرتے تھے۔

معاشرہ میں عورت کا مرتبہ

یہ خیال غلط ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب کی نگاہ میں عورت کی عزت نہ تھی۔ان کے اشعار اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ بڑے بڑے قبیلوں کے سردار جب اپنی شجاعت اور کرم کی قصیدہ خوانی کرتے تھے تو وہ عورت ہی کو مخاطب کرتے تھے۔عورت کو ''ربتہ البیت'' کے معزز لقب سے پکارتے تھے۔نام کی بجائے عورت کا ذکر کنیت سے کرتے جو عزت کی علامت تھی۔عورت کی ناراضگی پر اکثر قبیلے آپس میں لڑ بیٹھتے تھے۔عورت کی کوشش سے ہی اکثر لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں' یہ بات ضرور تھی کہ مردوں کو عورت پر فوقیت حاصل تھی۔عورت خود نکاح نہ کر سکتی تھی۔ بیٹی' بہن' پھوپھی اور خالہ سے نکاح کرنا ناجائز تھا۔تعداد ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ایک عورت کئی کئی مردوں سے نکاح کر لیتی تھی۔طلاق کا اختیار مرد کو حاصل تھا۔شریف قبائل میں لڑکیاں نکاح کے وقت یہ شرط کر لیتی تھیں کہ ان کو طلاق کا حق ہوگا۔

جو عورتیں مال غنیمت میں ملتیں' وہ بھی حلال سمجھی جاتی تھیں۔ان کی اولاد کنیز زادی کہلاتی تھی۔بعض لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔یہ رسم چند قبائل میں تھی۔جو بیٹی کی پیدائش کو ننگ و عار سمجھتے تھے' لیکن اشراف اس کو ناپسند کرتے تھے۔ایسے لوگ بھی تھے جو مفلسوں کو بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کرتے تھے۔غالب بن صعصعہ اس کار خیر میں بہت مشہور تھا۔یہ عرب کے مشہور شاعر فرزوق کا دادا تھا۔

مذہبی حالت

عرب میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی صدا بلند کی اور خدائے واحد کی عبادت کیلئے مکہ میں سب سے پہلا گھر تعمیر کیا۔رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے توحید کا اثر زائل ہو گیا۔پیغمبر آتے رہے لیکن زود فراموش انسان ان کے دیئے ہوئے سبق تیزی سے فراموش کرتا گیا۔پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ سرزمین عرب بت پرستوں اور مشرکوں کی آماجگاہ بن گئی۔خانہ کعبہ میں 360 بت نصب ہو گئے۔خانہ کعبہ کا متولی عمرو بن لحی خزاعی شام گیا اور وہاں سے چند بت خرید لایا اور ان کو خانہ کعبہ میں نصب کر دیا۔لوگ ان

بتوں کی تعظیم کرنے لگے۔ بنی ہذیل نے ینبوع کے قریب ایک بت بنایا جس کو "سواع" کہتے تھے۔قرب وجوار کے مضری قبائل اس کی پرستش کرنے لگے۔ بنی مذحج اور اہل جرش نے یغوث اور بنی خیوان نے یعوق کی پرستش شروع کردی۔حمیر نے نصر کا بت بنایا اور جب تک وہ یہودی نہ ہوئے اس کی عبادت کرتے رہے۔ بمقام عدوا ایک طاقت ور اور جنگجو کی شکل کا بت نصب کیا گیا جس کو ود کہتے تھے۔ یہ جنگ کا دیوتا خیال کیا جاتا تھا۔مکہ اور مدینہ کے درمیان سمندر کے کنارے "منات" تھا جس پر اوس اور خزرج کے قبیلے قربانیاں کیا کرتے تھے۔ طائف میں لات کی پوجا ہوتی تھی۔ مکہ اور عراق کے درمیان نخلہ شامی کی وادی میں قریش کا محترم بت عزیٰ تھا۔غرض ہر قبیلے کا الگ الگ بت تھا۔کعبہ کے بتوں میں سب سے بڑا اور ممتاز بت ہبل تھا جو خزیمہ بن مدرکہ نے کعبہ میں نصب کیا تھا۔اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ چنانچہ سونے کا ہاتھ بنایا گیا۔اوہام پرستی عام تھی۔ کسی اونٹنی کے کان چھید کر بت کے ساتھ نام زد کرتے اور اس کو بحیرہ کہتے تھے۔اہل عرب جب سفر پر جاتے تو بتوں کے مجاوروں سے فال نکلواتے۔کعبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بت بھی رکھے ہوئے تھے اور ان سے فال نکلواتے تھے۔

یہود

مشرکین کے علاوہ عرب میں یہودی قبائل بھی آباد تھے۔ شام میں بنی اسرائیل پر سختیاں ہوئیں تو ان کے چند قبیلے یثرب اور خیبر میں آبسے۔ یہاں خاصی تعداد میں لوگ ان کے دین میں داخل ہوگئے۔ یثرب کے دو یہودی یمن پہنچے۔ صنعا کا بادشاہ یوسف ذونواس یہودی ہوگیا۔اس کے اثر سے وہاں کی آبادی کے ایک بڑے حصے نے یہودیت اختیار کرلی۔

نصاریٰ

عرب میں نصرانیت یمن کے مقام نجران سے شروع ہوئی۔ پھر حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر عیسائی ہوگیا اور اس کے اثر سے بہت سے لوگ اس دین کے پیرو ہوگئے۔ طے کے قبائل نے بھی دین عیسوی اختیار کرلیا۔غسانی عرب بھی جو رومی سلطنت کے زیر اثر تھے نصاریٰ تھے۔تمر اور تغلب کے چند قبیلے بھی عیسائی ہوگئے۔

موحدین

عرب میں بت پرستی سے نفرت کرنے والے اور دین ابراہیمی کے ماننے والے بھی موجود تھے۔ موحدین میں زید بن عمرو بن نفیل بہت مشہور تھے۔ عبیداللہ بن جحش بھی موحد تھے۔ لیکن ہجرت حبشہ کے بعد دین عیسوی اختیار کرلیا۔

انسانی تمدن کا گہوارہ

قدیم الایام سے تمدن انسان کی تاریخ کا موضوع بحث رہا ہے۔ تمدن نے اوّل اوّل کہاں نشو ونما پائی' بارہا زیر غور آیا ہے۔ غور وفکر کے بعد طے پایا ہے کہ چھ ہزار سال سے مصر میں تہذیب و تمدن نے پرورش پائی اور یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ ماہرین آثار قدیمہ عراق وشام میں قدیم آثار کی ٹوہ لگا رہے ہیں اور یہ کہ آشوری اور فنیقی آثار کی دریافت سے یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ آخرالذکر آثار قدیم ہیں یا مصری تمدن کے آثار۔ یہ بات اٹل ہے کہ قدیم ترین گہوارہ تمدن کا علاقہ روم تھا۔ یہ حقیقت مانی ہوئی ہے کہ مصر ہی دراصل مرکز تھا جہاں سے تمدن یونان و روم تک پہنچا۔ عصر حاضر میں جو تمدن پایا جاتا ہے' اس کے ڈانڈے قدیم تمدن سے ملتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ تمدن اسلامی تمدن سے گھل مل گیا۔ پہلے اس کا اثر اسلامی تہذیب پر پڑا لیکن بعد میں اسلامی تہذیب نے اس پر ایسا اثر کیا کہ اسلامی تہذیب تمام سابقہ تہذیبوں پر چھا گئی۔ حقیقت میں دنیا کی موجودہ تہذیب اس تاثیر کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اس تمدن کا دارومدار دینی تقاضوں پر تھا اور تمدن کا انحصار مذہب پر ہوتا ہے۔ مصر میں دین نے ترقی کی تو تثلیث کا لباس پہن کر اور یونان میں بت پرستی کے ذریعہ سے۔ مختصر یہ کہ دین نے ایسے تمدن کی تخلیق کی جس پر کائنات کی تشکیل کا انحصار رہا اور آج بھی دین ہی ہر تمدن پر غالب ہے۔ تاریخ بتاتی ہے یہ تمدن اسلامی تمدن میں تحلیل ہو گئے۔ چنانچہ ان پر اسلامی تمدن کا کچھ ایسا اثر پڑا کہ سب سابقہ تمدن اس کے تابع ہو کر رہ گئے۔ حقیقت میں دنیا کا موجودہ تمدن اس تاثیر و تاثر کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اسلامی تمدن کا دارومدار دینی تقاضوں پر تھا اور ظاہر ہے کہ تمدن کی جڑیں دین سے مضبوط ہوتی ہیں۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دین نے ہمیشہ ایسے تمدن کی تخلیق کی ہے جس پر کائنات کی وضع و ہیئت کی تعمیر و تشکیل کا انحصار ہے

اور آج بھی دین ہی دنیا کے ہر تمدن پر غالب ہے۔

عرب کا جغرافیائی محل وقوع

جزیرہ نمائے عرب غیر متوازی الاضلاع جزیرہ نما ہے۔ اس کے شمال میں فلسطین اور شام' مشرق میں حیرہ' دجلہ وفرات اور خلیج فارس' جنوب میں بحر ہند اور خلیج عمان اور مغرب میں بحیرہ احمر واقع ہیں۔ جنوب ومغرب میں دریا اور شمال ومشرق میں صحرا اور خلیج فارس نے اس کے اردگرد ایک قدرتی حصار کھینچ دیا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب اپنی ہمسایہ حکومتوں کے استعمار اور مذہبی اثرات سے محض اس لئے محفوظ نہیں رہا کہ دشت وصحرا سے اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس سلسلہ میں عرب کی غیر معمولی وسعت کو بھی بڑی حد تک دخل ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کا طول تقریباً پندرہ سو میل اور عرض تقریباً بارہ سو میل ہے۔ علاوہ ازیں اس کی بے آب گیاہی نے بھی اس پر ہمسایہ ممالک کے دین وسیاست کو اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ اس وسیع وعریض ملک میں ایک بھی دریا نہیں ہے' بارشیں بھی کسی نظم کے تحت نہیں ہوتیں کہ ان سے کھیت سیراب ہوسکیں۔ جنوب میں یمن کی وادی زرخیز ہے اور یہاں بارشیں بھی خوب ہوتی ہیں۔ باقی کوئی ایسا علاقہ نہیں جو بے آب و گیاہ پہاڑوں' خشک دروں اور ریگستانوں سے گھرا ہوا نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا علاقہ نہ سکونتی نقطہ نظر سے مفید ہوسکتا ہے اور نہ تمدنی زاویہ نگاہ سے اس میں کوئی افادیت کا پہلو ہے۔ یہ جغرافیائی حالات صرف انہی باشندوں کیلئے کچھ موافق ہوسکتے ہیں جو خانہ بدوش زندگی کے عادی ہوں۔ اس خشک اور بے آب وگیاہ صحرا میں جہاں تاحد نظر ریت کے تودے ہی تودے نظر آتے ہوں۔ اونٹ ہی سواری کا کام دیتے ہیں۔ یہ خانہ بدوش عرب وہیں کچھ عرصہ کیلئے خیمے نصب کر لیتے ہیں۔ جہاں اونٹ سیر ہو لیتے ہیں اور جب چراگاہ میں کچھ نہیں رہتا تو ان کا رخ کسی دوسری چراگاہ کی جانب ہو جاتا ہے۔ عرب میں اونٹ کی یہ چراگاہیں اکثر چشموں کے آس پاس ہوتی ہیں' جو بارش کے بعد ریگزار میں پھوٹ نکلتے ہیں اور ان کے اردگرد سبزہ اُگ آتا ہے۔ ایسی خشک اور غیر زرخیز زمین غیر آباد میں رہتی ہے۔ جیسا کہ صحرائے اعظم افریقہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جو شخص بھی اس ریگستان میں قدم رکھتا ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اسے عبور کر کے کسی پرامن مقام پر بسیرا کرے۔ عرب میں چند ایسے علاقے ہیں جہاں کچھ روئیدگی ہوتی ہے اور جو لوگ ایسے علاقوں سے

گزرتے ہیں ان کی طبیعت باغ باغ ہوتی ہے۔ اس بے آب و گیاہ خطہ کا حال بہت کم لوگ جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یمن سے لوگ ناواقف تو نہ تھے۔ البتہ عرب کے متعلق ان کی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔

جغرافیائی محل وقوع نے عرب کو تباہی سے بچالیا ہے۔ غنیمت ہے کہ لوگ اس سرزمین میں آباد ہوئے۔ قدیم زمانے میں دریائی سفر کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ لوگ اس سفر کو خطرہ سے خالی نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا تجار و سیاح ہمیشہ بحری راستے پر بری راستے کو ترجیح دیتے تھے۔ عرب کے تمدن سے پتہ چلتا ہے کہ بحری سفر کو ہولناک موت سے تعبیر کرتے تھے۔ اس لئے لوگ مجبوراً خشکی کی راہ اختیار کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے زمانے میں روم، ہندوستان اور ان کے نواحی ممالک میں وسیع پیمانے پر تجارت خشکی کے راستے ہوتی تھی۔ مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت عرب کے راستے ہوتی اور مال تجارت خلیج فارس سے عرب ہی کے راستے سے گزر کر جاتا۔ عرب کے یہی خانہ بدوش بدوی صحرا کے فرمانروا تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بعد میں کشتی رانی کے رواج کے بعد دریائی سفر کرنے والے لوگ دریا یا سمندر کے فرمانروا کہلائے۔ جس طرح ملاح سمندر کے خطرناک مقامات سے بچنے کیلئے کشتی کی راہ متعین کرتے ہیں اسی طرح صحرا کے فرمانروا قافلوں کی آمد و رفت کیلئے صحرا میں راستوں کا تعین کرتے ہیں۔

قوافل کیلئے راستے

عرب میں قوافل کیلئے راہیں تو بہت سی تھیں لیکن دو راہوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ ایک وہ راہ جو خلیج فارس اور دجلہ سے گزر کر صحرائے شام کے راستے فلسطین پہنچتی ہے اور دوسری وہ جو بحیرہ احمر کے قریب سے گزرتی ہے۔ ان مشرقی اور مغربی راستوں سے مغرب کی مصنوعات مشرق کی طرف اور مشرقی سامان مغرب کی طرف جاتا تھا اس سے صحرانشین زندگی کے لوازمات حاصل کرتے تھے۔ اس کے باوجود مغرب کے باشندے اس سرزمین سے ناواقف تھے۔ جو لوگ شہری زندگی کے خوگر ہوں ایک ایسے علاقے میں سفر کرنے کی صعوبتیں کیسے جھیل سکتے تھے۔ جہاں بے آب و گیاہ پہاڑیوں خشک دروں اور ریگزاروں سے گزرنے کیلئے اونٹ کے سوائے اور کوئی

ذریعہ میسر نہ ہو۔ صحراؤں میں جو قبائل مستقل سکونت رکھتے تھے۔ ان میں نظم وضبط کی صورت یہ تھی کہ وہ قبائلی یا خاندانی عصبیت پر جاں دیتے تھے۔ باہمی عہد وپیماں کا ہر قیمت پر لحاظ رکھتے تھے۔ جس کے باعث ایک کمزور انسان کو طاقتور کی پناہ مل جاتی تھی۔ صحرانشینوں کی عادت میں یہ چیز شامل رہی ہے کہ وہ دشمن سے قصاص لیتے اور طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرتے تھے۔ جو لوگ اس طرز معاشرت کے خوگر ہوں ان کی جانب کوئی توجہ نہیں کرتا۔ یہی اسباب تھے جن کی بناء پر عرب کو نہ اتنی شہرت حاصل تھی نہ ہی اتنی اہمیت۔ اس ملک میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عمل میں آئی تو عرب اور اس کے حالات کو درخور اعتناء سمجھا گیا۔ بعثت کے بعد ہی لوگوں کو یہ علم ہوا کہ عرب کیا ہے اور اس کی تاریخ کیا ہے۔

تمدن یمن

اس زمانہ میں جب متمدن ممالک میں عرب کا نام تک نہ تھا۔ یمن اور خلیج فارس کے قریب کچھ ملک خاصے مشہور تھے۔ یہ شہرت صرف خلیج فارس، بحر ہند اور بحر احمر کے باعث نہ تھی، بلکہ اس کی وجوہات اور بھی تھیں مثلاً

یمن عرب کے دیگر علاقوں کی طرح بنجر اور بے آب وگیاہ نہ تھا۔ اس اقلیم میں نجران، صنعا، مآرب تاریخی مقامات ہیں۔ مخدہ، حدیدہ اور زبیدہ تجارتی مراکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صنعا صدر مقام ہے۔ صنعا کے قریب ہی سباء ومآرب کے آثار پائے جاتے ہیں۔ نجران کے ایک گاؤں میں قصہ اصحاب اخدود وقوع میں آیا تھا۔ یمن کی سلطنت تبابع حمیر کے ہاتھوں میں رہی۔ یہاں ذونواس حمیری بادشاہ بت پرستی سے نالاں تھا۔ اس نے دین موسوی اختیار کیا۔ اصحاب اخدود کا قصہ اسی ذونواس سے تعلق رکھتا ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

(البروج، آیت نمبر 8-4)

کھائیاں کھودنے والے ہلاک کر دیئے گئے ۝ خوب دھکتی ہوئی آگ (بھری تھی ان

کھائیوں میں)O جبکہ وہ ان کے گرد بیٹھے ہوئے تھے O اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے، وہ خود بھی دیکھ رہے تھے O اور انہوں نے ان سے اس بات کا بدلہ لیا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے اللہ جو سب پر غالب اور ہر قسم کی حمد وثنا کا سزاوار ہے O

اس قصہ کا نچوڑ یہ ہے کہ ایک پاکباز مسیحی ''قیمیون'' روم سے آکر نجران میں آبسا۔ لوگوں پر اس کی پارسائی کا یہ اثر ہوا کہ وہ مسیحیت کی طرف مائل ہونے لگے۔ ذونواس کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے لوگوں کو دین موسوی کی دعوت دی لیکن کوئی اس کی طرف مائل نہ ہوا۔ اس نے انتقاماً خندق کھودنے کا حکم دیا اور خندق کو آگ سے بھر دیا اور ایک ایک عیسائی کو آگ کے الاؤ میں جھونک دیا اور جو بچ گئے انہیں بیدردی سے قتل کرا دیا۔ ایک عیسائی اتفاق سے بچ نکلا اور سیدھا شہنشاہ روم جسٹینین کے دربار میں فریادی ہوا اور استدعا کی کہ ذونواس سے انتقام لیا جائے۔ شہنشاہ روم نے شاہ حبش نجاشی کو یہ حکم دیا کہ بادشاہ یمن سے انتقام لے۔ شاہ حبس نے اپنے سالار اریاط کی سرکردگی میں یمن پر چڑھائی کر دی۔ کچھ عرصہ یمن کی حکومت اریاط کے پاس رہی یہاں تک کہ ابرہہ نے اس کو ہلاک کر دیا اور یمن کی حکومت پر قابض ہو گیا۔ ابرہہ اصحاب فیل کا قائد تھا۔ جس نے کعبہ کے انہدام کی نیت سے مکہ پر چڑھائی کی لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔

مارب بند کی شکست وریخت

چوتھی صدی عیسوی میں جو سلسلہ جنگ یمن میں جاری ہوا اس سے عرب کی تاریخ پر بھی اثر پڑا۔ یمن کے کچھ لوگ عرب میں سکونت پذیر ہو گئے۔ مارب بند جسے حمیریوں نے تعمیر کیا تھا۔ ایک سیلاب کی تلاطم خیز موجوں کی نذر ہو گیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب شاہ روم کو پتہ چلا کہ ایران نے یمن پر قبضہ کر لیا ہے اور روم کی تجارت کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے تو اس نے حکم دیا کہ مصر اور مشرق کے درمیان بحیرہ احمر میں کشتیوں کا بیڑہ مقرر کیا جائے۔ اس اقدم سے یمن کی تجارت پر برا اثر پڑا بہرحال اس بات پر مورخین متفق ہیں کہ یمن کے لوگ شمال کی جانب ہجرت کر گئے اور عرب میں آکر آباد ہو گئے۔ یمن کا سیاسی نظام درہم برہم ہو گیا۔ عرب میں کوئی سیاسی نظام نہ تھا۔ عوام خانہ بدوش صحرائی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ لوگ کبھی ایک مقام پر سکونت اختیار نہ کرتے تھے۔ نئی چراگاہوں کی جستجو میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ چنانچہ آج تک صدیوں گزر جانے کے باوجود ان

میں اکثر لوگ تمدن نا آشنا ہیں اور خانہ بدوشی ان کی عادت ثانیہ بن چکی ہے۔

بدوی اخلاق و عادات

عرب میں قبائل میں کریم النفسی' شجاعت' پامردی' اعانت ہمسایہ' انتقام پر قدرت کے باوجود عفو و درگزر کی عادات پیدا ہوگئی ہیں۔ ان عادلت و خصائل کی بناء پر ایران اور روم نے عرب پر دست درازی نہیں کی۔ عرب قبائل کسی ایک جگہ قیام پذیر نہیں ہوتے تھے۔ کسی کی اطاعت ان کے بس کی بات ہی نہ تھی۔ عرب دوسروں کی غلامی پر ترک وطن کو ترجیح دیتے تھے۔ قوافل کی گزرگاہ ہونے کی وجہ سے عرب میں چند شہر آباد ہوگئے تھے۔ ان میں جو عرب آباد تھے وہ اپنے اخلاق سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتے تھے۔ مکہ مکرمہ' طائف' یثرب وغیرہ ایسے شہروں میں شامل تھے جو صحرا کی آغوش میں آباد تھے۔ ان شہروں پر صحرانشینوں کا اثر غالب تھا۔

مکہ کی اہمیت

اگرچہ یمن زرخیزی اور آب و ہوا کی وجہ سے تمدن میں سارے عرب میں مشہور تھا۔ تاہم عرب اس کی جانب کوئی توجہ نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی عبادت گاہوں کی زیارت کیلئے بھی نہیں جاتے تھے۔ ان کی زیارت گاہ صرف کعبہ تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ اہل مکہ مہینوں میں ذی قعدہ' ذی الحجہ' رجب اور محرم کا احترام دل و جان سے کرتے تھے۔ ان مہینوں میں کوئی کسی دوسرے پر دست درازی نہیں کرتا تھا۔ تجارت کی وجہ سے مکہ کو جو اہمیت حاصل تھی اس کی بنا پر اس کو عرب کا مرکز کہا جاتا تھا۔ مشیت الٰہی مکہ کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولد کی حیثیت سے پہلے ہی منتخب کر چکی تھی اور یہ بھی قدرت کا فیصلہ تھا کہ مکہ تمام عالم کی توجہ کا مرکز بنے' اس کا قدیم گھر ہمیشہ مقدس رہے اور قریش اپنی حیثیت متعین کر لیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قریش نے اپنی سادہ اور بدوی زندگی کو اسی حالت پر برقرار رکھا ہے جیسا کہ پندرہ سو سال پہلے تھی۔

............*

تاریخ حرمین شریفین

تاریخ مکہ معظّمہ

محل وقوع

بحیرہ احمر کے بالمقابل یمن اور فلسطین کے مابین جو تجارتی شاہراہ گزرتی ہے۔اس کے وسط میں ساحل سمندر سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر چند پہاڑیوں کے درمیان ایک تنگ و تاریک درہ ہے جسے بیرونی دنیا سے تین راستے ملاتے ہیں۔ایک راہ جو یمن سے آتی ہے' دوسرا راستہ بحیرہ احمر کے قریب تجارتی شاہراہ کے متصل ہو جاتا ہے اور تیسری راہ وہ ہے جو فلسطین سے رشتہ جوڑتی ہے۔انہی پہاڑیوں سے گھرے ہوئے درے میں مکہ مکرمہ واقع ہے۔مکہ کا سنگ بنیاد کب رکھا گیا۔ مورخین اس پر خاموش ہیں۔قیاس کہتا ہے کہ اس کی بنیاد کئی ہزار سال پہلے پڑی۔بہر حال یہ بات مسلمہ ہے کہ بنائے مکہ سے پہلے اس درے میں قافلے پانی کے چشموں کی وجہ سے پڑاؤ کیا کرتے تھے۔یمن سے فلسطین آنے جانے والے قافلے اس مقام پر خیمے نصب کرتے اور کچھ وقت کیلئے تازہ دم ہوتے تھے۔غالباً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ جگہ اپنے قیام کیلئے منتخب کی۔اس سے قبل مکہ ان قوافل کا مستقر تھا جو عرب

کے شمال و جنوب میں تجارت کی غرض سے آمد و رفت رکھتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں نوشیروان کی تخت نشینی کے بیالیسویں سال میں ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ (بیت اللہ شریف) اسی شہر میں واقع ہے۔ مناسک حج کے تمام مقامات صفاہ مروہ بیت اللہ کے قریب ہی ہیں۔ منیٰ تین میل مشرق میں ہے۔ منیٰ سے اسی قدر فاصلے پر مشرق کی طرف مزدلفہ اور مزدلفہ سے مشرق کی جانب اسی قدر مسافت پر عرفات ہے۔ مکہ معظّمہ سے شمال کی طرف تقریباً دوسو میل کے فاصلے پر مدینہ منورہ ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً تین میل شمال میں جبل اُحد واقع ہے۔ جہاں حضرت امیر حمزہؓ کا مزار مبارک ہے۔ مکہ کی بندرگاہ جدہ ہے جو چونتیس میل کے فاصلہ پر بحیرہ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ مدینہ منورہ کی بندرگاہ ینبوع ہے جو مدینہ سے تہتر میل پر ہے۔ بنائے کعبہ کے وقت مکہ کو چنداں اہمیت حاصل نہ تھی۔ جب کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں مکمل ہوئی تو مکہ کی ہیئت کذائی بھی تبدیل ہوگئی جس سے اس کی شہری حیثیت مسلم ہوگئی۔ پانچویں صدی عیسوی تک مکہ پر بدویت کا خول چڑھا ہوا تھا مگر یہ بات قیاس نہیں آتی کہ کعبہ کی اہمیت اور منزلت کے باوجود مکہ کی بدویت کیسے برقرار رہی۔ محل وقوع کے اعتبار سے مکہ کاروانی شاہراہ پر واقع تھا۔ جہاں سے یمن، حیرہ اور شام کے قافلے گزرتے تھے۔ نیز بحیرا احمر کے واسطے سے مکہ کا تعلق بیرونی ممالک سے بھی تھا۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن تھا کہ شہریت کے مدراج طے نہ ہوئے ہوں۔ اس پر بدویت کی چھاپ رہی ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کے حق میں امن وسلامتی کی جو دعا کی تھی اس میں مکہ کو شہر سے تعبیر کیا۔ ان جملہ امور کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مکہ صدیوں قبل شہریت اختیار کر چکا تھا۔

روئے زمین کا کوئی ٹکڑا اس سرزمین سے زائد عظمت و برتری کا مستحق نہیں جو حرم مقدس اور مکہ مکرمہ کے اس مقام کو حاصل ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ''کعبۃ اللہ'' موجود ہے اور توحید کا عظیم مرکز ہے۔ جس سرزمین سے آفتاب رسالت طلوع ہوا اور تمام عالم کو اس کی نورانی شعاؤں نے منور کیا۔ جس وقت تمام عالم گمراہی کی تاریکیوں میں مبتلا اپنے ہاتھوں تراشیدہ پتھروں کی عبادت و پرستش میں لگا ہوا تھا۔ اسی سرزمین سے لوگوں کے کانوں میں یہ صدائے حقانیت پہنچی اور اعلان توحید یَا اَیُّھَا النَّاس اعبدوا ربکم الَّذِی خلقکم وَالَّذِیْنَ مِن قَبْلِکُمْ

نے خواب غفلت سے بیدار کرتے ہوئے اس بات سے آگاہ کیا کہ عبادت تو صرف اسی رب کی کرنی چاہیے جو تمام انسانوں کا خالق اور کل کائنات کا مالک ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سرزمین میں اپنی ذریت کو چھوڑتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں التجا کی تھی۔

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَ ارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ۝ (ابراہیم۔37)

پروردگار! میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار! یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں' لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے شائد کہ یہ شکر گزار بنیں ۝

عبادت رب کریم کا وہ حق ہے جو بندہ پر فکری اور عملی طور پر عائد ہوتا ہے۔ عقل سلیم اور فطرت اسی کا تقاضہ کرتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق کے ساتھ مربوط اور وابستہ رہے اور اس کی صورت سوائے عبادت کے اور کچھ نہیں۔

وھوالذی فی السماء فی اله وفی الارض اله کہ وہ ذات خداوندی آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی وہی معبود ہے۔ و ھو اللّٰہ فی السماوات و فی الارض چنانچہ خانہ کعبہ انسانوں کیلئے انوار و برکات اور تجلیات کا مرکز بنا کر حکم دیا فاینما تولو وجوھکم شطرہٗ اے مسلمانوں تم جہاں کہیں بھی ہو تم سب نماز میں کعبہ ہی کی طرف اپنا منہ پھیر لیا کرو۔ ہر سمت سے مسلمانوں کے منہ بحالت عبادت بیت اللہ کی طرف کر دیئے گئے اور تمام عالم کی توجہات کا مرکز اصلی بنا دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مکمل شرح ہے کہ

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰہٖمَ مُصَلًّی ؕ (البقرہ۔125)

اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کیلئے مرکز اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ مقام ابراہیم

کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤں۔

اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز یہی ہے۔ اسی کا نام ''بیت اللہ'' قرار پایا اور روئے زمین کی کسی مسجد کو بیت اللہ کے لقب سے نہیں تعبیر کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اسی وجہ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝
(البقرہ۔125)

یہ کہ پاک رکھنا تم دونوں' میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے۔

انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں ودیعت کی ہیں۔ ایک عقل اور دوسرے شوق ومحبت جو اس کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی ثناء وصفت عقل کے مطابق بلکہ مقتضائے عقل ہے۔ کبھی اللہ کے سامنے کھڑا ہونا اور کبھی رکوع میں جھکنا اور کبھی سجدے میں گر جانا شوق ومحبت کی دلیل ہے اور عاشقانہ صورت بنا کر جس کو احرام کہتے ہیں۔ اس کے گھر کے گرد چکر لگانا منیٰ وعرفات اور مزدلفہ میں بہ آواز لبیک اللھم لبیک پکارنا شان عاشقی ہے تو اللہ کا گھر ایک طرف نماز کا مرکز اور دوسری طرف طواف اور حجر اسود کا چومنا اپنی شان محبوبیت کا مظہر ٹھہرایا۔ اس کی عظمت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ۝
(آل عمران۔96)

بیشک پہلا گھر جو بنایا گیا (عبادت گاہ) لوگوں کیلئے یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے' برکت والا اور مرکز ہدایت تمام جہان والوں کیلئے۔ اس میں ایسی نشانیاں ہیں جو (اپنی صداقت کی) خود گواہ ہیں' مقام ابراہیم ہے۔

تاریخ بناء کعبہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا' کیونکہ ان کو زمین میں اللہ تعالیٰ کی خلافت کیلئے پیدا کیا گیا تھا۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ تو حضرت آدم علیہ السلام کو

تنہائی سے وحشت ہوئی' عرض کیا۔ ''اے میرے پروردگار نہ میرا کوئی مکان ہے نہ کوئی عبادت گاہ رب العزت سے حکم ہوا'' تم عبادت کیلئے ایک گھر بناؤ جو سب سے اوّل گھر ہو۔ اس لئے کہ اس کے بعد تمہاری اولاد بہت سے گھر بنائے گی'' جبریل امین نے جگہ کا تعین کیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے پتھروں سے بنیاد چنی اور اس کا طواف کرنے لگے اور اسی کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ طوفان نوح نے جہاں اور عمارتوں کو بہایا وہاں حضرت آدم علیہ اسلام کے بنا کردہ کعبہ کو بھی مٹا دیا۔ البتہ اس کی جگہ ایک سرخ ٹیلہ نمودار ہوا جس پر صالحین اور نیک لوگ کثرت سے ذکر و عبادت و دعا میں مشغول رہتے اور اس جگہ بہت انوار و برکات محسوس کرتے۔ روایات میں سے خداوند عالم نے اس جگہ پھر ایک خیمہ اتارا جو سرخ یاقوت سے تیار کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ حجر اسود بھی اتار گیا جو سفید چمکدار یاقوت تھا۔ زائرین کا ایک ہجوم دن رات عبادت کیلئے اس جگہ کو گھیرے میں لئے رہتا اور تسبیح وتحمید اور تحلیل کا ورد کرتے ہوئے اس جگہ کے طواف میں مشغول رہتے۔ چنانچہ اس حصہ زمین کو حرم قرار دے دیا گیا اور کفار و مشرکین کے بارے میں اللہ نے حکم نازل فرمایا ان المشرکون نجس فلا یقربو المسجد الحرام اور اسی عظمت و حرمت کی وجہ سے مواقیت مقرر فرمائے اور احرام کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نے اس جگہ پتھروں اور گارے ایک مسقف مکان تعمیر کیا۔ یہ عمارت حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک باقی رہی اور طوفان نوح میں غرق ہوگئی' یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آ گیا اور انہوں نے حکم خداوندی کے تحت خانہ کعبہ کی تعمیر از سرنو شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے کوئی ایسا پیغمبر نہیں جس نے خدا کے گھر کا طواف نہ کیا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے جنہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور کعبۃ اللہ دنیا میں سب سے پہلا گھر ہے جو خطہ زمین پر تعمیر ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان نے جہاں تمام دنیا کو غرق کر دیا وہاں خانہ کعبہ کی عمارت بھی منہدم ہوگئی۔ البتہ اس جگہ ایک سرخ ٹیلہ باقی رہ گیا۔ انبیاء سابقین کی روایات کے مطابق لوگ حج کرنے کیلئے یہاں آتے رہے حتیٰ کہ خداوند عالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے یہاں کا ٹھکانا مقرر فرمایا۔ وہ اس جگہ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کے ہاتھوں دوبارہ تعمیر ہو اور انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مل کر بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل بابل جو دریائے دجلہ اور فرات کے دوآبہ میں واقع تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام تارح یا آذر بت تراش کے ہاں پیدا ہوئے۔ کلدانی قوم عموماً بت پرست تھی۔ حضرت ابراہیم کے والد بت تراش تھے۔ خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کو بچپن سے ہی انوار نبوت سے منور کر رکھا تھا۔ اس لئے وہ ابتداء شعور سے ہی بت پرستی اور ستارہ پرستی کی شدت سے مخالفت کرتے چنانچہ وقت کے بادشاہ نمرود سے ان کا مناظرہ ہوا انہوں نے نمرود کو لاجواب کر دیا اور وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ حضرت ابراہیم اپنے باپ آذر کو بھی سمجھاتے تھے اور دلائل کی روشنی میں خداوند کریم کی ربوبیت ثابت کرتے۔ نمرود نے تنگ آ کر ان کو آگ میں ڈالا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کو حکم ہوا۔

یَانَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ ۝

چنانچہ آگ ابراہیم علیہ السلام پر سلامتی بن گئی۔ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم قدرت کو دیکھ کر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کا حکم ہوا۔ وہ اپنی بیوی سارہ کو لے کر شام چلے گئے اور حران میں ٹھہرے یہاں سے مصر چلے گئے۔ مصر کے بادشاہ نے حضرت سارہ کے حسن و جمال کا ذکر سنا تو انہیں دربار میں طلب کیا لیکن جلد ہی اپنی حماقت کا احساس کرتے ہوئے حضرت سارہ کو باعصمت واپس کر دیا اور اپنی ایک عزیزہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ انکا نام حاجرہ تھا۔ حضرت حاجرہ کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے بشارت دی کہ اللہ آپ کو ایک فرزند عطا کرے گا' جس کا نام اسماعیل رکھنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرمایا گیا کہ اے ابراہیم! اسماعیل اور اس کی والدہ کو کہیں دور چھوڑ آؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم منزل بمنزل وہاں پہنچ گئے جہاں بیت اللہ اور چاہ زم زم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں بٹھا دیا اور پانی کی ایک مشک کچھ کھجوریں اور روٹیاں رکھ کر واپس روانہ ہو گئے۔ حضرت حاجرہ نے مشیت ایزدی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا کہ ''اللہ ہم کو ضائع نہیں کرے گا'' اور بچہ کی دیکھ بھال میں لگ گئیں۔ حضرت ابراہیم نے الوداعی دعا کے طور پر اپنے پروردگار سے التجا کی۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○

(ابراہیم 37)

پروردگار! میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصہ کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں لٰہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا دے اور انہیں کھانے کو پھل دے۔ شائد کہ یہ تیرے شکر گزار بنیں ○

روایات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پانی ختم ہوا اور پیاس کا غلبہ نا قابل برداشت ہو گیا تو حضرت حاجرہ بے قرار ہو کر پانی کی تلاش میں نکلیں اور صفا و مروہ پہاڑوں کے درمیان پانی کی تلاش میں دوڑتی رہیں۔ چاروں طرف نظریں دوڑانے پر جب کچھ نظر نہ آیا تو مایوس واپس آ گئیں۔ صفا و مروہ کی درمیانی وادی کو بطن وادی کہتے ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان چکر کاٹنے کے باوجود جب پانی کہیں نظر نہ آیا۔ لوٹ کے بچے کے پاس آئیں تو دیکھتی کیا ہیں کہ بچے کے پانی کا ایک چشمہ جاری ہے۔ حضرت حاجرہ نے پانی کے گرد مٹی کی دیوار بنائی تا کہ پانی ضائع نہ ہو یہی پانی زم زم کہلایا۔ کچھ عرصہ بعد ہی قوم جرہم کا یہاں سے گزر ہوا اور حضرت حاجرہ نے ان کو یہاں رہائش کی اجازت دے دی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان لوگوں سے عربی زبان سیکھی۔ جوان ہونے پر بنو جرہم کے سردار نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس دوران حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملنے ان کے گھر پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے۔ بیوی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تنگی معاش کا ذکر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واپسی پر ان کی بیوی کو پیغام دیا کہ اسماعیل (علیہ السلام) کو میرا اسلام دینا اور کہنا تمہاری دہلیز کا پتھر اچھا نہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر واپس پہنچے اور حال معلوم ہوا تو سمجھ گئے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ پیغام سن کر بیوی کو طلاق دے دی اور دوسری عورت سے شادی کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب دوبارہ ملاقات کیلئے آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے بڑی خاطر مدارات کی اور معاش کے بارے میں اللہ تعالیٰ شکر ادا کیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام رخصت

ہونے لگے تو کہہ گئے کہ اسماعیل (علیہ السلام) کو میرا سلام کہنا اور یہ کہ دہلیز کا پتھر اچھا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو واپسی پر معلوم ہوا تو فرمایا وہ میرے والد بزرگوار تھے اور وہ تم سے خوش ہوئے۔ اب میں تمہیں ہمیشہ اپنی زوجیت میں رکھوں گا۔ تیسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے۔ اس بار حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ باپ بیٹا گلے ملے اور کافی دیر تک دونوں پر گریہ طاری رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے لبیک کہا اور تعمیر کعبہ شروع کر دی۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ج اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○

(البقرہ۔127-128)

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیمؑ بنیادیں بیت اللہ کی اور اسماعیلؑ بھی (اور دعا کرتے جاتے تھے) اے ہمارے رب! قبول فرما ہم سے (یہ خدمت) بیشک تو ہی ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ○ اے ہمارے رب! اور بنا ہم دونوں کو فرمانبردار اپنا اور ہماری نسل میں سے (اٹھا) ایک امت جو مطیع فرمان ہو تیری اور بتا ہمیں طریقے اپنی عبادت کے اور قبول فرما ہماری توبہ بیشک تو ہی ہے توبہ قبول فرمانے والا رحم فرمانے والا ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی ان دعاؤں کا ذکر بھی کیا ہے جو انہوں نے تعمیر بیت اللہ کے وقت مانگی تھیں۔ حضرت ابراہیم نے پرانے نشانات پر زمین کھودنا شروع کی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں فرمایا۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ کہ جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سابقہ بنیادیں ظاہر ہو گئی تھیں۔ پھر ان کو اوپر اٹھانے لگے اور اسی پر تعمیر شروع کی۔ اس طرح ایک مستطیل شکل کا مکان بنانا شروع کیا جس کا عرض مشرقی

جانب حجر اسود سے رکن یمانی تک بیس ہاتھ اور مغربی رکن شامی سے رکن غربی تک بائیس ہاتھ اور طول میں شمالی دیوار حجر اسود سے رکن شامی تک تینتیس ہاتھ اور جنوبی دیوار رکن غربی سے رکن یمانی تک اکتیس ہاتھ تھی۔ مگر یہ پیمائش دونوں کونوں میں نہ تو عرض میں برابر تھے اور نہ طول میں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کر رہے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے جاتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کر رہے تھے جس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں بناءِ ابراہیمی میں کعبۃ اللہ کی شکل کچھ اس طرح تھی۔

بنائے ابراہیمی میں کعبۃ اللہ کی پیمائش

1- حجر اسود سے دیوار کعبہ کا طول رکن شامی تک (شرقی دیوار 33 ہاتھ)
2- طول رکن غربی سے رکن یمانی تک (غربی دیوار 31 ہاتھ)
3- عرض از رکن شامی تا رکن غربی (شمالی دیوار 22 ہاتھ)
4- عرض از حجر اسود تا رکن یمانی (جنوبی دیوار 20 ہاتھ)
5- بلند 9 ہاتھ

(فتح الباری اور کتاب الاعلام)

مقام ابراہیم

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں کو حج کا اعلان کر دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ فرمایا گیا "اے ابراہیم (علیہ السلام) تمہارے ذمہ اعلان کرنا ہے اور پہنچانا ہمارا کام ہے۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل شبیر پر چڑھ کر بلند آواز سے اعلان فرمایا:

"اے اللہ کے بندو! بیشک اللہ نے ایک گھر بنایا ہے اور تم کو حکم دیا ہے کہ اس کی حاضری دو' حج کرو' لہٰذا میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ حج بیت اللہ کرو اور اللہ کے داعی کی آواز پر لبیک کہو' اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ

مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ ۙ

(الحج۔27)

اے ابراہیم اعلان حج کر دو تا کہ لوگ تمہارے پاس ادائے حج کیلئے پا پیادہ اور ایسی سواری پر جو چھریرے بدن کی ہو ہر دور دراز کونوں سے تمہارے پاس پہنچ جائیں۔

حجر اسود اور حطیم

بناء ابراہیمی میں حطیم کا حصہ الگ نہ تھا۔ مگر سیلاب سے جب کعبہ کو نقصان پہنچا اور قریش نے بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا تو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے یہ حصہ اس وقت تعمیر سے چھوٹ گیا۔ خانہ کعبہ کے گوشوں کو ارکان کہا جاتا ہے۔ ان چاروں گوشوں یعنی ہر رکن کا ایک نام ہے۔ جنوب مشرقی گوشہ میں ڈیڑھ گز سے قدرے زائد بلندی پر ایک مدور سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جس کو حجر اسود کہا جاتا ہے۔ جنوب مغربی کونے میں تقریباً قد آدم بلندی پر سرخی مائل پتھر کا ٹکڑا ہے جس کو رکن یمانی کہتے ہیں۔ شمال مشرقی کونے کا نام رکن شامی ہے۔ اس لئے کہ بیت اللہ کا یہ گوشہ شام کی طرف واقع ہے۔ اس کے بالمقابل کونے کو رکن غربی کہتے ہیں کیونکہ یہ بجانب مغرب ہے۔ حطیم رکن شامی اور رکن غربی کی طرف واقع ہے۔ عرصہ دراز تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر قائم رہی۔ کچھ عرصہ بعد سیلاب کے سبب عمارت شکستہ ہو کر منہدم ہو گئی تو بنو عمالیق نے جو بنو حمیرہ کا قبیلہ تھا اسے از سر نو تعمیر کیا۔ اس کے بعد قصی بن کلاب نے اس پر لکڑی کی چھت ڈال دی اور اس پر سیاہ غلاف ڈالا۔ یہ عمارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک قائم رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک دس سال تھی جب ایک عورت نے غلاف کعبہ کے قریب لوبان روشن کرنا چاہا تو پردہ میں آگ لگ گئی اور اس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی چوبی عمارت آگ کی لپیٹ میں آ گئی۔ قریش کے سرداروں نے مل کر طے کیا کہ خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کی جائے۔ یہ تعمیر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے کی گئی قریش نے بناء ابراہیم میں کچھ تصرف کئے۔ اوّل یہ کہ شمال مغرب میں سات گز جگہ چھوڑ دی جس کو حطیم کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بیت اللہ کا دروازہ دو گز بلندی پر رکھا اور اس کے واسطے سیڑھیاں بنائیں۔ تیسرے یہ کہ بیت اللہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صفیں قائم کیں اور ہر صف میں تین تین ستون رکھے۔ رسول

رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فتح مکہ کے بعد بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگلی صف کے درمیان نماز ادا فرمائی۔ چوتھا تصرف یہ کیا کہ بیت اللہ کی دیواریں دو چند بلند کر دیں۔ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر کو نکال دیا اور فتح مکہ تک جو بت رکھے ہوئے تھے ان کو بھی نکال دیا گیا۔ قریش جب تعمیر کعبہ کر رہے تھے تو حجر اسود رکھنے پر بڑی الجھن پیش آئی۔ آخر سب نے متفق ہو کر یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود کو ایک بڑی چادر میں رکھوایا اور ہر قبیلہ کے سردار کو اپنے ہاتھ سے یہ چادر اٹھانے کو کہا یہاں تک کہ حجر اسود اپنے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا۔

بناء قریش

بیت اللہ کے بوسیدہ قابل مرمت اور پست سیلاب زدہ جگہ میں واقع ہونے کی وجہ سے اس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا تھا۔ قریش نے اس خیال سے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا ارادہ کیا۔ جب سب سرداران قریش اس پر متفق ہو گئے۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کے ماموں ابو وہب مخزومی نے قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے لوگو یہ اللہ کا گھر ہے۔ اس کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسب حلال اور پاک ہو۔ سب قبائل نے اتفاق کیا اور خواہش کی کہ تعمیر بیت اللہ میں ہمارا بھی حصہ ہو۔ بدیں وجہ باہمی مشورہ سے تعمیر بیت اللہ کو اس طرح تقسیم کیا گیا۔

1- دروازہ کی جانب بنو عبد مناف' بنو زہرہ' بنو مخزوم و دیگر قبائل قریش

2- پشت بیت اللہ بنو جمح اور بنو سہم

3- حطیم' بنو عبد الدار بن قصی' بنو اسد اور بنو عدی

4- بیت اللہ کی چھت ولید بن مغیرہ۔ اتفاق سے یہ خبر ملی کہ ایک جہاز جدہ کے ساحل سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہے۔ ولید جدہ گیا اور اس کے تختے بیت اللہ کی چھت کیلئے خرید لایا۔

5- بیت اللہ کا معمار بکوم رومی

بیت اللہ کے تعمیری زمانوں کی اجمالی صورت' بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یوں ہے۔

i- بنائے اوّل حضرت آدم علیہ السلام

ii- بناء ابراہیم علیہ السلام

iii- بناء قریش، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال قبل۔ درمیانی مدت دو ہزار چھ سو پینتالیس سال۔

(سیرہ ابن ہشام۔ ابن کثیر۔ تاریخ الحرمین۔ علامہ طبری شرح التبینہ)

غلاف کعبہ

سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھانے والا شخص یمن کا بادشاہ تبع اسد حمیری ہے۔ جس نے یمن کی حمیری چادروں کا غلاف تیار کر کے بیت اللہ پر ڈالا۔ یہ روایت ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسد حمیری یعنی تبع کو برا کہنے سے منع فرمایا کیوں کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھایا۔ یہی دستور قریش کے زمانے میں بھی رہا اور متعدد قبائل پر غلاف کی تیاری اور اس کے مصارف کی ذمہ داری عائد کی گئی۔ یہ قبائل نہایت قیمتی کپڑوں دیباج اور مخمل کا غلاف تیار کرتے تھے۔ یہ سلسلہ قصی بن کلاب کے زمانہ تک جاری رہی۔ جب ابو ربیعہ مغیرہ مخزومی کا زمانہ آیا تو انہوں نے قرار دیا کہ ایک سال میں اور ایک سال قریش غلاف چڑھانے کے ذمہ دار ہوں گے۔ روایات سے ثابت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتے تھے۔

تاریخ مدینہ منورہ

علامہ سہوی نے کتاب ''وفاء الوفا'' میں مدینہ منورہ کے اسماء کو بیان کیا ہے۔ جن کا ثبوت تاریخ سے یا ان کا اطلاق کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ مدینہ منورہ کا ایک نام ''اترب'' ہے۔ یہ نام حضرت نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کا ہے جو اس سرزمین میں آ کر بس گئے تھے۔ اسی لفظ کو بعد میں ''یثرب'' کہا جانے لگا۔ قاضی عیاض بن غنم اور قاضی ابوالولید نے بیان کیا ہے کہ سرزمین کعبہ کے بعد روئے زمین پر ''مدینہ منورہ'' سے افضل کون سی جگہ ہو سکتی ہے۔ جس میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور وہ مبارک زمین آپ کے جسد اطہر کا گہوارہ بنی۔ بعض آئمہ نے زمین کی آسمان پر فضیلت اس وجہ سے بیان کی ہے کہ زمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسودہ ہیں۔ جس طرح قرآن کریم

نے سرزمین مکہ کو حرم قرار دیا اسی طرح مدینہ بھی حرم ہے۔عیر اور ثور پہاڑوں کے درمیان کا حصہ حرم ہے۔مدینہ کا پھل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر پسند تھا کہ جب پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے۔

تعمیر مسجد نبوی

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کیلئے ہجرت فرمائی تو پہلے مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر قبا میں قیام فرمایا' یہاں انصار کے چند خاندان رہتے تھے۔عمرو بن عوف کا ممتاز خاندان جس کے سربراہ کلثوم بن ہدم تھے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مہمان ہوئے۔قبا میں رونق افروز ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد قبا کی تاسیس وتعمیر کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے فرمایا اے لوگو میرے پاس اس سرزمین حرہ کے پتھر اٹھا لاؤ۔لوگوں نے وہاں سے پتھر جمع کر دیئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں ایک نیزہ تھا۔اس سے قبلہ کا نشان لگایا اور اپنے دست مبارک سے ایک پتھر اس میں لگایا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لوگوں سے فرمایا کہ جس کا دل چاہے پتھر رکھتا جائے۔ اس طرح سلسلہ تعمیر جاری ہوگیا۔صحابہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پتھر لانے میں شریک ہوئے اگرچہ صحابہ بار بار عرض کرتے رہے یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ رہنے دیں۔ ہم پتھر لانے کیلئے کافی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرط شوق میں پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ اس مسجد مبارک کی فضیلت اور شان وعظمت قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اوّل دن ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے' وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں۔اور اللہ ایسے پاکباز اور صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے ۝

قبا میں چند روز قیام کے بعد جمعہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کا قصد

فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے اور انصار کی ایک جماعت ہتھیاروں سے لیس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں اور بائیں چل رہی تھی۔ ہر شخص کی آرزو تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ہاں فروکش ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دعائیں دیتے ہوئے فرماتے کہ میرا ناقہ مامور من اللہ ہے۔ جہاں حکم ہوگا یہ وہاں بیٹھ جائے گی اور میں اسی جگہ قیام کروں گا۔ وہ ناقہ محلہ بنی نجار میں عین اس جگہ خود بخود بیٹھ گئی' جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ سے اتر آئے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا۔ جہاں ناقہ بیٹھی تھی وہاں پہلے سے اہل مدینہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ میدان دو یتیم بچوں کا مربد تھا جہاں لوگ کھجوریں خشک کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یتیم بچوں کو بلوایا تاکہ قیمت دے کر قطعہ زمین خرید لیں۔ ان بچوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ زمین ہم سے بلا قیمت قبول فرمائیے۔ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا قیمت لینے سے انکار فرمایا اور ابوبکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ اس کی قیمت ادا کریں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً دس دینار ادا فرما دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور جاہلیت کے مشرکین کی قبریں مسطح کرنے کا حکم دیا۔ ان کے نشانات مٹا دیئے گئے اور درخت اکھاڑ دیئے گئے اور زمین کو مسطح کیا گیا۔

روئے زمین کی اس مقدس ترین مسجد کی تعمیر میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود شریک ہوئے اور اپنے دست مبارک سے اینٹیں چننے لگے۔ تمام حضرات تعمیر میں لگ گئے۔ کوئی اینٹیں لا رہا ہے۔ کوئی گارا تیار کر رہا ہے اور کوئی چنائی کر رہا ہے۔ الغرض مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔ کھجور کے درختوں کی قبلہ رو لائن لگا دی گئی۔ یہ ستون تھے جن پر چھت ڈالی گئی۔ چھت کھجور کے پتوں اور گارے سے تیار کی گئی تھی۔ یہ مسجد جس نے تمام عالم کو اپنے انوار سے روشن کیا اور دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کی عظمت و شوکت کا ڈنکا بجایا۔ اسلامی عظمتوں کا مرکز ہے اور اپنی سادگی میں بے مثال ہے۔ اس چھپر نما مسجد سے قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں تہہ و بالا ہوگئیں اور ان کے محلوں کو اس چھپر کے نیچے بیٹھنے والوں اور صفہ پر رہنے والے درویشوں کے قدموں نے روند ڈالا۔ دنیا یہ یقین کرنے پر مجبور ہوگئی کہ اسلام خالق کائنات کا سچا مذہب ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ساری طاقتیں ہیں۔

مسجد نبوی کا طول و عرض

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں مسجد کی دیواروں کی بلندی قدم آدم سے کچھ زائد

تھی۔ احادیث میں آیا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ مسجد بہت نیچی چھت کی وقت چونکہ نماز مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی طرف پڑھی جارہی تھی اس لئے دیوار قبلہ بیت المقدس کی سمت تھی۔ یہ وہ دیوار ہے جس میں اب باب النساء ہے۔ باب جبرائیل والی دیوار کا بایاں گوشہ شام کی سمت ہے۔ مسجد کے تین دروازے رکھے گئے۔ ایک دروازہ موجودہ قبلہ رو دیوار اور دوسرا دروازہ مغرب کی جانب؛ جس کو اب باب الرحمتہ کہا جاتا ہے اور تیسرا دروازہ مشرق کی جانب جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں آتے جاتے تھے۔ جس کو اب باب جبریل کہا جاتا ہے۔ جب بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہوا اور بیت اللہ کی طرف نماز میں رخ کرنے کو حکم ہوا تو جو دروازہ مسجد کے عقب میں تھا اس کو بند کر کے اس کے بالمقابل دوسرا دروازہ بنایا گیا۔ جانب مشرق مسجد کی حد حجرہ شریفہ کی دیوار تھی۔ خارجہ بن زید فقیہہ مدینہ کی روایت ہے کہ مسجد کا طول ستر ہاتھ اور عرض ساٹھ ہاتھ تھا۔ ابن النجار نے بیان کیا کہ طول ستر ہاتھ اور عرض ساٹھ ہاتھ تھا۔ اور مشرق سے مغرب کی حد تریسٹھ ہاتھ تھی۔ ایک روائت میں طول وعرض سو ہاتھ سے کم ہے اور ایک اور روایت میں طول وعرض سو ہاتھ بتلایا گیا ہے۔ ساٹھ ستر اور سو گز طول وعرض کی روایتوں کا فرق اس بات پر مبنی ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر دو مرتبہ فرمائی۔ ایک دفعہ ہجرت کے بعد جب یہ احاطہ بنونجار سے خریدا۔ اس مرتبہ طول وعرض ستر اور ساٹھ ہاتھ تھا۔ دوسری دفعہ فتح خیبر کے بعد سنہ 7 ہجری میں۔ اس وقت پیائش سو ہاتھ طول اور سو ہاتھ عرض ہو گئی۔ معجم طبرانی کی روایت ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ فرمایا تو مسجد سے متصل ایک انصاری کی زمین تھی۔ وہ صحابی کثیر العیال اور تنگ دست تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں منہ مانگے دام دیئے اور زمین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو برضاء وخوشنودی قبول فرما کر مسجد میں شامل کر دیا۔ اس حصہ کی تعمیر میں حضرت ابوہریرہؓ بھی شریک تھے۔ انہوں نے سنہ 7 ہجری میں اسلام قبول کیا۔ عمرو بن عاص جو سنہ 5 ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اس تعمیر میں شامل تھے۔

ازواج مطہرات کیلئے حجرات

مسجد نبوی کی بائیں جانب یعنی مشرقی سمت پر ازواج مطہرات کیلئے حجروں کی بنیاد رکھی گئی۔ پہلے صرف دو حجرے تیار کئے گئے۔ ایک ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ کیلئے اور دوسرا ام

المومنین حضرت عائشہ بن ابوبکر صدیقؓ کیلئے۔ باقی حجروں کی تعمیر بعد میں حسب ضرورت ہوتی رہی۔ مسجد سے متصل حارثہ بن نعمان کے مکانات تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضرورت پیش آتی' حارثہؓ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کر دیتے تھے۔ اکثر حجرے کھجور کی شاخوں اور بعض کچی اینٹوں کے بنائے گئے تھے۔ اور دروازوں پر ٹاٹ یا پرانے کمبل کے پردے پڑے ہوتے تھے۔ حجرے کیا تھے' زہد و قناعت اور دنیا کی بے ثباتی کی پوری پوری تصویر تھے۔ جن میں اکثر و بیشتر چراغ بھی نہ جلتا تھا۔ ازواج مطہرات کی وفات کے بعد یہ تمام حجرے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے گئے۔ ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ فرمایا کرتے تھے۔ ''کاش وہ حجرے اسی حالت پر چھوڑ دیئے جاتے تاکہ دنیا یہ دیکھتی کہ وہ شہنشاہ دو عالم جس کے پاؤں تلے قیصر و کسریٰ کے خزانے تھے۔ کیسے حجروں اور کیسے چھپروں میں زندگی بسر کرتے تھے۔

حجرہ شریفہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض الوفات میں جہاں بستر تھا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جسد عنصری کے ساتھ اسی جگہ ابدی آرام فرما رہے ہیں۔ وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربت مبارک ہے۔ اسی جگہ کو مقصورہ کبریٰ اور حجرہ شریفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک کہ ''کوئی نبی ایسا نہیں ہے کہ اس کو اس جگہ دفن نہ کیا گیا ہو جس جگہ اس نبی کی روح قبض کی گئی'' کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر مبارک کی جگہ ہی دفن کیا گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیقؓ نے بعد میں اس حجرہ کے دو حصے کئے تھے اور درمیان میں ایک دیوار کھڑی کر کے اس حصہ کو جدا کر دیا تھا' جس میں قبر مبارک ہے۔ اس درمیانی دیوار میں راستہ اور ایک روشندان رکھا تھا تاکہ زیارت بھی کرتی رہیں اور گاہ بگاہ وہاں جا کر بیٹھا کرتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب قدرے نیچے دفن کیا گیا۔ اس طرح کہ صدیق اکبرؓ کا سر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی طرف تھا' اس وقت بھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس حصہ میں بلاتکلف جاتی رہیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ اس میں میرے زواج اور میرے باپ ہی تو ہیں۔ لیکن اس حجرہ میں حضرت عمر الفاروقؓ کو بھی دفن کیا گیا تو حضرت عائشہؓ کبھی اس حجرہ میں بغیر پردہ نہ گئیں۔ خوب اچھی طرح چادروں میں لپٹ کر اور پوری طرح پردہ کر کے جاتیں۔

............*

سیرت النبیؐ کے ماخذ

افضل البشر، خاتم النبین، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطہر اور پاک زندگی کے حالات، مکی زندگی اور مدنی دور کے واقعات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات، تعلقات عامہ اور اخلاقت وعادات کا جو ذخیرہ مختلف زبانوں میں موجود ہے اس کے چھ ماخذ ہیں۔

1- کتاب اللہ
2- حدیث رسول اللہ
3- مغازی وسیر کی مستند تالیفات
4- کلام اللہ کی محققانہ تفاسیر
5- قدیم اسلامی تواریخ
6- کتب اسماء الرجال

ہر ماخذ کی مختصر سی کیفیت علیحدہ علیحدہ کچھ اس طرح ہے۔

قرآن مجید

رسول رحمت کے سوانح حیات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات مبارکہ، اخلاق

فاضلہ کا سب سے زیادہ مستند ذریعہ قرآن شریف ہے۔ قرآن کریم بذریعہ وحی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس طرح نازل ہوا' بالکل اسی طرح آج بھی ہمارے سامنے ہے اور رہے گا' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ اِنَّا نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ پس خدا اور اس کے کلام سے زیادہ سچا اور کون ہو سکتا ہے؟ ومن اصدق من اللّٰہ قبیلا پس سب سے بڑا ماخذ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا قرآن حکیم ہے۔

دوسرا ماخذ نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے احادیث نبوی کا وہ عظیم الشان ذخیرہ ہے جو محدثین نے اپنی عمریں وقف کر کے بڑی جدوجہد کے بعد نہایت صحت اور انتہائی حزم واحتیاط سے مدون کیا۔ حدیث کے لغوی معنی بیان' ذکر' خبر اور روایت کے ہیں' لہٰذا حدیث اس جملہ کو کہتے ہیں۔ جس کی سند رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام تک پہنچے۔

حدیث کی تدوین

حدیث کی باقائدہ تدوین زمانہ رسالت یا عہد خلفائے راشدین میں نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے اس ضروری اور اہم کام کی طرف حضرت عمر بن عبد العزیز اموی نے توجہ مبذول کی۔ انکا زمانہ خلافت سنہ 99 ہجری تا سنہ 101 ہجری ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کو خدشہ لاحق ہوا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وارشادات کا جو عظیم ذخیرہ علماء زمانہ کے سینوں میں محفوظ ہے' اگر اسے صفحہ قرطاس پر منتقل نہ کیا گیا تو وہ ہمیشہ کیلئے نابود ہو جائیگا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام محروسہ دنیا میں پھل گئے اور اپنی اپنی جگہ رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا' جن نفوس قدسیہ نے صحابہ کرام کی تعلیم کی بدولت قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں اپنے سینوں کو منور کیا' تابعین کہلائے۔ یہی گروہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت میں علوم ومعارف کا مخزن ومرکز بنا اور یہ لوگ تمام ممالک میں پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اس وقت معلومہ دنیا کے وہ عظیم حکمران تھے کہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد کوئی مسلمان حکمران ان کی ہمسری کر سکا۔ اندلس' الجزائر' تیونس' طرابلس' مصر' نوبہ جزائر' بحر الروم' شام' عراق' عرب ایران' توران' خراسان' طبرستان' بجستان' افغانستان اور شمال

مغربی ہندوستان پر ان کی حکومت تھی اور ان سب مقامات پر اصحاب النبی یا ان کے لائق فرزند پھیلے ہوئے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے تمام ممالک کو لکھ بھیجا کہ تابعین سے جس قدر ذخیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ کا مل سکے نہایت احتیاط سے جمع کر کے دمشق بھیج دیا جائے۔ خلیفہ نے اس ذخیرہ احادیث کو نقل کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح ایک معقول مجموعہ احادیث جمع ہو گیا۔ پھر عمر بن عبدالعزیز نے ان کی نقول تمام ممالک کی مساجد جامع میں بھیجوا دیں تا کہ وہاں درس و تدریس کا مناسب انتظام کیا جائے۔

جن علماء کرام نے احادیث کے جمع و منضبط کرنے میں پہل کی ان میں سب سے پہلے بزرگ حضرت ابوعبداللہ مالک بن انسؓ ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ میں تحقیق و تلاش اور اخذ و انتخاب کے بعد احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ جو موطا امام مالک کے نام سے مشہور ہوا۔ موطا کے معنی ہیں۔ آراستہ کیا ہوا یا سجایا ہوا یعنی ایسی کتاب جس میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سلیقہ اور نفاست سے سجائی گئی ہوں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پایہ کے محدث اور بڑے فاضل بزرگ تھے سنہ 93 ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے باسٹھ برس تک دنیا کو فیض پہنچا کر سنہ 179 ہجری میں چھیاسی 86 برس کی طویل عمر پا کر مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ مسجد نبوی میں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔ مدینہ شریف میں کوئی عالم ان کے ہوتے ہوئے فتویٰ نہیں دے سکتا تھا۔ موطا امام مالک آپ کی بے مثل اور بڑی کتاب ہے۔ جو شہرت اور بقائے دوام کا درجہ اس کتاب کو حاصل ہوا اور کسی مجموعہ کو حاصل نہ ہو سکا۔ اس میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دس ہزار احادیث کا ذخیرہ فراہم کرنے کے بعد مرتب کرتے وقت صرف ایک ہزار سات سو بیس احادیث منتخب کیں اور یہی کتاب میں درج ہیں۔ قرآن کریم کے بعد جو سب سے پہلے کتاب اسلام میں لکھی گئی وہ موطا امام مالک ہے۔

موطا امام مالک کے بعد امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند کو مرتب کیا۔

مسند امام احمد بن حنبل سب سے زیادہ مبسوط کتاب ہے۔ اس لاجواب مجموعہ کو حضرت امامؒ علیہ رحمت نے ساڑھے سات لاکھ احادیث سے انتخاب کیا اور صرف پچاس ہزار احادیث کا گلدستہ تیار کیا۔ جو قیامت تک عاشقان حدیث کو معطر کرتا رہے گا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ بغداد میں سنہ

164ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور وہیں سنہ 241 ہجری میں وفات پائی۔

صحاح ستہ

صحاح ستہ کی چھ کتابوں کا مختصر سا ذکر ضروری ہے کیونکہ یہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کا بہترین مجموعہ تصور کی جاتی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

1- بخاری شریف

2- مسلم شریف

3- ابوداؤد

4- نسائی

5- ترمذی

6- ابن ماجہ

صحیح بخاری

یہ عظیم المرتبت کتاب ''صحیح بخاری'' یا صرف ''بخاری'' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ اس کتاب کے مرتب ہیں جو چاردانگ عالم میں مختصراً امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور فارسی الاصل ہیں۔ شوال سنہ 194 ہجری میں یہ آفتاب عالم تاب بخارا میں طلوع ہوا جس سے تمام عالم اسلام منور ہوا۔ صرف پندرہ سال کی عمر علوم قرآن وحدیث اور دیگر مروجہ علوم سے فارغ ہو کر مسند نشین درس ہوا۔ ان کا حلقہ درس اتنا وسیع ہوا کہ دور دور سے تشنگان علم کھچے چلے آتے تھے۔ اس نیک و پاک شغل میں آپ ساری عمر مشغول رہے۔ یہاں تک کہ بمقام خرتنگ متصل سمرقند یہ آفتاب عالم تاب دنیا بھر میں ضیا پاشیوں کے بعد شوال سنہ 256 ہجری میں باسٹھ سال عمر پا کر ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا اور تمام دنیائے اسلام کو سوگوار چھوڑ گیا۔ آپ کو امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث اور سید الفقہا کے لازوال خطابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ سولہ سال کی محنت شاقہ کے بعد چھ لاکھ احادیث میں سے بے انتہا انتخاب واقتباس کے بعد احادیث کا بے نظیر مرقع تیار کیا جو صحیح بخاری کے نام سے آج

تک حدیث کی سب سے معتبر اور سب سے زیادہ مستند کتاب مانی جاتی ہے۔

صحیح مسلم

حدیث کی نہایت مستند کتاب صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کو مانا جاتا ہے۔ امام مسلم بن حجاج القشیریؒ نے تین لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے پندرہ برس کی محنت سے اس کو مرتب کیا ہے۔ اس میں بارہ ہزار احادیث ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو صحیحین کہتے ہیں اور جو حدیث ان دونوں میں موجود ہو وہ نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے اور متفق علیہ کہلاتی ہے۔ امام مسلمؒ کی کنیت ابوالحسن اور لقب عساکر الدین ہے۔ آپ نیشاپور میں سنہ 204 ہجری کے درمیان پیدا ہوئے۔ اور سنہ 261 ہجری میں نصیر آباد (نیشاپور) میں وفات پائی۔ متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلمؒ کو ملا کر محدثین شیخین کہتے ہیں۔

سنن ابوداؤد

صحاح ستہ کی تیسری کتاب ''سنن داؤد'' ہے۔ حضرت امام ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ نے پانچ لاکھ احادیث انتخاب واقتباس جمع کر کے نہایت تحقیق کے بعد صرف چار ہزار آٹھ سو احادیث لے کر اس کتاب کو مرتب کیا۔ امام داؤدؒ 202 ہجری میں بجستان میں پیدا ہوئے اور سنہ 275 ہجری میں بمقام بصرہ 73 سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

سنن ابن ماجہ

یہ صحاح ستہ کی چوتھی عظیم کتاب ہے، جس کو امام ابن ماجہؒ نے لاکھوں احادیث سے انتخاب کر کے مرتب کیا۔ اس میں چوبیس ہزار احادیث ہیں۔ امام ابن ماجہؒ کی کنیت ابوعبداللہ اور نام محمد بن یزید ابن ماجہ ہے۔ آپ سنہ 209 ہجری میں قزوین میں پیدا ہوئے۔ حدیث نبوی کی تلاش میں خراسان، عراق حجاز اور مصر کے معروف شہروں کے سفر کئے۔ آپ نے 64 سال کی عمر میں رمضان سنہ 273 ہجری کو انتقال فرمایا۔

جامع ترمذی

یہ صحاح ستہ کی پانچویں کتاب ہے۔ نہایت تلاش و تحقیق کے بعد حضرت امام ترمذیؒ نے مرتب کیا۔ اس کتاب کو علماء حدیث نے بوجوہ تمام احادیث کی کتابوں پر فوقیت دی ہے۔ اس کی ترتیب بہت عمدہ ہے اور مکرر احادیث اس میں نہیں ہے۔ احادیث کی مختلف اقسام اس میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ روایان حدیث کی تحقیق بہت اچھی کی گئی ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ اور سیرت کے واقعات وحالات جس قدر اس کتاب میں ہیں' صحاح ستہ کی اور کسی کتاب میں نہیں۔ اس کے مؤلف ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰؒ ہیں جو عام طور پر امام ترمذیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ دریائے جیحون کے کنارے واقع شہر ترمذ کے ایک گاؤں بوغ نامی میں آپ سنہ 209 ہجری میں پیدا ہوئے۔ امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں۔ طلب علم میں مختلف شہروں کا سفر کیا۔ زہد وقناعت نیکی و پاکبازی میں بے مثل تھے۔ خوف خدا سے رو رو کر بینائی کھو بیٹھے۔ بلا کا حافظہ پایا تھا۔ سنہ 279 ہجری میں ترمذ میں ہی یہ علم وعمل کا آفتاب غروب ہو گیا۔

سنن نسائی

صحاح ستہ کی یہ چھٹی اور آخری کتاب ہے۔ احادیث کا یہ مجموعہ نہایت بہترین سمجھا جاتا ہے۔ یہ بخاری اور مسلم کا جامع نچوڑ ہے۔ اس کتاب کے مؤلف حضرت ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ ہیں۔ نساً خراسان کا ایک شہر ہے۔ آپ سنہ 214 ہجری میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کیلئے تمام ان شہروں کا سفر اختیار کیا جہاں اپنی پیاس بجھا سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی قابل تعریف کتاب پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کی اور اس کی ایک خلاصہ بنام سنن صغرا تیار کیا۔ صفر سنہ 303 ہجری کے دن مکہ کے راستے میں انتقال فرمایا اور لوگوں نے مکہ لے جا کر دفن کر دیا۔

مغازی وسیر

سیرۃ النبوی کا تیسرا ماخذ مغازی وسیرۃ کی کتب ہیں' جو محققین ومورخین نے ابتدائی زمانہ میں تلاش وکوشش کے بعد مرتب کیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مغازی وسیرت حدیث کی ایک قسم ہے۔ مگر یہ خیال درست نہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

واقعات وحالات اور غزوات وجنگوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارباب سیر کا نکتہ نظر کچھ اور حدیث کا بیان بالکل مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً صاحبان مغازی کہتے ہیں' غزوہ ذی قرہ صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا ہے اور ارباب حدیث کہتے ہیں کہ یہ غزوہ صلح حدیبیہ کے بعد اور جنگ خیبر سے پہلے ہوا۔ فن مغازی کی تاریخ وابتداء حضرت عمر بن عبدالسلام اموی کے عہد میں ہوئی۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ علم حدیث کی تدوین بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں شروع ہوئی اور فن مغازی کی بنیاد بھی ان ہی کے مبارک عہد میں پڑی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ماہر غزوات وسرایا حضرت عاصم بن قتادہ انصاری کو اس اہم کام کیلئے مقرر فرمایا۔ اس فاضل جلیل تابعی نے ہزاروں لوگوں کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات سے آگاہی بخش کر سنہ 121 ہجری میں انتقال فرمایا۔ یہ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے فن سیر کی ابتداء کی۔

مغازی کی ابتداء

عربی ادب کے تین میدان ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال واقوال کا ماخذ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یعنی حدیث' سیرت اور تفسیر۔ ان میں ہر ایک کا بنیادی عنصر شخصی روایت ہے۔ تینوں موضوعات کی کتابیں جو روایات پر مشتمل ہیں۔ ان کو مختلف ڈھنگ سے پیش کرتی ہیں۔ حدیث جن میں صحاح ستہ شامل ہیں یا مسانید جیسے مسند امام احمد بن حنبل۔ البتہ سیرۃ کی کتابوں میں یہ روایات حوادث کی تاریخی ترتیب سے آتی ہیں اور تفسیر بالحدیث میں ان کو آیات قرآنی کے لحاظ سے رکھا جاتا ہے' جن سے یہ متعلق ہوں۔ حقیقتاً ان تینوں موضوعات میں سے کوئی بھی باعتبار مواد یکساں کتابیں پیش نہیں کرتا بلکہ انفرادی تالیفات اس مجموعہ روایات سے مواد کا انتخاب کرنے میں خاصی مختلف ہیں مگر تینوں موضوعات کی وہ تالیفات جنہیں جامع کہا جاسکے۔ مثلاً واقدی کی کتاب ''المغازی'' اور امام احمد بن حنبل کی مسند بنیادی طور پر ایک ہی مواد رکھتی ہیں۔ ہمیں واقدی کے ہاں مشکل سے کوئی حدیث ملے گی جو مسند امام احمد بن حنبل میں درج نہ ہو۔

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تابعین نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال کی ان روایتوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ جو ان کے زمانے میں رائج تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ تابعین کی نسل میں اس طرح کی کتابیں ناپید نہیں تھیں' جنہوں نے اپنا مواد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔ تابعین میں ایسے اصحاب موجود تھے' جو مغازی کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ یہاں ہم ان مغازی کے علماء کا ذکر کریں گے جو بالخصوص تابعین میں سے ہوئے۔

ابان بن عثمان

سب سے پہلے ابان بن عثمان اور عمرو بن جندب کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ان کی پیدائش سنہ 20 ہجری کے بعد کی ہے۔ وہ حضرت عائشہؓ حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ اس مہم میں شریک تھے۔ جو سنہ 35 ہجری میں قتل عثمان کا قصاص طلب کرنے کو شروع کی گئی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے چالیس برس تک سیاست میں کوئی حصہ نہ لیا' حتیٰ کہ عبدالملک نے انہیں سنہ 75 ہجری میں مدینہ کا والی مقرر کیا۔ ابان سنہ 83 ہجری تک سات سال مدینہ کے گورنر رہے۔ ان کے عہد امارت کی بعض شخصیتوں مثلاً جابر بن عبداللہؓ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد بن الحنفیہ اور عبداللہ بن جعفرؓ کا انتقال ہوا۔ ان سب کی نماز جنازہ ابانؓ ہی نے پڑھائی۔ ان کی وفات سنہ 105 ہجری میں بتائی جاتی ہے۔ ابان کا شمار فقہائے مدینہ میں ہوتا ہے۔ ابان کو زمرہ محدثین میں اچھی شہرت حاصل ہے۔ اگرچہ احادیث کی سندوں میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے' مگر وہ سیرۃ کی کتابوں سے ناپید ہے۔ البتہ ان کا ذکر ابن اسحاق الواقدی کے یہاں یا ابن سعد کی کتاب کے ان حصوں میں جو سیرہ سے متعلق ہیں کہیں کہیں ملے گا۔ ابن سعد نے واقعہ بدر میں حضرت عباس اور دوسرے ہاشمیوں کی گرفتاری کا حال ابان بن عثمان کی روایت سے لکھا ہے۔ ابان بن عثمان نے ایک کتاب "المبداء والمبعث والمغازی" لکھی ہے جس کا تذکرہ یعقوب نے معجم البدان میں کیا ہے۔

پہلے سیرت نگار حضرت عمروہ بن زبیر

ان کا شمار مدینہ کے فقہاء اور سیرت ومغازی کے اولین مصنفین میں ہوتا ہے۔ ان کے جو آثار ہم تک پہنچے ہیں' وہ قدیم ترین اور مستند تاریخی تحریروں کا نمونہ ہیں۔ جس ماحول میں انہوں نے

نے آنکھیں کھولیں اور ان کے خاندان کا معاشرہ میں جو مقام حاصل تھا' اس کی وجہ سے عہد رسالت اور صدر اسلام کے بہت سے واقعات سے قریبی واقفیت کا انہیں موقع ملا تھا۔ انہوں نے پوری زندگی تعلیم و تعلم کیلئے وقف کر دی تھی اور اس علمی زندگی پر نہ صرف یہ کہ قانع تھے بلکہ اس کے آرزومند بھی تھے۔ گویا ہمارا تعارف علم کے ایک شیدائی سے ہو رہا ہے۔ حضرت عروہؓ کی شخصیت عربوں کے یہاں خصوصاً سیرت اور مغازی کے میدان میں باقاعدہ تاریخ نگاری کے ایک بانی اور پیش رو کی حیثیت سے اُبھرتی ہے۔ حضرت عروہ کا نسب یہ ہے۔ عروہ بن الزبیر بن العوام بن خولید بن اسدی بن عبدالعزیٰ بن قصی کلاب القریشی الاسدی۔ عروہ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق ہیں اس وجہ سے انہیں اپنے نسب پر فخر تھا۔

عروہ کے راوی

جن حضرات نے عروہ سے روایت کی ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم صرف وہ نام درج کرتے ہیں جو ان کی روایتوں میں بار بار آتے ہیں۔ والد زبیر' بھائی' عبداللہ بن زبیر' والدہ اسماء بنت بکر' خالہ' حضرت عائشہ' حضرت علی بن ابی طالب' سعد بن زید بن عمرو بن طفیل' زید بن ثابت' عبداللہ بن جعفر' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر' اسامہ بن زید' ابو ایوب انصاری' ابو ہریرہ' ام المومنین حضرت ام سلمہؓ۔ ذیل میں ہم حضرت عروہ کے تاریخی آثار کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں۔

1۔ بعثت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی۔ نبوت کی اولیات میں رویائے صادقہ' خلوت' نزول وحی' غار حرا میں عبادت اور آیات اقراء باسم رب.........(العلق) کا نزول۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھبراہٹ اور حضرت خدیجہ کا ورقہ بن نوفل کے پاس جانا۔

2۔ اسلام کی جانب آپؐ کی دعوت

خفیہ اور اعلانیہ دعوت۔ کچھ مردوں اور عورتوں کا قبول اسلام۔ قریش کی خفگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول "دنیا میں منتشر ہو جاؤ" اور حبشہ کی جانب اشارہ

3- قریش کی مسلسل مزاحمت
4- رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت اور وہ حالات جن میں ہجرت پیش آئی۔
5- غزوہ بدر۔ غزوہ بدر کے اسباب
6- غزوہ قینقاع
7- غزوہ احد' غزوہ الرجیع
8- بنو نضیر کے بارے میں غزوہ مریسیع کی جانب اشارہ
9- غزوہ خندق' یہود کا موقف' قریش کی چڑھائی' خندق کی کھدائی
10- غزوہ بنی قریظہ' سعد بن معاذ کا فیصلہ' رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ تم نے ان کے بارے میں خدائی فیصلہ کیا ہے۔
11- غزوہ بنی مصطلق' واقعہ افکِ روایت عروہ طبری میں منقول
12- صلح حدیبیہ' حج کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی' صلح کی شرطیں
13- غزوہ موتہ' زید بن حارثہ کو سپہ سالار مقرر فرمانا۔ جعفر بن ابی طالب' عبداللہ بن رواحہ' اگر یہ تینوں شہید ہو جائیں تو حضرت خالد بن ولید علم سنبھالے اور مسلمانوں کو دشمن کے نرغہ سے نکال لائے۔
14- فتح مکہ' غزوہ حنین' طائف روانگی' ثقفیوں کی آمد اور حضرت سے بیعت۔ زرعہ بن ذی یزن کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط۔ اہل حجر کے نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط۔ بنو کلال' المندر بن ساوی اہل یمن' ثقیف۔ اہل ایلہ اور خزاعہ کے نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط
اسامہ بن زید کے حملہ کی تیاری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض الموت اور وفات۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر۔

عروہ کی خصوصی توجہ سیرت نبوی اور مغازی پر تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خلفائے راشدین کے عہد کے بارے میں خاموش رہے۔ اس دور کے واقعات عروہ کی زبانی منقول ہیں۔ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

شرجیل بن سعد

ابان اور عروہ کے بخلاف جو دونوں مسلمانوں کے اشراف طبقہ سے متعلق ہیں۔ مغازی میں تیسرا قابل ذکر نام ایک غلام کا ہے یعنی شرجیل بن سعد جو مدینہ رہنے والے تھے اور بنی خطمہ کے مولیٰ تھے۔ان کا انتقال سنہ 123 ہجری میں ہوا۔ جن صحابہ سے انہوں نے حدیث اخذ کی ان میں زید بن ثابت' ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری شامل ہیں۔ شرجیل کا بیان ہے کہ وہ الاسواف میں زید بن ثابت کی جاگیر میں رہتے تھے۔ سفیان بن عینیہ کا قول ہے کہ مغازی اور اصحاب بدر کے حالات کا ان سے بہتر جاننے والا کوئی نہ تھا۔ ایک موقع پر کہا گیا کہ یہ مغازی کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے' لیکن یہ محتاج تھے' اس لئے لوگ ان کے مغازی کو ساقط الاعتبار کہتے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ اس کی حمایت کرتے تھے لیکن ابن اسحاق کو ان سے کد تھی۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبا سے مدینہ کو ہجرت کرنے کی خبر ان سے اخذ کی ہے۔

وہب بن منبہ

مغازی کے یہ تین علماء جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یعنی ابان' عروہ اور شرجیل مدینہ کے رہنے والے تھے مگر وہب بن منبہ جو تابعین کی نسل سے تھے' جنوبی عرب کے باشندے تھے اور ان کی اصل ایرانی تھی۔ ان کا خاندان اسلام لانے سے پہلے نوشیرواں کے عہد میں جنوبی عرب میں بس گیا تھا۔ یہ لوگ ''ابنا'' کہلاتے تھے' یہ پیدائشی مسلمان تھے اور واقدی نے جو اشارہ کیا ہے کہ دس ہجری میں مسلمان ہوئے یہ ان کے والد کی طرف ہے۔ الثعلبی نے معاویہ اور وہب کے ایک مکالمے کا حوالہ دیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ خلیفہ الولید کو مسجد دمشق کی تعمیر کے وقت سنہ 87 ہجری میں پتھر کا ایک ٹکڑا ملا جس پر کسی اجنبی زبان میں کچھ کندہ تھا۔ اس نے پڑھوانے کیلئے وہب کے پاس بھیجا۔ سماک بن الفضل نے بیان کیا کہ ہم عروہ بن محمد امیر یمن کے پاس تھے۔ کچھ لوگ آئے انہوں نے عامل کو شکایت کی۔ وہب نے عروہ کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین لیا اور عامل کے سر مارا۔ اس پر عروہ ہنسے اور کہا ''تم ابو عبید اللہ ہم پر الزام دیتے تھے اور خود بھڑک گئے'' وہب نے کہا کیوں

نہ بھڑکوں' ان سے تو خوابوں کا پیدا کرنے والا بھی ناراض ہے اور سورۃ الزخرف کی آیۃ

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ

(اور پھر جب ہم کو بھی جھو نجھل دلائی' تو ہم نے ان سے بدلہ لیا' پھر ڈبو دیا ان سب کو)

سنا دی۔ یعنی جب وہ ہمیں غضب دلاتے ہیں تو ہم ان سے انتقال لیتے ہیں۔ یہاں وہب نے خدا کو خالق احلام (خوابوں کا پیدا کرنے والا) کہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خوابوں کو اہمیت دیتے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سچے خواب دیکھا کرتے تھے۔ وہب کو عام طور پر ثقہ راوی کہا گیا ہے۔ انہوں نے ابن عباس' جابر اور ابو ہریرہ سے روایت کی۔ امام بخاری نے ان سے حدیث درج کی ہے۔ وہب نے ایک خاص تالیف ''کتابُ الملُوك المتوجه مِنْ حَمِير و اجناهم و غیر ذالك '' اپنے وطن یمن میں لکھی ہے۔

اس سے ابن ہشام نے استفادہ کیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ وہب نے مغازی جمع کئے مگر قدیم کتب میں اس کا حوالہ کہیں نہیں ملتا۔ ہائیڈل برگ میں ایک مجموعہ محفوظ ہے جو اس کتاب مغازی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

عبداللہ بن ابو بکر بن حزم

تابعین کے بعد بہت سے علماء حدیث ہوئے ہیں۔ ان میں جنہوں نے مغازی کی طرف توجہ کی تھی' عبداللہ بن ابو بکر بن محمد' عاصم ابن عمر بن قتادہ اور محمد بن ابو بکر ایک مدنی خاندن میں پیدا ہوئے۔ عہد نبوی میں ان کے اجداد نے اسلام کی بڑی خدمت کی تھی' چنانچہ ان کے جدا اعلیٰ کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن بھیجا تھا۔ تا کہ وہاں کے باشندوں میں اسلامی تعلیمات کو عام کریں۔ عبداللہ نے سنہ 130 ہجری اور سنہ 135 ہجری کے درمیان وفات پائی۔ عبداللہ اور ان کے بھائی قاضی محمد نے مدینہ کے قانونی نظام میں حدیث اور رواج میں فرق کرتے ہوئے رواج کو اہمیت دی۔ عبداللہ نے مغازی کے میدان میں بڑی سرگرمی دکھائی ہے ان کے اثر سے عبدالملک بن محمد جو ان کے بھتیجے تھے کتاب المغازی میں لکھی۔ یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے اور ''الفہرست'' میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ عبداللہ نے اقوال مغازی کے میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائی عہد اور ایام شباب کے بارے میں روایات جمع کی ہیں مگر عام طور پر ان کا

نام اخبار غزوات کے سلسلے میں ہی سامنے آتا ہے۔ انہوں نے وفودِ قبائل جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے کے متعلق خاص طور سے مواد فراہم کیا ہے اور قبائل عرب کے ارتدار کے اخبار کی روایت کی ہے۔

عاصم بن عمر

عاصم بن عمر قتادہ ایک مدنی گھرانہ کے فرد تھے جو اسلام لانے میں سبق کرنے والوں سے تھے۔ ان کے دادا ابو قتادہ بنوظفر میں سے تھے۔ یہ انصاری قبیلہ تھا۔ جس نے غزوہ بدر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل کر جہاد کیا تھا۔ قتادہ حنین میں اپنا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ عاصم کے والد عمر نے اپنے باپ سے حدیث کی سماعت کی اور پھر یہ علم اپنے بیٹے عاصم کو منتقل کیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جو مدینے کے صالحین کو دیکھتے ہی خوش ہوتے تھے۔ عاصم کی مالی امداد کی۔ ابن سعد بتاتے ہیں کہ عاصم عمر بن عبدالعزیز سے ملے تو انہوں نے عاصم کا قرضہ ادا کر دیا اور ان کو حکم دیا کہ دمشق کی جامع میں بیٹھ کر لوگوں کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مغازی کی تعلیم دیا کریں۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے رہے، پھر مدینہ واپس آ گئے۔ عاصم سیرۃ اور مغازی کے مشہور عالم تھے اور ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ عاصم مدینہ میں بیس سال تک تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے اور سنہ 119 ہجری یا اس کے کچھ ہی بعد انہوں نے انتقال فرمایا۔ ابن اسحاق اور واقدی کے اہم رواۃ میں عاصم شامل ہیں، جنہوں نے ان سے مغازی کی روایات اخذ کی ہیں۔ عاصم نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ شباب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی کی تفصیلات جمع کی ہیں۔ جیسا کہ ابن سعد کے اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔ عاصم جن وقایع کی روایت کرتے ہیں ان کے بنیادی کرداروں کی زبان سے اکثر اشعار بھی پڑھواتے ہیں۔ صرف اخبار ہی جمع نہیں کرتے بلکہ اپنی رائے کا اظہار کر کے حادثے کے محرکات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ عاصم بن عمر نے کہا، واللہ العباس بن قتادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مشورہ ''کہ انصار سے باقاعدہ حلف لیں، حالانکہ انصار اس کے بغیر ہی ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے آمادہ تھے' اس لئے دیا تھا کہ معاہدے سے انہیں قابو کر لیا جائے اور عبداللہ بن ابی بکر نے بھی اس رائے کو اور اس کے معارض عاصم کی رائے کو قابل توجہ انداز میں پیش کیا ہے۔

ابن شہاب الزہری

عبداللہ اور عاصم دونوں انصاری تھے۔ مگر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب مکی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کا نام بنو زہرہ تھا' اس لئے ان کا لقب الزہری ہوا۔ یہ سنہ 50 ہجری یا سنہ 51 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کے پردادا عبداللہ بن شہاب معرکہ بدر میں اہل مکہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑے تھے اور جنگ اُحد میں انہوں نے مکیوں کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش بھی کی تھی اور عملاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ یہ بات ان کے پڑپوتے کیلئے قدرتی طور پر تکلیف دہ رہی ہوگی۔ اس لئے وہ جہاں اس سازش کا تذکرہ کرتا ہے وہاں اپنے پڑدادا کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا کہ انہوں نے سازش میں کیا حصہ لیا تھا۔ الزہری کے باپ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ تھے جب انہوں نے علم بغاوت بلند کیا تھا مگر خود الزہری اپنے لڑکپن کے زمانے میں ہی سنہ 64 ہجری میں مروان سے جا ملے تھے۔ پھر وہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے اور دمشق میں سکونت اختیار کی' مگر اکثر مدینہ جاتے رہے۔ الزہری کو ایک حادثہ پیش آیا جس کا ذکر ابن سعد نے کیا ہے۔

''الزہری سے غیر ارادی طور پر ایک قتل ہو گیا۔ چنانچہ یہ اپنے گھر سے نکلے اور آبادی سے باہر خیمہ لگا کر بیٹھ گئے اور کہتے تھے کہ کسی گھر کی چھت مجھے پناہ نہیں دے سکتی۔ ایک دن علی بن الحسینؓ ان کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ ''ابن شہاب تمہاری مایوسی تو تمہارے گناہ سے بھی زیادہ شدید ہے۔ تم اللہ سے ڈرو اور استغفار کرو اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرنے کا پیغام بھیجو اور اپنے گھر کو واپس چلے جاؤ۔'' الزہری کہا کرتے تھے کہ لوگوں میں سب سے بڑا احسان میرے اوپر علی بن الحسینؓ کا ہے۔''

الزہری نے عبداللہ بن زبیر سے لڑائی میں اپنی خدمات خلیفہ عبدالمالک کو پیش کی تھیں۔ جب عبدالمالک نے حج بیت اللہ کی طرح بیت المقدس کا حج کرنے کا قصد کیا تو جن لوگوں نے مکہ کی زیارت پر پابندی لگ جانے کا شکوہ کیا ان سے خلیفہ نے کہا ''یہ ابن شہاب الزہری موجود ہیں' ان سے پوچھو کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یعنی تین مسجدوں کی زیارت کیلئے سفر کیا

جاسکتا ہے ایک مسجد حرام' دوسری مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس۔'' فی الواقع معمولی لفظی تفسیر کے ساتھ اس مفہوم کی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے اور مسند امام ابن حنبل میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وہ سال ہے جب عبدالملک نے قبۃ الصخرۃ تعمیر کیا تھا۔ اس وقت الزہری کی عمر صرف 23 برس تھی اور اتنی کم عمر میں بحیثیت محدث کے انہیں ایسا امتیاز مل جانا خلاف قیاس ہے کہ کسی حدیث کی صحت کیلئے تنہا ان کا نام لینا ہی کافی سمجھا گیا ہو۔

معمر بن راشد

سنہ 96 ہجری کے لگ بھگ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ قبیلہ ازد کی شاخ بنوحدان کے مولیٰ تھے' بصرہ کے مشہور محدث قتادہ بن دعامتہ متوفی سنہ 114 ہجری سے حدیث کی سماعت کی۔ انہوں نے یمن کی طرف رحلت کی جہاں ان سے پہلے کوئی محدث نہیں گیا تھا۔ صنعا میں لوگوں نے انہیں مستقل قیام کی ترغیب دی۔ انہوں نے وہاں شادی کرلی۔ اپنی والدہ کے انتقال پر بصرہ گئے مگر پھر یمن واپس آگئے۔ معمر بن راشد اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ حدیث کے میدان میں انہیں بڑی شہرت حاصل تھی۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ''اس شخص کی پیروی کرو کیونکہ اس کے معاصرین میں کوئی اس سے زیادہ جاننے والا نہیں۔'' الفہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب المغازی لکھی۔ یہ زیادہ تر الواقدی اور ابن سعد کی کتابوں میں موجود ہے کچھ البلاذری اور الطبری میں بھی محفوظ ہے۔ ان کی بیشتر روایات الزہری تک پہنچتی ہیں۔ معمر نے مغازی کو محدود معنوں میں نہیں رکھا بلکہ قدیم انبیاء اور اہل کتاب کی تاریخ کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ طبری نے اس سے خاصا مواد اپنی کتاب میں جمع کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کی تاریخ پر مواد فراہم کیا ہے۔ ابن سعد اور طبری کی تاریخوں میں معمر کے حوالے سے عہد عثمان اور معاویہ کے اہم واقعات نقل ہوئے ہیں۔ الواقدی نے کثرت سے روایات معمر سے لی ہیں۔ ابن سعد نے عبدالرزاق بن حمام کے حوالے سے ان کے اخبار لئے ہیں۔ ان کا انتقال سنہ 211 ہجری میں ہوا۔

ابو معشر السندی

ابو معشر السندی کے مغازی کے اقتباسات ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد وغیرہ نے محفوظ کیے ہیں۔ ابن اسحاق ان کا معاصر ہے۔ ابو معشر جیسے عام طور پر السندی کہا جاتا ہے۔ خود یا اس کے اجداد میں سے کوئی ترک وطن کر کے سندھ سے عرب پہنچا۔ اگر ابو نعیم کا قول درست ہے تو ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان کے والدین عربی الاصل نہیں تھے۔ مگر السندی کے لقب کا اطلاق اس عرب پر بھی ہو سکتا ہے، جو سندھ میں بس گیا ہو، کیونکہ سنہ 92 ہجری سے سندھ بھی عرب خلافت کا ایک صوبہ تھا۔ ابو معشر کے پوتے داؤد بن محمد بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا یمن کے باشندے تھے۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ابو معشر کے والد نے سندھ سے یمن کو ہجرت کی ہوگی۔ محدث کی حیثیت سے ابو معشر کی شہرت بعض لوگوں نے تسلیم نہیں کی۔ بخاری کہتے ہیں "انکی حدیثوں سے اختلاف کیا جاتا ہے۔" ابن سعد کا قول ہے کہ ان کی احادیث تو بہت ہیں مگر ضعیف ہیں۔ ابن حجر نے بہت سی رائیں نقل کی ہیں۔ مگر مغازی کی روایات میں انہیں سند سمجھا گیا ہے۔ احمد بن حنبل انہیں "بصیر فی المغازی" کہتے ہیں۔ الخاطی کا خیال ہے کہ ابو معشر کا علم میں اور تاریخ میں ایک مقام ہے۔ آئمہ نے ان کی تاریخ سے استفادہ کیا ہے مگر انہیں حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے۔

الفہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو معشر نے ایک "کتاب المغازی" لکھی اور اس کتاب کے متعدد اقتباسات الواقدی کی "کتاب المغازی" میں پائے جاتے ہیں۔ ابن سعد کے یہاں سیرۃ کے اقتباسات دیکھ کر یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ابو معشر نے اپنے مغازی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل حیات مبارکہ سے متعلق روایات فراہم کی تھیں۔ ابن سعد اپنے مغازی کے شیوخ میں ان کا نام بھی دیتا ہے اور ان کے حوالے سے تراجم صحابہ بھی بیان کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی زندگی کے واقعات میں بھی ابن سعد اور الطبری کے یہاں ابو معشر کا نام ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغازی کے علاوہ ابو معشر نے صدر اسلام کے حوادث کی ایک تجزیاتی تاریخ بھی سنہ وار لکھی تھی۔ یہ سنہ 171 ہجری تک کے وقایع تھے۔ آخری واقع جو الطبری نے ان کی کتاب سے اخذ کیا ہے۔ وہ خلیفہ الہادی کی وفات ہے جو سنہ 170 ہجری کے موسم بہار میں ہوئی تھی۔ وقایع تاریخی کے سلسلہ میں ابو معشر کے طریق کار کی شاید یہ مناسب مثال

ہے جو درج ذیل ہے۔
''عبدالملک بن مروان دمشق میں جمعرات کے دن 15 شوال سنہ 86 ہجری کو مرا۔ اس وقت وہ ساٹھ سال کا تھا۔ جس دن سے اس کی بیعت لی گئی اس دن سے وفات تک اس کی مدت حکومت اکیس سال اور ڈیڑھ ماہ رہی۔ اس میں سے نو سال عبداللہ بن الزبیر سے جنگ کرنے میں صرف ہوئے۔ پھر شام کی خلافت اس پر مسلم ہوگئی اور مصعب کی شہادت کے بعد وہ عراق کا بھی تنہا مالک ہو گیا۔ عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد اور لوگوں کے اس پر متفق ہونے کی حالت میں وہ تیرہ سال اور چار ماہ خلیفہ رہا۔ اس میں سات راتیں کم رہ گئیں یعنی 13 سال 3 ماہ اور 23 یوم۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ وہ 85 سال کی عمر میں مرا۔ مگر پہلا قول ثابت ہے اور یہی صورت تاریخ ولادت کے معاملے میں ہے۔''

محمد بن سعد

مغازی کے جن مؤلفین کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ ان میں آخری نام محمد بن سعد کا ہے جسے کاتب الواقدی کہا جاتا ہے۔ اس کتاب کو مغرب میں ایڈٹ کیا گیا ہے۔ طبقات ابن سعد' لزبرگ 1869۔ محمد بن سعد بن منیع سنہ 168 ہجری میں بصرے میں پیدا ہوئے۔ پھر مدینے اور دوسرے شہروں میں رہے۔ انہیں الحسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن العباس کا مولیٰ کہا جاتا ہے۔ خود ابن سعد کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ عباسی خاندان کی الحسینی شاخ سے کوئی واسطہ نہیں۔ بعض دفعہ ابن سعد کو الزہری کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے۔ الواقدی سے اس کے روابط بغداد میں پیدا ہوئے۔ اس نے الواقدی کی تصانیف سے اپنی کتابوں کا مواد حاصل کیا۔ ابن سعد نے بقول ابن الندیم ''کتاب اخبار النبی'' اس شکل میں تالیف کی تھی جس میں یہ زمانہ مابعد میں شائع ہوئی۔ مگر ''الطبقات'' موجودہ صورت میں سب سے پہلے الحسین بن فہم (سنہ-211-289 ہجری) نے محفوظ کی۔ پھر سنہ 300 ہجری کے قریب ابن معروف نے ان دونوں کتابوں کو یک جا کیا اور ''کتاب اخبار النبی'' کو طبقات کا پہلا جز بنا دیا۔ اخبار النبی میں ایک تمہیدی فصل انبیاء پیشین کی تاریخ پر بیان ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد کا بیان بھی ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایام طفولیت سے زمانہ بعثت تک' وحی اوّل سے پہلے

اور بعد کی علامات نبوت' دعوت اسلام سے ہجرت تک کے واقعات قلمبند ہوئے ہیں۔ دوسرے جز میں مدنی زندگی کے حالات ہیں جن میں خاص طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین' عرب قبائل کے وفود' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل' طرز زندگی اور اثاث البیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسری جلد کا پہلا جز غزوات نبوی کیلئے مخصوص ہے۔

ابن سعد اولین مؤلف ہے جس کی لکھی ہوئی سیرۃ مکمل حالت میں موجود ہے۔ چونکہ الواقدی کی کتاب المغازی کے سوا سیرۃ پر کوئی مکمل کتاب نہیں اس لئے اس کو پہلا ہی مؤلف کہا جاسکتا ہے۔ ابن سعد نے بعض مقامات پر ابن اسحاق سے زیادہ تفصیلات دی ہیں۔ وہ پہلا مولف ہے جس نے ''علامات النبوۃ'' کو یکجا کر کیا ہے۔ اسی طرح اس نے ''صفۃ اخلاق رسول اللہ' لکھ کر شمائل کے موضوع پر تصانیف کا راستہ ہموار کر دیا۔ ابن سعد تاریخی مواد میں الواقدی پر زیادہ انحصار کرتا ہے۔ لیکن تاریخی موضوعات پر اس کا سب سے بڑا راوی ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے مگر مدنی دور پر اس کا اہم مرجع الواقدی ہی ہے۔ ابن سعد نے دوسرے ذرائع سے فراہم کی گئی معلومات کو سمو کر ان روایات کو طویل کر دیا ہے۔ اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کارناموں پر بھی اس کا سب سے بڑا ذریعہ معلومات الواقدی ہی ہے۔ انہی روایات کو دوسرے رواۃ کے بیانات سے جوڑ کر ابن سعد نے زیادہ تفصیلی بنا دیا ہے۔

امام زہری

حضرت محمد بن مسلم شہاب زہری پہلے شخص ہیں جنہوں نے فن سیرۃ کو کتابی شکل میں مدون کیا۔ بڑے پائے کے تابعی' بے حد ثقہ اور نہایت وسیع العلم بزرگ تھے۔ مدینہ منورہ میں ان سے بڑا فقیہہ یا عالم اور کوئی نہ تھا۔ 73 برس کی عمر پا کر 124 ہجری میں انتقال کیا۔ آپ کی تالیف ''کتاب المغازی'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور جنگوں سے متعلق سب سے پہلی کتاب ہے مگر اب نایاب ہے۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ

یہ بزرگ حضرت زبیر بن العوام کے خاندان کے غلام اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد تھے۔ان کی کتاب کا نام ''کتاب المغازی'' تھا مگر افسوس کہ اس کا بھی کوئی نسخہ موجود نہیں صرف بعض کتابوں میں اس کے حوالے ملتے ہیں۔حضرت موسیٰ بن عقبہ نے سنہ 141 ہجری میں وفات پائی۔

حضرت محمد بن اسحاق

امام زہری کے سب سے نامور،سب سے زیادہ مشہور اور سب سے بڑے شاگرد حضرت محمد بن اسحاق تھے جن کا لقب ''امام فن مغازی'' ہے۔اکثر مؤرخین وسوانح نگاروں نے ان کی خوشہ چینی کی ہے۔اس باہمت اور اولعزم انسان کی سعی وکوشش کا نتیجہ ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہمارے سامنے صاف اور روشن ہے فن مغازی کو انہوں نے اتنی ترقی دی کہ سلاطین عباسیہ میں مغازی کا شوق پیدا ہو گیا۔ان کا انتقال سنہ 151 ہجری میں ہوا۔

ابن ہشام

ابن ہشام باکمال مؤرخ اور اعلیٰ پائے کا سوانح نگار تھا۔جس نے اپنی انشاء پردازی اور معجز نگاری سے قدماء کی کتابوں سے قارئین کو بہت حد تک مستغنی کر دیا۔اس کی سیرۃ النبوی ایسی کتاب ہے جو ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ان کا پورا نام ابو محمد عبدالملک بن ہشام ہے جو تاریخ میں ابن ہشام کے نام سے مشہور ہیں۔بصرہ میں پیدا ہوا اور مصر میں زندگی کا بڑا حصہ بسر کیا۔ ''سیرت ابن ہشام'' نے ان کو شہرت عام اور بقائے دوام کی عزت بخشی۔یہ کتاب درحقیقت محمد بن اسحاق کی تالیف ''کتاف المغازی والسیرۃ کا عمدہ،مکمل اور بہترین خلاصہ ہے۔ابن ہشام نے فسطاط (مصر) میں سنہ 213 ہجری میں وفات پائی۔ابن ہشام مر گئے۔مگر ان کا نام تا قیامت زندہ رہے گا اور ان کی تصنیف قیامت میں ان کی شفاعت کا باعث ہوگی۔(انشاءاللہ)

واقدی

واقدی بڑا ذہین اور کثیر المعلومات مؤرخ ہے۔مختلف علوم کا فاضل اور معتبر عالم تھا۔اس

نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مقدسہ اور مغازی کی تفصیل اس شرح وبسط کے ساتھ قلمبند کی گویا وہ ہر واقعہ اور ہر جگہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ ان کا نام محمد بن عمرؒ کنیت ابوعبداللہ اور لقب الواقدی تھا۔ سنہ 130 ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ مغازی کے امام اور قرآن وحدیث کے عالم تھے۔ انہوں نے بہت کچھ لکھا اور انتہائی تفصیل سے لکھا۔ مبالغہ آمیزی سے عار نہ تھا۔ ان کی تحریر میں افسانے کا مزہ ہے۔ ان کی مغازی اور سیرۃ بالکل ناول معلوم ہوتی ہیں۔ واقدی کا انتقال 77 برس کی عمر میں سنہ 207 ہجری میں ہوا۔

عہد صحابہ میں واقعہ پسندی عربوںؓ کے مذاق میں داخل رہی۔ بدیں وجہ صدر اسلام کی علمی مجالس میں تفسیر القرآن اور فقہی مسائل کے ساتھ انساب اور ایام العرب یعنی قبائل کی معرکہ آرائیوں کا بھی ذکر ہوا کرتا تھا۔ ابن الاثیر نے حضرت عبداللہ بن عباس کے حالات میں لکھا ہے کہ ابن عباس ایک دن فقہ کی مجلس قائم کرتے۔ اس دن صرف فقہ پر گفتگو کرتے۔ ایک دن قرآن کی تفسیر کرتے' ایک دن شعروشاعری کا چرچا رہتا۔ ایک دن مغازی بیان فرماتے اور ایک دن صرف ایام العرب کا ذکر کرتے۔ عہد بنوامیہ میں امیر معاویہ ایک کامیاب سیاست دان تھے۔ انہی طبعی طور پر عربوں کی تاریخ سے دلچسپی تھی۔ وہ باضابطہ تاریخی واقعات وروایات سنتے اور خاص کر شاہان قدیم کے طرز حکومت' طریق جنگ اور اصول سیاست معلوم کرتے تھے۔ انہوں نے عبیداللہ بن شبریہ کو یمن سے بلا کر قدیم شاہان عرب وعجم کی تاریخ دریافت کی اور ان کو ضبط تحریر میں لایا۔ اس طرح کتاب الملوک وجود میں آئی۔ اموی زمانہ میں تاریخی واقعات اور عربوں کی قومی روایات کی جمع کیا اور اس سلسلہ میں بنوامیہ نے خاصا نام پیدا کیا۔ بنوعباس نے اس ذوق کو مہمیز بخشی۔ چنانچہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک اہل اسلام کی گہری دلچسپی بلکہ شیفتگی کا مرجع ومرکز بنی رہی اور تیسری صدی ہجری سے عالم اسلام کی آسودہ حالی بڑھتی گئی اور علم وادب اور تمدن ومعاشرت کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی۔ اس کا اثر علمی زندگی پر سب سے نمایاں نظر آنے لگا۔ اس زمانے میں کاغذ کا استعمال شروع ہوا اور بغداد میں کاغذ کا پہلا کارخانہ سنہ 178 ہجری میں قائم ہوا اور کتابوں کی کثرت ہوگئی' چنانچہ اس صدی میں قابل ذکر مورخین پیدا ہوئے۔

المدائینی

علی بن محمد المدائینی نامور مورخ ہے۔ عرصہ دراز تک المدائن میں رہا لیکن بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہیں سنہ 225 ہجری میں فوت ہوا۔ قبیلہ قریش، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلفاء اور فتوحات اسلامیہ کے علاوہ بہت سے تاریخی مضامین پر قلم اٹھایا۔ اس کی کتاب ''اخبار الخلفاء الکبیر'' بہت مشہور ہے۔ المدائینی بہت معتبر اور ثقہ مورخ مانا جاتا ہے۔

ابن قیتبہ الدینوری

ابن قیتبہ الدینوری متوفی سنہ 370 ہجری ایک مستند اور نامور مصنف ہے۔ کوفہ میں پیدا ہوا، شہر دینور کا قاضی رہا اور بغداد میں فوت ہوا۔ اس کی تصانیف میں ''عیون الاخبار'' اور ''کتاب المعارف'' بہت مشہور ہے۔

احمد بن یحییٰ بلاذری

البلاذری متوفی سنہ 279 ہجری نے بغداد میں نشو ونما پائی۔ اسے خلفاء بنو عباس کا تقرب حاصل تھا۔ اس کی دو تاریخی کتابیں اہم ہیں۔ ''فتوح البلدان'' اور ''انساب الاشراف'' ''فتوح غزوات'' میں غزوات نبوی کا ذکر ہے اور فتح سندھ پر یہ کتاب ختم ہوئی ہے۔ انساب الاشراف کی ابتداء رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے ہوتی ہے۔ ابھی تک خاندان بنوامیہ کے حالات تک شائع ہوئی ہے۔

ابوحنیفہ دینوری اور ابوالواضح یعقوبی

اگرچہ دونوں نامور مورخ ہیں لیکن سیرت پر ان کی کوئی تصنیف قابل ذکر نہیں۔ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی سنہ 282 ہجری کی کتاب ''الاخبار الطوال'' اگرچہ بظاہر مختصر ہے مگر بڑی جامع ہے۔ احمد بن ابی یعقوب بن واضح الیعقوبی متوفی سنہ 284 ہجری ابوحنیفہ دینوری کا معاصر ہے۔ اس نے ایک ضخیم تاریخ عالم لکھی۔ یہ تالیف عربی کی قدیم ترین تاریخوں میں شمار ہوتی ہے۔ آل ابی طالب کا حسب موقع بڑے التزام سے ذکر کیا ہے۔ یعقوبی کی اصل شہرت کی

وجہ اس کی تصنیف جغرافیہ پر بہت قیمتی معلومات کا مرقع ہے۔ اس کا بغداد اور سامرہ پر بیان اس کے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے اور خاص طور پر قابل قدر ہے۔

طبری

امام محمد ابن جریر طبری متوفی سنہ 310 ہجری اپنے تمام پیش رو مؤلفین پر سبقت لے گئے۔ ان کی تاریخ ''الرسل والملوک'' قیمتی معلومات کا ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جو عربی ادبیات میں عدیم النظیر ہے۔ امام طبری طبرستان میں پیدا ہوئے' اس لئے طبری کہلائے۔ تفسیر قرآن اور تاریخ اسلام کی روایات دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کو دو بڑی ضخیم جلدوں میں جمع کیا۔ امام صاحب نے تاریخ کی ابتداء قدیم اقوام کے حالات سے کی ہے خصوصاً ان خاندانوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے عہد اسلام سے پہلے ایران پر حکومت کی۔ امام صاحب نے گویا تاریخ نہیں بلکہ مختلف روایات کو محفوظ کر رکھا ہے اور اس طرح آئندہ نسلوں کیلئے تاریخ کا بیش بہا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ تاریخ طبری سنہ 302 ہجری پر ختم ہو جاتی ہے۔

ابن عبدالبر

ابن عبدالبر قرطبی اندلسی المتوفی سنہ 463 ہجری نے علم حدیث اور فقہ میں بڑا نام پیدا کیا۔ انہوں نے اصحاب النبی کے حالات پر ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب حیدر آباد دکن اور مصر سے چھپ چکی ہے۔ ان کی ایک کتاب ''جامع بیان العلم'' ہے۔ علم الانساب پر دو کتابیں لکھیں۔

الروض الانف

از عبدالرحمٰن السہیلی متوفی سنہ 581 ہجری' سیرۃ ابن ہشام کی شرح ہے۔ تمام مصنفین سیرت اس کے خوشہ چین ہیں۔

شرف المصطفیٰ

از ابن جوزی' المتوفی سنہ 597 ہجری ان کا پورا نام ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی ہے۔

اپنے زمانہ کے محدث اور واعظ تھے۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ اپنی ساری عمر تصنیف وتالیف اور وعظ وتذکیر میں گزار دی۔ تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے علاوہ دنیا کی مفصل تاریخ ''المنتظم وملتقط الملتزم'' کے نام سے لکھی اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تک کے واقعات کو اس میں جمع کیا۔

عیون الاثر

ابن سید الناس اندلسی متوفی سنہ 734 ہجری کی نہایت جامع تصنیف ہے۔

سیرۃ ابن طے

مرتبہ: یحیٰ بن حمید المتوفی سنہ 630 ہجری تین جلدوں میں۔

ابن الاثیر

عزالدین ابن الاثیر متوفی سنہ 630 ہجری کی ''الکامل فی التاریخ'' بڑی مشہور تصنیف ہے۔ ابن الاثیر موصل کے قریب جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے اسی لئے ''الجزری'' کہلائے۔ ابن الاثیر نے تاریخ طبری کو آگے بڑھایا اور اسناد کو حذف کر دیا۔ روایت کو ایک دوسرے سے ملا کر مسلسل بیان کی صورت دے دی اس میں ایام العرب اور المغرب کے حالات کا اضافہ کیا۔ ابن الاثیر کی ''اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ'' جس میں ساڑھے سات ہزار صحابہ کے حالات قلم بند کئے ہیں، بڑے معرکے کی کتاب ہے۔ اس تالیف کو تمام سابقہ کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔

زرقانی علی المواہب

محمد بن عبدالباقی الزرقانی المتوفی سنہ 1122 ہجری۔ یہ مواہب اللدنیہ کی شرح ہے اور سیرۃ کی کتابوں پر نہایت مستند، جامع اور مفصل سمجھی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ محققانہ کتاب سیرۃ النبوی پر آج تک شائع نہیں ہوئی۔

ابن کثیر

ابن کثیر کا پورا نام عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ہے۔ آپ

سنہ 700 ہجری میں پیدا ہوئے۔ تفسیر' فقہ' اصول فقہ' تاریخ اور دیگر علوم مروجہ میں کامل دستگاہ حاصل کرلی۔ بالعموم امام ابن تیمیہؒ کا اتباع کرتے تھے۔ 775 ہجری میں وفات پائی۔ ان کی تفسیر القرآن میں معتبر روایات سے کام لیا گیا ہے جو بڑی مستند اور مقبول ہے۔ ان کی تاریخ' البدایہ والنہایہ' قابل ذکر کتاب ہے۔ اس میں ہجرت کے بعد کے واقعات ترتیب سنین کے اعتبار سے ہے۔ یہ تاریخ سنہ 768 ہجری تک محیط ہے۔

تفاسیر

سیرۃ النبوی کا چوتھا اور اہم ماخذ قرآن مجید کی تفاسیر ہیں جو علماء کرام اور محدثین عظام نے لکھیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا بہترین ماخذ قرآن کریم اور اس کی آیات کی تشریح ہے۔ تفصیل تفاسیر میں بیان ہوئی ہے' اس لئے تفاسیر سیرۃ طیبہ کا معتبر ترین جزو ہیں۔ ان تفاسیر کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے' جب آیات کے نزول کی تفصیل معلوم کرنا مقصود ہو۔ یہ امور تفاسیر کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ جن کو صدر اوّل کے علماء نے بڑی تحقیق کے بعد اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے۔ تفسیر کا کام قرون اولیٰ میں شروع ہو گیا تھا۔ اصحاب النبی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، مفسرین قرآن کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیقؓ، ام المومنین حضرت سلمہؓ تفسیر بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ مورخین نے حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان' حضرت زید بن ثابت اور حضرت موسیٰ' الاشعری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسماء گرامی مفسرین کی ذیل میں بیان کئے ہیں۔

دورِ صحابہ کی تفاسیر

حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے' آپ نے سنہ 78 ہجری میں وفات پائی۔ قرآن کریم کی تفسیر میں صاحب قاموس مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی المتوفی سنہ 810 ہجری نے اولیت کا مقام دیا ہے۔ تفسیر ابن عباس عبدالماجد دریا آبادی کے الفاظ میں سب سے زیادہ مشہور و مستند تفسیر ہے۔

حضرت ابی بن کعب انصاریؓ بڑے مشہور صحابی اور کاتب وحی ہیں۔ آپ حافظ قرآن تھے۔ سنہ 190 ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی تفسیر کو ابو جعفر رازی نے ربیع ابن انس کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل، امام جریر طبری اور امام حاکم نے ابی بن کعب کے مجموعہ سے استفادہ فرمایا ہے۔

دورِ صحابہ کے بعد کی تفاسیر

عہد صحابہ کے بعد قرآن کریم کی تفسیر کے متعلق مختلف علماء نے ہزاروں کتابیں لکھیں۔ اکثر مفصل اور ضخیم تھیں۔ چنانچہ بعض تفاسیر بیس بیس اور تیس تیس جلدوں میں لکھی گئیں۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں بکثرت تفاسیر کے حالات دیئے ہوئے ہیں۔ ہم چند اہم اور خاص تفاسیر کا مختصر سا تذکرہ کرتے ہیں۔

تفسیر ابن جبیر

حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد سعید بن جبیر بن ہشام نے عبدالملک اموی کے عہد میں یہ تفسیر لکھی۔ یہ سب سے پہلی تفسیر ہے جو باقاعدہ مدون ہوئی۔ ان کو سنہ 94 ہجری میں حجاج بن یوسف نے شہید کرادیا۔

جامع البیان

تفسیر ابن جریر طبریؒ المتوفی سنہ 310 ہجری یہ تفسیر تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے مطابق یہ مبسوط اور محققانہ کتاب ہے جس میں ہر آیت کی تفسیر میں صحابہ کے اقوال اور تابعین کے آثار بیان کئے گئے ہیں۔

یاقوت التاویل

یہ امام غزالی کی تفسیر ہے۔ جس کی چالیس جلدیں ہیں۔ امام غزالی کا انتقال سنہ 505 ہجری میں ہوا۔

تفسیر کشاف

علامہ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری متوفی سنہ 528 ہجری کی تصنیف ہے۔ یہ تفسیر دو مبسوط جلدوں میں ہے۔ شیخ شرف الدین حسین بن محمد طیبی المتوفی سنہ 743 ہجری نے فتوح الغیب کے نام سے اس کی شرح چھ جلدوں میں لکھی۔ یہ تفسیر اپنی نوعیت کی بے مثل کتاب ہے۔

تفسیر اصفہانی

امام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد فضل تمیمی متوفی سنہ 535 ہجری نے قرآن کریم کی چار تفسیریں لکھیں۔ پہلی کا نام جامع ہے۔ یہ تیس جلدوں میں ہے۔ دوسری تفسیر معتمد کے نام سے مشہور ہے اور اس کی دس جلدیں ہیں۔ تیسری تفسیر ایضاح کہلاتی ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی تفسیر کا نام موضح ہے۔ اس کی تین جلدیں ہیں۔

تفسیر ابن جوزی

عبدالرحمٰن بن علی بن جوزی متوفی سنہ 597 ہجری کی یہ تفسیر 27 جلدوں پر مشتمل ہے۔

مفاتیح الغیب

یہ مبسوط جامع اور مدلل تفسیر امام فخر الدین رازی متوفی سنہ 606 ہجری کی تصنیف ہے اور تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی دس جلدیں ہیں۔ یہ تفسیر درحقیقت تفسیر کبیر یا تفسیر اعظم کہلانے کی مستحق ہے۔ مصنف کا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنے زمانے کے تمام علوم وفنون کو قرآن کریم کے خادم کی حیثیت سے لا کھڑا کیا ہے۔

تفسیر ابن کثیر

دس جلدوں میں حافظ ابوالفداء اسماعیل بن کثیر نے لکھی ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مدارک التنزیل یا تفسیر مدارک

امام حافظ الدین محمد ابوالبرکات الحنفی متوفی سنہ 686 ہجری نے سات طویل جلدوں میں

لکھی ہے۔

البحر المحیط

مشہور محدث ابن حیان اندلسی متوفی سنہ 654ھ ہجری کی تالیف آٹھ جلدوں پر محیط ہے۔ علامہ اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف حیان اندلسی محدث بھی ہیں' ادیب اور متکلم بھی۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں سب پہلوؤں کی رعایت رکھی ہے۔ انہوں نے بڑی جرأت کے ساتھ ضعیف بلکہ موضوع روایتیں ترک کردی ہیں۔

انوار التنزیل

یہ تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے اور مشہور اور جامع تفسیروں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے مصنف قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی سنہ 685ھ ہجری ہیں اور انہوں نے یہ تفسیر پانچ جلدوں میں مرتب کی ہے۔

تفسیر المریسی

نہایت طویل اور مفصل تفسیر ہے۔ مولف شرف الدین محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی الفضل الشافی متوفی سنہ 655ھ ہجری ہیں۔ ان کی تین تفسیریں ہیں۔ اوّل کبیر ہے جس کی تیس جلدیں ہیں۔ دوئم اوسط ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے اور سوئم صغیر ہے اور جو تین جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔

تفسیر جلالین

یہ مشہور ترین تفسیروں میں سے ہے جس کو شیخ جلال الدین محمد بن احمد محلی متوفی 834ھ ہجری نے لکھا مگر نامکمل چھوڑ گئے۔ عرصہ دراز کے بعد امام جلال الدین سیوطی متوفی سنہ 911 ہجری نے اس کی تکمیل کی اس لئے اس کا نام تفسیر جلالین پڑا۔ تفسیر جلالین کو یہ شرف حاصل ہے کہ درس نظامیہ میں شامل ہے۔

تفسیر بقائی: یہ تفسیر شیخ برہان ابراہیم بن عمر البقائی متوفی سنہ 885 ہجری نے پچیس برس کی محنت کے بعد چھ جلدوں میں لکھی۔

ارشاد العقل السلیم

یہ معتبر و مستند تفسیر شیخ الاسلام ابوالسعود بن محمد عمادی متوفی سنہ 982 ہجری کی تالیف ہے۔ جب یہ تفسیر شیخ الاسلام نے ہدیۃً سلیمان اعظم والئی ترکی کو بھیجی تو سلطان نے محل سے نکل کر کتاب لانے والے کا استقبال کیا اور اس کے صلہ میں شیخ الاسلام کو مالا مال کر دیا۔ مصنف کا لقب خطیب المفسرین ہے اور بیضاوی اور کشاف کے بعد اسی کا درجہ ہے۔

روح المعانی

نہایت طویل اور ضخیم تفسیر ہے۔ علامہ سید شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی متوفی 1291 ہجری کی تالیف نو جلدوں میں ہے۔ علامہ آلوسی متاخرین میں بے مثل شخص ہوئے ہیں۔ ان کی نظر میں وسعت بھی ہے اور عمق بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ہر لحاظ سے سب کچھ موجود ہے۔

قدیم اسلامی تواریخ

طلوع اسلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اہم ترین ماخذ تاریخ یعقوبی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ محدثین کرام نے اقوال و افعال اور تقاریر نبوی کی معمولی سے معمولی جزئیات کو فن حدیث کے زاویہ نگاہ سے محیط کر لیا۔ مغازی نگاروں کو فتوحات اسلامی کے خیرہ کن پس منظر میں جنگ و جدل کی دنیا پسند آئی۔ انہوں نے معرکہ ہائے نبوی کو سیرت کا ایک اہم ترین پہلو بنا دیا۔ خالص سیرت نگاروں کو حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر پہلو سے کام تھا اس لئے از روز اوّل تا دم واپسیں ہر جزئیہ قلمبند کیا۔ نسب نگاروں نے قبائلی نظام کے پس منظر اشراف کے انساب سے بحث کی اور حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرنامہ بنا کر مفاخر عرب کے تاج میں نور محمدی کا ہیرا جڑ دیا۔ اس طرح تاریخ عالم لکھنے والوں کی تصانیف سیرت مبارکہ عہد زریں کا درجہ حاصل کر گئی۔ خود عہد نبوی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے ہر پہلو اور ہر گوشہ سے دلچسپی اور عقیدت رکھنے والے سیرت نگاروں نے مجالس اور مسجدوں میں روایت کی بنیاد ڈالی اور راویوں کا ایک طبقہ وجود میں آ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ داستان گوئی یا داستان طرازی کی

غیر تاریخی چیزوں کو سیرت نگاری کا جزو بنا دیا گیا۔ سیرت نبوی کا ایک اہم پہلو مغازی کا فن پہلی صدی ہجری میں ہی ضبط تحریر میں آنے لگا۔ خلیفہ سوم کے صاحب زادے عبان بن عثمان اس فن کے پہلے نقاش تھے۔ ان کے بعد عروہ بن زبیر بن عوام خلیفہ عبدالملک بن مروان کو یادداشتیں بھیجا کرتے جن کو بجا طور پر تاریخ اسلام کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ شرجیل بن سعد متوفی سنہ 122 ہجری جو یمنی مولیٰ تھے' اس سلسلہ کی ایک اور کڑی ہیں لیکن ان سے زیادہ ایک اور یمنی تابعی وہب بن منبہ تھے جو غالباً یہودی خاندان کے فرد تھے سیرت نبوی میں اسرائیلیات کو جگہ دی۔ مغازی نگاروں کے اسی سلسلے میں عاصم بن مسلم بن قتادہ انصاری متوفی سنہ 120 ہجری دمشق اور مدینہ میں مغازی کی مجالس منعقد کیا کرتے اور بعد میں قلمبند کر لیتے تھے۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری متوفی سنہ 124 ہجری اگرچہ خلیفہ عبدالملک کے دربار سے وابستہ تھے' لیکن مغازی میں ان کی امامت پر اس وابستگی سے ذرا میل نہ آیا۔ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم متوفی سنہ 130 ہجری نے مغازی پر ایک نوشتہ خلیفہ وقت کیلئے تیار کیا تھا۔ ان کے ایک معاصر ابوالاسود محمد بن الرحمٰن بن نوفل متوفی سنہ 131 ہجری نے بھی مغازی پر ایک کتاب چھوڑی لیکن ان سب مغازی نگاروں میں موسیٰ بن عقبہ متوفی سنہ 141 ہجری اور واقدی متوفی سنہ 207 ہجری اس فن کے امام بن کر دوسری صدی ہجری میں ابھرے۔

فن سیرت پر پہلی جامع کتاب محمد بن اسحاق متوفی سنہ 151 ہجری کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ کتاب مدتوں سیرت نگاروں کیلئے مشعل راہ بنی رہی ہے۔ دوسری صدی ہجری میں امت اسلامیہ کی تہذیبی و تمدنی ترقی اس قدر ہو چکی تھی کہ طالبان علم کیلئے مختلف جولان گاہیں بن گئی تھیں۔ چنانچہ اس عہد کے رواۃ اور اخباروں کو تاریخ و تہذیب اسلام کے مختلف پہلوؤں سے لگاؤ پیدا ہوا۔ اس صدی کے اخباروں میں عوانہ بن حکم متوفی سنہ 147 ہجری' ابومخنف متوفی سنہ 157 ہجری سیف بن عمر متوفی سنہ 180 ہجری اور محمد بن موسیٰ خوارزمی متوفی سنہ 222 ہجری ہیں۔ ماشاءاللہ جو سنین اور اوقات کے صحیح حساب از روئے نجوم و ہیئت دیتے ہیں۔

ابن الحزم اندلسی

سیرت نبوی پر علامہ ابن حزم کی کتاب ''جوامع السیرۃ'' کا اردو ترجمہ ڈاکٹر احسان عباس

اور ڈاکٹر ناصر الدین اسد نے کیا ہے اور لکھا ہے سیرت پر یہ گراں قدر کتاب پہلی بار منظر عام پر آئی ہے۔ جوامع السیرۃ کے مقدمہ میں ابن حزم نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن حزم کا مختصر خاکہ زندگی پیش کیا جائے۔ علامہ کا نام اور سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابو محمد علی بن احمد بن حزم بن غالب بن صالح بن خلف بن معدان بن سفیان بن یزید۔ ابن حزم کے جدامجد فارسی نژاد اور امیر معاویہ کے بھائی یزید ابن ابی سفیان کے حلیف تھے۔ جب امیہ نے اندلس میں حکومت قائم کی تو ابن حزم کے جداعلیٰ نے بھی حلیفوں کے ساتھ اندلس کا رخ کیا۔ ابن حزم نے رمضان سنہ 384 ہجری میں قرطبہ میں آنکھیں کھولیں۔ ابن حزم نے اپنا تعلیمی سفر شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ چنانچہ مختلف علوم میں بہت جلدی مہارت حاصل کر لی۔ سنہ 404 ہجری میں ان کا والد فوت ہوا تو ابن حزم کو مجبوراً قرطبہ چھوڑنا پڑا۔ بلنسیہ میں عبدالرحمٰن بن محمد نے خلافت قائم کی تو ابن حزم اس کا دست راست بن گیا۔ عبدالرحمٰن کے قتل پر ابن حزم قید ہو گئے اور رہائی پر سنہ 409 ہجری میں قرطبہ واپس آئے۔ اس کے بعد ابن حزم ہشام المتقد ر باللہ کے وزیر رہے۔ امویوں کے زوال پر ابن حزم سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور ہمہ تن علم و تحقیق' بحث و مذاکرہ اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ ابن حزم کی بہت سی تصانیف اشبیلہ حکمران معتضد بن عباد نے نذر آتش کرا دیں اور برسر عام ان کی کتابیں پارہ پارہ کی گئیں۔ سنہ 456 ہجری میں انتقال کر گئے۔ ان کی علمی شخصیت بڑی جامع کمالات تھی۔ حدیث' فقہ اور اصول' تاریخ و انساب و نفسیات' تاریخ مذاہب' عقائد و اخلاقیات اور ادب و شاعری سب پر یکساں عبور تھا۔ جوامع السیرۃ کی تصنیف سے ابن حزم کا مقصد ایک ایسی جامع اور مختصر کتاب مرتب کرنا تھا' جس سے استفادہ اور مراجعت آسان ہو۔ نیز وہ اس کتاب میں سیرت نبوی پر وہ بنیادی مواد فراہم کرنا چاہتے تھے' جس سے سیرت کا کوئی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ ''جو آخرت کی فلاح' دنیا کی دانائی' عدل و انصاف' سارے محاسن اخلاق کی جامعیت اور تمام خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہتا ہو تو اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و کردار کو مشعل راہ بنانا چاہیے' اس سے سیرت نبوی سے انتہائی شغف اور از سر نو اس کی تدوین کے اسباب اور

محرکات کے بارے میں زیادہ دریافت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مدائنی متوفی سنہ 225 ہجری امامت و مقتدائیت کے مقام پر فائز ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں تاریخ اسلام عالمی تاریخ کا جزو بن گئی۔ سیرت نبوی اس کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس صدی کے اہم ستون ابن قتیبہ متوفی سنہ 270 ہجری ابو حنیفہ دینوری متوفی سنہ 252 ہجری' بلاذری متوفی سنہ 279 ہجری' یعقوبی متوفی سنہ 293 ہجری اور طبری متوفی سنہ (310 ہجری۔ ان سب اساطین تاریخ اسلامی کا نقطہ نظر عالمی تھا۔ اسی بنا پر ان کی کتاب تاریخ حضرت آدم ابوالبشر سے ان کے اپنے عہد ختم ہوتی ہے۔

حیات مورخ یعقوبی کے بارے میں ہمارا سب سے قدیم ماخذ یاقوت حموی متوفی سنہ 626 ہجری ہے' جس نے اپنی معجم البلدان کا اہتمام ابوعمر محمد بن یوسف بن یعقوب مصری کندی متوفی سنہ 355 ہجری کی اساس پر کیا ہے' کہ یعقوبی کا پورا نام احمد بن ابو یعقوب اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح تھا۔ مگر وہ اپنی نسبت یعقوبی کے ذریعہ زیادہ معروف ہے۔ یعقوب نے اسے عباسی بھی گردانا ہے۔ وہ فن روایت میں اعلیٰ مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ خاندان عباسیہ سے بھی شرف نسبت رکھتا تھا' شاید یہی سبب ہے کہ تاریخ یعقوبی کے مخطوطے پر ''الکاتب العباسی'' تحریر ہے۔ جس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ غالباً کسی عباسی خلیفہ کا کاتب ''سیکرٹری'' رہا ہوگا۔ تاریخ یعقوبی دوسری مقداوّل اور مشہور سیرتوں کے مقابلے میں سے مختلف ہے۔ وہ دوسرے ماخذ کے متفقہ بیانات کی نفی کرتا ہے۔ اس لئے ان کی صحت پر شبہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کی وفات کا وقت' جنگ فجار میں ابتداً ابوطالب کا شرکت سے انکار اور اس بنا پر دوسروں کا انحصار' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے شادی' ابتدائی مسلمانوں کی ترتیب قبول اسلام وغیرہ۔ تاریخ یعقوبی میں سیرت کا مواد حضرت آدم سے' ایران میں عرب کی ماقبل اسلام کی تاریخ تک بیان سے حاصل کیا گیا ہے۔ سیرت کے تمام اہم راویوں اور اخباریوں کا مختصر ذکر مقدمہ میں کر دیا ہے۔ یعقوبی نے مقدمے میں جن راویوں کے نام گنوائے ہیں' وہ یہ ہیں۔

1- اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی متوفی سنہ 178 ہجری جو نبو ہاشم کے شیوخ میں سے تھے۔

2- ابو البختری وہب بن وہب قریشی، متوفی سنہ 200 ہجری جو جعفر بن محمد متوفی سنہ 148 ہجری سے سند بیان کرتے ہیں۔

3- عبان بن عثمان، یہ بھی جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہیں۔

4- محمد بن عمر واقدی جو اپنی روایات موسیٰ بن عقبہ جیسے راویوں سے لیتے ہیں۔

5- عبدالملک بن ہشام متوفی سنہ 213 ہجری جو زیادہ تر عبداللہ بکائی سے اور وہ محمد بن اسحاق مطلبی سے روایت کرتے ہیں۔

6- ابوحسان زیادی جو ابوالمنذر کلبی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔

7- عیسیٰ بن یزید بن حراب، ہیثم بن عدی طائی، یہ دونوں عبداللہ بن عباس ہمدانی سے نقل حدیث کرتے ہیں۔

8- محمد بن کثیر قریشی، ابوصالح وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

9- علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف مدائنی

10- ابومعشر مدنی متوفی سنہ 170 ہجری

سیرۃ نبوی کا پانچواں ماخذ عالم اسلامی کی وہ قدیم تواریخ ہیں جو مسلمان مؤرخین نے قدیم زمانے میں لکھیں۔ اگرچہ وہ اسلام کی عام تاریخیں ہیں جن میں خلفاء اور بادشاہوں کے حالات درج ہیں۔ تاہم مؤرخین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات بھی بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں اور اکثر روایتیں ایسی بیان کی ہیں جو اور کہیں نہیں ملتیں، مگر یہ خصوصیت ابتدائی دور کی تواریخ میں ہے، بعد کے مورخ ان ہی کتابوں کی روایات لیکر اپنے طور پر لکھتے رہے ہیں اس لئے ہم یہاں متقدمین کی دو تین کتابوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

تاریخ یعقوبی

عالم اسلام کی یہ قدیم ترین تاریخ علامہ احمد بن ابی یعقوب الملقب بہ یعقوبی، متوفی سنہ 284 ہجری کی تالیف ہے جس میں انہوں نے سنہ 259 ہجری تک کے حالات بیان کئے ہیں۔ قدیم تواریخ میں یہ کتاب بڑی وقعت کی نظری سے دیکھی جاتی ہے۔

تاریخ الامم والملوک

یہ ضخیم اسلامی تاریخ بارہ مبسوط جلدوں میں بڑی عرق ریزی اور محنت سے لکھی گئی ہے۔ مؤلف کا نام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی سنہ 310 ہجری ہے۔ اس میں ابتداء سے لیکر مصنف نے اپنے زمانہ تک کے تمام واقعات لکھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی بہت مفصل ذکر ہے۔ بہت سی نئی روایات بھی اس میں موجود ہیں۔ بعد کے سیرت نگاروں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔

التاریخ الکامل

از علامہ علی بن ابی الکرم محمد الشیبانی رحمتہ اللہ علیہ المعروف بہ ابن اثیر الجزری المقلب بہ عزالدین المتوفی سنہ 630 ہجری۔ یہ تاریخ ابتداء عالم سے سنہ 628 ہجری تک کے حالات وواقعات پر محیط ہے۔ اگرچہ یہ طبری کی نقل ہے۔ تاہم نئی معلومات بھی اس میں ملتی ہے۔ اس کی قریباً سب باتیں تاریخ طبری میں آ گئی ہیں بعد کے تمام مورخین ابولفدا' سیوطی اور ابن خلدون کا ماخذ یہی کتاب ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی اس میں تفصیلی حالات دیئے گئے ہیں۔ بعد کے تمام مورخین اور سیرت نگاروں نے اس کے حوالہ جات بکثرت دیئے ہیں۔

تاریخ ابولفدا

از اسماعیل بن علی المقلب بہ ابوالفدا امتوفی سنہ 732 ہجری۔ یہ قبل اسلام سے سنہ 729 ہجری تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ مگر یہ تاریخ پہلی تاریخوں سے اخذ شدہ ہے۔

تاریخ ابن خلدون

عربی کی اسلامی تاریخوں میں یہ نہایت مستند اور معتبر تاریخ ہے۔ اسکا مؤلف ابو زید عبدالرحمٰن بن محمد المغربی ملقب بہ ابن خلدون نہایت پایہ کا مورخ اور یورپ میں نہایت معروف

اور مقبول ہے۔ اس کی تاریخ کا مقدمہ فلسفہ تاریخ میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ یہ مفصل تاریخ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر سنہ 797 ہجری تک احاطہ کرتی ہے۔ سنہ 808 ہجری بمقام قاہرہ ابن خلدون نے انتقال کیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اس نے بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔

ولادت باسعادت

سرور عالم سیدنا محمد مصطفیٰ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعہ فیل کے پچاس یا پچپن روز بعد بتاریخ 9 ربیع الاوّل عام الفیل 22 اپریل 571ء بروز دوشنبہ مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے وقت ابوطالب کے مکان میں پیدا ہوئے۔ مشہور یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعہ فیل کے پچاس روز بعد پیدا ہوئے اور اسی کو علامہ سہیلیؒ نے اختیار کیا ہے۔ ایک اور مورخ محمد بن علیؒ سے منقول ہے کہ پچپن روز بعد پیدا ہوئے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے اور علامہ ابن جوزیؒ نے اسی پر علماء کا اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔ سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی۔ ہمارے نبی کا نام دادا نے ''محمدؐ'' اور ماں نے ''احمد'' رکھا تھا۔ لفظ محمد حمد سے اسم مفعول ہے۔ یعنی مضاعف مبالغہ کیلئے ہے اور احمد بھی حمد سے واقع علی المفعول ہے۔ اسم محمد سے حمد کی کثرت اور اسم احمد سے حمد کی صفت اور کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حسان بن ثابت کا شعر ہے۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ

فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

(خدا نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے اس کا نام اپنے نام سے مشتق فرمایا۔ دیکھو رب

العرش تو محمود ہے اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم خلیل اللہ ابوالانبیا کی اولاد سے ہیں جو بی بی حاجرہ کے بطن سے ہوئی۔ حاجرہ شاہ مصر رقیون کی بیٹی تھی۔ خدا کے ہاں ان کا ایسا درجہ تھا کہ خدا کے فرشتے ان کے سامنے آیا کرتے تھے اور خدا کا پیغام پہنچایا کرتے تھے۔ حاجرہ بی بی کے فرزند کا نام اسماعیلؑ ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے ہیں۔ اسماعیل کے بڑے بیٹے کا نام قیدار تھا۔ قیدار کی اولاد میں عدنان اور عدنان کی اولاد میں قصی بہت مشہور ہیں جو چار واسطے سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ ہے۔ وہ وہب کی بیٹی ہیں۔ وہب قبیلہ بنی زہرہ کا سردار تھا۔ ان کا سلسلہ نسب فہر الملقلب بہ قریش کے ساتھ ملتا ہے۔ اس لئے نبی محتشم ددھیال اور ننھیال میں عرب کے بہترین قبیلہ بہترین قوم اور شاخ میں سے ہیں۔ ہمارے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ربیع الاول سنہ 1 عام الفیل مطابق 22 اپریل سنہ 571ء مطابق یکم جیٹھ سمت 628 بکرمی کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق وقبل از طلوع آفتاب پیدا ہوئے۔ اپنے والدین کے اکلوتے بچے تھے۔ والد بزرگوار کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے خود بھی یتیمی کا زمانہ دیکھا تھا۔ اپنے پچیس سالہ نوجوان بیٹے عبداللہ کی اس یادگار کے پیدا ہونے کی خبر سنتے ہی بچے کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور دعا مانگ کر واپس لائے۔ ساتویں دن قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی اور محمد نام رکھا۔

ایام طفولیت

مشاہیر عالم میں رسول رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ صحیح معنوں میں مصیبت زدہ شخصیت تھے۔ جنہوں نے ایام طفولیت وآغاز وجوانی میں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ آپ کی طرح مشاہیر عالم میں کسی نے بھی جوانی اور بچپن میں اتنی تکلیفیں نہیں اٹھائیں۔ قرآن کریم میں یتیموں اور مسکینوں پر رحم کرنے اور ان کی دستگیری کرنے کی جس قدر شدت وکثرت سے

تاکید آئی ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچپن میں یتیمی اور آغازِ جوانی میں بے سروسامانی کی زندگی بسر کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ کھولی تو سایہ پدری کو نہ پایا۔ گو آپؐ قریشی النسل تھے اور یہ قبیلہ مکہ میں بڑا ہی معزز و محترم تھا مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ مجبور ہوگئیں کہ اپنے عزیزوں میں مدینہ تشریف لے جائیں تا کہ یہ ممکن ہو سکے کہ عزیزوں کی مدد سے اپنے فرزند کو ایک بزرگ ہستی بنا سکیں۔ کیونکہ باپ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی والدہ ماجدہ بالکل تہی دست تھے۔ شرفاء مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جبکہ وہ ایک ہفتہ کے ہو جاتے تھے' دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب وہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے۔ ولادت باسعادت کے بعد تین چار روز تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابولہب کو جب اپنی لونڈی ثوبیہ نے آپ کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اسی وقت ثوبیہ کو آزاد کر دیا اور ثوبیہ ہی نے آپ کو دودھ پلایا۔ آپ سے پیشتر ثوبیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا' اس لئے حضرت حمزہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں۔

(زرقانی ج 1' صفحہ 137)

ایام رضاعت

عرب کے قبائل میں جو مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہوئے اپنی بدوی زندگی کو ہاتھ سے نہ دینا چاہتے تھے۔ لہٰذا بچہ پیدا ہونے کے بعد اسے دایہ کے سپرد کر دیتے تھے تا کہ بچہ صحرائے وسیع میں زندگی گزار سکے۔ اس کے علاوہ مکہ کی آب و ہوا خراب ہونے کی وجہ سے جو بچے مکہ میں پیدا ہوتے' لڑکپن میں فوت ہو جاتے کیونکہ مکہ کی گرم وخشک ہوا بچوں میں مہلک امراض پیدا کر دیتی تھی۔ نیز یہ کہ کسی بدو عورت کو دایہ کے فرائض پر مامور کرنے سے بچہ اصل عرب صحرانشین و شتر سواری کی تربیت پاتا اور وہ دایہ کے لڑکے کا رضاعی بھائی ہوتا۔ اہل عرب ایسے بھائی کو حقیقی بھائی کی طرح دیکھتے تھے۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو قریش کی رسم کے مطابق ان کے سر کے بال اتروا کر ان کے وزن کے برابر سونا فقیروں میں خیرات کیا گیا۔ قریش

ہمیشہ اس رسم کے پابند رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو دایہ تھیں۔ دوسری دایہ کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ شاید اس لئے کہ وہ آپ کے چچا ابولہب کی کنیز تھیں اور ابولہب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت اذیتیں پہنچایا کرتا تھا۔ بہر حال رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی دایہ ابولہب کی کنیز ثوبیہ تھی۔

صحرا نشین عورتیں بچوں کی تلاش میں مکہ کا رخ کرتی تھیں تا کہ وہ امراء مکہ کے بچوں کی دودھ پلائی کر سکیں اور آئندہ ان کے بزرگوں کے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکیں۔ یتیم ہونے کی بناء پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی دایہ نے قبول نہ کیا حتیٰ کہ حلیمہ سعدیہ ان کو لینے پر راضی ہو گئیں۔ حلیمہ سعدیہ نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا:۔

''اس سال ربیع الاول میں بارش نہیں ہوئی' میں نے اپنے شوہر سے کہا ہمارے پاس زندگی گزارنے کیلئے کچھ بھی تو نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مکہ جائیں اور سرداران مکہ میں سے کسی کے بچے کو لا کر اس کی تربیت کریں۔ اسی طرح ہم بچے کے باپ سے کچھ حاصل کر سکیں گے۔ میرے شوہر نے اس بات کو قبول کر لیا تو میں اپنے شیر خوار بچے کو لے کر ایک ناقہ پر سوار ہو کر چل کھڑی ہوئی۔ میرے شوہر نے اونٹنی کی مہار تھامی اور ہم مکہ کی راہ پر روانہ ہو گئے۔ میرا بچہ بھوک سے رویا کرتا تھا کیونکہ میرا دودھ نہ اترتا تھا۔ چھاتیاں خشک ہو گئیں تھیں اور اونٹنی بھی خشک سالی کی وجہ سے دودھ سے اتر گئی تھی اور میں اور میرا شوہر ہم دونوں بھوکے تھے۔ جب ہم مکہ پہنچے تو ہمارے قبیلے کی عورتوں نے مال داروں کے بچے لئے اور واپس آنے لگیں۔ انہیں بچوں کے باپوں نے بہت سے تحفے دیئے۔ مجھے کوئی مال دار بچہ نہ ملا۔ صرف ایک یتیم بچے کو جس کا نام محمد تھا میرے سپرد کیا گیا اور بچے کی ماں یا دادا کی طرف سے کوئی بھی تحفہ نہ دیا گیا۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا بجائے اس کہ ہم خالی ہاتھ جائیں یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس بچے کو قبول کر لیں۔ آخر یہ بچہ قریش کا ہے جب بڑا ہو جائے گا تو قریش کے سرداروں سے ہو گا۔ اس وقت ہم اس سے کچھ استفادہ کر سکیں گے۔ میرے شوہر نے یہ تجویز پسند کی اور میں اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ واپس چل کھڑی ہوئی۔ ابھی میں مکہ سے ایک منزل بھی آگے نہ گئی تھی کہ میرے دونوں پستان دودھ سے بھر گئے۔ میرے بیٹے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ جب ہم گھر

پہنچے تو میرے شوہر نے ناقہ کے تھن دکھائے اور کہا حلیمہ دیکھا! ہماری اونٹنی کا دودھ؟ پھر اسے دھویا اور خوب پیا۔ رات بھر آرام سے سوئے۔ صبح اٹھ کر میرا شوہر کہنے لگا۔ بلاشک وشبہ یہ بچہ جسے تو قریشیوں سے اپنے ساتھ لائی ہے بڑی برکت والا ہے۔ یہ ہمیں خوش نصیب کرے گا۔"

قافلہ کی روانگی کا وقت آیا اور سب سوار ہو کر چل پڑے۔ حلیمہ بھی اس مولود مسعود کو لے کر سوار ہوئیں۔ حلیمہ کی وہ دبلی پتلی سواری جس کو پہلے چابک مار مار کر ہنکایا جاتا تھا' اب برق رفتار ہوئی اور کسی طرح تھامے نہیں تھمتی۔ ساتھ والی عورتوں نے پوچھا' اے حلیمہ یہ وہی سواری ہے واللہ! اس وقت تو اس کی شان ہی نرالی ہے حتیٰ کہ ہم بنی سعد میں پہنچے۔ میری بکریاں جب شام کو چراگاہ سے واپس آئیں تو دودھ سے بھری ہوئی تھیں۔ حضرت حلیمہ کا یہ تمام واقعہ سیرۃ ابن ہشام میں مذکور ہے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اسی طرح خیر و برکت دکھلاتا رہا۔

جب دو سال گزر گئے تو میں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا اور آپ کو لے کر مکہ آئیں تاکہ حضرت آمنہ کی امانت ان کے حوالے کریں۔ ان دونوں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی اس لئے حضرت آمنہ نے حلیمہ کے غیر معمولی اصرار پر آپ کو واپس لے جانے کی اجازت دے دی۔ چند ماہ گزرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے جانے لگے۔

شق صدر

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے گئے ہوئے تھے کہ یکا یک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے ہمارے قریشی بھائی کو لٹا کر ان کا شکم مبارک چاک کیا اور اب اسی کو سی رہے ہیں۔ یہ واقعہ سنتے ہی حلیمہ اور ان کے شوہر کے ہوش اڑ گئے' دوڑے ہوئے آئے اور آپ کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ چہرہ مبارک کا رنگ فق تھا۔ حلیمہ کہتی ہیں میں نے فوراً آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سینے سے چمٹا لیا۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رضاعی باپ نے آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور آپ سے دریافت کیا کہ کیا واقعہ تھا۔ آپ نے سارا واقعہ بیان فرمایا۔ حلیمہ آپ کو لے کر گھر واپس آ گئیں۔

(سیرۃ ابن ہشام ج 1' صفحہ 56)

شق صدر کا واقعہ چار مرتبہ پیش آیا۔ اوّل بار زمانہ طفولیت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چار سال تھی۔ دوسری بار شق صدر کا واقعہ دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ تیسری بار یہ واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا جیسا کہ مسند ابی داؤد طیالسی میں مروی ہے۔ چوتھی بار یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا جیسا کہ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی میں مروی ہے۔ الحاصل یہ چار مرتبہ کا شق صدر روایات اور احادیث سے ثابت ہے۔ بعض روایات میں پانچویں مرتبہ بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے مگر یہ روایات ثابت اور معتبر نہیں۔ پہلی مرتبہ قلب چاک کر کے ایک سیاہ دھبہ نکالا گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مطہر پاک ہو جائے اور دوسری بار قلب مبارک اس لئے چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک مادہ لہو ولعب سے پاک ہو جائے تیسری بار بعثت کے وقت، قلب مبارک اس لئے چاک کیا گیا تا کہ اسرار وحی اور علوم الٰہیہ کا متحمل ہو سکے۔ چوتھی بار معراج کے وقت اس لئے سینہ چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالم ملوکیت کی سیر اور تجلیات الٰہیہ اور آیات ربانی کے مشاہدات کا تحمل کر سکے۔ بار بار شق صدر سے مقصود یہ تھا کہ قلب مطہر ومنور کی طہارت نورانیت انتہا کو پہنچ جائے۔ اسی لئے آپ کے قلب مبارک کو علم و حکمت سے بھر کر دو شانوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تا کہ اس خزینہ سے کوئی شے ضائع نہ ہونے پائے۔

(خواتم الحکم، صفحہ 156۔ روض الانف، ج 1، صفحہ 11)

والدہ مکرمہ کا انتقال

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چار سال ہوئی تو والدہ مکرمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس رکھ لیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ برس کی ہوئی والدہ مکرمہ کا انتقال ہو گیا اور دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمے لے لی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ برس کے ہوئے تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے وفات پائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو سایہ پدری سے محروم ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش النسل تھے اور یہ قبیلہ عرب میں بڑا محترم اور معزز جاتا تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ کی والدہ ماجدہ مجبور ہو گئیں کہ آپ کو اپنے عزیزوں میں مدینہ لے جائیں تا کہ ان کی نگرانی، امداد اور پرورش سے وہ خاطر خواہ عزت و وقار کے درجہ پر پہنچیں۔

بی بی آمنہ یثرب میں ایک ماہ قیام کے بعد مکہ روانہ ہوئیں۔ سفر کے دوران وہ ابواء کے مقام پر بیمار ہوئیں اور اسی بیمار سے ان کا انتقال ہوا۔ ام ایمن جو سفر میں ہمراہ تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ لے آئیں۔

آپ نے والد کے گزرنے کے بعد ماں کو اکثر روتے دیکھا تھا۔ ماں کے گزرنے کے بعد یتیمی کا یہ دوسرا داغ آپ کیلئے اور بھی ناقابل برداشت ہوگیا۔ ان حالات کے پیش نظر آپ اپنے دادا عبدالمطلب کے بہت زیادہ محبوب بن گئے۔ دادا کی بے پایاں محبت کے باوجود مسلسل غم والم کے بوجھ سے آپ کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے تھے۔ ظاہر ہے قرآن حکیم میں اللہ کی رحمت اور اس کے احسان کا یوں تذکرہ ہے۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ○

(بھلا نہ پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ سوجھائی)

عبدالمطلب کی عمر نے وفا کی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو والدین کی بے وقت رحلت کا غم کچھ ہلکا ہو جاتا۔ مگر افسوس وہ 110 سال کی عمر میں دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچشم گریاں دادا کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک گئے۔

عبدالمطلب اپنے دور زندگی میں زائرین بیت اللہ کی دیکھ بھال اور مہمان نوازی خود کرتے تھے۔ ان کی اولاد میں یہ جذبہ ان کی طرح نہ تھا۔ اگر کسی ایک میں تھا بھی تو وہ کم مائیگی اور ناداری کی وجہ سے اس کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیادت کا یہ فریضہ بنوامیہ نے سنبھالا جو روایتی طور پر عبدالمطلب کے مخالف سمجھے جاتے تھے اور یہ منصب چھیننے کے درپے رہتے تھے۔

آٹھ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آ گئے۔ ابوطالب ایک شریف انسان تھے مگر تہی دست تھے۔ ایک بڑا خاندان آپ کی کفالت میں تھا لیکن ایسا کرنے میں ان کو مشکلات کا سامنا تھا۔

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایام طفولیت میں ہی آپ کو آبادی سے دور چراگاہوں اور جنگلوں میں غلہ بانی کا کام کرنا پڑا۔ ظاہر ہے اس خاموش اور یک سوئی کے ماحول میں آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غور وفکر کی عادت پیدا ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح ہوتے ہی آبادی سے دور چلے جاتے اور رات گئے تک تنہا جنگل و بیاباں میں لامحدود آسماں اور وسیع افق میں نظریں گاڑ دیتے۔

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک لگن ایسی تھی جس نے آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر بنا دیا۔ صحرائے عرب کی تمازت میں گلہ بانی کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر ایک جذبہ خودی اور غور وفکر کی عادت پیدا ہوگئی کیونکہ جنگل خودی میں ڈوب جانے اور غور وفکر کرنے کیلئے بہترین مقام ہوتا ہے۔ بہرحال آٹھ سال کی عمر سے آپ کو گلہ بانی کرنا پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر صبح شہر سے باہر جاتے اور رات آنے تک تنہا جنگل میں لامحدود آسمان اور وسیع افق میں نظریں گاڑ دیتے' غروب آفتاب سے پہلے آبادی کا رخ کرتے اور رات اپنے چچا کے گھر گزارتے۔ ان گوناگوں مصائب' تنہائی اور مشغولیت نے آپ کو قبل از وقت بہت زیادہ متین اور سنجیدہ بنا دیا۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گیارہ سال کے ہوئے تھے کہ ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہمراہ شام کی طرف لے گئے۔ شام کی ایک بستی بصرہ میں قافلہ نے قیام کیا۔ یہاں ایک جھونپڑی میں بحیرہ نامی ایک نابغہ' کامل و اکمل انسان رہتا تھا۔ یہ شخص بڑا عابد و زاہد اور عیسائیوں کی ایک مانی ہوئی بزرگ ہستی تھا۔ بحیرہ اس دن تک کبھی اپنے جھونپڑی سے باہر نہ نکلا تھا۔ نہ کبھی قافلے والوں سے گفتگو کی تھی۔ جس دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قافلہ کے ساتھ وہاں پہنچے۔ بحیرہ اپنے جھونپڑے سے نکلا اور ابو طالب سے کہا' میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ادھر ایک قافلہ میں ایک لڑکا ہے اور وہ عربی النسل کا ہے۔ وہ اہل عرب میں خدا کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا جائے گا اور عربی زبان میں تبلیغ کرے گا۔ تم لوگ یہودی یا عیسوی مذہب کی پیروی کرنے پر مجبور نہیں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم اہل عرب کیلئے ایک پیغمبر بھیجنے والا ہے۔ بحیرہ راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرنور صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی خبر کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔ بحیرہ راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ یہی ہے سردار جہانوں کا' یہی ہے رسول پروردگار عالم جس کو اللہ نے جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

بحیرہ راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب سے کہا کہ اسے یہودیوں کے ملک میں نہ لے جاؤ تاکہ وہ انہیں پہچان کر کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ شفیق چچا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بصریٰ ہی سے واپس کر دیا۔

روایت ہے کہ چچا نے واپس کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بلال کو بھیجا تھا۔ مگر یہ درست نہیں۔ اوّل تو اس وقت حضرت بلالؓ نہ ابو طالب کے پاس تھے اور نہ کسی اور سربازان مکہ کے پاس۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان دنوں میں موجود ہی نہ ہوں۔ یہودی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کے آنے پر یہودیوں کو کافروں پر فتح و نصرت ہوگی۔ یہ اعتقاد ان کا اس وقت تک رہا جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نہ ہوئی۔

(الخصائص الکبریٰ' ج 1 'صفحہ 84۔ عیون الاثر' ج 1 'صفحہ 43۔ زاد المعاد' ج 1 'صفحہ 16)

حرب الفجار

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر شام میں کاروانوں کی تجارتی گزرگاہ دیکھی۔ ''شہر حرم'' میں عکاظ' مجنۃ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں شعرائے کے طور طریق بھی سیکھ لئے۔ عرب کا دستور تھا کہ عکاظ' مجنۃ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں خرید و فروخت کرتے تھے۔ عکاظ عرب کا مشہور و معروف بازار تھا۔ شعراء اپنے چیدہ قصائد اس بازار میں پڑھتے تھے۔ عرب کا مشہور خطیب قیس بن ساعدہ تقریریں کیا کرتا تھا۔ براص بن قیس کنعانی نے مقدس مہینوں کی حرمت کا لحاظ نہ کرتے ہوئے عروۃ الرجال ہوازنی کو قتل کر دیا۔ نعمان بن منذر نے ایک قافلہ مشک دیگر عکاظ روانہ کیا اور ہدایت کی کہ واپسی پر پوست' رسیاں اور زربفت لے آئیں۔ براص کنعانی نے قافلے کو اپنی حمایت میں منزل مقصود تک پہنچانے کا ذمہ لیا۔ دوسری طرف عروہ ہوازانی نے وعدہ کیا کہ میں قافلہ کو براستہ نجد حجاز لے جاؤں گا۔ نعمان بن منذر نے عروہ کو منتخب کر لیا۔ یہ بات براص کنعانی کو ناگوار گزری۔ اس نے تعاقب کیا اور عروہ کو تہ تیغ کر دیا۔ ایک شخص بشیر بن ابو حازم نے قریش کو اطلاع دی کہ بنو ہوازن اپنے مقتول کا انتقام لینے آ رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ قریش حرم میں پناہ لیں ہوازن ان پر آ ٹوٹے اور لڑائی چھڑ گئی۔ یہ جنگ چار سال تک جاری رہی۔ آخر کار

اس شرط پر صلح ہوئی کہ جس فریق کا جانی نقصان کم ہوا ہے وہ فریق ثانی کو اتنے آدمیوں کا خون بہا ادا کرے۔ اس جنگ میں براص سنگ دلی اور بے رحمی میں ضرب المثل بن گیا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حرب الفجار میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پندرہ اور بیس سال کے درمیان تھی۔ اس جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنگجو کی حیثیت میں حرب الفجار میں شرکت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسالت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔

''میں اس جنگ میں اپنے اعمامؑ کے دوش بدوش شریک جنگ تھا' میں نے تیر بھی چلائے۔ میں اس پر نادم نہیں ہوں۔''

تجارت کا خیال

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال پہلے تجارت کی طرف ہوا' مگر روپیہ پیسہ پاس نہ تھا' مکہ میں نہایت شریف خاندان کی ایک بیوہ عورت خدیجہ بہت مالدار تھی۔ اپنا سرمایہ تجارت میں لگائے رکھتی تھی۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبیاں اور اوصاف سن کر اور آپ کی سچائی' دیانتداری اور سلیقہ شعاری کا حال معلوم کر کے خود درخواست کر دی کہ اس کے سرمایہ سے تجارت کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا مال لے کر تجارت کو گئے۔ اس تجارت میں بہت منافع ہوا۔ اسی نوجوانی کے زمانہ میں قیس بن زید آپ کو سامان تجارت فروخت کرنے کیلئے دیا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سرمایہ لے کر دور دراز کے سفر پر جاتے اور ہزاروں تک سکہ طلائی لیکر واپس تشریف لاتے۔ چونکہ آپ امین تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حساب و کتاب میں کسی قسم کا فرق نہ ہوتا تھا۔ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیس کا ساتھ چھوڑا تو اس نے کہا۔ اے محمد! میری جان آپ پر قربان' مجھے آپ جیسا امانت دار' شریف انسان نہیں مل سکے گا۔

گیارہ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شام کی طرف لے گئے۔ واپسی پر ابو طالب نے اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے پھر بکریاں

چرانے کی خدمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دی۔ آپ ان بھیڑ بکریوں کو لے کر تپتے صحرائے عرب میں گلہ بانی کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوان ہوئے تو اپنے دوستوں کو بتاتے تھے کہ میں ان مقامات پر بکریاں چرایا کرتا تھا اور ان جڑی بوٹیوں کو کھا کر گزارا کیا کرتا تھا۔ اہل عرب چار ماہ جنگ نہیں کرتے تھے اور نہ ایام حج میں کسی کو لوٹتے تھے۔ بقول عرب ''نہ حاج کو لوٹا جاتا تھا نہ داج کو'' زمانہ حج میں مکہ کے قریب بازار عکاظ لگا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھا کرتے کہ بازار میں کوئی ایسی چیز ہے جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہو؟ وہ شریں سخنی تھی۔ وہ مرد خدا جو آئندہ پیغمبر بننے والا تھا' اس بات کو اچھی طرح بھانپ گیا کہ شیریں سخنی سب سے زیادہ قیمتی شے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بازار عکاظ میں یہی چیز سب سے زیادہ گراں نظر آئی۔ پیغمبر اسلام اس بازار میں شعرائے عرب کے اشعار غور سے سنا کرتے اور فصحائے عرب کے کلام سے محظوظ ہوتے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن زہیر کو خوش ہو کر اپنی چادر عطا فرما دی تھی۔

آپ کے دعوائے نبوت سے بیس پچیس (25-20) سال پہلے ہی پیشتر لوگ آپ کو امین اور صابر کہہ کر پکارتے تھے۔ اہل عرب لفظ امین کو امانتدار کے علاوہ وفادار کے معنی بھی پہناتے ہیں۔ آپ کی صفت صبر' آپ کی امانتداری کی طرح پیغمبری سے بہت پہلے مشہور و معروف تھی۔ امام ابوداوؒد اپنی سنن میں لکھتے ہیں ''اس زمانے میں جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس سال کے تھے ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مقام پر ملاقات کا وعدہ کیا تاکہ سودا سلف کی بات کرے'' مگر وہ تاجر بھول گیا۔ تین روز بعد ادھر سے گزرا' تو حیران ہو کر دیکھنے لگا کہ آپ اسی جگہ موجود ہیں۔ پیغمبر اسلام نے تین دن اسی مقام پر اس شخص کا انتظار کیا' حضرت امام احمد ابن حنبلؒ لکھتے ہیں ''عالم جوانی میں آپ مال لیکر کہیں جاتے تھے' دوسرے تاجر بھی اپنا سرمایہ آپ کے سپرد کر دیتے تھے' کہ اسے فروخت کر کے اپنا حق الخدمت لے لیں کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ آپ امین ہیں اور بقول قیس بن زید آپ ان کا مال فروخت کر کے حق الخدمت کچھ بھی نہ لیتے' جب آپ سفر سے لوٹتے۔ تمام ملاقاتیوں سے ملتے اور اگر یہ دیکھتے کہ اس کی مالی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ تو اپنی مزدوری میں سے انہیں بھی کچھ حصہ دے دیتے۔ ایک سوداگر کی طرف سے

ایسا ہونا قابل توجہ بات ہے۔

(مسند امام حنبل، مطبوعہ 1328ء قاہرہ صفحہ 425)

مظلوموں کی حمایت و دادرسی

ان ہی دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر قبیلوں کے سرداروں اور سمجھدار لوگوں کو ملک کی بے امنی، راستوں کے خطرناک ہونے، مسافروں کے لٹنے اور غریبوں پر زبردستوں کے ظلم کی اصلاح پر توجہ دلائی۔ آخر ایک انجمن قائم ہوگئی۔ جس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنوزہرہ اور بنوتمیم شامل تھے۔ اس چھوٹی سی انجمن کا مقصد یہ تھا کہ کسی مظلوم کا حق کوئی ظالم نہ مار سکے۔ یہ لوگ مفت خدمت کرتے تھے۔ مکہ میں نہ پولیس تھی نہ عدالت۔ ہر قبیلہ اپنے اختلافات خود ہی درست کر لیتا، مگر جب بھی مکہ پر حملہ ہوتا تو تمام قبائل متحد ہو کر مدافعت کرتے۔ اگر کوئی بیرونی قبیلہ مظلوم کی حیثیت میں مکہ کا رخ کرتا، تو اسے بیرونی حملہ آور شمار کیا جاتا اور سارے مکہ والے اس کا مقابلہ کرتے، لہٰذا کوئی دیہاتی کسی شخص سے اپنا حق واپس نہیں لے سکتا تھا، اور نہ ہی انتقام لینے پر قدرت رکھتا تھا۔

حلف الفضول

جس طرح ناانصافی اور قتل و غارت گری کے انسداد کیلئے فضل بن فضالہ، فضل بن وراعہ حارث نے ایک معاہدہ مرتب کیا جو انہی کے نام سے "حلف الفضول" مشہور ہوا۔ اسی طرح رسول رحمت کے زمانہ میں مکہ کے جوانوں نے پختہ عہد کیا کہ ہم:۔

1۔ ملک سے بے امنی دور کریں گے۔

2۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

3۔ زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب یہ معاہدہ طے پا رہا تو سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب اس کے محرک بنے۔ بنو ہاشم اور بنو تیم عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور سب نے مظلوم کی حمایت کا عہد کیا کہ حتی الوسع اس کی اعانت اور امداد سے دریغ نہیں

کریں گے۔ میں (رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اس معاہدے کے وقت عبداللہ بن جدعان کے گھر میں موجود تھا۔ اس معاہدے کے مقابل میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں ہرگز پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جاؤں تو بھی اس کی شرکت کو ضرور قبول کروں گا۔

سہیلی" مورخ عرب لکھتا ہے "ایک عرب ایام حج میں اپنی کنواری بیٹی کے ساتھ مکہ آیا۔ ایک دولتمند تاجر نے اس کی لڑکی اغوا کرلی۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس ظلم کا علم ہوا تو آپ نے دس قبائل قریش سے درخواست کی کہ مکہ میں ظلم نہ ہونے دیں۔ حلف الفضول والے جواں مرد مظلوم کے طرف دار بن گئے اور خانہ کعبہ کے پاس جمع ہو کر اپنی قسم کی تجدید کی کہ ہم قسم کھاتے ہی کہ مظلوم کی اس حد تک حمایت کریں گے کہ ظالم اس کے حق کے واپسی پر مجبور ہو جائے۔ ہم قسم کھاتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی لالچ نہیں کریں گے خواہ مظلوم دولت مند ہو یا فقیر۔ یہ قسم کھانے کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش کے نوجوانوں نے حجر اسود کو آب زم زم سے دھویا اور وہ پانی پی گئے تاکہ قسم مضبوط ہو جائے۔ جب یہ نوجوان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظالم تاجر کے گھر گئے اور اس کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور کہا کہ بلاتاخیر لڑکی کو اس حالت میں (یعنی کنواری ہونے کی حالت میں) اس کے باپ کے سپرد کردے۔ تاجر کے لیت ولعل پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا فوراً لڑکی واپس دے دو۔ تاجر مجبور ہو گیا اور اسی وقت لڑکی کو باپ کے سپرد کردیا۔ ایک مرتبہ ابوجہل نے ایک تاجر سے مال خریدا مگر دام نہیں دیئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو ابوجہل کے پاس گئے اور اس سے کہا اس کے مال کی قیمت دے دے چنانچہ اس نے قیمت ادا کردی۔"

حلف الفضول کا واقعہ ایک ہے لیکن ہر ایک کا انداز بیان جداگانہ ہے۔ جب قریش حرب الفجار سے واپس آئے تو وہ واقعہ پیش آیا کہ شہر زبید کا ایک شخص اپنا مال تجارت مکہ لایا جسے عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا مگر قیمت ادا نہ کی۔ اس پر زبیدی نے اپنے احلاف عبدالدار، مخزوم، جمع، سہم اور عدی بن کعب سے مدد مانگی، مگر ان سب نے مدد دینے سے انکار کردا۔ پھر اس نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر فریاد کی، جسے قریش کعبہ میں سن رہے تھے۔ یہ سن کر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم' بنو زہرہ اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ سب عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور واہم عہد کیا کہ ہم ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کیا کریں گے۔ اس کے بعد ہو سب عاص بن وائل کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کا مال واپس کرایا۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اس معاہدہ کے مشابہ تھا جو قدیم زمانہ میں جرہم کے وقت مکہ میں بدیں مضمون ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے کا حق رسائی کیا کریں گے اور قوی سے ضعیف کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر رہا کریں گے۔ چونکہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے' ان سب کا نام فضل تھا' جن میں سے فضل بن حارث' فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ تھے' اس لئے اس کو ''حلف الفضول'' سے موسوم کیا گیا تھا۔

اس معاہدہ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے۔ تو میں اسے نہ توڑتا اور ایک روایت میں ہے کہ ''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایسے معاہدے میں حاضر ہوا کہ اگر اس سے غیر حاضری پر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں پسند نہ کرتا اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم ''یا آلِ فضول'' کہہ کر پکارے تو میں مدد دینے کو حاضر ہوں۔''

حلف الفضول کو معمولی واقعہ تصور نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے ذریعے ایک انقلاب پیدا ہوا تھا۔ اس سے پیشتر کسی کے دماغ میں یہ بات نہ آئی کہ ایک گنہگار ظالم سے کمزور مظلوم کے نقصان کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا کہ ظالم سے مظلوم کے حق کو کس طرح لیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اس کا قبیلہ کمزور ہو یا اس کی مدد کیلئے تیار نہ ہو کہ مظلوم کیلئے قربانی نہ دے سکے۔

بعثت سے پہلے بھی آپ ہر طرح کامل واکمل تھے۔ اگر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہ ہوتے تو پیغمبر کیسے ہوتے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ استعداد رکھتے تھے اور آپ کا دماغ اجتماعی' سیاسی حقوق و معاملات میں ایسی باتیں نکالتا تھا جہاں تک دوسروں کی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی لہو ولعب کی مجالس میں

شمولیت نہیں فرمائی تعیشات سے اجتناب بے سروسامانی کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ مکہ کے تہی دست نوجوان بھی اپنے ذوق وشوق کا سامان فراہم کر لیتے تھے۔ بلکہ بعض کی برابری امرائے قریش بھی نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِن گریز پا مشاغل کو کبھی خاطر میں نہ لاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلچسپی کا اگر کوئی مشغلہ تھا تو صرف یہ کہ جو حالات و واقعات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم، مشاہدہ یا تجربے میں آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر پورا غور وفکر فرماتے۔ امرائے قریش اپنی اولاد کیلئے جتنی تعلیم کا اہتمام کرتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بھی بہرہ ور ہونے کا موقع میسر نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن رات غور وخوض فرماتے اور قدرت نے جو اعلیٰ صلاحیتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ودیعت فرمائی تھیں، ان سے پورا کام لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس روح کے انوار کی شمعیں بعثت کے بعد پوری تابانی کے ساتھ فروزاں ہوئیں اور جس سے آج بھی ایک ارب بیس کروڑ مسلمان بالخصوص اور عالم انسانیت بالعموم کسب ضیاء کر رہا ہے۔ ایام شباب میں آپ مدراج کمال طے کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عیش و راحت کے قطع نظر ان انوار وتجلیات کا مشاہدہ کھلے آسمان کے نیچے فرمایا کرتے تھے، جو مظاہر حیات اور مناظر قدرت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آشکارا ہوتیں۔ ان پر غور وخوض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا اہم ترین مشغلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت میں مجد وشرف، صدق، امانت اور مروت وشجاعت کے جوہر نمایاں تھے۔ حتیٰ کہ مکہ کے سرکش اور شقی القلب لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق وامین کے القاب سے یاد کیا کرتے تھے۔

ایام گلہ بانی

حضور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر گیارہ سال تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب نے اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے بکریاں چرانے کی خدمت ان کے سپرد کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تپتے ہوئے صحرائے عرب میں گلہ بانی کیا کرتے۔ گلہ بانی کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غور وفکر کیلئے کافی وقت میسر ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی سال تک اپنے خاندان اور مکہ کے دیگر اشخاص کی بکریاں چرانے کی خدمت سرانجام دیتے

رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دوستوں کو صحرائے مکہ کی طرف لے جاتے اور انہیں بتاتے کہ میں ان مقامات پر بکریاں چرایا کرتا تھا اور جڑی بوٹیاں کھا کر گزارہ کیا کرتا تھا۔ بعد کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شغل کا ذکر تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے کہ:۔

''نبوت کیلئے گلہ بانی شرط ہے۔ گلہ بانی کے بغیر منصب نبوت حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گلہ بان تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی گلہ بانی کی ہے۔ میں بھی اپنے خاندان کی بکریاں چراتا رہا۔''

ایک گلہ بان کا طرز معاشرت کچھ اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ دن نکلے وسیع وعریض کائنات پر اور رات پڑے چمکتے ستاروں کی آب وتاب پر دل جمعی کے ساتھ غور وغوض کرتا ہے۔ عربستان کے صحراؤں میں کوئی چیز تجلی سے مانع نہیں ہے۔ جدھر نظر دوڑائیں' ایک لامحدود دشت اور بے پایاں آسمان ہے۔ جہاں خدا اور فرشتوں سے شناسائی حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جس طرح صحرائے عرب میں خدا سے ملاقات کرنا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ اسی طرح کسی نبی کا پیدا ہونا بھی کوئی اجنبی بات نہ تھی۔ ان حالات میں یہ خیالات ابھرتے رہتے ہیں کہ میں کیا ہوں۔ سانس کیسے لیتا ہوں۔ کیا ہوا کے بغیر زندگی کا امکان ہے۔ مہر و ماہ کے نور کا کیا راز ہے وغیرہ' چونکہ ایک گلہ بان کو ہر ممکن صورت میں اپنے گلہ کی حفاظت کرنا پڑتی ہے اس لئے جب وہ نظام کائنات پر غور کرتا ہے تو یہی نقشہ اس کے ذہن میں اتر آتا ہے کہ اس نظام کائنات کا کوئی محافظ ضرور ہے۔ اسی قسم کے افکار وخیالات کا جو انسان عادی ہو دنیا کی لذتیں اس کی نظر میں کوئی وزن نہیں رکھتیں۔ انہی اسباب کی بنا پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے آپ کی صفت امانت پر حرف آسکے' گلہ بانی دور کے متعلق آپ کا بیان ہے۔

''ایک دن مجھے ہنگامی عیش وعشرت کا خیال آیا تو میں نے دوسرے گلہ بان سے کہا کہ میں مکہ جانا اور رات وہیں گزارنا چاہتا ہوں۔ تم میری بکریوں کی دیکھ بھال کرنا۔ جب میں مکہ پہنچا تو وہاں لوگ جشن شادی منا رہے تھے۔ میں اسی جگہ ٹھہر گیا لیکن مجھ پر ایسی نیند طاری ہوگئی کہ پتہ ہی نہ چلا اس جشن میں کیا ہو رہا ہے۔ اسی طرح ایک اور رات میں مکہ گیا۔ یکا یک میرے کانوں میں گانے کی آواز آئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ یہ کوئی آسمانی نغمہ ہے۔ میں نے کچھ دیر یہ نغمہ سنا لیکن پھر

نیند نے آ گھیرا اور صبح تک میری آنکھ نہ کھل سکی۔"

مکہ کی تعیش پسند زندگی اس مقدس روح پر کیسے اثر انداز ہو سکتی تھی۔ جس کی غذا غور و فکر ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ نظر فریب دلچسپیاں ایک پیغمبر خدا کا تو ذکر کیا بعض دوسرے کم رتبہ انسانوں کو بھی متاثر نہیں کر سکتیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان خرافات کی جانب کیسے مائل ہو سکتے تھے۔ انہی وجوہات کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی عہد شباب میں بھی غور و فکر کی عادی رہی۔ اور دنیاوی لذات سے منہ موڑ کر انسانیت کے مدارج عالیہ طے کرنے میں مصروف رہی۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدا ہی سے غور و فکر کے عادی تھے۔ ایام طفولیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پے در پے روح فرسا اور جان گسل صدمات سہنے پڑے۔ والد ماجد کا انتقال تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ والدہ ماجدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ ان حوادث نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل و دماغ پر انمٹ نقوش چھوڑے اور یہی انمٹ نقوش تھے جن کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں صلاح و تقویٰ اور غور و فکر کی بنیادیں استوار ہو گئی تھیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال پر رہنے دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز دنیا اور اس کی متاع قلیل کی جانب متوجہ نہ ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بھی انہی گلہ بانوں کی طرح امن و سکون سے گزرتی جن کی قوت متخیلہ نے یہ بات ان کے ذہن میں بٹھا دی تھی کہ ان کی روح کائنات کی وسعتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

محمد الامین

ایسے ہی نیک کاموں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کا نام لے کر نہیں پکارتے تھے۔ بلکہ الصادق یا الامین کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی

حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی، دیانتداری اور سلیقہ شعاری کا حال معلوم کر کے درخواست کی کہ ان کے سرمایہ سے تجارت کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ان کا مال تجارت لے کر تجارت کو گئے اور بہت نفع حاصل کیا۔ اس تجارتی سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر حضرت خدیجہؓ کو سنایا جو سفر میں خود مشاہدہ کی تھیں۔ ان اوصاف کو سن کر خدیجہؓ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے نرم گوشہ پیدا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ نے جو کچھ حق الخدمت پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخوشی قبول کیا اور حضرت خدیجہؓ بھی آپ سے اتنی راضی ہوئیں کہ آپ کو پھر اپنے قافلہ تجارت کے ساتھ روانہ کر دیا۔

سفر شام سے واپسی کے دو ماہ اور پچیس روز بعد خود حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ابو طالب نے دیکھا کہ یہ رشتہ بہت خوشگوار ہے تو ان کے مشورہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رشتہ قبول فرمایا۔ ابو طالب نے عمرو بن اسد اور اس کے قبیلے کے چند بزرگوں کی دعوت دی اور کہا ''اگر چہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نادار ہیں' مگر نیک نام ہیں اور ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر بنو اسد سے برتر نہیں تو کم تر بھی نہیں ہیں۔ خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو بہت سے امیر شوہر مل سکتے ہیں۔ مگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسا خوب رو جوان' نیک نام ہاشمی نہیں مل سکتا۔ ابو طالب کی باتیں سن کر عمرو بن اسد رشتہ پر راضی ہو گیا۔ تاریخ معین پر آپ اپنے چچا ابو طالب اور حضرت حمزہؓ اور دیگر رؤسا خاندان کی معیت میں حضرت خدیجہؓ کے یہاں تشریف لائے۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں ''اما بعد! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ ہیں کہ قریش کا جو جوان بھی شرافت' رفعت اور فضیلت اور عقل میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تولا جائے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کم ہے لیکن مال ایک ضائع ہونے والا سایہ ہے اور ایک عاریت ہے' جو واپس کی جانے والی ہے۔ یہ خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے نکاح کی طرح مائل ہے اور اس طرح خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نکاح کی طرف مائل ہے'' نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ عرب میں یہ دستور ہے کہ شوہر نکاح کے وقت عورت کا مہر ادا

کردیتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مہر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیا وہ صرف پانچ سو درہم تھے۔

گھریلو زندگی

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپ کے تین فرزند پیدا ہوئے۔ پہلے بیٹے کا نام قاسم تھا اور اسی مناسبت سے اپنی کنیت ابوالقاسم تھی۔ قاسم خورد سالگی میں رحلت کر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو اور بیٹے بھی بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے چار بیٹیاں بھی پیدا ہوئیں۔ رقیہ، زینب، ام کلثوم اور فاطمہؓ۔ پہلی تین صاحبزادیوں سے اولاد نہ تھی۔ صرف حضرت فاطمہؓ صاحب اولاد تھیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنے کے بعد ان کے گھرانے کے ایک فرد بن گئے۔ یہ لوگ بڑے صاحب معرفت تھے اور حنیف شمار ہوتے تھے۔ حنیف کی پہلے تشریح ہو چکی ہے۔ حنیف وہ لوگ تھے جو جوئندہ حقیقت تھے۔ اگرچہ وہ بت پرستی کے تارک نہ تھے مگر بتوں پر مضبوط عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ حقیقت کی تلاش میں لگے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک ورقہ بن نوفل تھے۔ جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے اور شادی کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست بن گئے تھے۔ ایک اور شخص عبداللہ بن جحش حنیف تھے۔ عثمان بن حوار یہ زید بن عمرو اور دوسرے حنیف لوگ جب آپ سے ملاقات کرتے تو مذہبی مسائل پر گفتگو کرتے۔ روایات کے مطابق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی کشف حقیقت کی کوشش کرتے اور یہی فرماتے کہ لا الہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور کہتے کہ حقیقت خود آشکار ہوگی اور ہر شخص پر جو متلاشی ہوگا آشکارا ہو کر رہے گی۔

تعمیر کعبہ اور آپؐ کی تحکیم

ابتدائے عالم سے اس وقت تک خانہ کعبہ کی تعمیر پانچ مرتبہ ہوئی۔ پہلی دفعہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی۔ دوسری مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کا فریضہ سرانجام دیا۔ طوفان نوح سے بیت اللہ کا نام ونشان مٹ گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو دوبارہ تعمیر کعبہ کا حکم ہوا۔ بنیادوں کے نشان بھی باقی نہ رہے تھے۔ حضرت ابراہیم نے جبریل امین علیہ السلام کی

راہنمائی میں تعمیر شروع کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھروں سے جو تعمیر کی تھی اس کا طول و عرض حسب ذیل تھا۔

ارتفاع	9 گز
طول حجر اسود سے رکن شامی تک	30 گز
عرض میزاب کی طرف رکن شامی سے رکن غربی تک	22 گز
طول رکن غربی سے رکنی یمانی تک	31 گز
عرض حجر اسود سے رکن یمانی تک	20 گز

شرعی گز 24 انگل کا ہوتا ہے۔

(اعلام بأعلام بیت اللہ الحرام علامہ قطب الدین الحنفی 14)

تیسری بار بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب آپ کی عمر پینتیس سال تھی۔ اہل قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ چوتھی بار عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیت اللہ کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کیا اور پانچویں بار حجاج بن یوسف نے بنایا۔ سنہ 605ء میں ایک ناگوار حادثہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ خانہ کعبہ جل گیا اور طوفان خانہ کعبہ کا ایک حصہ بہا لے گیا۔ جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ قریش کے دس قبیلوں نے مل کر خانہ کعبہ کی مرمت شروع کی۔ اسی زمانہ میں ایک کشتی رومتہ الصغر سے یمن جاتے ہوئے جدہ کے قریب سمندر میں ڈوب گئی مگر اس کا نچلا حصہ مٹی میں دھنس گیا۔ یہ کشتی یمن کے ایک کلیسا کیلئے تعمیراتی سامان لے جا رہی تھی۔ اہل مکہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے یہ تمام سامان معہ کاریگر بکوم کے ساحل پر اتارا اور تعمیر کعبہ کیلئے مکہ لے آئے۔ رومی معمار نے خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ تمام رؤسا قریش اس پر متفق ہو گئے کہ بیت اللہ کو منہدم کر کے از سر نو بنایا جائے تو ابو وہب بن عمرو مخزومی نے جو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کے ماموں تھے۔ قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسب حلال ہو۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس کے گھر میں پاک ہی پیسہ لگاؤ۔“ رومی معمار نے تعمیر کعبہ کا کام شروع کر دیا۔ جب تعمیر مکمل ہو چکی اور حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کا وقت آیا تو سخت اختلاف ہوا کیونکہ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ اس پتھر کو ہم نصب کریں

اور یہ شرف ہم ہی کو حاصل ہو۔ اس نزاع میں لوگ جنگ و جدال اور قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے۔ دس قبیلوں کے سردار اپنے گھروں سے خون سے بھرا ہوا ایک ایک پیالہ لائے اور خانہ کعبہ کے سامنے رکھ کر انگلی خون میں ڈبو دیتے اور زبان پر رکھ کر کہتے کہ یہ کوئی بات ہے کہ کوئی قبیلہ ہمارے سوا حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف حاصل کر سکے۔ ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور سن رسیدہ تھے۔ یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو گا۔ اسی کو حکم بنا کر فیصلہ کرا لیا جائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ صبح ہوئی' تمام لوگ حرم میں پہنچے تو دیکھا سب سے پہلے آنے والے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ الفاظ لگے یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الامین ہیں۔ ہم ان کو اپنا فیصل بناتے ہیں کہ یہ کس قبیلے کا حق ہے جو حجر اسود کو اٹھا کر تعمیر جدید پر نصب کرے۔''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چادر منگوائی اور فرمایا کہ پتھر اس پر رکھ دو اور سب مل کر اٹھاؤ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کپڑے کا ایک کونہ دست مبارک میں تھام لیا۔ اس طرح حجر اسود کو تمام قبائل کے نمائندوں نے اپنی جگہ نصب کر دیا۔ آپ کی اس حکمت عملی سے تمام قبائل خوش ہو گئے۔ سب نے آپ کی تعریف کی اور سب کے دلوں میں آپ کی عظمت بڑھ گئی۔

(سیرت ابن ہشام' ج 1' صفحہ 65۔ تاریخ طبری جلد 2' صفحہ 200' زرقانی' ج 1' صفحہ 203-206)

حجر اسود کو کعبہ میں ایک مخصوص جگہ گاڑنے کی توجیہ اس امر سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا دستور تھا کہ میدان میں جس جگہ عبادت گاہ تعمیر کرتے وہاں ایک لمبا گھڑا ہوا پتھر ستون کی طرح کھڑا کر دیتے تھے۔ جیسے اب بھی مسلمان کھلی جگہ میں نماز پڑھنے کیلئے اپنی چھڑی وغیر گاڑ لیا کرتے ہیں' جسے ''سترہ'' کہتے ہیں۔ حجر اسود بھی اسی قسم کا پتھر ہے اور یہ بھی ایک شہادت اس امر کی ہے کہ کعبہ بنائے ابراہیمی ہے۔ کونے میں لگا دینے کے بعد یہ اتنا کام دیتا ہے کہ طواف کا شروع اور ختم اس جگہ سے کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں جو درجہ اس کا ہے وہ اس نام حجر اسود (کالا پتھر) سے ظاہر ہے۔

اس پتھر کا احترام اور اس سے محبت یقیناً ایمان کی دلیل ہے۔ مگر مسلمان اس کو درجہ الوہیت

تو دور کی بات ہے نافع وحنار بھی نہیں سمجھتا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ایک مرتبہ لوگوں کو سنانے کیلئے حجر اسود کو بوسہ دینے کے بعد مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''میں خو
جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہی ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان اگر میں رسول اکرم صلی ا
علیہ وآلہ وسلم کو تمہارا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی بوسہ نہیں لیتا۔

(صحیح البخاری باب ذکر فی الحجر الاسو

قرب زمانہ بعثت

بعثت سے سات برس پہلےؐ ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی تھی اور آنحضرت صلی ا
علیہ وآلہ وسلم اس روشنی کے معلوم کرنے سے خوش ہوا کرتے تھے۔اس چمک میں کوئی آوا
صورت نہ ہوتی تھی۔بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ک
مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر پانی اور ستو لے کر ش
سے دور ایک سنسان جگہ کوہ حرا کے ایک غار میں جس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز تھا
بیٹھتے۔عبادت کیا کرتے اور عبادت میں تحمید وتقدیس الٰہی کا ذکر بھی شامل تھا اور قدرت الٰہیہ
تدبر وتفکر بھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب بھی نظر آنے لگے جو ایسے سچے ہوتے
کہ جو کچھ خواب میں دیکھ لیا کرتے' دن میں ویسا ہی ظہور میں آجاتا۔مکہ میں بعض لوگ
بیٹوں والے ہو جاتے ایک ماہ کیلئے علیحدہ رہتے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آ
کے دادا عبدالمطلب ہر سال ایک ماہ عزلت میں بسر کیا کرتے تھے۔دوسرے لوگ بھی جو م
ہو جاتے سال میں ایک بار اطراف مکہ کے غاروں میں گوشہ نشیں ہو جاتے تھے۔

غار حرا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ ہر سال رمضان میں غار حرا میں تشریف
لے جاتے۔''اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ ماہ رمضان میں شب قدر ہوتی ہے۔اس رات میں انس
جو کچھ چاہتا ہے ہو جاتا ہے کیونکہ اس رات بڑا اعجاز ہو سکتا ہے۔اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ ش
قدر میں فطرت آرام کرتی یا سو جاتی ہے۔لہٰذا ندی نالے ٹھہر جاتے ہیں اور ہوائیں ساکن

جاتی ہیں۔ دنیا پر ایسا سکوت طاری ہو جاتا ہے کہ انسان گھاس کے اگنے کی اور غنچہ کے چٹکنے کی آواز سن سکتا ہے۔ جو لوگ اس رات بیدار رہتے ہیں وہ جو کچھ بھی چاہتے ہیں انہیں مل جاتا ہے" ایک رات حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں کمبل لپیٹے ہوئے خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب سے بیدار کیا اور ایک ریشمی کپڑا دکھا کر کہا' پڑھ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مَا اَنَا بِقَارِیٍ۔" میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس شخص نے اپنا ہاتھ آپ کے شانے پر رکھا اور کہا پڑھ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ آپ کے شانے پر رکھ کر زور سے دبایا اور کہا پڑھ۔ آپ اس شخص کے دبانے سے بے حال ہو گئے اور پوچھا میں کیا پڑھوں۔ اس شخص نے کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ؀

پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے انسان کو پیدا کیا

"مَا اَنَا بِقَارِیٍ۔" کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں' امی ہوں' لیکن اس معنی میں اشکال یہ ہے کہ قرأت یعنی زباں سے پڑھنا امیت کے منافی نہیں۔ امی شخص کبھی کسی کے تعلم و تلقین سے قرات اور تلفظ کر سکتا ہے خصوصاً جبکہ فصاحت و بلاغت اس کی غلام ہو۔ امیت کتابت کے منافی ہے۔ امی شخص تحریر نہیں پڑھ سکتا لیکن زبانی تعلیم و تلقین کردہ الفاظ کی قرات کر سکتا ہے۔ پس اگر فرشتہ کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اس کی نسبت یہ کہتے تھے کہ اقراء یعنی اس تحریر کو پڑھو تو پھر اس کے جواب میں "مَا اَنَا بِقَارِیٍ۔" کہنا ظاہر اور مناسب ہے' فرشتہ نے تیسری بار مجھ کو پکڑا اور اس شدت سے دبایا اور چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ پڑھو

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۭ۝

(العلق آیت نمبر 5-1)

پڑھو (اے نبی) اپنے رب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا ۝ پیدا کیا انسان کو (نطفہ مخلوط

کے) جمے ہوئے خون سے ○ پڑھو اور تمہارا رب بڑا ہی کریم ہے ○ جس نے سکھایا قلم کے ذریعہ سے ○ انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ○

آنے والے شخص (فرشتہ) کی زبان سے آپ نے جو کچھ سنا اسے دھرایا۔ بار بار پڑھا اور دل پر نقش کیا۔ تمام علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ سے مقصود یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کلام خدا کو پڑھیں پہلے خدا کا نام لیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہیں۔ سورہ العلق میں یہ ابتدائی آیتیں ہیں یہ قرآن کی پہلی سورت ہے جو غار حرا میں نازل ہوئی اور معنوی اعتبار سے قرآن کی بہترین سورتوں میں سے ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورت کو حضرت جبریل امین سے سن کر حفظ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان آیات کا ایک ہی بار سن لینا کافی تھا۔ گو آپ امی تھے' تاہم پہلی ہی آیتیں جو آپ پر نازل ہوئیں ان میں قلم و علم یعنی لکھنے پڑھنے اور سیکھنے سکھانے کا ذکر ہے۔ کسی بڑے آسمانی مذہب میں ابتدا ہی سے علم و معرفت کی طرف اس قدر توجہ نہیں دی گئی ہے جس قدر کہ مذہب اسلام میں۔ مسلمانوں کو ابتدا ہی میں کسب معرفت کی قدر و قیمت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اسی لئے مسلمان علماء نے اس سورت کی بنا پر اس بات کے شدومد سے قائل ہونے کی تاکید کی ہے کہ حصول علم ضروریات دین سے ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں پر نماز روزہ فرض ہے اسی طرح علم کا حاصل کرنا بھی ہے۔

جبریل امین علیہ السلام نے آپ کو ابتدائی آیتیں پڑھائیں اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ جب فرشتہ چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ آپ کے گھٹنے سست پڑ گئے اور زیادہ کھڑے نہ رہ سکے۔ تھوڑی دیر اس حالت میں رہنے کے بعد کچھ طاقت پیدا ہوئی اور غار سے باہر نکلے۔ گھر کا راستہ لیا۔ ابھی کچھ دور ہی گئے تھے کہ آواز آئی "اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ خدا کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔ دوسری بار پھر آواز آئی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پیغمبر ہیں اور میں جبریل ہوں۔ آپ بہت ہی بے حال ہو گئے اور بڑی مشکل سے گھر تک پہنچ سکے۔ گھر تشریف لانے پر آپ کے بدن مبارک پر لرزہ اور کپکپی طاری تھی۔ آتے ہی حضرت خدیجہ سے فرمایا "زملونی زملونی" مجھ کو کچھ اوڑھاؤ' کچھ دیر بعد گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی تو تمام واقعہ

نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ کسی قسم کے قانون نے ان کے سماج یا تمدن پر کسی قسم کا اثر ڈالا تھا۔ اس ملک میں ہر قبیلہ اور خاندان بجائے خود حکمراں تھا اور مادر پدر آزاد۔ اس حیوانی آزادی نے جو قانون نہ ہونے، بے علمی اور اس زمانہ کے متمدن اقوام و ملل سے علیحدگی اور اجنبیت کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی، عرب کی حالت کو اور بھی تباہ کیا تھا۔

اہل عرب کی نفسیات

زمانہ جاہلیت یعنی قبل از اسلام جو رسومات اہل عرب میں تھیں، ان میں سے چند ایک اسلام کے بعد بھی باقی رہیں۔ بعض باتیں اب تک عربستان میں باقی ہیں۔ ان میں سے ایک مہمان نوازی ہے، جو دیہات میں اب تک موجود ہے۔ صحرانشیں عربوں میں قانون اساسی صرف ایک لفظ ''مروت'' سے تشکیل پاتا ہے۔ مروت جامع مفہوم رکھتا ہے، جس سے عرب تین معانی کا استخراج کرتے ہیں۔

i- مہمان نوازی

ii- مظلوم کو پناہ دینا

iii- قبیلے کے قوانین کا احترام کرنا

یہ وہ امور تھے، جن کو عرب دوسروں کیلئے ملحوظ رکھتا تھا اور اپنے لئے بہادر بننا، جنگ سے نہ بیٹھنا اور دشمن کے مقابلے میں پشت نہ دکھانا، ثابت قدم رہنا یا قتل ہو جانا یا فتح پانا۔ رحم کا مفہوم عرب جانتا ہی نہ تھا، اس لئے اگر کوئی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے اور کسی کو رحم نہ آتا، البتہ مظلوم کو پناہ دینا قانون اساسی کا رکن تھا اور اس کا دوسرا رکن قبیلہ کا احترام تھا۔

جو لوگ اس وقت خانہ کعبہ میں موجود تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلا گھونٹے جانے کو دیکھ رہے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مظلوم نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی باتیں کرتے تھے جو قبیلے کے قاعدہ قانون کے خلاف تھیں۔ دیہاتی عرب مہمان نواز تھا اور مظلوم کو پناہ دیتا تھا، از راہ کرم نہیں بلکہ از راہ جوانمردی۔ اب تک سرزمین عرب میں وہی سابقہ طرز زندگی ہے۔ اہل عرب میں مروت کا پیدا ہونا جزیرۃ العرب کے جغرافیائی حالات کی وجہ سے ہے۔ اگر بھوکا پیاسا عرب کسی بدو کے خیمے میں چلا جائے اور اس کی مہمان نوازی نہ ہو تو وہ

بھوک پیاس سے مر جائے گا۔ اگر کوئی بھاگا ہوا مسافر کسی بدو کے خیمے میں پناہ لے اور اگر اسے پناہ نہ ملے تو وہ یقیناً مارا جائے گا۔ کیونکہ جب کوئی عرب کسی قبیلے سے نکال دیا جاتا ہے' تو اس کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کوئی مظلوم صحرا میں کسی بدو کے خیمے میں پناہ لیتا ہے' تو صاحب خیمہ تلوار لے کر اس کی حمایت میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل قریش کے خیال میں مظلوم نہ تھے لہٰذا کسی نے آپ کی حمایت نہ کی۔ صرف چار ہستیاں ایسی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم کرتی تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ یعنی حضرت خدیجہؓ' حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت ابوبکرؓ۔ نبوت کے چوتھے سال آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی کیونکہ ایک خدا پر ایمان رکھنے والوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو غلام' سیاہ پوست برادری سے خارج کردہ یا وہ لوگ تھے جنہیں ''الناس'' کہا جاتا ہے۔ ان میں بڑی تعداد مفلسوں کی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سارے انسان ایک ہیں'' ان میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسان ایک مادے یعنی مٹی سے پیدا کئے۔ یہ سورہ الرحمٰن کی آیت 14 سے ظاہر ہے۔ فرمایا گیا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جیسی مٹی سے پیدا کیا ہے' جو گل کوزہ گراں سے مشابہ تھی۔ غلاموں اور سیاہ رنگ والوں نے پہلی بار یہ بات سنی کہ تخلیق انسانی میں امیروں اور شریفوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں طبقوں کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اور جو فرق خدوخال اور رنگ کا ہے وہ صرف ایک دوسرے کو پہچاننے کیلئے ہے۔ حضرت زیدؓ آزاد کردہ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والے غلام حضرت بلال حبشیؓ ہیں۔ آپ بیگانہ اور سیاہ پوست تھے۔ عرب میں تین چیزیں بدبختی کا سبب شمار ہوتی ہیں۔ ایک بیگانہ ہونا' دوسرے غلام ہونا اور تیسرے سیاہ جلد ہونا۔ حضرت بلالؓ میں یہ تینوں باتیں موجود تھیں۔ وہ مکہ کے ایک مالدار امیہ بن حلف جحی کے خاندان کے غلام تھے۔ جب ان کے آقا کو پتہ چلا کہ وہ داخل اسلام ہو گئے ہیں تو انہیں مکہ سے خارج کر دیا۔ ان کو شہر سے باہر لے جا کر اور کپڑے اتار کر تپتی ریت پر باندھا جاتا اور کھلی

دھوپ میں چھوڑ دیا جاتا۔ انہیں کہا گیا یا تو اسلام چھوڑ دے یا اسی حالت میں یہیں مر جا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پتہ چلا تو حضرت بلالؓ کے آقا کے پاس گئے اور ان کی خرید کی بات کی۔ آقا نے جب دیکھا کہ حضرت ابو بکر ہر قیمت پر حضرت بلال کو خریدنا چاہتے ہیں تو وہ راضی ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بعد میں اپنا مؤذن بنایا۔

جب ''الناس'' کے محروم طبقے نے دیکھا کہ ایک سیاہ فام انسان لوگوں کو اسلام کی طرف بلا رہا ہے تو وہ جرأت کے ساتھ اسلام کی طرف بڑھے۔ دو عورتیں جو حضرت عمرؓ کی کنیزیں تھیں اسلام لے آئیں۔ ایک کا نام بسینہ اور دوسری کا زنیرہ تھا۔ انہوں نے دونوں کنیزوں کو مارنا شروع کیا۔ حضرت ابو بکر ان کی مدد کو دوڑے اور حضرت عمر سے خرید کر دونوں آزاد کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد سات ہو گئی' جن میں تین عورتیں تھیں۔ چوتھی عورت جو اسلام میں داخل ہوئی دیہات کی رہنے والی تھی۔ غزیہؓ نام تھا۔ وہ غلام نہ تھیں۔ مکہ آئیں اور علی الاعلان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگیں۔

عام تبلیغ

اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام طور پر سمجھانا شروع کیا۔ ہر میلے میں' محلے میں' ہر گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبیاں بیان کرتے۔ بتوں' پتھروں اور درختوں کی پوجا سے روکتے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکتے' زنا سے منع فرماتے' جوا کھیلنے سے روکتے۔ آپ فرمایا کرتے کہ لوگ اپنے جسم کو نجاست سے' کپڑوں کو میل کچیل سے' زبان کو گندی باتوں سے' دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک و صاف رکھیں۔ وعدہ اور اقرار کی پابندی کریں لین دین میں کسی سے دغا نہ کریں' خدا کی ذات کو نقص سے' عیب سے' آلودگی سے پاک سمجھیں۔ اس بات کا پختہ یقین رکھیں کہ زمین و آسمان' چاند' سورج اور چھوٹے بڑے سب کے سب ستارے وغیرہ خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ دعا کا قبول کرنا' بیمار کو صحت و تندرستی دینا' مرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ عرب میں عکاظ' یعینہ اور ذی المجاز کے میلے بہت مشہور

تھے۔ دور دور سے لوگ ان میلوں میں شرکت کیلئے آیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مقامات پر جاتے اور لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت دیتے تھے۔ مغرور قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعظ پسند نہ آتا۔ اس کی وجوہات یہ تھیں۔

وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ خدا کے حکم سے کوئی انسان لوگوں کے سمجھانے کیلئے آئے۔

وہ جزا و سزائے اعمال کے قائل نہ تھے۔ اس لئے یہ بات کہ موت کے بعد اعمال کی جواب دہی ہوگی ان کے نزدیک قابل تمسخر تھی۔

وہ خاندانی شرافت اور اپنے بزرگوں پر مست تھے۔ انہیں اسلامی مساوات اور اخوت کا قبول کرنا گویا حقارت اور ذلت کو قبول کرنے کے مترادف محسوس ہوتا تھا۔

اکثر قبائل بنو ہاشم کے مخالف اور دشمن قبیلے کے فرد کی تعلیم پر چلنا انہیں عار معلوم ہوتا تھا۔ وہ بت پرستی پر قانع تھے۔ اس سے برتر کسی مذہب میں کسی خوبی کا امکان ان کے تصور میں نہ آتا تھا۔

وہ زنا، جوا، رہزنی، قتل، عہد شکنی، آوارگی اور ہر قانون و قاعدہ کی بندش و قیود سے آزاد رہتے تھے۔ بے شمار عورتوں کو گھر میں ڈال رکھتے تھے۔ وہ اسلام کے قوانین کو اپنی پیاری عادات کا دشمن سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی تھی اور اسلام کا نام و نشان مٹانے پر تل گئے تھے۔

مسلمان اور قریش

مکہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور ان کا دین موضوع گفتگو بن گیا لیکن زیادہ سنگ دل اور شقی القلب لوگ جن کے قلوب پر غفلت کی مہریں لگی ہوئی تھیں، شروع شروع میں اسلام کی طرف چنداں ملتفت نہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں مسیحی عالموں کے کلام سے ملتی جلتی ہیں جو سننے والوں پر دیرپا نقوش نہیں چھوڑتیں اور جوان کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ جلد اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ بتوں کا اثر آخر کار ان باتوں پر غالب آجائے گا، انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ایمان کی طاقت پر کسی کی قوت غالب نہیں آسکتی۔

قریش کا غیض و غضب اور عناد اسلام کی اشاعت کی رفتار نہ روک سکا۔ ہر روز ایک نہ ایک جماعت آتی اور مشرف بہ اسلام ہوتی۔ جن لوگوں کی فطرت میں تھوڑی بہت صلاحیت تھی اور جن کی نظروں میں دنیا اور اس کی مرغوبات کیلئے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی' بلا تامل اسلام قبول کر لیتے تھے۔ دوسرے وہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی دولت کی بنیاد پر دعوت اسلام دیتے ہیں نیز انہیں وحی کے ذریعہ تعلیم دی گئی ہے کہ دولت کی کثرت روح کیلئے ایک قسم کی لعنت ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

(سورۃ التکاثر۔ آیت نمبر 1-8)

زیادہ سے زیادہ (دنیا) حاصل کرنے کی ہوس نے تم کو غفلت میں ڈالے رکھا ۝ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں ۝ خبردار' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ۝ پھر سن لو' عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا ۝ دیکھو' اگر تمہیں (اس روش کا انجام) یقینی علم کی حیثیت سے معلوم ہوتا (تو تم ہرگز ایسا نہ کرتے) ۝ جان لو تم ضرور دیکھو گے جہنم کو ۝ پھر تم اسے یقین کی آنکھ سے ضرور دیکھو گے ۝ پھر تم سے نعمتوں کے بارے میں اس دن ضرور باز پرس ہوگی ۝

یعنی مال و متاع کی کثرت کی طلب نے تمہیں غافل کر دیا' یاد الٰہی اور خیال آخرت سے یہاں تک کہ موت کا وقت آن پہنچا' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ تم بہت جلد جان لو گے' کاش تم پہلے ہی یقینی طور پر یہ بات جان لیتے کہ غفلت کی پاداش میں تمہیں دوزخ دیکھنی پڑے گی اور پھر یہ دیکھنا یقین کی آنکھ سے ہوگا پھر تم سے خدا کی نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔

جن لوگوں کو اسلام کی جانب میلان ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت کی دعوت دیتے ہیں' جس کی حدود متعین نہیں کی جاسکتیں۔ یہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کو ایسی قیود سے آزاد کرانا چاہتے ہیں' جو غیر اللہ کی عبادت نے

عائد کر رکھی ہیں۔ اشراف واکابرین قریش جن کی عظمت کا دارومدار مال کی کثرت اور جاہ منصب پر تھا' کو یہ احساس دامن گیر ہوا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سے ہماری قدر و منزلت میں کمی آ رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو پر کمر باندھی۔ انہوں نے ابوسفیان بن حارث' عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبعری کو ہجو طرازی پر آمادہ کیا۔ شعرائے اسلام نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ان ہی ایام میں کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے اور معجزات کا مطالبہ کیا۔ بعض نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ صفا و مروہ کو زر خالص میں تبدیل کر دیجئے۔ بعض نے سوال کیا کہ جبریل امین' ہمیں نظر کیوں نہیں آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کو زندہ کیوں نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔

اہل مکہ آپ سے یہ بھی کہتے کہ مکہ کو پانی کی سخت احتیاج ہے تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زم زم سے پانی کے چشمے کیوں جاری نہیں کرتے اور یہ بھی کہتے خدا آپ کو اجناس کی قیمتیں پہلے کیوں نہیں بتا دیتے تاکہ تجارت میں زیادہ منافع کی صورت نکل آئے۔ جب اہل مکہ کا اسرار حد سے بڑھ گیا تو وحی نازل ہوئی۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(سورۃ اعراف۔188)

کہہ دیجئے۔ میں اپنے نفع وضرر کا مالک نہیں' مگر وہ جو خدا کو منظور ہو۔ اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں نفع کثیر حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کسی خرابی سے سابقہ نہ پڑتا۔ میں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ہیں ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کی مذمت شروع کر دی۔ قریش آگ بگولا ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ استہزا کرنے لگے۔ کبھی دارالندوہ اور کبھی اطراف کعبہ میں بیٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آوازے کستے۔ قریش کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو برانگیختہ کر دیا تو مکہ کی تجارت اور اس کی مذہبی پوزیشن کہاں رہے

گی۔ان حالات میں قریش ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے معبودوں کی مذمت سے روکیں۔اسے سمجھا دیں کہ ہم سے تعرض نہ کرے ورنہ ہم خود نبٹ لیں گے۔ادھر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی گرم جوشی سے دعوت تبلیغ میں مصروف رہے اور ان کے حلقہ میں توسیع ہوتی گئی۔قریش نے پھر صلاح ومشورہ کیا جس میں ولید بن مغیرہ کا بیٹا عمار بھی شامل تھا وہ ابوطالب کے پاس گیا اور مطالبہ کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے کیجئے۔ ابوطالب نے مطالبہ رد کر دیا۔قریش نے تیسری بار ایک وفد ابوطالب کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے معبودوں کی مذمت کرے۔ہم آپ اور آپ کے بھتیجے سے جنگ کریں گے تاکہ ایک فریق رہے اور ایک ختم ہو جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے عزائم سے مطلع کیا اور کہا مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور مجھے تکلیف میں نہ ڈالو۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے غور وخوض کے بعد اور پورے عزم کے ساتھ اپنے چچا کو جواب دیا۔

يَا عَمِّ! وَاللّٰهِ لَوْوَضَعُوا الشَّمْسَ فِيْ يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرَ فِيْ يَسَارِيْ عَلٰى اَنْ اَتْرُكَ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ اَوْ اَهْلِكَ فِيْهِ مَاتَرَكْتُهٗ۝

اے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر یہ کہیں کہ میں تبلیغ رسالت سے باز آ جاؤں تو میں اس سے دست بردار نہیں ہوں گا۔یہاں تک کہ خدا میرے دین کو رائج کرے یا میں اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔

حق پر ایمان کی کتنی روشن مثال ہے۔ابوطالب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب سے لرز اٹھے اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم راسخ سے حیرت ہوئی۔ابوطالب تھوڑی دیر کشمکش میں مبتلا رہے اور پھر انہوں نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔

''اچھا جو تم چاہتے ہو کہو خدا کی قسم میں تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا نہیں ہونے دوں گا۔''

بنو ہاشم کی حمایت

ابوطالب نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو سنائیں اور

ان سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں کمی نہ کرنا۔ سب نے اتفاق کر لیا۔ لیکن ابولہب نے مخالفت پر کمر باندھ لی اور دشمنوں سے مل گیا۔ بنو ہاشم نے کسی تامل و تردد کے بغیر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس میں قومی تعصب اور بنی امیہ کی دیرینہ عداوت کو بھی دخل تھا۔ تاہم قومی عصبیت اور پرانی عداوت بنی ہاشم کو قریش کے مقابلہ کیلئے آمادہ نہیں کر سکتی تھی خصوصاً جب وہ دیکھ رہے تھے کہ نیا دین ان کے عقائد کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے۔ الغرض رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قبیلہ کی سرپرستی میں قریش کے آزار سے محفوظ ہو گئے۔ گھر میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی بے لوث محبت کا ہمدردانہ برتاؤ تمام تکلیف دہ اثرات کو زائل کر دیتا تھا۔ قریش مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ قریش میں ایک شخص اپنے حبشی غلام حضرت بلالؓ کو چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا اور گرم بھاری پتھر اس کے سینے پر رکھ دیتا۔ حضرت بلالؓ اس مصیبت اور تکلیف میں احد احد پکارتے اور تمام شدائد صبر و تحمل سے برداشت کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو دیکھا تو انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اور بھی چند غلام ان کے ظالم مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے بھی بزمانہ کفر ایک کنیز خرید کر آزاد کر دی تھی۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل گھر کا کوڑا کرکٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھینک دیتی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا یہ دور تاریخ کا اہم ترین دور ہے۔

دشمنوں کے مظالم پر صبر

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پیرو مال و زر کے طالب نہ تھے بلکہ وہ حق و صداقت کے جویا اور ایمان سے رغبت رکھتے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظلوم مسلمانوں کو صراط مستقیم پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے۔ اس بلند مقصد اور اعلیٰ نصب العین کی خاطر وہ طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرتے تھے۔ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک منظم سازش کا جال بچھا رکھا تھا۔ ایک شخص نے چھپ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ کے نزدیک ہلاک کرنے کا ناپاک قصد کیا۔ بعض مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان پر سنگ باری کی لیکن یہ حقیقت ہے کہ مخالفین کی ان ناجائز حرکات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے صبر و تحمل کی بنیادیں متزلزل نہ ہو سکیں بلکہ ان پیہم مخالفتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزائم میں اور بھی پختگی آ گئی جس سے مسلمانوں کے حوصلے اور بھی بلند ہوئے اور جانبازی اور فدا کاری کی راہیں ان پر آسان ہو گئیں۔ بے شک مسلمانوں کے عقائد کی پختگی میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا بڑا دخل تھا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے ملک میں زندگی بسر کرتے تھے جس کا نظام معاشرت بنیادی طور پر جمہوری تھا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام کچھ کم بلند نہ تھا۔ بلکہ اقتصادی طور پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اطمینان بخش تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق بنی ہاشم سے تھا جو کعبہ کی تولیت اور حجاج کی سقایت کے کلید بردار تھے۔ اس لحاظ سے دینی معاملات میں انہیں جو امتیاز حاصل تھا وہ بھی کچھ کم باعث فخر نہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ سابقون الاولون نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جو آیات سنیں ان میں بلاغت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور یہ ایک ایسا معجزہ تھا جس پر ابدیت کی مہر ثبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سابقون الالون کی روحانیت کا معیار اتنا بلند تھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نیکو کاری کی شاہراہ پر گامزن کیا اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ان پر واضح کر دی کہ بارگاہ خداوندی میں قرب و وصول کی یہی سبیل ہے۔ تقویٰ پر پورے اترنے والوں کیلئے جزا ہے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا وہ صلہ ملے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

اسلام کے خلاف تدبیریں

اوّل تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ اسلام لانے والوں کو سخت اذیتیں دی جائیں تاکہ جو مسلمان ہو گئے ہیں انہیں واپس لائیں اور نئے لوگ اسلام قبول نہ کر سکیں۔ قریش نے اسلام لانے والوں پر جو مظالم توڑے انہیں جو تکالیف اور اذیتیں دیں ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ مختصر طور پر چند واقعات بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔

حضرت بلالؓ حبشی تھے۔ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب امیہ کو معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ مسلمان ہو گئے تو ان کیلئے گوناگوں عذاب ایجاد کیے۔ گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ تھما دیتے۔ وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انہیں لئے پھرتے۔ رسی کا نشان گردن میں نمایاں ہو جاتا۔

وادی مکہ کی گرم ریت پر انہیں لٹایا جاتا اور گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھتے جاتے۔ مشکیں باندھ کر ڈنڈوں سے انہیں پیٹا جاتا' دھوپ میں انہیں بھوکا پیاسا رکھا جاتا۔ حضرت بلالؓ ان حالتوں میں احداحد کے نعرے لگاتے آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے مالک ابوجہل نے انہیں گوناگوں عذاب دیئے۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عذاب سہتے دیکھا اور فرمایا اِصْبِرُوا یَاآلِ یَاسِر فَاِنَّ مَوعِدَکُمُ الْجَنہ اے آل یاسر! صبر کرو تم کو جنت کی بشارت ہے۔

پہلی شہید عورت

حضرت سمیہؓ ابوجہل کی کنیز تھی۔ اور دایہ گیری اس کا پیشہ تھا۔ شرفاء کی عورتوں میں اس کا مقام تھا اور باقی کنیزوں سے زیادہ احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ جونہی ابوجہل کو ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو حکم دیا کہ دینِ جدید کو چھوڑ دو۔ سمیہؓ نے کہا میں دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتی۔ ابوجہل نے انہیں کوڑوں سے پیٹا۔ حضرت ابوبکرؓ نے سمیہؓ کو خرید کر آزاد کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر ابوجہل نہ مانا۔ اس وقت تک حضرت ابوبکرؓ چھ غلاموں کو آزاد کرا چکے تھے۔ ان میں دو مرد اور چار عورتیں تھیں۔ لیکن سمیہؓ کو آزاد نہ کرا سکے۔ جب ابوجہل نے دیکھا کہ میں کسی طرح سمیہؓ کے عقیدے کو نہیں بدل سکتا تو انہیں قتل کرنے کا ارادہ کر لیا اور نیزہ ان کے عضو نازک پر مار کر شہید کر دیا۔ اس طرح حضرت سمیہؓ اسلام کی راہ میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔ جب سمیہؓ شہید ہوئیں تو قریش کے رؤسا ابوسفیان' ابوجہل' ابولہب اور اس کی بیوی جمیلہ نے طے کیا کہ کوئی باشندہ ابوبکر کے ہاتھوں اپنا غلام یا کنیز فروخت نہ کرنے پائے۔ ان لوگوں نے یہ سکیم سوچی تاکہ اسلام وسعت نہ پا سکے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ حضرت ابوبکرؓ سمیہؓ کے آزاد کرانے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں تو ان کے حق میں دعا فرمائی کہ حیا اللہ بوجھک خدا تیرے چہرے کو منور رکھے۔ مگر باوجود بسیار کوشش کے حضرت سمیہؓ کو بچانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ حضرت سمیہؓ کی شہادت کے بعد چند ایک آزاد مرد داخل اسلام ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایسے شخص تھے جو آزاد اور مستقل مزاج تھے۔ ہوش مند اور صاحب

شوکت و مرتبت بزرگ تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور ابتداء ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست و بازو بنے اور مال و متاع اور زندگی کا کل سرمایہ اسلام کیلئے وقف کر دیا اور اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ آپ کے رفقا اور مصاحبین میں سے یہ حضرات اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان' زبیر بن العوام' عبدالرحمٰن بن عوف' طلحہ بن عبیداللہ' سعد بن وقاص' رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ اعیان قریش اور شرفاء آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ آپ ان سب کو لے کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کیا اور آپ اقتداء میں نماز پڑھی۔ بعدازاں یہ حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے۔

جعفر بن ابی طالبؓ کا اسلام

ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے ابوطالب ادھر سے گزرے۔ حضرت جعفرؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب نماز پڑھتے دیکھا تو حضرت جعفرؓ سے کہا بیٹا تم بھی علی (کرم اللہ وجہہ) کی طرح اپنے چچازاد بھائی کی قوت بازو بنو۔

(اسدالغابہ' ج 1' صفحہ 287)

جعفر بن ابوطالبؓ سابقین اسلام میں سے ہیں۔ پچیس یا اکتیس صحابہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔
(اصابہ' ج 1' صفحہ 237)

عفیف کندیؓ کا اسلام

عفیف کندیؓ عطر کے تاجر تھے اور تجارت کے سلسلہ میں یمن جاتے تھے۔ ایک شخص جناب حضرت عباسؓ کے ساتھ آیا اور منیٰ میں وضو کر کے نماز کیلئے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت اور ایک گیارہ سالہ لڑکے نے اس کی اقتداء میں نماز شروع کی۔ عفیفؓ نے حضرت عباسؓ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ کیا دین ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین ہے۔ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ لڑکا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور عورت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ کی بیوی ہیں۔ یہ سن

کر عفیفؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہمیشہ کہا کرتے! کاش میں اسلام لانے والا چوتھا شخص ہوتا۔

حضرت طلحہؓ کا اسلام

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بغرض تجارت بصریٰ گیا تھا۔ ایک روز بصریٰ کے بازار میں ایک راہب پکار رہا تھا کہ بازار میں کوئی حرم مکہ کا رہنے والا تو نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں۔ راہب نے کہا' کیا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو گیا۔ میں نے کہا کون؟ راہب نے کہا عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے۔ یہ مہینہ ان کے ظہور کا ہے۔ حرم مکہ میں ظاہر ہوں گے۔ ہجرت کریں گے' وہ آخرالانبیاء ہوں گے۔ دیکھو تم پیچھے نہ رہنا۔ راہب کی گفتگو سے میرے دل میں خاص اثر ہوا۔ فوراً مکہ واپس ہوا۔ معلوم ہوا محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور حضرت ابوبکرؓ ان کے ساتھ ہیں۔ میں فوراً ابوبکرؓ کے پاس گیا جو مجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اور مشرف بہ اسلام ہوا۔

(اصابہ ج2 'صفحہ 229)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا اسلام

سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے تین دن پہلے خواب دیکھا کہ میں ایک شدید ظلمت اور تاریکی میں ہوں اور کوئی شے مجھ کو نظر نہیں آتی۔ اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا۔ دیکھا تو زید بن حارثؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکرؓ مجھ سے پہلے اس نور کی طرف سبقت کر چکے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی واحدانیت اور اپنے رسول ہونے کی شہادت کی طرف تم کو بلاتا ہوں۔ میں نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُولُ اللّٰه

(خصائص الکبرا' ج1 'صفحہ 122)

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کا اسلام

اسلام لانے سے پہلے خواب دیکھا کہ خندق کے کنارے کھڑا ہوں۔ میرا باپ سعید مجھ کو

اس کی طرف ڈھکیلنے لگا ہے۔ ناگہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف تشریف لائے اور میری کمر پکڑ کر کھینچ لیا۔ بیدار ہو کر قسم کھائی یہ خواب سچا ہے۔ خالد بن سعیدؓ السابقین الاولین میں سے چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں ابوبکرؓ کے پاس گیا اور خواب کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اللہ نے تیرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ پھر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کو کس کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے' کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ بتوں کی پرستش چھوڑ دو اور ایک خدائے واحد کی عبادت کرو۔ خالدؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اللہ کے رسول برحق ہیں اور اسلام میں داخل ہو گیا۔

(الاصابہ' ج 1' صفحہ 406).

حضرت عثمانؓ بن عفان کا اسلام

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ گھر گیا تو میری خالہ سعدائی گھر میں موجود تھی۔ میری خالہ کہانت بھی کرتی تھی۔ مجھ کو دیکھتے ہی کہنے لگی۔ اے عثمانؓ تجھ کو مبارک اور بشارت ہو کہ تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ ہوا۔ خدا کی قسم تو نے ایک نہایت پاک دامن اور حسین عورت سے نکاح کیا۔ یہ سن کر مجھے تعجب ہوا۔ اس پر میری خالہ نے کہا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ کے رسول ہیں اور اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ قول ان کا سراسر فلاح و بہبود ہے۔ یہ کہہ کر اٹھ گئیں۔ ابوبکرؓ سے میرے تعلقات اور روابط تھے۔ ان کے پاس گیا۔ میں نے اپنی خالہ سے جو سنا تھا ابوبکرؓ سے بیان کر دیا۔ اس پر ابوبکرؓ نے کہا' ماشاءاللہ تم ہوشیار اور سمجھ دار ہو' حق اور باطل میں تمیز کر سکتے ہو۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے کہا تمہاری خالہ نے بالکل سچ کہا ہے۔ محمدؐ رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ تم ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنو۔ حسن اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف سے گزرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اٹھے اور آہستہ سے گوش مبارک میں کچھ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشرف لائے اور بیٹھ گئے۔ حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے عثمان! اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے۔ تم اللہ کی دعوت کو قبول کرو اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو تیری طرف اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنتے ہی میں ایسا بے خود ہوا کہ فوراً اسلام لے آیا اور یہ کلمات زبان پر جاری ہو گئے۔

اَشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك له واشھد ان محمد عبدہٗ و رسولہ O کچھ روز گزرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ میرے نکاح میں آئیں اور سب نے اس ازدواج کو بنظر استحسان دیکھا۔ حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کے دوسرے روز حضرت ابوبکر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر ہوئے۔ اتفاق سے عثمان بن مظعون' ابوعبیدہ ابن الجراح' عبدالرحمٰن بن عوف' ابوسلمہ بن عبدالاسد ارقم بن الارقمؓ سب کے سب اسی دن ایک ہی مجلس میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت عمار و صہیب کا اسلام

عمارؓ بن یاسر فرماتے ہیں کہ دارالارقم کے دروازے پر صہیبؓ بن سنان رومی سے میری ملاقات ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر موجود تھے۔ میں نے صہیب سے پوچھا کیا ارادہ ہے۔ صہیب نے یہی سوال مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ میں نے جواب دیا میرا ارادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو جاؤں۔ ہم دونوں دارالارقم میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر اسلام کو پیش کیا۔ ہم اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد ج 111 'صفحہ 212)

اسلام لانا عمرو بن عتبہ کا

عمرو بن عتبہ فرماتے ہیں کہ میں ابتدا ہی سے بت پرستی سے بیزار تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ بت پرستی محض پتھروں کی عبادت ہے۔ میں جویائے حقیقت تھا۔ یہاں تک کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر ملی۔ خبر ملنے پر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے اللہ کا پیغام مجھے سنایا۔ میں نے

عرض کیا آپ کا پیرو اور تابع ہوں۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو اپنے وطن لوٹ جاؤ اور جس وقت میرے غلبہ کا علم ہو اس وقت آجانا۔ عمرو بن عتبہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہو کر وطن واپس ہو گیا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

(الاصابہ' ج3' صفحہ 6)

اسلام ابوذر غفاریؓ کا

ابوذر غفاریؓ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو اپنے بڑے بھائی انیس سے کہا۔ مکہ جاؤ اور اس شخص کی خبر لاؤ جو دعویٰ نبوت کرتا ہے۔ انیس مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل کر واپس ہوئے۔ ابوذر غفاریؓ کے دریافت کرنے پر انیس نے بتایا کہ جب میں مکہ پہنچا تو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاذب و ساحر کہتا تھا۔ کوئی کاہن و شاعر' واللہ وہ نہ شاعر ہیں نہ کاہن۔ انیس خود بھی شاعر تھے اس لئے کہتے ہیں میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے۔ ان کے کلام کو نہ کاہن کا کلام اور نہ شعر ہی کہا جا سکتا ہے۔ خدا کی قسم وہ بالکل صادق ہیں۔ ان کو میں نے صرف خیر اور بھلائی کا حکم کرتے اور شر اور برائی سے منع کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کا کلام سنا ہے' جس کو شعر سے کوئی تعلق نہیں۔ ابوذر غفاریؓ نے کہا۔ دل کو تشفی نہیں ہوئی۔ اس لئے ابوذر غفاریؓ توشہ لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسط سے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور آپ کا کلام سنا۔ اسی وقت ایمان لائے اور حرم میں پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ کفار نے اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباسؓ نے نجات دلائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو اسلام کی دعوت دو۔ ابوذر غفاریؓ واپس ہوئے۔ دونوں بھائیوں نے مل کر والدہ کو اسلام کی دعوت دی۔ والدہ نے نہایت خوشی سے اس دعوت کو قبول کیا۔ بعد ازاں قبیلہ غفار مشرف بہ اسلام ہوا۔

(الاصابہ' جلد2' صفحہ 62)

عمروؓ بن عتبہ اور ابوذر غفاریؓ کے اسلام لانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین الٰہی کے ظہور اور غلبہ کا کامل یقین تھا اور اس بے سروسامانی میں یہ یقین بدون وحی الٰہی کے ممکن نہ تھا۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے اہل قریش کو سخت پریشان کر دیا کیونکہ لوگ مکہ کے بڑے اشراف میں شمار ہوتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے آپ کو پریشان کرنے کیلئے نت نئے اقدامات شروع کر دیئے۔ انہوں نے اہل مکہ کو کہہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ میں داخل نہ ہونے دو۔ ہر وقت آپ کی راہ میں پہرہ رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے تو پتھروں کی بارش شروع ہو جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غلاظت پھینکی جاتی مگر آپ کوئی پرواہ نہ کرتے۔

خانہ کعبہ پہلا عبادت گھر ہے۔ خانہ کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید کی تھی۔ قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر عناد رکھتے کہ خانہ کعبہ کا بھی احترام نہ کرتے تھے۔ اہل قریش نے پیغمبر اسلام کو جب بھی شہید کرنا چاہا خانہ کعبہ ہی میں شہید کرنا چاہا۔ سب سے پہلا مسلمان جو راہ خدا میں شہید ہوا۔ خانہ کعبہ میں ہی شہید ہوا۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر لوٹتے ہوئے قریشیوں کے پتھروں سے اس قدر زخمی ہو گئے کہ اگلے دن تکلیف کی شدت کی وجہ سے خانہ کعبہ نہ جا سکے۔ مسلمان جو خانہ کعبہ میں عبادت کیا کرتے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہیں لا سکتے تو وہ خود ہی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ مسلمان سجدے میں تھے کہ قریش نے حملہ کر دیا اور حضرت حارثؓ فرزند حضرت خدیجہؓ شہید ہو گئے۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے فرزند تھے۔ حارثؓ سب سے پہلے شخص ہیں جو راہ اسلام میں شہید ہوئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ خانہ کعبہ میں عبادت نہیں کر سکتے تو ایک نشیبی درے میں عبادت کرنے لگے۔ حضرت بلالؓ اذان دیتے اور مسلمانوں کو نماز کی دعوت دیتے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو قرآن کی چند آیات سناتے اس دور میں مسلمان آزادی سے نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔ لہٰذا بیابان میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ جب اہل قریش کو معلوم ہوا کہ مسلمان بیابان میں عبادت کرتے ہیں تو وہ اس راہ میں بھی آڑے آئے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسلمان خانہ کعبہ میں اجتماع نہیں کر سکتے تھے لہٰذا کسی کے گھر میں اجتماع کرتے تھے۔ مگر یہ بات بھی ممکن نہ رہی کیونکہ قریش بڑی سخت نگرانی کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر ہم مکہ سے باہر اجتماع کرنے لگے۔ ایک دن ہم درہ ابو ذوب میں جمع ہوئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ہم پر ہلہ بول دیا۔ ان میں ابوسفیان اور اخنس بن شریف بھی تھے۔ ہم مدافعت پر مجبور

نہ کوئی بادشاہ تھا اور نہ کسی قسم کے قانون نے ان کے سماج یا تمدن پر کسی قسم کا اثر ڈالا تھا۔ اس ملک میں ہر قبیلہ اور خاندان بجائے خود حکمراں تھا اور مادر پدر آزاد۔ اس حیوانی آزادی نے جو قانون: مذہب، بے علمی اور اس زمانہ کے متمدن اقوام وملل سے علیحدگی اور اجنبیت کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی: عرب کی حالت کو اور بھی تباہ کیا تھا۔

اہل عرب کی نفسیات

زمانہ جاہلیت یعنی قبل از اسلام جو رسومات اہل عرب میں تھیں' ان میں سے چند ایک اسلام کے بعد بھی باقی رہیں۔ بعض باتیں اب تک عربستان میں باقی ہیں۔ ان میں سے ایک مہمان نوازی ہے' جو دیہات میں اب تک موجود ہے۔ صحرا نشیں عربوں میں قانون اساسی صرف ایک لفظ ''مروت'' سے تشکیل پاتا ہے۔ مروت جامع مفہوم رکھتا ہے' جس سے عرب تین معانی کا استخراج کرتے ہیں۔

i- مہمان نوازی

ii- مظلوم کو پناہ دینا

iii- قبیلے کے قوانین کا احترام کرنا

یہ وہ امور تھے' جن کو عرب دوسروں کیلئے ملحوظ رکھتا تھا اور اپنے لئے بہادر بننا' جنگ سے نہ بیٹھنا اور دشمن کے مقابلے میں پشت نہ دکھانا' ثابت قدم رہنا یا قتل ہو جانا یا فتح پانا۔ رحم کا مفہوم عرب جانتا ہی نہ تھا' اس لئے اگر کوئی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے اور کسی کو رحم نہ آتا' البتہ مظلوم کو پناہ دینا قانون اساسی کا رکن تھا اور اس کا دوسرا رکن قبیلہ کا احترام تھا۔

جو لوگ اس وقت خانہ کعبہ میں موجود تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلا گھونٹے جانے کو دیکھ رہے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مظلوم نہیں سمجھتے تھے' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی باتیں کرتے تھے جو قبیلے کے قاعدہ قانون کے خلاف تھیں۔ دیہاتی عرب مہمان نواز تھا اور مظلوم کو پناہ دیتا تھا' از راہ کرم نہیں بلکہ از راہ جوانمردی۔ اب تک سرزمین عرب میں وہی سابقہ طرز زندگی ہے۔ اہل عرب میں مروت کا پیدا ہونا جزیرۃ العرب کے جغرافیائی حالات کی وجہ سے ہے۔ اگر بھوکا پیاسا عرب کسی بدو کے خیمے میں چلا جائے اور اس کی مہمان نوازی نہ ہو تو وہ

بھوک پیاس سے مر جائے گا۔ اگر کوئی بھاگا ہوا مسافر کسی بدو کے خیمے میں پناہ لے اور اگر اسے پناہ نہ ملے تو وہ یقیناً مارا جائے گا۔ کیونکہ جب کوئی عرب کسی قبیلے سے نکال دیا جاتا ہے' تو اس کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کوئی مظلوم صحرا میں کسی بدو کے خیمے میں پناہ لیتا ہے' تو صاحب خیمہ تلوار لے کر اس کی حمایت میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل قریش کے خیال میں مظلوم نہ تھے لہٰذا کسی نے آپ کی حمایت نہ کی۔ صرف چار ہستیاں ایسی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم کرتی تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؑ، حضرت زیدؓ اور حضرت ابوبکرؓ۔ نبوت کے چوتھے سال آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی کیونکہ ایک خدا پر ایمان رکھنے والوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو غلام' سیاہ پوست برادری سے خارج کردہ یا وہ لوگ تھے جنہیں ''الناس'' کہا جاتا ہے۔ ان میں بڑی تعداد مفلسوں کی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سارے انسان ایک ہیں'' ان میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسان ایک مادے یعنی مٹی سے پیدا کئے۔ یہ سورہ الرحمٰن کی آیت 14 سے ظاہر ہے۔ فرمایا گیا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جیسی مٹی سے پیدا کیا ہے' جو گل کوزہ گراں سے مشابہ تھی۔ غلاموں اور سیاہ رنگ والوں نے پہلی بار یہ بات سنی کہ تخلیق انسانی میں امیروں اور شریفوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں طبقوں کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اور جو فرق خدوخال اور رنگ کا ہے وہ صرف ایک دوسرے کو پہچاننے کیلئے ہے۔ حضرت زیدؓ آزاد کردہ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والے غلام حضرت بلال حبشیؓ ہیں۔ آپ بیگانہ اور سیاہ پوست تھے۔ عرب میں تین چیزیں بدبختی کا سبب شمار ہوتی ہیں۔ ایک بیگانہ ہونا' دوسرے غلام ہونا اور تیسرے سیاہ جلد ہونا۔ حضرت بلالؓ میں یہ تینوں باتیں موجود تھیں۔ وہ مکہ کے ایک مالدار امیہ بن حلف جمحی کے خاندان کے غلام تھے۔ جب ان کے آقا کو پتہ چلا کہ وہ داخل اسلام ہو گئے ہیں تو انہیں مکہ سے خارج کر دیا۔ ان کو شہر سے باہر لے جا کر اور کپڑے اتار کر تپتی ریت پر باندھا جاتا اور کھلی

دھوپ میں چھوڑ دیا جاتا۔انہیں کہا گیا یا تو اسلام چھوڑ دے یا اسی حالت میں یہیں مر جا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پتہ چلا تو حضرت بلالؓ کے آقا کے پاس گئے اور ان کی خرید کی بات کی۔آقا نے جب دیکھا کہ حضرت ابوبکر ہر قیمت پر حضرت بلال کو خریدنا چاہتے ہیں تو وہ راضی ہو گیا۔حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بعد میں اپنا مؤذن بنایا۔

جب ''الناس'' کے محروم طبقے نے دیکھا کہ ایک سیاہ فام انسان لوگوں کو اسلام کی طرف بلا رہا ہے تو وہ جرأت کے ساتھ اسلام کی طرف بڑھے۔دو عورتیں جو حضرت عمرؓ کی کنیزیں تھیں اسلام لے آئیں۔ایک کا نام بسینہ اور دوسری کا زنیرہ تھا۔انہوں نے دونوں کنیزوں کو مارنا شروع کیا۔حضرت ابوبکر ان کی مدد کو دوڑے اور حضرت عمرؓ سے خرید کر دونوں آزاد کر دیا۔اس طرح مسلمانوں کی تعداد سات ہو گئی' جن میں تین عورتیں تھیں۔چوتھی عورت جو اسلام میں داخل ہوئی دیہات کی رہنے والی تھی۔غزیہؓ نام تھا۔وہ غلام نہ تھیں۔مکہ آئیں اور علی الاعلان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگیں۔

عام تبلیغ

اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام طور پر سمجھانا شروع کیا۔ہر میلے میں' محلے میں' ہر گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبیاں بیان کرتے۔بتوں' پتھروں اور درختوں کی پوجا سے روکتے۔بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکتے' زنا سے منع فرماتے' جوا کھیلنے سے روکتے۔آپ فرمایا کرتے کہ لوگ اپنے جسم کو نجاست سے' کپڑوں کو میل کچیل سے' زبان کو گندی باتوں سے' دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک وصاف رکھیں۔وعدہ اور اقرار کی پابندی کریں لین دین میں کسی سے دغا نہ کریں' خدا کی ذات کو نقص سے' عیب سے' آلودگی سے پاک سمجھیں۔اس بات کا پختہ یقین رکھیں کہ زمین وآسمان' چاند' سورج اور چھوٹے بڑے سب کے سب ستارے وغیرہ خدا کے پیدا کردہ ہیں۔سب اسی کے محتاج ہیں۔دعا کا قبول کرنا' بیمار کو صحت وتندرستی دینا' مرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔عرب میں عکاظ' بعینہ اور ذی المجاز کے میلے بہت مشہور

تھے۔ دور دور سے لوگ ان میلوں میں شرکت کیلئے آیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مقامات پر جاتے اور لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت دیتے تھے۔ مغرور قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعظ پسند نہ آتا۔ اس کی وجوہات یہ تھیں۔

وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ خدا کے حکم سے کوئی انسان لوگوں کے سمجھانے کیلئے آئے۔

وہ جزاوسزائے اعمال کے قائل نہ تھے۔ اس لئے یہ بات کہ موت کے بعد اعمال کی جواب دہی ہوگی ان کے نزدیک قابل تمسخر تھی۔

وہ خاندانی شرافت اور اپنے بزرگوں پر مست تھے۔ انہیں اسلامی مساوات اور اخوت کا قبول کرنا گویا حقارت اور ذلت کو قبول کرنے کے مترادف محسوس ہوتا تھا۔

اکثر قبائل بنو ہاشم کے مخالف اور دشمن قبیلے کے فرد کی تعلیم پر چلنا انہیں عار معلوم ہوتا تھا۔ وہ بت پرستی پر قانع تھے۔ اس سے برتر کسی مذہب میں کسی خوبی کا امکان ان کے تصور میں نہ آتا تھا۔

وہ زنا' جوا' رہزنی' قتل' عہد شکنی' آوارگی اور ہر قانون وقاعدہ کی بندش وقیود سے آزاد رہتے تھے۔ بے شمار عورتوں کو گھر میں ڈال رکھتے تھے۔ وہ اسلام کے قوانین کو اپنی پیاری عادات کا دشمن سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی تھی اور اسلام کا نام ونشان مٹانے پر تل گئے تھے۔

مسلمان اور قریش

مکہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور ان کا دین موضوع گفتگو بن گیا لیکن زیادہ سنگ دل اور شقی القلب لوگ جن کے قلوب پر غفلت کی مہریں لگی ہوئی تھیں' شروع شروع میں اسلام کی طرف چنداں ملتفت نہ ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں مسیحی عالموں کے کلام سے ملتی جلتی ہیں جو سننے والوں پر دیرپا نقوش نہیں چھوڑتیں اور جو ان کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ جلد اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ بتوں کا اثر آخر کار ان باتوں پر غالب آجائے گا' انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ایمان کی طاقت پر کسی کی قوت غالب نہیں آسکتی۔

قریش کا غیض وغضب اور عناد اسلام کی اشاعت کی رفتار نہ روک سکا۔ ہر روز ایک نہ ایک جماعت آتی اور مشرف بہ اسلام ہوتی۔ جن لوگوں کی فطرت میں تھوڑی بہت صلاحیت تھی اور جن کی نظروں میں دنیا اور اس کی مرغوبات کیلئے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی' بلا تامل اسلام قبول کر لیتے تھے۔ دوسرے وہ یہ بات بھی جانتے تھے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی دولت کی بنیاد پر دعوت اسلام دیتے ہیں نیز انہیں وحی کے ذریعہ تعلیم دی گئی ہے کہ دولت کی کثرت روح کیلئے ایک قسم کی لعنت ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

(سورۃ التکاثر۔ آیت نمبر 1-8)

زیادہ سے زیادہ (دنیا) حاصل کرنے کی ہوس نے تم کو غفلت میں ڈالے رکھا ۝ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں ۝ خبردار' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا ۝ پھر سن لو' عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا ۝ دیکھو' اگر تمہیں (اس روش کا انجام) یقینی علم کی حیثیت سے معلوم ہوتا (تو تم ہرگز ایسا نہ کرتے) ۝ جان لو تم ضرور دیکھو گے جہنم کو ۝ پھر تم اسے یقین کی آنکھ سے ضرور دیکھو گے ۝ پھر تم سے نعمتوں کے بارے میں اس دن ضرور باز پرس ہوگی ۝

یعنی مال ومتاع کی کثرت کی طلب نے تمہیں غافل کر دیا' یاد الٰہی اور خیال آخرت سے یہاں تک کہ موت کا وقت آن پہنچا' تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ تم بہت جلد جان لو گے' کاش تم پہلے ہی یقینی طور پر یہ بات جان لیتے کہ غفلت کی پاداش میں تمہیں دوزخ دیکھنی پڑے گی اور پھر یہ دیکھنا یقین کی آنکھ سے ہوگا پھر تم سے خدا کی نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔

جن لوگوں کو اسلام کی جانب میلان ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت کی دعوت دیتے ہیں' جس کی حدود متعین نہیں کی جا سکتیں۔ یہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کو ایسی قیود سے آزاد کرانا چاہتے ہیں' جو غیر اللہ کی عبادت نے

عائد کر رکھی ہیں۔ اشراف و اکابرین قریش جن کی عظمت کا دارومدار مال کی کثرت اور جاہ منصب پر تھا' کو یہ احساس دامن گیر ہوا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سے ہماری قدر و منزلت میں کمی آ رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو پر کمر باندھی۔ انہوں نے ابوسفیان بن حارث' عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبعری کو ہجو طرازی پر آمادہ کیا۔ شعرائے اسلام نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ان ہی ایام میں کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے اور معجزات کا مطالبہ کیا۔ بعض نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ صفا و مروہ کو زر خالص میں تبدیل کر دیجئے۔ بعض نے سوال کیا کہ جبریل امین' ہمیں نظر کیوں نہیں آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کو زندہ کیوں نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔

اہل مکہ آپ سے یہ بھی کہتے کہ مکہ کو پانی کی سخت احتیاج ہے تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زم زم سے پانی کے چشمے کیوں جاری نہیں کرتے اور یہ بھی کہتے خدا آپ کو اجناس کی قیمتیں پہلے کیوں نہیں بتا دیتے تاکہ تجارت میں زیادہ منافع کی صورت نکل آئے۔ جب اہل مکہ کا اسرار حد سے بڑھ گیا تو وحی نازل ہوئی۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

(سورۃ اعراف۔188)

کہہ دیجئے۔ میں اپنے نفع و ضرر کا مالک نہیں' مگر وہ جو خدا کو منظور ہو۔ اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں نفع کثیر حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کسی خرابی سے سابقہ نہ پڑتا۔ میں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ہیں ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کی مذمت شروع کر دی۔ قریش آگ بگولا ہو گئے اور پہلے سے بھی زیادہ استہزا کرنے لگے۔ کبھی دارالندوہ اور کبھی اطراف کعبہ میں بیٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آوازے کستے۔ قریش کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو برانگیختہ کر دیا تو مکہ کی تجارت اور اس کی مذہبی پوزیشن کہاں رہے

گی۔ان حالات میں قریش ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے معبودوں کی مذمت سے روکیں۔اسے سمجھا دیں کہ ہم سے تعرض نہ کرے ورنہ ہم خود نبٹ لیں گے۔ادھر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی گرم جوشی سے دعوت تبلیغ میں مصروف رہے اور ان کے حلقہ میں توسیع ہوتی گئی۔قریش نے پھر صلاح ومشورہ کیا جس میں ولید بن مغیرہ کا بیٹا عمار بھی شامل تھا وہ ابوطالب کے پاس گیا اور مطالبہ کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے کیجئے۔ ابوطالب نے مطالبہ رد کر دیا۔قریش نے تیسری بار ایک وفد ابوطالب کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے معبودوں کی مذمت کرے۔ہم آپ اور آپ کے بھتیجے سے جنگ کریں گے تاکہ ایک فریق رہے اور ایک ختم ہو جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے عزائم سے مطلع کیا اور کہا مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور مجھے تکلیف میں نہ ڈالو۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے غور وخوض کے بعد اور پورے عزم کے ساتھ اپنے چچا کو جواب دیا۔

یَا عَمِّ! وَاللّٰهِ لَوْوَضَعُوا الشَّمْسَ فِیْ یَمِیْنِیْ وَالْقَمَرَ فِیْ یَسَارِیْ عَلٰی اَنْ اَتْرُکَ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰی یُظْهِرَهُ اللّٰهُ اَوْاَهْلِکَ فِیْهِ مَاتَرَکْتُهٗ○

اے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر یہ کہیں کہ میں تبلیغ رسالت سے باز آ جاؤں تو میں اس سے دست بردار نہیں ہوں گا۔یہاں تک کہ خدا میرے دین کو رائج کرے یا میں اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔

حق پر ایمان کی کتنی روشن مثال ہے۔ابوطالب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب سے لرز اٹھے اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم راسخ سے حیرت ہوئی۔ابوطالب تھوڑی دیر کشمکش میں مبتلا رہے اور پھر انہوں نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔

''اچھا جو تم چاہتے ہو کہو خدا کی قسم میں تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا نہیں ہونے دوں گا۔''

بنو ہاشم کی حمایت

ابوطالب نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو سنائیں اور

ان سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں کمی نہ کرنا۔سب نے اتفاق کرلیا۔لیکن ابولہب نے مخالفت پر کمر باندھ لی اور دشمنوں سے مل گیا۔بنو ہاشم نے کسی تامل وتردد کے بغیر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا اعلان کردیا۔اس میں قومی تعصب اور بنی امیہ کی دیرینہ عداوت کو بھی دخل تھا۔تاہم قومی عصبیت اور پرانی عداوت بنی ہاشم کو قریش کے مقابلہ کیلئے آمادہ نہیں کرسکتی تھی خصوصاً جب وہ دیکھ رہے تھے کہ نیا دین ان کے عقائد کی تحقیر وتذلیل کرتا ہے۔ الغرض رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قبیلہ کی سرپرستی میں قریش کے آزار سے محفوظ ہو گئے۔گھر میں حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی بے لوث محبت کا ہمدردانہ برتاؤ تمام تکلیف دہ اثرات کو زائل کردیتا تھا۔قریش مسلمانوں کی ایذارسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔قریش میں ایک شخص اپنے حبشی غلام حضرت بلالؓ کو چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا اور گرم بھاری پتھر اس کے سینے پر رکھ دیتا۔حضرت بلالؓ اس مصیبت اور تکلیف میں احد احد پکارتے اور تمام شدائد صبر وتحمل سے برداشت کرتے۔حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو دیکھا تو انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔حضرت ابوبکرؓ نے اور بھی چند غلام ان کے ظالم مالکوں سے خرید کر آزاد کردیئے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ سے بھی بزمانہ کفر ایک کنیز خرید کر آزاد کردی تھی۔ابولہب کی بیوی ام جمیل گھر کا کوڑا کرکٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھینک دیتی۔نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا یہ دور تاریخ کا اہم ترین دور ہے۔

دشمنوں کے مظالم پر صبر

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پیرو مال وزر کے طالب نہ تھے بلکہ وہ حق و صداقت کے جویا اور ایمان سے رغبت رکھتے تھے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظلوم مسلمانوں کو صراط مستقیم پر گامزن دیکھنا چاہتے تھے۔اس بلند مقصد اور اعلیٰ نصب العین کی خاطر وہ طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرتے تھے۔قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک منظم سازش کا جال بچھا رکھا تھا۔ایک شخص نے چھپ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ کے نزدیک ہلاک کرنے کا ناپاک قصد کیا۔بعض مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان پر سنگ باری کی' لیکن یہ حقیقت ہے کہ مخالفین کی ان ناجائز حرکات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے صبر وتحمل کی بنیادیں متزلزل نہ ہوسکیں بلکہ ان پیہم مخالفتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزائم میں اور بھی پختگی آ گئی جس سے مسلمانوں کے حوصلے اور بھی بلند ہوئے اور جانبازی اور فدا کاری کی راہیں ان پر آسان ہو گئیں۔ بے شک مسلمانوں کے عقائد کی پختگی میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا بڑا دخل تھا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے ملک میں زندگی بسر کرتے تھے جس کا نظام معاشرت بنیادی طور پر جمہوری تھا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام کچھ کم بلند نہ تھا۔ بلکہ اقتصادی طور پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اطمینان بخش تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق بنی ہاشم سے تھا جو کعبہ کی تولیت اور حجاج کی سقایت کے کلید بردار تھے۔ اس لحاظ سے دینی معاملات میں انہیں جو امتیاز حاصل تھا وہ بھی کچھ کم باعث فخر نہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ سابقون الاولون نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جو آیات سنیں' ان میں بلاغت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور یہ ایک ایسا معجزہ تھا جس پر ابدیت کی مہر ثبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سابقون الالون کی روحانیت کا معیار اتنا بلند تھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نیکوکاری کی شاہراہ پر گامزن کیا اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ان پر واضح کر دی کہ بارگاہ خداوندی میں قرب ووصول کی یہی سبیل ہے۔ تقویٰ پر پورے اترنے والوں کیلئے جزا ہے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا وہ صلے ملے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

اسلام کے خلاف تدبیریں

اوّل تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ اسلام لانے والوں کو سخت اذیتیں دی جائیں تاکہ جو مسلمان ہو گئے ہیں انہیں واپس لائیں اور نئے لوگ اسلام قبول نہ کر سکیں۔ قریش نے اسلام لانے والوں پر جو مظالم توڑے انہیں جو تکالیف اور اذیتیں دیں ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ مختصر طور پر چند واقعات بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔

حضرت بلالؓ حبشی تھے۔ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب امیہ کو معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ مسلمان ہو گئے تو ان کیلئے گوناگوں عذاب ایجاد کئے۔ گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ تھما دیتے۔ وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انہیں لئے پھرتے۔ رسی کا نشان گردن میں نمایاں ہو جاتا۔

وادی مکہ کی گرم ریت پر انہیں لٹایا جاتا اور گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھتے جاتے۔ مشکیں باندھ کر ڈنڈوں سے انہیں پیٹا جاتا' دھوپ میں انہیں بھوکا پیاسا رکھا جاتا۔ حضرت بلالؓ ان حالتوں میں احد احد کے نعرے لگاتے آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے مالک ابو جہل نے انہیں گونا گوں عذاب دیئے۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عذاب سہتے دیکھا اور فرمایا اِصْبِرُوْا یَاآلِ یَاسِر فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنّه اے آل یاسر! صبر کرو تم کو جنت کی بشارت ہے۔

پہلی شہید عورت

حضرت سمیہؓ ابو جہل کی کنیز تھی۔ اور دایہ گیری اس کا پیشہ تھا۔ شرفاء کی عورتوں میں اس کا مقام تھا اور باقی کنیزوں سے زیادہ احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ جونہی ابو جہل کو ان کے اسلام لانے کا علم ہوا تو حکم دیا کہ دین جدید کو چھوڑ دو۔ سمیہؓ نے کہا میں دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتی۔ ابو جہل نے انہیں کوڑوں سے پیٹا۔ حضرت ابوبکرؓ نے سمیہؓ کو خرید کر آزاد کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر ابو جہل نہ مانا۔ اس وقت تک حضرت ابوبکرؓ چھ غلاموں کو آزاد کرا چکے تھے۔ ان میں دو مرد اور چار عورتیں تھیں۔ لیکن سمیہؓ کو آزاد نہ کرا سکے۔ جب ابو جہل نے دیکھا کہ میں کسی طرح سمیہؓ کے عقیدے کو نہیں بدل سکتا تو انہیں قتل کرنے کا ارادہ کر لیا اور نیزہ ان کے عضو نازک پر مار کر شہید کر دیا۔ اس طرح حضرت سمیہؓ اسلام کی راہ میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔ جب سمیہ شہید ہوئیں تو قریش کے رؤسا ابوسفیان' ابو جہل' ابولہب اور اس کی بیوی جمیلہ نے طے کیا کہ کوئی باشندہ ابوبکر کے ہاتھوں اپنا غلام یا کنیز فروخت نہ کرنے پائے۔ ان لوگوں نے یہ سکیم سوچی تا کہ اسلام وسعت نہ پا سکے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ حضرت ابوبکرؓ سمیہؓ کے آزاد کرانے کی کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں تو ان کے حق میں دعا فرمائی کہ حیا اللہ بوجھک خدا تیرے چہرے کو منور رکھے۔ مگر باوجود بسیار کوشش کے حضرت سمیہؓ کو بچانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ حضرت سمیہؓ کی شہادت کے بعد چند ایک آزاد مرد داخل اسلام ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایسے شخص تھے جو آزاد اور مستقل مزاج تھے۔ ہوش مند اور صاحب

شوکت و مرتبت بزرگ تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے اور ابتداء ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست و بازو بنے اور مال و متاع اور زندگی کا کل سرمایہ اسلام کیلئے وقف کر دیا اور اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ آپ کے رفقا اور مصاحبین میں سے یہ حضرات اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان' زبیر بن العوام' عبدالرحمٰن بن عوف' طلحہ بن عبیداللہ' سعد بن وقاص' رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ اعیان قریش اور شرفاء آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ آپ ان سب کو لے کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کیا اور آپ اقتداء میں نماز پڑھی۔ بعدازاں یہ حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے۔

جعفر بن ابی طالبؓ کا اسلام

ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے ابوطالب ادھر سے گزرے۔ حضرت جعفرؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب نماز پڑھتے دیکھا تو حضرت جعفرؓ سے کہا بیٹا تم بھی علی (کرم اللہ وجہہ) کی طرح اپنے چچازاد بھائی کی قوت بازو بنو۔

(اسد الغابہ' ج 1' صفحہ 287)

جعفر بن ابوطالبؓ سابقین اسلام میں سے ہیں۔ پچیس یا اکتیس صحابہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔
(اصابہ' ج 1' صفحہ 237)

عفیف کندیؓ کا اسلام

عفیف کندیؓ عطر کے تاجر تھے اور تجارت کے سلسلہ میں یمن جاتے تھے۔ ایک شخص جناب حضرت عباسؓ کے ساتھ آیا اور منیٰ میں وضو کر کے نماز کیلئے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ایک عورت اور ایک گیارہ سالہ لڑکے نے اس کی اقتداء میں نماز شروع کی۔ عفیفؓ نے حضرت عباسؓ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ کیا دین ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین ہے۔ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ لڑکا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور عورت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ کی بیوی ہیں۔ یہ سن

کر عفیفؓ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہمیشہ کہا کرتے! کاش میں اسلام لانے والا چوتھا شخص ہوتا۔

حضرت طلحہؓ کا اسلام

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بغرض تجارت بصریٰ گیا تھا۔ ایک روز بصریٰ کے بازار میں ایک راہب پکار رہا تھا کہ بازار میں کوئی حرم مکہ کا رہنے والا تو نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں۔ راہب نے کہا' کیا احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو گیا۔ میں نے کہا کون؟ راہب نے کہا عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے۔ یہ مہینہ ان کے ظہور کا ہے۔ حرم مکہ میں ظاہر ہوں گے۔ ہجرت کریں گے' وہ آخر الانبیاء ہوں گے۔ دیکھو تم پیچھے نہ رہنا۔ راہب کی گفتگو سے میرے دل میں خاص اثر ہوا۔ فوراً مکہ واپس ہوا۔ معلوم ہوا محمد الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور حضرت ابو بکرؓ ان کے ساتھ ہیں۔ میں فوراً ابو بکرؓ کے پاس گیا جو مجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے اور مشرف بہ اسلام ہوا۔

(اصابہ ج 2' صفحہ 229)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا اسلام

سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے تین دن پہلے خواب دیکھا کہ میں ایک شدید ظلمت اور تاریکی میں ہوں اور کوئی شے مجھ کو نظر نہیں آتی۔ اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا۔ دیکھا تو زید بن حارثؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابو بکرؓ مجھ سے پہلے اس نور کی طرف سبقت کر چکے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی واحدانیت اور اپنے رسول ہونے کی شہادت کی طرف تم کو بلاتا ہوں۔ میں نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(خصائص الکبرا' ج 1' صفحہ 122)

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کا اسلام

اسلام لانے سے پہلے خواب دیکھا کہ خندق کے کنارے کھڑا ہوں۔ میرا باپ سعید مجھ کو

اس کی طرف دھکیلنے لگا ہے۔ ناگہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف تشریف لائے اور میری کمر پکڑ کر کھینچ لیا۔ بیدار ہو کر قسم کھائی یہ خواب سچا ہے۔ خالد بن سعیدؓ السابقین الاولین میں سے چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں ابوبکرؓ کے پاس گیا اور خواب کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اللہ نے تیرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے۔ پھر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم کو کس کس چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے' کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ بتوں کی پرستش چھوڑ دو اور ایک خدائے واحد کی عبادت کرو۔ خالدؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اللہ کے رسول برحق ہیں اور اسلام میں داخل ہو گیا۔

(الاصابہ' ج1' صفحہ 406)

حضرت عثمانؓ بن عفان کا اسلام

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ گھر گیا تو میری خالہ سعدائی گھر میں موجود تھی۔ میری خالہ کہانت بھی کرتی تھی۔ مجھ کو دیکھتے ہی کہنے لگی۔ اے عثمانؓ تجھ کو مبارک اور بشارت ہو کہ تو خیر سے ملا اور شر سے محفوظ ہوا۔ خدا کی قسم تو نے ایک نہایت پاک دامن اور حسین عورت سے نکاح کیا۔ یہ سن کر مجھے تعجب ہوا۔ اس پر میری خالہ نے کہا حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ کے رسول ہیں اور اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ قول ان کا سراسر فلاح و بہبود ہے۔ یہ کہہ کر اٹھ گئیں۔ ابوبکرؓ سے میرے تعلقات اور روابط تھے۔ ان کے پاس گیا۔ میں نے اپنی خالہ سے جو سنا تھا ابوبکرؓ سے بیان کر دیا۔ اس پر ابوبکرؓ نے کہا' ماشاء اللہ تم ہوشیار اور سمجھ دار ہو' حق اور باطل میں تمیز کر سکتے ہو۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے کہا تمہاری خالہ نے بالکل سچ کہا ہے۔ محمدؐ رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ تم ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر آپ کا کلام سنو۔ حسن اتفاق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرف سے گزرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اٹھے اور آہستہ سے گوش مبارک میں کچھ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشرف لائے اور بیٹھ گئے۔ حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے عثمان! اللہ جنت کی دعوت دیتا ہے۔ تم اللہ کی دعوت کو قبول کرو اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو تیری طرف اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنتے ہی میں ایسا بے خود ہوا کہ فوراً اسلام لے آیا اور یہ کلمات زبان پر جاری ہو گئے۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشہد ان محمد عبدہٗ رسولہٗ O کچھ روز گزرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ میرے نکاح میں آئیں اور سب نے اس ازدواج کو بنظر استحسان دیکھا۔ حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کے دوسرے روز حضرت ابوبکر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر ہوئے۔ اتفاق سے عثمان بن مظعون' ابوعبیدہ ابن الجراح' عبدالرحمٰن بن عوف' ابوسلمہ بن عبدالاسد ارقم بن الارقمؓ سب کے سب اسی دن ایک ہی مجلس میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت عمار وصہیب کا اسلام

عمارؓ بن یاسر فرماتے ہیں کہ دارالارقم کے دروازے پر صہیبؓ بن سنان رومی سے میری ملاقات ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر موجود تھے۔ میں نے صہیب سے پوچھا کیا ارادہ ہے۔ صہیب نے یہی سوال مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ میں نے جواب دیا میرا ارادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو جاؤں۔ ہم دونوں دارالارقم میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر اسلام کو پیش کیا۔ ہم اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد' ج 111' صفحہ 212)

اسلام لانا عمرو بن عتبہ کا

عمرو بن عتبہ فرماتے ہیں کہ میں ابتدا ہی سے بت پرستی سے بیزار تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ بت پرستی محض پتھروں کی عبادت ہے۔ میں جویائے حقیقت تھا۔ یہاں تک کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر ملی۔ خبر ملتے پر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے اللہ کا پیغام مجھے سنایا۔ میں نے

عرض کیا آپ کا پیرو اور تابع ہوں۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو اپنے وطن لوٹ جاؤ اور جس وقت میرے غلبہ کا علم ہو اس وقت آ جانا۔ عمرو بن عتبہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہو کر وطن واپس ہو گیا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

(الاصابہ ج 3 صفحہ 6)

اسلام ابوذر غفاریؓ کا

ابوذر غفاریؓ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی تو اپنے بڑے بھائی انیس سے کہا۔ مکہ جاؤ اور اس شخص کی خبر لاؤ جو دعویٰ نبوت کرتا ہے۔ انیس مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل کر واپس ہوئے۔ ابوذر غفاریؓ کے دریافت کرنے پر انیس نے بتایا کہ جب میں مکہ پہنچا تو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاذب و ساحر کہتا تھا۔ کوئی کاہن و شاعر واللہ وہ نہ شاعر ہیں نہ کاہن۔ انیس خود بھی شاعر تھے اس لئے کہتے ہیں میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے۔ ان کے کلام کو نہ کاہن کا کلام اور نہ شعر ہی کہا جا سکتا ہے۔ خدا کی قسم وہ بالکل صادق ہیں۔ ان کو میں نے صرف خیر اور بھلائی کا حکم کرتے اور شر اور برائی سے منع کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کا کلام سنا ہے، جس کو شعر سے کوئی تعلق نہیں۔ ابوذر غفاریؓ نے کہا۔ دل کو تشفی نہیں ہوئی۔ اس لئے ابوذر غفاریؓ توشہ لے کر مکہ روانہ ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے توسط سے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور آپ کا کلام سنا۔ اسی وقت ایمان لائے اور حرم میں پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ کفار نے اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباسؓ نے نجات دلائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو اسلام کی دعوت دو۔ ابوذر غفاریؓ واپس ہوئے۔ دونوں بھائیوں نے مل کر والدہ کو اسلام کی دعوت دی۔ والدہ نے نہایت خوشی سے اس دعوت کو قبول کیا۔ بعد ازاں قبیلہ غفار مشرف بہ اسلام ہوا۔

(الاصابہ جلد 2 صفحہ 62)

عمروؓ بن عتبہ اور ابوذر غفاریؓ کے اسلام لانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین الٰہی کے ظہور اور غلبہ کا کامل یقین تھا اور اس بے سروسامانی میں یہ یقین بدون وحی الٰہی کے ممکن نہ تھا۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے اہل قریش کو سخت پریشان کر دیا کیونکہ لوگ مکہ کے بڑے اشراف میں شمار ہوتے تھے۔لہٰذا انہوں نے آپ کو پریشان کرنے کیلئے نت نئے اقدامات شروع کر دیئے۔انہوں نے اہل مکہ کو کہہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ میں داخل نہ ہونے دو۔ ہر وقت آپ کی راہ میں پہرہ رہتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلتے تو پتھروں کی بارش شروع ہو جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غلاظت پھینکی جاتی مگر آپ کوئی پرواہ نہ کرتے۔

خانہ کعبہ پہلا عبادت گھر ہے۔خانہ کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تجدید کی تھی۔قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر عناد رکھتے کہ خانہ کعبہ کا بھی احترام نہ کرتے تھے۔اہل قریش نے پیغمبر اسلام کو جب بھی شہید کرنا چاہا خانہ کعبہ ہی میں شہید کرنا چاہا۔سب سے پہلا مسلمان جو راہ خدا میں شہید ہوا۔خانہ کعبہ میں ہی شہید ہوا۔ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر لوٹتے ہوئے قریشیوں کے پتھروں سے اس قدر زخمی ہو گئے کہ اگلے دن تکلیف کی شدت کی وجہ سے خانہ کعبہ نہ جا سکے۔ مسلمان جو خانہ کعبہ میں عبادت کیا کرتے تھے۔جب انہیں پتہ چلا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہیں لا سکتے تو وہ خود ہی عبادت میں مشغول ہو گئے۔مسلمان سجدے میں تھے کہ قریش نے حملہ کر دیا اور حضرت حارثؓ فرزند حضرت خدیجہؓ شہید ہو گئے۔یہ حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے فرزند تھے۔حارثؓ سب سے پہلے شخص ہیں جو راہ اسلام میں شہید ہوئے۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ خانہ کعبہ میں عبادت نہیں کر سکتے تو ایک نشیبی درے میں عبادت کرنے لگے۔حضرت بلالؓ اذان دیتے اور مسلمانوں کو نماز کی دعوت دیتے۔نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو قرآن کی چند آیات سناتے اس دور میں مسلمان آزادی سے نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔لہٰذا بیابان میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔جب اہل قریش کو معلوم ہوا کہ مسلمان بیابان میں عبادت کرتے ہیں تو وہ اس راہ میں بھی آڑے آئے۔حضرت سعد بن وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسلمان خانہ کعبہ میں اجتماع نہیں کر سکتے تھے لہٰذا کسی کے گھر میں اجتماع کرتے تھے۔مگر یہ بات بھی ممکن نہ رہی کیونکہ قریش بڑی سخت نگرانی کرتے تھے۔یہ دیکھ کر ہم مکہ سے باہر اجتماع کرنے لگے۔ ایک دن ہم درہ ابو دوب میں جمع ہوئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ہم پر ہلہ بول دیا۔ان میں ابو سفیان اور اخنس بن شریف بھی تھے۔ہم مدافعت پر مجبور

ہو گئے۔ وہاں اونٹ کی ایک ہڈی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے وہ اٹھائی اور پوری قوت سے ایک شخص کے سر پر دے ماری۔ اس کے سر سے خون جاری ہو گیا اور وہ اسی حالت میں فرار ہو گیا۔ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اسلام کی راہ میں ایک کافر کا خون زمین پر بہایا۔

عمرو بن عاصؓ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اس نے اپنی چادر کو لپیٹ کر رسی بنایا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں گئے تو چادر کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن میں ڈال کر مروڑنا شروع کر دیا۔ جس سے گردن مبارک بہت کھنچ گئی۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے۔ انہوں نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور مشرکوں سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا۔

رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ

کیا تم ایک بزرگ آدمی کو مارتے ہو اور صرف اس جرم میں کہ وہ اللہ کو پروردگار کہتا ہے اور تمہارے پاس اپنی روشن دلائل بھی لے کر آیا ہے۔

چند شریر حضرت ابوبکرؓ سے لپٹ گئے اور ان کو بہت زدوکوب کیا۔ ایسا ہی ایک واقعہ پھر پیش آیا۔ وہ یوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی صحن میں موجود تھے۔ ابوجہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے۔ اوجھڑی پڑی ہوئی ہے۔ کوئی جائے اٹھا لائے اور اس (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوپر پھینک دے۔ شقی عقبہ اٹھا نجاست سے بھری اوجھڑی اٹھا لایا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں گئے تو پشت مبارک پر رکھ دی۔ کفار ہنسی کے مارے لوٹتے جاتے تھے۔ ابن مسعودؓ صحابی بھی موجود تھے۔ کافروں کا ہجوم دیکھ کر ان کا حوصلہ نہ پڑ سکا مگر معصوم سیدہ فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا آ گئیں انہوں نے باپ کی پشت مبارک سے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا اور ان سنگدلوں کو سخت سست بھی کہا۔ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں پر جو جور و ستم ہو رہے تھے اسے ناکافی سمجھا۔ اس لئے باقاعدہ کمیٹیاں بنائیں۔ ایک کمیٹی جس کا میر مجلس ابولہب تھا۔ اس کے 25 سرداران مکہ ممبر تھے۔ اس میں حل طلب سوال یہ تھا کہ جو لوگ مکہ میں آتے ہیں انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت کیا کہا جائے تاکہ وہ لوگ ان کی باتوں میں نہ آئیں۔ اور ان کی عظمت کے قائل نہ ہوں۔ ایک نے کہا کہ ہم بتایا کریں گے کہ وہ کاہن ہیں۔ ولید بن مغیرہ بولا میں نے بہتیرے کاہن دیکھے

ہیں لیکن کہاں کاہنوں کی تک بندیاں اور کہاں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کلام۔ ہم کو ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس سے قبائل عرب ہمیں جھوٹا سمجھیں۔ ایک نے کہا ہم اسے دیوانہ بتایا کریں گے۔ ولید بولا' محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیوانگی سے کیا نسبت۔ ایک بولا کہ ہم کہیں گے وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا' ہم جانتے ہیں شعر کیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کلام کو شعر سے ذرا بھی مشابہت نہیں۔ ایک بولا ہم کہیں گے وہ جادوگر ہے۔ ولید بولا جس طہارت ولطافت اور نفاست سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رہتا ہے وہ جادوگروں میں کہاں ہوتی ہے۔ اب سب نے عاجز ہو کر کہا چچا تم ہی بتاؤ کہ پھر کیا کیا جائے۔ ولید بولا سچ تو یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کلام میں عجب شیرینی ہے۔ اُن کی گفتگو نورس حلاوت ہے۔ کہنے کو تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کا کلام ایسا ہے کہ جس سے باپ بیٹے' بھائی بھائی' شوہر و زن میں جدائی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان سے پرہیز ہی کرنا چاہیے۔ لہٰذا فیصلہ ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر طرح تنگ کیا جائے۔ بات بات میں ان کی ہنسی اڑائی جائے۔ تمسخر اور ایذا سے انہیں تکالیف دی جائیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سچا سمجھنے والوں کو انتہا درجہ کی تکالیف کا شکار بنایا جائے۔

ہم نے ابوذر کا واقعہ یہ ثابت کرنے کیلئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو جو عوام کی نظروں میں بدکردار ہوتے تھے مگر توبہ کر لیتے تھے۔ دین اسلام میں داخل کر لیتے تھے۔ ان واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ آپ کے اتنے سخت دشمن تھے کہ جو کوئی آپ کا پتہ دریافت کرتا اسے بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ کیونکہ کفار مکہ یہ خیال کرتے تھے وہ مسلمان ہو چکا ہے یا مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ تبھی تو خانہ مبارک کا پتہ دریافت کرتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ صدر اسلام کی ایک نمایاں شخصیت تھے۔ انہوں نے غفاریوں کے سارے قبیلے کو مسلمان کیا۔ پھر ان لوگوں نے چوری تک نہیں کی۔ جبکہ قبیلہ غفار راہزنی میں سارے عرب میں مشہور تھا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ ابوذر غفاریؓ غفاری ہیں۔ یعنی راہزن قبیلہ سے ہیں۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مذہب اسلام میں داخل کر لیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اپنے افعال پر پشیمان ہیں۔ سچی توبہ کر رہے ہیں اور راہ حق کے متلاشی ہیں۔

----------*

دعوت

دارارقم میں مسلمانوں کا اجتماع

جب مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی۔تو حضرت ارقمؓ کا مکان اجتماع کیلئے تجویز ہوا۔وہاں سب جمع ہوا کرتے۔حضرت ارقم سابقین اولین میں سے ہیں۔ساتویں یا دسویں مسلمان ہیں۔کوہ صفا پر آپ کا مکان تھا۔حضرت عمرؓ کے اسلام لانے تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام وہیں جمع ہوتے تھے۔حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد جہاں چاہتے جمع ہوتے۔
(الاصابہ ج 1 صفحہ 28)

اعلان دعوت

تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اس طرح لوگ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔تین سال کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ علی الاعلان اسلام کی دعوت دیں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝
(سورۃ الحجر۔94)

جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کا صاف صاف اعلان کر دیجئے اور مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے۔

وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۙ﴿﴾ وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿ۚ﴾

(سورۃ الشعرآء۔215-214)

اور متنبہ کرو اپنے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو ○ اور تواضع سے پیش آؤ ان کے لوگوں کے ساتھ جو پیروی کریں تمہاری ایمان لانے والوں میں سے ○

وَ قُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ ﴿ۚ﴾

(سورۃ الحجر۔89)

اور کہہ دو کہ بے شک میں تو صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں ○

جب کوہ صفا پر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں تو ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بد دعا دی اور کہا کیا ہم کو اسی لئے جمع کیا تھا۔ اس پر تبت یدا ابی لہب وتب' یہ تمام سورت اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو اللہ کی طرف سے ابولہب کے خلاف ابدی بد عا ہے۔ ابولہب نے کہا اے لوگو اٹھو۔ یہ کہتے ہی لوگ متفرق ہو گئے۔

(الخصائص الکبریٰ' ج 1' صفحہ 123)

ابولہب اگرچہ آپ کا چچا تھا لیکن جس طرح تصدیق اور جان نثاری اور صداقت و محبت میں ابوبکر صدیق سب سے اوّل رہے اسی طرح تکذیب وایذا اور استہزاء و بغض اور عداوت میں ابولہب سب سے اوّل رہا۔ اسی عداوت میں آپ کی صاجزادیوں حضرت رقیہ اور ام کلثومؓ کو جو قبل از بعثت عتبہ اور عتیبہ پسران ابولہب سے منسوب تھیں' طلاق دلائی تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدمہ ہو اور تکلیف پہنچے۔ بعد میں یہ دونوں صاجزادیاں یکے بعد دیگر حضرت عثمان بن عفان کے نکاح میں آئیں اور حضرت عثمانؓ ذوالنورین کے لقب سے سرفراز ہو گئے۔

حضرت حمزہؓ کا اسلام

ایک دن ایک گروہ ابوجہل کی تحریک پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسا رہا تھا اور ابوجہل سخت ناشائستہ الفاظ کہہ رہا تھا۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جدعان کی باندی یہ

تمام واقعہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آ رہے تھے۔ عبداللہ بن جدعان کی باندی نے حضرت حمزہؓ سے کہا اے ابوعمارہ! کاش تم اس وقت موجود ہوتے جب ابوجہل تمہارے بھیجتے کو نہایت سخت اور سست اور نازیبا کلمات کہہ رہا تھا۔ حضرت حمزہؓ پہلوان تھے' شکار سے واپس آ رہے تھے' تیر و کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔

حضرت حمزہ کو اس وقت دین محمدی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مگر جب انہوں نے سنا کہ لوگ آپ کو پتھر مار رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں تو ان کے دل نے ایک نئی کروٹ لی' ان کا سرخ سرخ رنگ سیاہ پڑ گیا کہ لوگ ان کے بھتیجے کو گالیاں دے رہے ہیں۔ حضرت حمزہؓ نے تلوار اٹھائی اور ابوجہل کو جا لیا اور زور سے اس کے تلوار کا کندہ مار کر کہا' تو یہ خیال کرتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بے پناہ ہیں۔ اس لئے انہیں پتھر مرواتا ہے اور گالیاں دیتا' دلاتا ہے۔ میں آج کے دن سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو قبول کرتا ہوں۔ جو کوئی انہیں برا بھلا کہے گا میں اسے دیکھ لوں گا۔ حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا آپ کیلئے بڑا مفید ثابت ہوا۔ اس کے باوجود اہل قریش آپ کو ستاتے رہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت حمزہؓ ایمان لے آئے تاہم ستانے میں کمی نہ کرتے۔ اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان عبادت کرنے کیلئے دار ارقم میں جمع ہوتے جو صفا پر واقعہ تھا۔ یہ گھر بالکل خانہ کعبہ کے سامنے تھا۔ کچھ شمشیر بدست نگرانی کرتے کیونکہ قریش کے حملے کا ہر دم کھٹکا لگا رہتا تھا۔ حضرت حمزہؓ نے دین اسلام قبول کر لیا تو اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد تیس سے تجاوز کر گئی۔

سرداران قریش کی طرف سے تحریص و تخویف

قریش نے جب دیکھا کہ حضرت حمزہؓ بھی اسلام لے آئے ہیں اور دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ تو ابوجہل' عتبہ اور شیبہ' ولید بن مغیرہ اور امیہ بن خلف اسود بن عبدالمطلب اور دیگر روسائے قریش نے مشورہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے کیلئے عتبہ بن ربیعہ کو منتخب کیا۔ عتبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر کہا۔ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے حسب و نسب لائق فائق ہونے میں کوئی تردد نہیں مگر آپ نے تمام قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آباؤ اجداد کو احمق و نادان بتلاتے ہیں۔ اس لئے

میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان باتوں سے آپ کا کیا مقصد ہے۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مال و دولت کے خواہاں ہیں تو ہم سب مل کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ بڑے سے بڑا امیر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہمسری نہ کر سکے۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شادی کرنا چاہتے ہیں تو جس عورت سے اور جتنی عورتوں سے چاہیں ہم شادی کر دیں گے اور اگر عزت اور سرداری مطلوب ہے تو ہم آپ کو بادشاہ بنا دیں گے۔ اگر آپ کو کوئی آسیب ہے تو ہم علاج کرا دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اے ابو الولید! مجھ کو نہ تمہارا مال و دولت درکار ہے اور نہ تمہاری حکومت اور سرداری مطلوب ہے۔ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب نازل کی ہے۔ مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تم کو اللہ کے ثواب کی بشارت دوں اور اس کے عذاب سے ڈراؤں۔ میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور بطور نصیحت و خیر خواہی اس سے آگاہ کر دیا۔ اگر تم اس کو قبول کرو تو تمہارے لئے سعادت ہے اور اگر نہ مانو تو میں صبر کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

میری حقیقت تم کو قرآن کے اس کلام سے معلوم ہو گی۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝

(سورۃ حٰم السجدۃ۔ 1-6)

حامیم ۝ یہ خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے ۝ ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں (یعنی) عربی زبان کا قرآن' ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں ۝ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ۝ مگر ان لوگوں میں سے اکثر نے اس سے روگردانی کی

اور وہ سن کر نہیں دیتے ○ کہتے ہیں "جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کیلئے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے۔ تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کئے جائیں گے ○ اے نبیؐ ان سے کہہ دیجئے میں تو ایک بشر ہوں، تم جیسا، مجھے وحی کے ذریعے بتایا جاتا ہے کہ تمہارا خدا تو ایسا خدا ہے جو ایک ہی ہے۔ لہٰذا تم سیدھے اسی کا رخ اختیار کرو اور اسی سے معافی چاہو...... مشرکین کیلئے تو ہلاکت ہے ○

کلام پاک سننے سے عتبہ پر ایک محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ ہاتھوں پر سہارا لئے اور گردن پشت پر ڈالے ہوئے سنتا رہا اور بالآخر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔ قریش جو نتیجہ ملاقات معلوم کرنے کے مشتاق تھے، سردار عتبہ کے پاس جمع ہوئے۔ پوچھا کیا دیکھا کیا سنا عتبہ بولا 'یا معشر القریش میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے نہ شعر نہ جادو نہ منتر۔ تم میرا کہا مانو میری رائے پر چلو۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا عتبہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جادو چل گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام

اہل مکہ اسلام کی روز افزوں وسعت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ لہٰذا دارالندوہ یعنی مجلس شوریٰ میں جمع ہوئے تاکہ دین جدید کے خاتمہ کی کوئی سبیل نکالیں مگر وہ کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکے۔ عرب سرداروں میں سے ایک شخص کا نام عمر تھا۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو عمر نے کہا میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دوں گا اور ان کے شر سے اہل مکہ کو آسودہ کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ مکہ کے باعزم مرد تھے اور سب سے بلند قامت بھی تھے۔ ان کے منہ سے جو کچھ نکل جاتا اسے رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہجرت سے آٹھ سال پہلے سنہ 614 عیسوی میں آپ کے شہید کرنے کا عزم کیا۔ اس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چند مسلمان دار ارقم جو صفا پہاڑ پر واقع تھا، میں جمع تھے۔ حضرت عمر نے تلوار نکالی اور کوہ صفا کی طرف چل دیئے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ یہ اسلام لا چکے تھے۔ حضرت نعیمؓ نے آپ سے دریافت کیا اے عمر! کہاں کا ارادہ ہے۔ حضرت عمر بہت بلند آواز تھے۔ چیخ کر بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین جدید نے مکہ میں نفاق ڈال دیا ہے۔ انہوں نے ہمارے اجداد کو برا بھلا کہا ہے۔ ہمارے بزرگوں کے

عقیدے کو خاک میں ملا دیا ہے اور کہتا ہے۔ ہم اپنے خداؤں کی پرستش چھوڑ دیں۔ میں نے آج تک صبر کیا مگر آج میں ان کی بیبا کی اور توہین سے تنگ آ گیا ہوں۔ میں جا رہا ہوں تا کہ انہیں قتل کر کے اہل مکہ کو ان کے شر سے محفوظ کر دوں۔ حضرت نعیمؓ جانتے تھے کہ حضرت عمر ایک سادہ، صادق القول، شریف اور راست گو انسان ہیں۔ ان کی بات کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس بنا پر وہ حضرت عمرؓ کے پیچھے دوڑے اور کہا عمر ذرا ٹھہر و تو سہی، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ عمر ٹھہر گئے۔ حضرت نعیم بن عبداللہؓ بولے اے عمر! آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر چراغ پا ہیں۔ اس سے پیشتر کہ آپ مکہ کے نفاق کا علاج کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اپنے گھر کی اصلاح کریں۔ آپ کے قریبی عزیزوں میں سے ایک تو آپ کی بہن فاطمہ زوجہ سعید بن زید ہیں۔ پہلے ان کی اصلاح کیجیے۔ حضرت عمر حضرت نعیمؓ کی باتوں سے قائل ہو گئے۔ بہنوئی کے گھر کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ ان کی بہن فاطمہ، ان کے شوہر سعید بن زید اور ایک تیسرا شخص خباب تینوں قرآن پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمر نے کوڑا اٹھایا اور بہن پر برس پڑے۔ اتنا مارا کہ بدن کے مختلف حصوں سے خون جاری ہو گیا۔ کہنے لگے کہ محمد کے دین کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ فاطمہؓ نے کہا آپ مارتے مارتے مجھے مار بھی ڈالیں تب بھی میں ایسا نہیں کروں گی۔ اگر آپ قرآن پڑھیں گے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ دین محمدی برحق ہے۔ یہاں دو روایتیں ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعید بن زیدؓ کے ہاتھ سے قرآن کو چھین کر پڑھنا شروع کیا۔ دوسری یہ کہ انہوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید سے کہا مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ یہ بات انہوں نے اس لئے کہی تھی تا کہ دیکھیں کہ قرآن ایسا کیا اثر رکھتا ہے کہ ہمشیرہ کہہ رہی ہیں اگر آپ قرآن کو سنیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ دین برحق ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ نے ان آیات کو سنا بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ اپنے بہن کی پیشانی کو بوسہ دیا اور معافی چاہی اور کہا میں ابھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے وضو کیا اور صحیفہ مطہرہ کو ہاتھ میں لیا جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ پڑھنا شروع کی یہاں تک کہ اس آیت تک پہنچے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ○

(سورۃ طٰہٰ۔14)

بیشک میں ہی اللہ ہوں، نہیں ہے کوئی معبود سوائے میرے پس میری ہی عبادت کرو اور قائم کرو نماز میری یاد کیلئے ۝

بے ساختہ بول اٹھے مَا اَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامَ وَاَكْرَمَهٗ کیا ہی اچھا اور بزرگ کلام ہے۔ حضرت خبابؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ کہتے سن کر کہا' اے عمر! تم کو بشارت ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تمہارے حق میں قبول ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا' اے خباب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چلو۔ اسی وقت وہ تینوں حضرت عمرؓ کے ساتھ دار ارقم کی طرف چل پڑے۔ جو کوہ صفا پر واقع تھا۔ وہاں جو مسلمان تھے حضرت عمرؓ کو اس حالت میں آتے دیکھ کر خیال کیا کہ قتل وقتال کے ارادہ سے آ رہے ہیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے انہیں مطمئن کیا اور کہا میں اسلام لانے آیا ہوں۔ عمر بن الخطاب چالیسویں شخص ہیں جو اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی۔ انہیں صدر اسلام کی تاریخ کا سب سے بڑا اور موثر کردار سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ حضرت عمر دین قدیم کی بلند ترین شخصیتوں میں سے تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمر بلند قامت' قوی شانوں والے اور بلند آواز والے تھے۔ جب وہ کڑک کر بولتے تو ان کی آواز بہت دور تک سنائی دیتی۔ وہ دن میں صرف پانچ لقمے روٹی کھاتے تھے۔ بعید نہیں کہ مافوق الفطرت کام انجام دینے کی بنیاد یہی عادت ہو۔ جب خلیفہ بنے تو مسلسل پندرہ رات دن بلا انقطاع کام کرتے۔ آپ کبھی کسی مجرم کی سزا سے صرف نظر نہ کرتے نہ سزا میں تخفیف کرتے مگر یہ بھی ممکن تھا کہ کسی بے گناہ کو سزا دیں۔ آپ دس سال خلیفہ رہے اور اس قلیل عرصہ میں دنیا کی تین بڑی سلطنتوں کو پلٹ کر رکھ دیا یعنی ایران' مصر اور شام' باوجود یہ کہ آپ دنیائے قدیم کے ایک بڑے حصہ پر حکومت کر رہے تھے۔ لیکن زمین پر بوریا بچھا کر بیٹھتے جو کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ہوتا اور دونوں وقت صرف پانچ لقمے کھاتے۔

(محمد رسول اللہ' مصنفہ کونستن ویرژیل گیور گیو ترجمہ: عبدالصمد صارم۔ (89-90))

حضرت عمرؓ نے اسلام لاتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم خانہ کعبہ میں عبادت کریں گے۔ مسلمان پہلی بار اجتماعی صورت میں کعبہ میں پہنچے اور نماز ادا کی۔ ابوجہل' ابوسفیان' ابولہب اور تمام اہل قریش کے بڑے بڑے لوگ جرأت نہ کر سکے کہ دخل اندازی

کریں۔ مسلمان عبادت کے بعد کعبہ سے باہر نکلے تو حضرت عمرؓ نے مشائخ قریش سے کہا کہ آج سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے بارے میں اگر کچھ کہنا چاہتے تو تو مجھ سے کہنا۔ آج سے مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس دن آپ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ مبارک تک پہنچا آئے۔ کسی کو بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ ایک بھی ناروا کلمہ زبان پر لائے۔ سرداران قریش ڈر گئے۔ کیونکہ وہ حضرت عمر کی دلیری، عزم، غیرت اور وفاداری سے خوب شناسا تھے۔ اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ شیطان عمر بن الخطاب سے بھاگتا ہے۔

نزول قُلْ یٰاَیُّھَاالْکٰفِرُوْن

قریش نے آپ سے درخواست کی کہ یا تو آپ ہمارے بتوں کی مذمت سے باز آ جائیں یا ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پرستش کریں اور ایک سال ہم آپ کے خدا کے عبادت اور بندگی کریں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝

(سورۃ الکافرون)

کہہ دو کہ اے کافرو! ۝ نہیں عبادت کرتا میں جن کی عبادت کرتے ہو تم ۝ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی عبادت کرتا ہوں میں ۝ اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں ان کی جن کی عبادت تم نے کی ۝ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں ۝ تمہارے لئے ہے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ۝

دشمنان اسلام

اعلان توحید اور اعلان دعوت کے بعد عام طور پر سارے اہل مکہ آپ کے دشمن ہو چکے تھے مگر جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی اور عداوت میں پیش پیش تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابوجہل بن ہشام ابولہب بن عبدالمطلب' اسود بن عبدیغوث' حارث بن قیس' ولید بن مغیرہ' امیہ بخلف' ابی بن خلف' ابوقیس بن الفاکہ' عاص بن وائل نضر بن الحارث' عتبہ بن الحجاج' زبیر بن ابی امیہ' صائب بن صیفی' اسود بن عبدالاسد' عاص بن سعید' عاصی بن ہاشم' عتبہ بن ابی معیط' ابن الاصدی حکم بن العاص' عدی بن حمرا' ان میں سے اکثر آپ کے ہمسایہ تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنان خاص کا کچھ مختصر حال بیان کرنا ضروری ہے۔

ابوجہل بن ہشام

یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا فرعون تھا۔ آپ کی دشمنی اور عداوت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتا۔ مرتے وقت جو پیغام اس نے دیا ہے' اس کا مفصل بیان غزوہ بدر کے واقعات میں آئے گا۔ اس سے قارئین کرام کو ابوجہل کی عداوت اور دشمنی کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا۔

ابوجہل کا اصل نام ابوالحکم عمر بن ہشام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل کا لقب عطا فرمایا۔ ابوجہل کہا کرتا تھا میرا نام عزیز وکریم ہے یعنی عزت والا اور سردار۔

ابولہب

ابولہب کنیت تھی' نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل قریش کو جمع کر کے اللہ کا پیغام پہنچایا تو سب سے پہلے ابولہب نے تکذیب کی اور کہا۔

تبالك سائر اليوم الهذا جمعتنا

اللہ تجھ کو ہلاک کرے کیا ہم کو اسی لئے جمع کیا تھا

اس پر سورت ''تبت یدا'' نازل ہوئی۔ ابولہب چونکہ مالدار تھا اس لئے جب اس کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا۔ تو کہتا اگر میرے بھیجتے کی بات حق ہے۔ تو قیامت کے دن مال اور اولاد کا فدیہ دیکر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ ما اغنی عنه ماله وما كسب میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب یعنی ابوسفیان کی بہن کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص عداوت تھی۔ شب کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھا

دیا کرتی تھی۔ جب اسے سورت تبت یدا کے نازل ہونے کی خبر ہوئی تو ایک پتھر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارنے کیلئے نکلی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ ام جمیل وہاں پہنچی اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا۔ اس کو صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ نظر آئے۔ ام جمیل نے کہا اگر اس وقت تمہارے ساتھی کو پاتی تو اسے پتھر سے مارتی۔ واقعہ بدر کے سات روز بعد ابولہب کے ایک زہریلا دانہ نکلا اور اسی سے ہلاک ہو گیا۔ گھر والوں نے اس اندیشہ سے کہ یہ بیماری ہم کو نہ لگ جائے تین دن لاش کو اپنی جگہ رہنے دیا اور وہ پڑے پڑے سڑ گئی۔ چند حبشی مزدوروں نے گڑھا کھود کر لاش کو اس میں ڈال دیا۔ یہ تو دنیا میں ذلت ورسوائی ہوئی' آخرت کی رسوائی کا پوچھنا ہی کیا۔

ابولہب کے تین بیٹے تھے۔ عتبہ' معتب اور عتیبہ۔ پہلے دو فتح مکہ کے روز مشرف بہ اسلام ہوئے عتیبہ جس نے ابولہب کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کو طلاق دی تھی وہ ہلاک ہوا۔

امیہ بن خلف جمحی

امیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی الاعلان گالیاں دیا کرتا تھا۔ امیہ بن خلف جنگ بدر میں حضرت خبیبؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

ابی بن خلف

ابی بن خلف بھی اپنے بھائی کے قدم بقدم تھا۔ ایک روز بوسیدہ ہڈی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس کو ہاتھ میں مل کر اس کی خاک کو اڑا کر کہنے لگا کیا خدا اس کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ہاں' اس کو اور تیری ہڈیوں کو ایسا ہی ہو جانے کے بعد پھر زندہ کرے گا اور تجھ کو آگ میں ڈالے گا۔ ابی بن خلف جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے مارا گیا۔

عقبہ بن ابی معیط

عقبہ ابی بن خلف کا دوست تھا۔ عقبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جایا کرتا

تھا۔ ابی بن خلف کو یہ بات ناگوار گزرتی۔ عقبہ جنگ بدر میں اسیر ہوا اور مقام صفرا میں پہنچ کر اس کی گردن ماری گئی۔

ولید بن مغیرہ

ولید بن مغیرہ کہا کرتا تھا کہ تعجب کی بات ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو اور میں اور ابومسعود ثقفی چھوڑ دیے جائیں۔ حالانکہ ہم دونوں اپنے اپنے شہر کے بڑے معزز ہیں۔ میں قریش کا سردار ہوں اور ابومسعود قبیلہ ثقیف کا سردار ہے۔ نبوت و رسالت کا مدار مال و دولت پر نہیں نہ ہی دنیاوی عزت و وجاہت پر منحصر ہے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ولید بن مغیرہ امیہ بن خلف ابوجہل عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ و دیگر سرداران قریش اسلام کے متعلق کچھ دریافت کرنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سمجھانے میں مشغول تھے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کے نابینا موذن کچھ دریافت کرنے کیلئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام مکتوم کی طرف التفات نہ فرمایا، مگر خداوند ذوالجلال کی رحمت جوش میں آئی اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۙ أَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۙ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۭ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۭ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ جَاۗءَكَ يَسْعٰى ۙ وَهُوَ يَخْشٰى ۙ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ

(سورۃ عبس۔ 1-10)

ترش رو ہوا اور بے رخی برتی ○ اس بات پر کہ وہ نابینا اس کے پاس آیا ○ تمہیں کیا خبر شائد وہ سدھر جائے ○ نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کیلئے نافع ہو ○ جو شخص بے پرواہی برتتا ہے ○ اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو ○ حالانکہ وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے ○ اور جو خود تمہارے پاس دوڑا ہوا آتا ہے ○ اور وہ ڈر رہا ہے (اللہ سے) تم اس سے بے رخی برتتے ہو ○

آپ ایک نابینا کے آنے سے چیں بجبیں ہوئے اور بے اعتنائی برتی۔ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو کیا معلوم شاید یہی نابینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے وصاف ہو جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت اس کو کچھ نفع پہنچائے اور جس شخص نے بے پرواہی کی اس کی طرف متوجہ ہوئے حالانکہ وہ اگر پاک وصاف نہ ہوتو آپ پر کوئی الزام نہیں اور جو شخص دین کے شوق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دوڑتا ہوا اور خدا سے ڈرتا ہوا آتا ہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے اعتنائی کرتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی عبداللہ بن ام مکتوم حاضر ہوتے تو آپ ان کیلئے اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے مرحبا ہو اس شخص کو جس کے بارے میں میرے پروردگار نے مجھ کو عتاب فرمایا۔

ابوقیس بن الفاکہ

یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید ایذا پہنچاتا تھا۔ ابوجہل کا خاص معین ومددگار تھا۔ ابوقیس جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

(ابن اثیر' ج2' صفحہ 26)

نضر بن حارث

نضر بن حارث سرداران قریش میں سے تھا۔ تجارت کیلئے ایران جاتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں میں تم کو رستم وسہراب کے قصے سناتا ہوں۔ لوگوں کو یہ افسانے دلچسپ معلوم ہوتے تھے۔ ایک مغنیہ لونڈی بھی رکھی تھی' جو لوگوں کو گانے سناتی تھی۔ نضر بن حارث جنگ بدر میں گرفتار ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی گردن ماردی۔

(ابن اثیر' ج2' صفحہ 27)

عاص بن وائل

عاص بن وائل سہمی یعنی حضرت عمرو بن عاص کے والد بھی ان لوگوں میں سے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے آپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئے۔ عاص بن وائل نے کہا (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ابتر ہیں۔ ان کا کوئی لڑکا زندہ ہی نہیں رہتا۔ ابتر دُم کٹے جانور کو کہتے ہیں۔ جس شخص کا کوئی نام لیوا ہی نہ ہو گویا وہ شخص دم کٹا ہوا جانور ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ

یعنی آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا لاکھوں اور کروڑوں ہیں اور فی زمانہ ایک ارب بیس کروڑ مسلمان ہیں۔ ہجرت کے ایک ماہ بعد عاص کو کسی جانور نے کاٹا جس سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔

(ابن اثیر' ج 2' صفحہ 26)

نبیہ ومنبہ پسران حجاج

نبیہ اور منبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شدید دشمن تھے۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے تو کہتے کہ کیا خدا کو ان کے سوا اور کوئی پیغمبر بنانے کیلئے نہیں ملا تھا۔ دونوں جنگ بدر میں مارے گئے۔

اسود بن مطلب

اسود بن مطلب اور اس کے ساتھی جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کے ساتھ دیکھتے تو آنکھیں مٹکاتے اور کہتے یہی ہیں وہ لوگ جو روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے۔ زمین کے بادشاہ ہوں گے۔ یہ کہہ کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی چنانچہ اسود نابینا ہو گیا اور بیٹا جنگ بدر میں مارا گیا۔

اسود بن عبدیغوث

اسود بن عبدیغوث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں کا بیٹا تھا' جس کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ اسود بن عبدیغوث بن وہب بن مناف بن زہرہ۔ یہ آپ کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا تو کہتا آج آسمان سے کوئی بات نہیں ہوئی اور اس قسم کے بے ہودہ کلمات کہتا۔

(ابن اثیر' ج 2' صفحہ 26)

حارث بن قیس سہمی

حارث بن قیس کو ماں کی نسبت سے حارث بن عیطلہ بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی ان لوگوں میں تھا جو آپ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ استہزا اور تمسخر کیا کرتا تھا اور کہا کرتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو یہ سمجھا کر دھوکہ دے رکھا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے۔ زیادہ ہنسی اڑانے والے یہ پانچ شخص تھے۔

اسود بن یغوث' ولید بن مغیرہ' اسود بن عبدالمطلب' عاص بن وائل اور حارث بن قیس۔ جب ان لوگوں کا استہزا حد سے گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کیلئے یہ آیات نازل فرمائیں

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ○

(سورۃ الحجر 95-94)

سو (اے نبیؐ) صاف صاف اعلان کردو ان باتوں کا جن کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اور پروا نہ کرو مشرکوں کی ○ یقیناً ہم کافی ہیں تمہاری طرف سے (خبر لینے کو) ان مذاق اڑانے والوں کی ○

مسلمانوں کی پہلی ہجرت

مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ لوگ دن بدن حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں اور روز بروز اسلام کا دائرہ وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔تو وہ سہم گئے اور متفقہ طور پر مسلمانوں کی ایذا رسانی پر آمادہ ہو گئے۔ادھر حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر ابن الخطابؓ کو بھی آپ کا حامی پایا لہذا انہوں نے عزم بالجزم کرلیا کہ ایک سکیم کے تحت مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کریں۔قرآن نے کافروں کے اس اقدام کو فتنہ کا نام دیا۔وہ لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اس پوزیشن میں نہ تھے کہ مشرکوں کی تکالیف کا سامنا کرسکیں۔کافروں نے اہل مکہ کو تاکید کردی تھی کہ مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ کریں' نہ ان سے کچھ خریدیں نہ کوئی چیز ان کے ہاتھوں فروخت کریں' نہ انہیں بیٹی دیں اور نہ ہی ان سے بیٹی لیں۔مکہ جیسی سرزمین میں جہاں ذریعہ معاش سوداگری کے بغیر کچھ نہ تھا'اس حکم نے مسلمانوں کی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اقدام کیا کہ آپ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف روانہ ہونے کی اجازت دے دی اور فرمایا''تم اللہ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ۔یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔صحابہ نے عرض کیا کہاں جائیں۔آپ نے ملک حبش کی طرف اشارہ فرمایا۔

آپ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ خاموشی کے ساتھ چلے جائیں تاکہ قریشیوں کو اطلاع نہ ملے۔ حبشہ میں ایک ایسے بادشاہ کی حکومت تھی جو کسی بھی مذہب والے کو آزار نہیں پہنچاتی تھی۔ وہاں ہر شخص اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرسکتا تھا۔ بشرطیکہ وہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کیلئے باعث آزار نہ ہو۔ چنانچہ ماہ رجب سنہ 5 نبوی میں درج ذیل حضرات نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

مرد

1- حضرت عثمان بن عفان
2- عبدالرحمٰن بن عوف
3- زبیر بن العوام
4- ابوحذیفہ بن عتبہ
5- مصعب بن عمیر
6- ابوسلمہ بن عبدالاسد
7- عثمان بن مظعون
8- عامر بن ربیعہ
9- سہیل بن بیضا
10- ابوسبرۃ بن ابی رہم عامری
11- حاطب بن عمرو
12- عبداللہ بن مسعود

عورتیں

1- حضرت رقیہ یعنی نبی کریمؐ کی صاحبزادی حضرت عثمان کی زوجہ
2- سہیلہ بنت سہیل ابوحذیفہ کی بیوی
3- ام سلمہ بنت ابی امیہ ابوسلمہ کی بیوی جو ابو سلمہ کی وفات کے بعد رسول خداؐ کی زوجیت سے مشرف ہو کر ام المومنین کے لقب سے ملقب ہوئیں۔
4- لیلیٰ بنت ابی خیثمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی
5- ام کلثوم سہیل بن عمر ابوسبرۃ کی بیوی

یہ بارہ مرد اور پانچ عورتیں چھپ کر روانہ ہوئے۔ بعض سوار تھے اور بعض پیادہ۔ جب بندرگاہ پر پہنچے تو تجارتی کشتیاں حبشہ جانے والی تیار تھیں۔ پانچ درہم لے کر ان سب کو سوار کر دیا۔ مشرکین مکہ کو خبر ہوئی تو پیچھے آدمی دوڑائے لیکن ان کے بندرگاہ پہنچنے سے پہلے کشتیاں

روانہ ہو چکی تھیں۔

(عیون الاثر' ج7' صفحہ 116)

اب مشرکین مکہ نے پہلے سے زیادہ ستانا شروع کیا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی اس وقت درج ذیل حضرات نے ہجرت فرمائی۔

مرد

1. حضرت جعفر بن ابی طالب
2. عمرو بن سعید بن العاص
3. خالد بن سعید بن العاص' عمرو بن سعید کے بھائی
4. عبداللہ بن جحش
5. عبیداللہ بن جحش جو حبشہ جا کر نصرانی ہو گئے
6. قیس بن عبداللہ
7. معیقیت بن ابی فاطمہ دوسی
8. عقبہ بن غزوان
9. زبیر بن العوام
10. ابوحذیفہ بن عقبہ
11. اسود بن نوفل
12. یزید بن زمعہ
13. عمرو بن امیہ
14. طبیب بن عمیر
15. مصعب بن عمیر
16. سویبط بن سعد
17. جہم بن قیس
18. عمرو بن جہم
19. ابوالروم بن عمیر
20. فراس بن النضر
21. عامر بن ابی وقاص
22. مطلب بن ازہر
23. عبداللہ بن مسعود
24. عتبہ بن مسعود
25. مقداد بن عمرو
26. حارث بن خالد
27. عمرو بن عثمان
28. ابوسلمہ بن عبدالاسد
29. شماس جن کو عثمان بن عبدالشرید کہتے ہیں
30. ہبار بن سفیان بن عبدالاسد
31. عبداللہ بن سفیان بن عبدالاسد
32. ہشام بن ابی حذیفہ

33- مسلمہ بن ہشام

34- عیاش بن ابی ربیعہ

35- معتب بن عوف

36- عثمان بن مظعون

37- سائب بن عثمان

38- قدامہ بن مظعون

39- عبداللہ بن مظعون

40- حاطب بن الحارث

41- محمد بن حاطب

42- حارث بن حاطب

43- خطاب بن الحارث

44- سفیان بن معمر

45- جابر بن سفیان

46- جنادہ بن سفیان

47- شرجیل بن حسنہ

48- عثمان بن ربیعہ

49- خنیس بن حذیفہ سہمی

50- قیس بن حذیفہ سہمی

51- حارث بن قیس سہمی

52- معمر بن حارث سہمی

53- بشر بن حارث سہمی

54- سعید بن عمرو سہمی

55- سعید بن حارث سہمی

56- سائب بن الحارث سہمی

57- عمیر بن شہاب سہمی

58- محمیۃ بن جز

59- معمر بن عبداللہ

60- عروہ بن عبدالعزیٰ

61- عدی بن فضلہ

62- نعمان بن عدی

63- عامر بن ربیعہ

64- ابوسبرۃ بن ابی رہم

65- عبداللہ بن مخرمہ

66- عبداللہ بن سہیل بن عمرو

67- سلیفہ بن عمرو

68- سکران بن عمرو

69- مالک بن ربیعہ

70- ابوحاطب بن عمرو

71- سعد بن خولہ

72- ابوعبیدہ بن الجراح

73- سہیل بن بیضاء

74- عمرو بن ابی سرح

75- عیاض بن زہیر

76- عمرو بن الحارث بن زہیر

77- عثمان بن عبد غنم

78- سعید بن عبد قیس

70- حارث بن عبد قیس

عورتیں

1- اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کی بیوی جن کے بطن سے عبداللہ بن جعفر پیدا ہوئے۔

2- فاطمہ بنت صفوان زوجہ عمرو بن سعید

3- امینہ بنت خلف زوجہ خالد بن سعید

4- ام حبیبہ بنت ابوسفیان زوجہ عبداللہ بعد وفات عبیداللہ بن جحش رسول خداؐ کی زوجیت میں آئیں۔

5- برکہ بنت یسار زوجہ قیس

6- ام حرملہ بنت عبدالاسود زوجہ جہم بن قیس

7- رملہ بنت عوف زوجہ مطلب بن ازہر

8- ربیبہ بنت حارث بن جبلہ زوجہ حارث بن خالد جس سے حبشہ میں موسیٰ عائشہؓ زینب اور فاطمہ پیدا ہوئے۔

9- ام سلمہ زوجہ ابوسلمہ جن سے حبشہ میں زینب پیدا ہوئیں جو ابوسلمہ کی وفات کے بعد رسول اللہ کی ربیبہ کہلائیں۔

10- فاطمہ بنت مجلل

11- فکیہہ بنت یسار

12- معہ بیوی حسنہ

13- ام کلثوم بنت سہیل

14- سودہ بنت زمعہ

15- عمرہ بن سعدی

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

(سیرۃ ابن ہشام ج 1 صفحہ 111 تا 114 عیون الاثر ج 1 صفحہ 116)

ابن ہشام نے مہاجرین حبشہ کے نام معہ قبائل نہایت تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ حافظ ابن سیدالناس نے عیون الاثر میں اختصار کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔

جب قریش کو پتہ چلا کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے دو نمائندے عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو حبشہ روانہ کیا تاکہ شاہ حبشہ سے درخواست کریں کہ

وہ مسلمانوں کو واپس کر دیں۔ یہ دونوں نمائندے شاہ حبشہ کے دربار میں گئے اور کہا۔

''اے بادشاہ! جن لوگوں کو آپ نے پناہ دی ہے یہ ہمارے مذہب کے باغی ہیں اور کل آپ کے مذہب پر بھی ہاتھ صاف کریں گے۔ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ ہم انہیں واپس مکہ لے جائیں گے اور انہیں ان کے خاندانوں کے حوالے کر دیں گے جو انہیں ہم سے طلب کرتے ہیں۔ شاہ حبشہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کو حاضر دربار کیا جائے۔ اس نے مسلمانوں سے کہا یہ دو شخص کہتے ہیں کہ تم بدکردار ہو لہٰذا تمہیں واپس مکہ بھیج دینا چاہیے۔ تم لوگ ان کے جواب میں کیا کہتے ہو۔''

حضرت جعفر بن ابی طالب آگے بڑھے اور کہا۔

''اے بادشاہ! ان سے دریافت کیجئے کیا ہم نے چوری کی ہے یا کسی کو قتل کیا ہے یا کوئی بری حرکت کی ہے۔ شاہ حبشہ نے ان دونوں سے پوچھا تو وہ بولے انہوں نے کوئی چوری یا قتل نہیں کیا۔ حضرت جعفر نے کہا اے بادشاہ! ہم بت پرست تھے' لہو لعب میں پڑے ہوئے تھے۔ شہوت رانی کرتے تھے۔ کمزوروں پر ظلم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ہم میں ایک پیغمبر محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا بت پرستی چھوڑ دو۔ خدائے واحد کی طرف رجوع کرو بت پرستی' شہوت رانی اور ظلم ستم سے ہاتھ کھینچ لو۔ ہم ان پر ایمان لے آئے۔ یہ لوگ ہمیں یہاں سے لیجانے کیلئے آئے ہیں۔ یہ بت پرست ہیں' پتھر اور لکڑی کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں ضعیفوں پر ظلم کرتے ہیں۔ جس دن سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں' قریش ہر موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ان پہ سنگ باری کرتے اور بدزبانی کرتے ہیں۔ شاہ حبشہ نے دونوں بیانات سن کر حکم دیا کہ وہ ہدیے جو عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید لائے ہیں' واپس کر دیے جائیں۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ یہ لوگ جو میرے شہر میں آئے ہیں میرے مقرب ہیں کیونکہ میری طرح خدائے واحد کی عبادت کرتے ہیں۔ لہٰذا میں انہیں اپنی مملکت سے نہیں نکال سکتا۔ جب قریش کے نمائندے ناکام واپس ہوئے تو بادشاہ نے حضرت جعفرؓ سے کہا' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ ارشادات مجھے سناؤ۔ حضرت جعفر نے شاہ نجاشی کو قرآن کریم کی سورہ مریم کی وہ آیات سنائیں جن میں حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برحق کہا گیا۔ حضرت جعفر طیارؓ نے سورہ مریم شروع کی یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ قف ؕ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۙ○ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ؕ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ز وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○

(سورۃ مریم۔33-29)

پس اشارہ کیا مریم نے بچے کی طرف...... وہ کہنے لگے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں۔ یہ تو ابھی گود میں چھوٹا سا بچہ ہے ○ (اس وقت وہ بچہ) بول اٹھا۔ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے ○ میں جہاں بھی ہوں اس نے مجھے برکت والا کیا ہے اور جب تک زندہ رہوں' مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہے ○ (اور حکم دیا ہے کہ) اپنی والدہ کا حق شناس رہوں۔ اس نے مجھے سرکش اور بد بخت نہیں بنایا ○ اور سلام ہے مجھ پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا ○

نجاشی عیسائی تھا۔ ان آیات کو سن کر زاروقطار رونے لگا اور اس کے درباری بھی رونے لگے۔ پھر اس نے کہا' تمہارا پیغمبر خدا رسیدہ اور سچا انسان ہے۔ جب تک جی چاہے میرے ملک میں رہو۔ تمہیں یہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا۔

جو مسلمان حبشہ گئے' وہ آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ انہیں قریش کے ستانے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ یہاں مسلمانوں کو یہ صدمہ لاحق ہوا کہ عبیداللہ بن جحش اور سکران بن عمرو کلیساؤں کی عظمت دیکھ کر عیسائی ہو گئے۔

حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء نے جب حبشہ سے مدینہ منورہ کا قصد کیا تو شاہ نجاشی نے سب کا سفر خرچ اور زادراہ دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اپنے نمائندے کے ہاتھ کچھ ہدیہ اور تحائف روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں اور

آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے استغفار یعنی دعائے مغفرت فرمائیں۔ حضرت جعفرؓ کی واپسی پر نجاشی کے قاصد نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جعفرؓ آپ کے سامنے موجود ہیں ان سے دریافت فرمائیں کہ ہمارے بادشاہ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے گواہی دی کہ شاہ نجاشی نے ہمارے ساتھ نیکی کا معاملہ کیا ہے یہاں تک کہ چلتے وقت ہم کو سواری دی' توشہ دیا' ہماری امداد کی اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور یہ بھی گواہی دی کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے درخواست کی کہ آپ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے' وضو کیا اور تین بار یہ دعا فرمائی "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلنَّجَاشِیْ" اے اللہ! نجاشی کی مغفرت فرما یا اور سب مسلمانوں نے آمین کہا۔

قریشیوں نے جب مسلمانوں کو حبشہ میں آرام کی زندگی بسر کرتے دیکھا تو انہوں نے جل کر مسلمانوں کو اور زیادہ ستانا شروع کیا۔ ابوجہل مسلمانان مکہ کو ورغلاتا اور اگر اشراف مکہ اس کی بات نہ مانتے تو ان کی بہت تحقیر و تذلیل کرتا اور کہتا "شرم نہیں آتی۔ باپ دادا کے دین کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ تم اس سرزمین میں کیسے زندہ رہ سکتے ہو' اگر مسلمان تاجر ہوتا تو اس سے کہتا آج کے بعد تجھ سے کاروبار بند' کوئی تم سے سودا خریدے گا نہ تیرے ہاتھ کچھ فروخت کرے گا۔ جن لوگوں کے ذمہ تیرا کچھ آتا ہے وہ ایک حبہ نہیں دے گا۔ مسلمانوں سے کسی قسم کا معاملہ کرنا حرام قرار دیا گیا۔ مگر مسلمانوں کا مال کھانا حلال ٹھہرایا گیا۔ مسلمانوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا جائے' لیکن ان کے ذمہ جو کچھ ہو جبراً وصول کیا جائے۔

مکہ کے تاجروں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت ایسی تھی جو بلاخوف علی الاعلان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کی طرف داری کرتی تھی۔ قریش ان سے لین دین نہ کرتے تھے اور جس کے ذمہ ان کا قرضہ تھا کوئی بھی ادا نہ کرتا تھا۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی وفاداری میں کمی نہ آئی۔ انہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کیلئے وقف کر دیا۔ اسلام کا صرف یہی ایک خزانچی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مکہ سے ہجرت نہ کی کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا نہ چھوڑنا چاہتے تھے البتہ ایک دفعہ موقع ایسا آ گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین ہو گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ سے نہ گئے تو شہید کر دیئے

جائیں گے' چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ مکہ سے چلے جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بادل ناخواستہ جنوبی عربستان کی راہ لی۔ جو آج کل یمن کہلاتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ سے جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک بڑا قبیلہ رہتا تھا' جس کا سردار رفاعی تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ ایک تباہ کار کی طرح مکہ سے روانہ ہوئے تو وہ آپ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ آپ اس طرح مکہ سے نہیں جاسکتے۔ آپ نے کہا قریش مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اس لئے میں وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلا ہوں۔ رفاعی انہیں لے کر مکہ پہنچا اور قریشیوں سے کہا یہ میری پناہ میں ہیں۔ جو کوئی انہیں تکلیف پہنچائے گا میں اسے بھگتوں گا۔ رفاعی کا قبیلہ بڑا جنگ جو تھا۔ قریش نے رفاعی قبیلہ کے خوف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کچھ نہ کہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب اپنے آپ کو قدرے محفوظ پایا تو اپنے گھر میں ایک چھوٹی سے مسجد تعمیر کرلی جہاں ہر شب بلند آواز اور خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ اہل قریش نے یہ دیکھا تو رفاعی کو پیغام بھیجا اور کہلایا کہ تم نے ابوبکرؓ کو پناہ دی ہے ان سے کہو کہ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھا کریں کیونکہ لوگ ان کے گھر کے پیچھے جمع ہو جاتے ہیں' جس سے شہر مکہ کے نظم ونسق پر برا اثر پڑتا ہے۔ رفاعی نے حضرت ابوبکرؓ کو پیغام بھیجا کہ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھا کریں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں فرمایا کہ میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر تو حق پناہ واپس لینا چاہتا ہے تو بے شک لے لے۔ اس کے بعد میں بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح خدا کی پناہ لے لوں گا۔

داستان غرانیق

مسلمان مہاجرین حبشہ میں آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس اثناء میں حضرت عمر بن خطابؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حبشہ میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قریش نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی دل آزاری ترک کردی ہے۔ ان حالات میں مہاجرین حبشہ نے واپسی کا رخ کیا۔ لیکن مکہ پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر قریش کے مظالم پہلے سے بھی زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ مہاجرین اپنے ہمراہ کچھ اور مسلمانوں کو لے کر پھر حبشہ چلے گئے اور ہجرت مدینہ تک ان کا قیام حبشہ میں ہی رہا۔ قدرتاً یہ بات ذہن میں آتی ہے

کہ حبشہ سے مسلمانوں کی واپسی کا کیا سبب تھا۔ اس سلسلہ میں داستان غرانیق کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے جسے ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں اور طبری نے تاریخ الرسل والملوک اور ان کے علاوہ متعدد مورخین اسلام اور سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔ داستان غرانیق کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان مخاصمت کی خلیج وسیع تر ہوتی جا رہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آرزو کی کاش مجھ پر کوئی ایسی آیت نازل ہو جو قریش کو ناگوار نہ ہو۔ ایک دن کعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو سورہ ''النجم'' پڑھ کر سنائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت پر پہنچے۔

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ۝ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی ۝

(النجم۔ 20-19)

بھلا دیکھا ہے تم نے لات کو اور عزیٰ کو؟ ۝ اور تیسری ایک اور (دیوی) مناۃ کو ۝

تو آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے بیان کیے گئے ہیں۔

تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی ۝

یہ حسین اور بلند مرتبہ بت ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔

ان الفاظ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ النجم آخر تک تلاوت فرمائی اور جب اختتام پر سجدہ فرمایا۔ تو جتنے حاضرین تھے سب سربسجود ہو گئے اور قریش بے حد مسرور ہوئے اور کہنے لگے ''ہم بھی قائل ہیں کہ خدا حی و قیوم ہے لیکن ہمارے معبود اس کی بارگاہ میں سفارش کرتے ہیں'' لوگ کہنے لگے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے معبودوں کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو ہو گئے۔ لیکن جب وہ اپنے الفاظ سے پھر گئے ؟؟ اور پھر قریش کے معبودوں کو جھٹلانے لگے تو قریش نے پھر مسلم آزاری کا سلسلہ شروع کر دیا۔

داستان غرانیق کو مختلف روایات میں طرح طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ جھوٹی تہمت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شاق گزری۔ رات کو جبرئیل امین آئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ النجم پڑھ کر سنائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلک الغرانیق العلا۔ پر پہنچے تو جبریل امین نے کہا کہ ''یہ جملے میں نہیں لایا ہوں'' بعد میں وحی نازل ہوئی۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ
عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ
لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ۙ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ
الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○

(بنی اسرائیل-75-73)

(اے محمدؐ) ان لوگوں کی کوشش ہے کہ فتنے میں ڈال کر تمہیں اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تا کہ تم ہمارے نام پر کچھ اور بات گھڑ لو۔ ○ اگر تم ایسا کرتے تو اس صورت میں وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے ○ اور اگر ہم نے تم کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو بہت ممکن ہے کہ تم ان کی طرف جھک جاتے۔ ○ لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دگنا عذاب دیتے یعنی دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی اور پھر تم ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے ○

ان آیات کے نزول کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر اپنے طریقؑ کے مطابق معبودان قریش کی مذمت کرنے لگے اور قریش نے پھر مسلم آزاری کا وطیرہ اختیار کیا۔ یہ ہے داستان غرانیق۔ یہ داستان اتنی غیر مربوط اور اتنی مبہم ہے کہ بلا تامل اس کی بے سروپائی ظاہر ہو جاتی ہے۔ حیرت یہ ہے کہ مسلمان مفسرین اور مصنفین نے بھی اس داستان کو اہمیت دی البتہ مفسرو محدث ابن اسحاق نے اس داستان کے بارے میں کہا کہ یہ داستان زنادقہ کی من گھڑت ہے۔ اہم ترین دلیل اس فرضی داستان کی تردید میں سورہ النجم کی یہ آیات ہیں۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ
وَالْعُزّٰى ○ۙ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ○ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ
الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ
اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَ
هُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ○ۭ

(النجم-23-18)

بلاشبہ اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں O اب ذرا بتاؤ تم نے کبھی اس لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے؟ O اور اس تیسری ایک اور دیوی منات کو O کیا بیٹے تمہارے لئے ہیں اور بیٹیاں خدا کیلئے؟ O یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی O دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کیلئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم وگمان کی پیروی کررہے ہیں اور خواہشات نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے O

ان آیات سے واضح ہے کہ لات وعزیٰ صرف نام ہیں۔ جو مشرکین نے اپنے بتوں کے رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ یہ بات عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے لات وعزیٰ کی مدح کی ہو اور پھر مذمت۔ لہٰذا ثابت ہو جاتا ہے کہ داستان غرانیق من گھڑت ہے اور مشرکین نے اپنے مفاد میں وضع کی ہے۔ اس فرضی داستان کی تردید میں یہ دلیل بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ ''اصنام'' کیلئے ''غرانیق'' کے لفظ کا استعمال عربی میں کبھی نہیں کیا گیا اور نہ کبھی سننے میں آیا ہے۔ ''غرنوق یا غرانیق'' سفید یا سیاہ فام مرغابی یا جوان رعنا کیلئے مستعمل ہوا ہے اور ان میں سے کوئی بھی معبودیت کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوا۔ داستان غرانیق بے سروپائی کی دلیل ہم رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے بھی پیش کرسکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچپن یا عہد شباب میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق اور امین کہتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت کے بعد قریش سے فرمایا کہ ''اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک فوج ہے تو کیا تم اس کو باور کرلوگے؟ قریش نے جواب دیا۔ ہاں' کیوں نہیں۔ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے کوئی جھوٹی بات نہیں سنی۔ ایسا شخص جو دور کہولت تک راست گوئی میں مشہور رہا ہو وہ کس طرح لوگوں کی رضا جوئی کیلئے ایک غلط بات خدا سے منسوب کرسکتا ہے۔ بلند مرتبت انسان ایسی خفیف بات نہیں کرتے۔ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے۔ کہ وہ شخص جس نے یہ اعلان کیا ہو کہ ''اگر آفتاب میرے دائیں ہاتھ پر اور ماہتاب بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تو پھر بھی میں دعوت حق سے باز نہیں آؤں گا'' خدا پر بہتان باندھے اور ایک ایسی بات کہہ دے جو اس کے دین کی بنیاد کو متزلزل کرکے رکھ دے۔

داستان غرانیق کا ماحصل یہ ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش سے صلح کی سلسلہ جنبانی اور ان کے معبودوں کی مداح کی۔ یہ واقعہ کب ظہور پذیر ہوا؟ بعثت کے دو سال بعد جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کفار قریش کی ایذا رسانیوں کے شکنجوں سے قریب قریب نجات پا چکے تھے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام سے اسلام کو کافی تقویت پہنچی تھی۔ مسلمان ہر اعتبار سے اتنے قوی ہو چکے تھے کہ وہ قریش سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے قابل تھے۔ حبش اور دوسرے ممالک میں بھی آفتاب اسلام کی شعائیں پھوٹ نکلی تھی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت قدمی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثاروں کے ایثار کے نتائج قریب قریب آشکارا ہو چکے تھے۔ وہ وقت آ پہنچا تھا کہ اسلام کے دبے ہوئے نقوش ابھر کر چاروں طرف حقانیت کا پرچم بلند کریں۔ ایسے حالات میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا بنا بنایا کام بگاڑ کر بت پرستوں سے مصالحت فرمائیں۔ مختصر یہ کہ یہ داستان غیر معتبر اور نا قابل اعتماد ہے۔ اس کی بے سروپائی میں کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

برخود واضعین نے اپنے بیان کی لغویت پر پردہ ڈالنے کیلئے جھوٹ پر جھوٹ یہ بولا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے معبودوں کا حق شفاعت تسلیم کر لیا اور قریش اس روش سے مطمئن اور مسرور ہو گئے۔ دروغ گو داستان طرازوں کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ داستان غرانیق کا تھوڑا بہت بھرم رہ جائے۔ لیکن اس رویہ سے داستان اور بھی زیادہ بے وزن اور بے وقعت ہو جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ظہور اسلام کی ابتداء میں داستان غرنیق ان لوگوں نے وضع کی جو اپنے دل میں دین حق سے بیر اور اسلام سے کدر کھتے تھے۔ حیرت کا مقام ہے کہ داستان کے واضعی نے اسلام کی بنیاد پر حملہ کیا ہے اور توحید پر بھی افترا پردازی کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید کی نشر و اشاعت کیلئے مبعوث ہوئے تھے اور اس مقصد کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی تساہل نہیں برتا قریش نے مال منال اور جاہ و منصب کا لالچ دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پایہ ثبات میں سر مو لغزش نہ آئی۔ جب معدودے چند افراد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور مخالفین انہیں روز افزوں بے اندازہ تکلیفیں دے رہے تھے۔ اس کے باوجود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم و ہمت میں فرق نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

سیرت اور حالات زندگی سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کی تبلیغ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا۔ ان حالات میں داستان غرانیق کے واضعین کی جرأت موجب حیرت نہیں ہے۔ داستان غرانیق کی لغویت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اہل قریش اور مشرکین مکہ کو سخت اندیشہ تھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین کی مدد سے اپنی سرگرمیوں میں اور بھی اضافہ کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک جلسے میں یہ عہد کیا کہ

''ہم بنی ہاشم سے رشتے' ناطے' لین دین اور دوسرے تعلقات برقرار نہیں رکھیں گے اور بس چلے گا تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (نعوذ باللہ) ہلاک کر ڈالنے میں بھی پس وپیش نہیں کریں گے۔''

الختصر یہ کہ غرانیق کا قصہ بالکل لغو اور بیہودہ ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب سورۃ نجم کی ان آیات کی تلاوت کی ہو تو کسی شریر نے کہہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند لمحوں کیلئے ہی سہی بتوں کی عظمت کو تسلیم کر لیا تھا اور ان کی شفاعت کو پذیرائی کے لائق سمجھ لیا تھا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فی الواقعہ ایسا کرنا قطعی قرین قیاس نہیں۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نکات پر غور کرنا لازمی ہے۔

قرآن مجید نے منصب نبوت کے بارے میں جن خصائص کی تشریح کی ہے ان میں ایک خصوصی اہمیت یہ ہے کہ پیغمبر کسی بھی باطل سے سمجھوتا نہیں کرتا۔ کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ مصالحت اور تالیف قلب اپنی جگہ اچھی چیز ہے مگر پیغمبر اس کیلئے اس بنیادی عقیدہ سے انحراف نہیں کر سکتا کہ جس پر اس کی دعوت کا دارومدار ہوتا ہے۔ وہ اپنے منصب جلیل کے اعتبار سے ایک طرح سے مجبور ہے کہ توحید کے انوار کو عام کرتا رہے۔ منصب نبوت کے بارہ میں چند آیات ملاحظہ ہوں:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(الحجر۔94)

سو (اے نبیؐ) صاف صاف اعلان کر دو ان باتوں کا جن کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اور پروا نہ کرو مشرکوں کی ○ یقیناً ہم کافی ہیں تمہاری طرف سے (خبر لینے کو) ان مذاق اڑانے والوں کی۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے۔ اس کو صاف صاف

دیجئے اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ج اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ج اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ O

(سورۃ یونس جزوی آیت 15)

(اے محمدؐ) ان سے کہہ دیجئے' میرا کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں۔ میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے O

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کروں۔ بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ O لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ O ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ O

(سورۃ الحاقہ۔ 46-44)

اور اگر اس (نبی) نے خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے O

یعنی اگر یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ذمہ جھوٹی باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے' پھر ہم ان کی رگ دل کاٹ دیتے۔

کیا ان شواہد کے بعد بھی ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ بتوں کی تعریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ہونگے؟ محدثین کا قول ہے کہ یہ قصہ نہ تو روایت کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ عقل و درایت کے اعتبار سے درست ہے۔ آخری اور اہم نکتہ یہ ہے کہ سورۃ نجم کی جن آیات کے بعد اس جملہ کو بڑھایا گیا ہے۔ سیاق و سباق کے لحاظ سے اس کیلئے کوئی گنجائش نہیں نکلتی اگر اس قصہ کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مضمون و معنی کا پورا کارخانہ ہی مختل ہو کر رہ جائے گا۔

اگر غرانیق کے فرضی قصے میں کوئی صداقت ہوتی تو اہل طائف کے وفد جس نے ا
بتوں کیلئے تھوڑی سی مہلت کی درخواست کی تھی۔ پہلے دو سال کی مہلت' پھر ایک سال کی' پھر
مہینے کی' لیکن یہ درخواست منظور نہ کی گئی۔ آخر میں وہ صرف ایک مہینے کی مہلت پر اتر آئے' لیکن
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے موقف سے سرمو بھی نہ ٹلے۔ اسلام اور بتوں کا ایک ساتھ
موجود ہونا ناممکن تھا پھر انہوں نے نماز سے بریت کی درخواست کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآ
وسلم نے جواب دیا ''جس دین میں عبادت نہ ہو اس میں اور کیا بھلائی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے
وکرہاً سارے مطالبات منظور کر لیے اور بتوں کا کام ابوسفیان بن حرب اور عروہ کے قرابت دار
کو تفویض کیا گیا۔ بنو ثقیف کے قبول اسلام کے بعد جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ان
یمن' مہرہ' عمان' اور بحرین کے حمیری شہزادے اور یمامہ کے نزدیک آباد قبائل شامل تھے۔

شعب ابی طالب میں نظر بندی

ورقہ بن نوفل نے سنہ 610ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا '' کاش جس
زمانے میں آپ کی قوم آپ کو دیس سے نکال دے گی میں زندہ رہتا۔'' چنانچہ سنہ 616ء میں ا
قریش نے جب یہ دیکھا کہ بنو ہاشم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت سے کسی طرح دست کش
ہونے پر راضی نہیں۔ نیز یہ کہ جب قریش کی سفارت حبشہ سے ناکام واپس لوٹی اور یہ معلوم ہوا کہ
نجاشی نے حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے ساتھیوں کا بہتر احترام و اکرام کیا ہے۔ ادھر حضرت حمزہؓ ا
حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں جس سے کافروں کا زور ٹوٹ گیا ہے اور روز بروز مسلمانوں
کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کوئی حربہ دین حق کے دبانے میں کارگر ثابت نہیں ہوتا' تو تمام قبائل
نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ تیار کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنو ہاشم اور ان کے
تمام حامیوں سے یک لخت تمام تعلقات منقطع کیے جائیں اور تمام مسلمانوں کو مکہ سے خارج کر
دیں۔ ہاشمیوں سے لین دین' تجارتی تعلقات نہ رکھے جائیں۔ مکمل معاشی مقاطعہ کیا جائے تاکہ
ہاشمی تنگ آ کر خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے کر دیں یا نعوذ باللہ قتل کر دیں
لہٰذا خانہ کعبہ میں ایک تحریر لکھ کر آویزاں کر دی گئی۔ منصور بن عکرمہ نے اس ظالمانہ اور سفاکانہ صحیفہ
کو لکھا۔ بنو طالب نے مجبور ہو کر مع خاندان شعب ابی طالب میں پناہ لی۔ تین سال مسلسل

حصار میں سخت تکلیف کے ساتھ گزارے۔

اس صحیفہ میں یہ تحریر تھی:۔

1- کسی بھی باشندۂ مکہ کو کسی مسلمان کے ساتھ خواہ وہ مرد ہو یا عورت بات چیت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

2- کوئی باشندۂ مکہ کسی مسلمان سے مصافحہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گا' پلید قرار دیا جائے گا۔

3- مکہ کا کوئی باشندہ کسی مسلمان سے خرید و فروخت نہیں کر سکتا۔

4- مکہ کا کوئی بھی رہنے والا مسلمان سے بیٹی نہیں لے سکتا نہ دے سکتا ہے۔

5- جس کسی کے ذمہ مسلمان کا کچھ نکلتا ہے اسے ہرگز نہ دے۔

یہ احکام اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دین سے دست برداری نہیں دیں گے یا یہ کہ بنو ہاشم ان کی حمایت چھوڑ دیں گے۔ قریش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کر دینے کے مجاز ہوں گے۔

شعب ابی طالب میں مسلمانوں کو ایک خوفناک قحط سے دوچار ہونا پڑا۔ محاصرہ کی شدت اور عدم تعاون نے محصورین کیلئے قیامت برپا کر دی۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ بگوش صعوبتیں برداشت کرتے لیکن اپنی خودی کو مجروح نہ ہونے دیتے۔ آب و دانہ کی بندش نے ننھے بچے بھوک و پیاس کی شدت سے بلبلا اٹھے۔ ماؤں کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو گیا۔ صحابہ درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے ابال ابال کر کھاتے تھے لیکن منہ سے اف تک نہ کرتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن اخلاق و اخلاص کے مزید گرویدہ ہوتے گئے۔ ان تین سالوں میں بعض دفعہ مشائخ مکہ بیچ میں پڑے اور انہوں نے قریش سے کہا اب تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو مکہ میں آنے دو۔ قریشیوں نے جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دین چھوڑ دیں اور مکہ میں آ جائیں ورنہ موت کیلئے تیار ہو جائیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ بھوک کی تکلیف اٹھائی جانوروں کی کھالوں کو جوش دے کر پیا مگر اپنی رسالت سے انکار نہ کیا۔ تین سال کی نظر بندی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایک آزمائش تھی' جس سے نہایت خوبی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عہدہ برآ ہوئے بھوک اور

تکالیف آپ کو متزلزل نہ کر سکے۔

عام الحزن

اس دائمی رنج والم کے علاوہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ حضرت خدیجہؓ شدائد کی تاب نہ لاتے ہوئے بیمار ہو گئیں۔ دوا یا غذا کا مناسب انتظام نہ تھا۔ لہٰذا وہ شعب ابی طالب میں ہی انتقال کر گئیں اس زمانہ میں ان کی عمر پینسٹھ برس تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک پچاس سال تھی۔ دو سال تک آپ کو حضرت خدیجہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا بڑا صدمہ رہا پھر جب کبھی تادم واپسیں خیال آجاتا تو آنکھیں اشک آور ہو جاتیں۔ جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تو ان کیلئے کفن کا کپڑا تک نہ تھا۔ انہیں ان کے صوقہ (ڈوپٹہ) میں دفن کیا گیا۔ پیغمبر اسلام کی زوجہ مطہرہ کا کفن صرف ان کا صوقہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ ایک مخلص مسلمان تھیں۔ انہوں نے ابتداء میں اپنی دولت سے اسلام کی بڑی مدد کی۔ ابتداء میں وہ تنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غم خوار تھیں۔ جب بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہو کر گھر لوٹتے حضرت خدیجہؓ ہی زخم دھوتیں، پٹی باندھتیں، کپڑے بدلتیں اور تسلی و تشفی دیتیں۔

ابھی حضرت خدیجہؓ کا کفن میلا نہ ہونے پایا تھا کہ مسلمانوں پر ایک اور کاری ضرب لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب جن کی عمر چھیاسی سال تھی، وفات پا گئے۔ آپ کی وفات نے بنو ہاشم کو یتیم بنا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا رہ گئے۔ ابو طالب کی وفات پر ابولہب قبیلہ کا سردار مقرر ہوا۔ اس نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبیلہ سے خارج کر دیا۔ مطرود کا خون ہر قبیلہ کیلئے مباح ہوتا ہے۔ طائفہ قریش دس قبیلوں پر مشتمل تھا۔ اگر آپ کو نعوذ باللہ شہید کر دیا جاتا تو بنو ہاشم کسی سے خون بہا طلب نہیں کر سکتے تھے۔ ہاشمی قبیلہ کے دو افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو مرتبہ شہید کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے منصوبے میں ناکام رہے۔ ابو طالب کی فداکاریاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے یقیناً باعث حیرت ہیں۔

ابو طالب کے انتقال پر بنو ہاشم نے مجبوراً حسب رسوم عرب ابولہب کو اپنا سردار چن لیا چونکہ وہ مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ابو طالب کی وفات پر اتفاقاً قریش کی نظر صحیفہ پر پڑی دیکھا کہ دیمک کھا گئی ہے اور ان الفاظ کے بغیر کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

''اے صاحب خانہ تیرے نام سے''

اہل قریش نے دیکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لگائے جانے والے صحیفہ کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی محفوظ تھے۔ اہل قریش یہ دیکھ کر ڈر گئے لہٰذا جونہی ابولہب نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھی شعب ابی طالب سے نکل کر مکہ چلے آئیں تو سب نے اتفاق کیا۔ جب مسلمان شعب سے لوٹے تو سب کے سب کمزور تھے۔ ان کے چہروں پر صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں اور کھال کو دھوپ نے سیاہ کر دیا تھا۔ آخر تین سال کے کرب وانتظار کے محاصرہ اٹھایا گیا اور مقاطعہ کا خاتمہ ہوا۔

لوگوں نے ابولہب سے دریافت کیا کہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا پھر کیسے انہیں شعب سے لوٹانے پر راضی ہوا۔ اس نے کہا۔ چونکہ میں قبیلہ کا سردار بن گیا ہوں اس لئے میرا فرض ہے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حمایت کروں۔ مگر میں ان کے مذہب کا مخالف ہوں۔ ابولہب زیادہ دیر تک اسلام کی مخالفت سے نہ رکا' بلکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبیلہ سے نکال دینے کی ایک راہ پیدا کر لی۔

ابولہب نے تمام بنوہاشم کی دعوت کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تاکید کی کہ دعوت میں ضرور شریک ہوں۔ دعوت سے فارغ ہونے پر ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا میں آپ سے آپ کے دادا عبدالمطلب کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ بہشت میں ہیں یا دوزخ میں۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ توبہ کی یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى

(سورۃ توبہ۔113)

نبیؐ کیلئے اور ان لوگوں کیلئے جو ایمان لا چکے ہیں' یہ بات زیبا نہیں کہ وہ مشرکوں کیلئے مغفرت کی دعا کریں۔ اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں۔

پھر ابولہب نے ابوطالب کے بارے میں پوچھا آیا وہ بخشا گیا ہے یا نہیں۔ پھر ابولہب نے چند ایسے افراد کے نام لئے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی اجداد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر مندرجہ بالا آیت پڑھ کر سنائی اور کہا خدا کا حکم قطعی ہے اس میں کسی کا استثنا نہیں۔

آباؤ اجداد کی تغلیط اور ان کی توہین قوانین' رسوم اور تمام آداب عربیہ سے انکار کے مترادف تھیں چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلم کھلا اس مجلس میں تمام اجداد بنی ہاشم کو غلط کار قرار دے دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہرداری کے قائل نہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عقیدے کا اظہار صاف الفاظ میں کر دیتے تھے اور اس بات کی پرواہ نہ فرماتے تھے کہ سننے والے رنجیدہ ہوتے ہیں یا نہیں۔ ابولہب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبیلہ سے خارج کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت مطرود ہو جانے کے بعد یعنی قبیلہ سے خارج ہونے کے بعد بے سہارا کی سی ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل تنہا رہ گئے۔ اب حضرت خدیجہؓ تھیں نہ ابوطالب جیسا کوئی ہمدردی کرنے والا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو یکہ وتنہا دیکھا تو خدا سے التجا کی کہ اپنی پناہ میں لے لے اور وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آگئے بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین سے آسمان کی طرف لے گیا جس کو مسلمان معراج کہتے ہیں۔

معراج النبیؐ

معراج ماہ رجب کی 27 تاریخ سنہ 10 نبوت میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملکوت السماوات والارض کی سیر کرائی۔ حسب روایات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آسمانی سفر یعنی معراج دو مرحلوں میں طے ہوا۔ پہلا مرحلہ مکہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا بیت المقدس سے آسمان تک۔ صحیح مسلم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اس رات میں مکہ میں سویا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے گھر کی چھت پھٹ گئی ہے اور جبریل اس میں سے اندر آگئے ہیں۔ جبریل نے میرا سینہ چاک کیا اور اسے آب زم زم سے دھویا۔ پھر ایک برتن پر از حکمت لائے اور میرے سینے میں انڈیل دیا۔ پھر شگاف صدر کو بند کر دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اٹھو براق پر سوار ہو جاؤ۔ اوّل مسجد الحرام سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔

راستہ میں الخلیل (ھبرون) میں قیام کیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر بیت اللحم میں اترے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت گاہ ہے۔ یہاں بھی دعا کی اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور مسجد اقصیٰ میں پہنچے۔ یہاں سفر خاکی ختم ہوا اور دوسری منزل مسجد اقصیٰ سے شروع ہوئی۔ آسمان کی طرف روانہ ہونے سے پہلے اپنے پائے مبارک کا نشان قبۃ الصخرا پر ثبت فرمایا جہاں آجکل گنبد الصخرا اقصیٰ کے صحن میں واقع ہے۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو علما اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کو معراج کہتے ہیں۔ معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایک سیڑھی جنت سے لائی گئی جس کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آسمان پر تشریف لے گئے۔

(زرقانی' ج6' صفحہ 55-33)

براق پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین سے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے آسمان پر آپ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی جو انسانوں کے دو گروہوں کے درمیان کھڑے تھے۔ داہنی طرف بہشتی اور بائیں طرف دوزخ والے تھے۔ حضرت آدم داہنی طرف دیکھتے تو مسکراتے اور بائیں سمت دیکھتے تو رو دیتے تھے۔ کیونکہ وہ نوع بشر کے باپ ہیں اور ایک باپ کی طرح اپنی اولاد کی خوش حالی پر خوش ہوتے اور بدحالی پر روتے تھے۔ دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا' تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ چوتھے مین حضرت ادریس علیہ السلام' پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام' چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملے۔ آسمان ہفتم کے بعد ایک ایسا طبقہ نظر آیا جہاں سدرہ المنتہیٰ ایک درخت کی صورت میں نظر آیا۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے قلم کی آواز سن سکتے تھے مگر خدا کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل امین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو فرمائی اور ان سے آئندہ پروگرام کے بارے میں بات چیت کی اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کے ساتھ ہجرت فرمائیں۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے رخصت ہو کر زمین کی طرف لوٹنے لگے تو آپ کو حضرت موسیٰ کی طرح دس کی بجائے بارہ فرمان عطا ہوئے

جن کی تفصیل یہ ہے۔

1- مسلمان سوائے خدائے واحد کے کسی کی پرستش نہ کریں۔

2- ماں باپ سے محبت کریں اور ان کا احترام ملحوظ خاطر رکھیں۔

3- صلہ رحمی کریں۔

4- ضعیفوں' مسافروں اور بیگانوں کی جو پناہ گیر ہوں' مدد کریں۔

5- فضول خرچی سے اجتناب کریں۔

6- بخل سے پرہیز کریں۔

7- زنا کے پاس نہ پھٹکیں۔

8- قتل نہ کریں۔

9- دوسروں کے مال بالخصوص یتیموں کے مال کو غصب نہ کریں۔

10- باٹوں اور پیمانوں کو درست رکھیں۔

11- بے عقلی کی باتوں سے دور رہیں۔

12- غرور و تکبر نہ کریں۔

سفر معراج میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام بزرگان نوع بشر کو دیکھا اور سب سے تعارف پیدا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے ملاقات کی جو صاحب سیف و قلم تھے۔ یعنی صاحب رزم و صاحب کتاب۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام بڑے بڑے پیغمبروں اور ان اہل علم بزرگوں سے ملاقات کی جو وفات پا چکے تھے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب واپس اپنے گھر تشریف لائے تو آپ کے حجرے کی کنڈی جو روانگی کے وقت کھلی تھی ابھی تک ہل رہی تھی۔ یہ بات اس دور میں آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت پر پوری اترتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجتہ اللہ بالغہ میں معراج کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد اقصیٰ تک پھر سدرہ المنتہیٰ تک اور جہاں تک خدا نے چاہا سیر کرائی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا۔

1- صدر کا چاک کرنا' اُسے ایمان سے بھر دیا جانا۔ اس کی حقیقت ہے انوار ملکیہ کا غلبہ ہو جانا اور شعلہ طبیعت کا بجھ جانا اور جو کچھ خطیرہ القدس سے طبیعت کو فیضان ہوتا ہے' اس کیلئے مطیع بن جانا۔

2- براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ نسمیہ پر جو کمال حیوانی ہے غالب آ جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر ایسی ہی خوبی سے سوار ہوئے جیسا کہ حضور کے نفس انسانی کے احکام قوت بہیمیہ پر غالب اور مسلط تھے۔

3- مسجد اقصیٰ تک سیر اس لئے ہے کہ وہ شعائر الٰہیہ کے ظہور کا محل ہے۔ ملاء اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کی نظر گاہ ہے۔ گویا وہ ملکوت کی جانب ایک روزن ہے۔

4- انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات اور مغایرت کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرہ القدسؒ سے ان کو اجتماعی ربط وضبط حاصل ہے اور پھر ان اجتماعی امور کی خصوصیات کا نہایت کاملیت اور خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظہور ہوا ہے۔

5- آسمانوں پر یکے بعد دیگر چڑھنے کی حقیقت درجہ بدرجہ تعلقات طبعی سے نکل کر مستوئ رحمٰن کی طرف جانا ہے۔ نیز احوال ملائکہ کی معرفت جو ان مقام سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ نیز ملائکہ اور نسل انسانی کے ان بزرگوں کے احوال کی شناخت جو ملائکہ سے ملے ہوئے ہیں' نیز اس تدبیر کلیہ کی معرفت جو مقام مذکور میں وحی ربانی سے بتائی گئی' نیز ان امور کی شناخت پر جن ملائکہ سابقت کیا کرتے۔

6- واضح ہو کہ اگر یہ موسیٰ سے جسد کا اظہار مبرا نہیں' بلکہ اظہار اس امر کا ہے کہ ان کی رسالت تمام دنیا کیلئے عام نہ تھی اور اس طرح ایک کمال باقی تھا' جو حضرت موسیٰ کو حاصل نہ تھا۔

7- سدرۃ المنتہیٰ درخت عالم ہے کہ ایک وجود دوسرے وجود پر مرتب اور پھر سب کے سب تدبیر واحد کے اندر جمع ہیں جیسا کہ عام درخت کا بھی غذا ونمو میں یہی حال ہے۔ واضح رہے کہ کسی حیوان سے اس کی تمثیل نہیں دی گئی کیونکہ وہ تدبیر کلیۂ اجمالیہ جو سیاست کلیہ سے مشابہت رکھتی ہے وہ بھی مفرد ہے اور اسی لئے بہترین مشابہت اس کی درخت میں

پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تنا پر مختلف شاخیں' ڈالیاں' ٹہنیاں اور پتے ہوتے ہیں اور غذا ونمو میں برابر سب مستفیض ہیں اور حیوان میں یہ مشابہت پائی نہیں جاتی' کیونکہ حیوان میں قوائے تفصیلیہ اور قوت ارادہ بھی ہے اور سنن طبعیہ سے زیادہ صریح ہیں۔

8- دریاؤں کی اصل وہ رحمت فائضہ ہے جو عالم شہادت کے مجازی عالم حکومت میں موجود ہے۔ نیز حیات اور نمو بھی اس اصل میں شامل ہیں۔ اسی لئے ظاہراً چند اسباب نافعہ مثل نیل و فرات وغیرہ کا تعین کیا گیا ہے۔

9- رہے وہ انوار جنہوں نے اسے ڈھانپ لیا تھا' یہ وہ تدلیات رحمانی اور تدابیرات الٰہیہ ہیں جو عالم ظہور میں جلوہ گستر اور نور ریز ہیں' جہاں تک اس عالم میں ان کی استعداد پائی جاتی ہے۔

10- بیت المعمور کی حقیقت وہ الٰہی تجلی ہے جس کی طرف بندگان خدا کی دعاؤں اور سجدوں کا رخ ہوتا ہے اور وہ خانہ کعبہ و بیت المقدس کے محاذ میں جیسا کہ لوگوں کو ان ہر دو کی بابت اعتقاد ہے ایک گھر کا تمثیل لئے ہوئے ہے۔

11- شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک برتن دودھ کا ایک برتن شراب کا پیش کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ پسند فرمایا اور جبریل نے بتادیا کہ آپ نے فطرت اصلیہ کو پسند فرمایا۔ اگر شراب کا برتن آپ لے لیتے تو آپ کی امت بھٹک جاتی۔ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو فطرت پر جمع کرنے والے تھے اور دودھ سے مراد یہی ہے کہ امت فطرت کو پسند کرے اور خمر سے یہ مراد تھی کہ لذت دنیا کو پسند کرے۔

12- پانچ نمازوں کا تقرر بھی زبان تجویزی سے ہوا۔ یہ پانچ ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ گویا رب کریم نے آہستہ آہستہ یہ سمجھایا ہے کہ ثواب تو پچاس کے برابر کا کامل ہے۔ حرج اور مرج اٹھادیا گیا ہے۔ یہ مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سند سے متمثل کیا گیا ہے کیونکہ جناب ممدوح امت کی اصلاح دوستی اور اصول سیاست کی شناخت میں اکثر انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے ہیں۔

قبائل میں تبلیغ اور طائف کا سفر

اگرچہ حضرت ابوطالب کا سہارا جاتا رہا۔ اگرچہ حضرت خدیجہؓ جیسی بیوی جو مصیبتوں اور

تکلیفوں میں نہایت غمگسار تھیں' جدا ہو گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ جوش وخروش سے وعظ کا کام شروع فرمایا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے نکلے اور بیرون جات کو وعظ کیلئے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ زید بن حارثہ تھے۔ مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے توحید کی منادی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پا پیادہ طائف پہنچے۔ یہاں بنو ثقیف آباد تھے۔ سرسبز ملک اور سرد پہاڑ پر رہنے کی وجہ سے ان کے غرور کی کوئی حد نہ تھی۔ عبدیالیل' مسعود اور حبیب تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے ان ہی سے ملے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ باشندگان طائف دولت مند تھے۔ ان کا اصلی مشغلہ سود خوری تھا اور زراعت کیلئے غلام رکھتے تھے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ روٹی کھاتے تھے۔ بدوعرب کی غذا شیر شتر تھی۔ چونکہ باشندگان طائف دولت مند تھے۔ اس لئے وہ علم و ہنر اور ادب کیلئے وقت نکال لیتے تھے۔ عرب کا یگانہ روزگار طبیب حارث بن کلدہ طائف کا رہنے والا تھا۔ شمالی جزیرۃ العرب کا یکتا منجم عمرو بن امیہ جو علم نجوم کو علمی طور پر جانتا تھا اور ستاروں کی چالوں سے شناسا تھا' طائف میں زندگی گزارتا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدیالیل اور اس کے بھائیوں' بھتیجوں کو اسلام کی دعوت دی تو ان میں سے ایک بولا ''میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا دوں گا اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو'' دوسرا بولا ''کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا جسے سواری بھی میسر نہیں۔ اگر رسول بنانا ہی تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بناتا'' تیسرا بولا ''میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا کیونکہ اگر تو واقعی خدا کا رسول ہے تو یہ خطرناک بات ہے کہ میں تیرے کلام کو رد کروں اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے تو مجھے شایان نہیں کہ تجھ سے بات کروں'' ان لوگوں نے حقارت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو چند ایک غلاموں اور لڑکوں کو بھیجا کہ آپ کو سنگسار کریں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ بنو ہاشم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیس نکالا دے دیا ہے۔

ان بدمعاشوں اور اوباشوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر تنگ کیا اور پتھر برسائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ باغ کے مالک دو بھائی

مکہ کے رہنے والے تھے۔ وہ بھی پناہ نہ دینا چاہتے تھے۔ مگر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی حالت میں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے خون آلود ہو گئے تھے تو انہیں رحم آ گیا اور اپنے ایک عیسائی غلام سے کہا انہیں ایک خوشہ انگور لا دے۔ عقبہ و شیبہ فرزندان ربیعہ مالکان باغ کے کہنے پر عیسائی غلام عداس نے ایک طشتری میں انگور رکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوروں کی طرف دست مبارک بڑھاتے ہوئے زبان سے بسم اللہ کہا اور انگور کھانے شروع کیے۔ عداس نے حیرت سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا اے زخمی تو عیسائی معلوم ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ غلام نے کہا جو کلمات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پڑھے ہیں۔ عیسائی کھانے سے پہلے پڑھتے ہیں۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عیسائی نہیں تو ایسے کلمات زبان پر کیوں لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم کہاں کے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے۔ غلام نے جواب دیا کہ میں خدائے واحد کی پرستش کرتا ہوں' کیونکہ میں عیسائی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے باشندے ہو۔ عداس نے کہا' آپ کو کیا خبر کہ یونس بن متی کون تھا اور کیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ خدائے واحد نے مجھے بھیجا ہے' اسی لئے لوگ مجھے پتھر مارتے ہیں' مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ مزید فرمایا یونس بن متی میرا بھائی ہے' وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عداس میں دوستی ہو گئی۔ عداس نے کہا اگرچہ میرے آقا نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو انگور دینے کو کہا ہے' مگر میں جانتا ہوں کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہاں ٹھہرنے نہ دے گا۔ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس باغ اور طائف سے اس طرح نکال لے جاؤں گا کہ کوئی شخص جو گھات میں بیٹھے ہیں' مطلع نہ ہو سکے۔ عداس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور راتوں رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باغ سے باہر لے گیا اور کہا یہاں سے دور چلے جائیں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان خطرے میں ہے۔

عتبہ اور شیبہ نے دور سے غلام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر' ہاتھ اور قدم چومتے دیکھا تو اس کو کہا کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ' پاؤں اور سر چومنے لگ گیا۔ عداس۔

نے جواب دیا آج اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی بھی نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ دونوں بھائیوں نے ڈانٹ دیا کہ خبردار! کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا' تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ اس مقام پر وعظ کرتے ہوئے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنی چوٹیں لگی تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیہوش ہو کر گر پڑے۔ زید نے ان کو پیٹھ پر اٹھایا۔ آبادی سے باہر گئے۔ پانی کے چھینٹے دیئے تب ہوش آیا۔ اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج اور صدمہ کے وقت بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل خدا کی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا۔ اس وقت جو دعا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانگی اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھم الیك أشکو ضُعف قوتی وقلة حِیلتی وَھو انی علی الناس یا أرحم الرّاحمین أنتَ رَب المُستضعفین و أنت ربی الیٰ من تکلنی الی بَعید یتجھمنی أو الی عَدو مَلکت أمری ان لم یکن علی غضبك فلَا ابالی ولٰکن عافیتك ھی أوسع لی أعوذ بنور وَجھك الذی أشرقت لَه الظلمات وَصلح علیه أمر الدنیا و الاخرة من ان منزل بی غضبك أو یحل علی سخطك لك الغنبی حتی ترضی ولا حوله ولا قوة الا بك۔

الٰہی اپنی کمزوری' بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے۔ اور میرا مالک بھی تو ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری ناراضا مندی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے

نہ بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

صحیح مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف سے واپسی پر فرمایا ''میں ان لوگوں کی تباہی کیلئے دعا کروں؟ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہوں گی۔

جنات ایمان لائے

طائف سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند دن رات ''وادی بطن نخلہ'' میں قیام پذیر رہے۔ یہاں بڑے سوز و گداز سے قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں۔ جنات کے ایک گروہ نے یہ کلام سنا اور آپ پر ایمان لے آئے۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو سورۃ الاحقاف کی آیت 29 میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○

(سورۃ الاحقاف۔ 29)

(اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے) جب ہم جنوں کے ایک گروہ کو تمہاری طرف لے آئے تھے تاکہ قرآن سنیں۔ جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں تم قرآن پڑھ رہے تھے تو انہوں نے آپس میں کہا۔ خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب وہ پڑھا جا چکا (تلاوت ختم ہوگئی) تو وہ خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے ○

اس آیت کریمہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جنوں کی اس جماعت کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا اور وہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن پاک کو سن کر ایمان لائے یہ درحقیقت سفر طائف میں پریشانی کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک غیبی نصرت تھی کہ آپ کے سفر طائف اور دعوت و تبلیغ سے وہاں کوئی شخص ایمان نہیں لایا مگر انسان کے بجائے جنات حلقہ بگوش اسلام ہو گئے' رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنات کی آمد اور قبول اسلام کا ابتداً علم نہیں ہو سکا بلکہ جب جنوں سے متعلق آیات قرآنی کا نزول ہوا

ب آپ واقف ہو گئے جنوں کے ایمان لانے کا تذکرہ سورہ احقاف کے علاوہ سورہ جن میں
صیل سے ہے۔

عربی زبان میں جن پوشیدہ و مستور کو کہتے ہیں۔ یہ مخلوق چونکہ نظر نہیں آتے اس لئے ان کو
ن کہتے ہیں۔

سفر طائف سے واپسی پر مکہ میں آپ کا داخل ہونا یوں آسان نہیں تھا اس لئے مکہ کے کسی
ردار سے آپ کو پناہ طلب کرنے کے بعد مکہ داخل ہونا ضروری تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم نے ایک شخص اخنس بن شریق رئیس قبیلہ بنو زہرہ سے پناہ طلب کی۔ اخنس بن شریق
نے جواب دیا میں چاہتا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پناہ دوں مگر ایسا نہیں کر سکتا
کیونکہ قریش میرے حلیف ہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن عمرو جو قریش
ہونے کے باوجود ان کی اصلی شاخ سے نہ تھا کو اپنے قبیلے سے ملانے کی درخواست کی' لیکن اس
نے بھی پناہ نہ دی۔

چند روز مکہ سے باہر ہی رہنے کے بعد قریش کی ایک شاخ کے سردار قبیلہ نوفل نے آپ کی
حمایت قبول کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے خانہ مبارک میں
تشریف لے گئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مٰیں داخل ہوئے اور اپنے خانہ مبارک میں
تشریف لے گئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہؓ سے شادی کر لی۔ یہ حبشہ سے
واپس آ گئی تھیں۔ حضرت سودہؓ مسلمان تھیں اور ان کے شوہر بھی مسلمان تھے۔ ان کا نام سکران
بن عمرو تھا لیکن وہ حبشہ ہی میں ہے اور کہا جاتا ہے مکہ واپس آ کر انتقال کر گئے' عدت ختم ہونے کے
بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو شادی کا پیغام دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
زاجہ بن گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سودہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اس لئے
شادی کہ کی حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بچے بے ماں نہ رہ جائیں۔ حضرت سودہؓ کے
ایک قریبی عزیز مطعم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف سے واپسی پر نخلہ کے مقام پر
پناہ دی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطعم کے ہاں چند روز قیام فرمانے کے بعد مکہ تشریف

لے آئے۔

مطعم بن عدی کی پناہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے۔ مطعم نے بیٹوں اور اپنی قوم کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم کے دروازے پر کھڑے رہیں اور خود بھی اونٹ ہو کر حرم کے پاس کھڑا ہوا اور پکار کر کہا "اے گروہ قریش میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ کوئی ان سے تعرض نہ کرے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم میں تشریف لے گئے۔ اس کے بیٹے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ مطعم کے اسی احسان بدر کے کے دن اسیران بدر کی بابت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا "اگر آ بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان پلید لوگوں کے بارے میں کچھ کلام کرتا تو میں اس کی رعایت ان سب کو یک لخت چھوڑ دیتا۔

(عیون الاثر' ج 1' صفحہ 13

طفیل بن عمرو دوسیؓ کا اسلام

انہی دنوں طفیل بن عمرو دوسیؓ مکہ آئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصروف تھے۔ طفیل شریف النفس ہونے کے علاوہ بہت بڑے شاعر' زیرک' فہیم اور بڑے مہمان نواز تھے۔ طفیل کا کہنا ہے کہ مکہ میں قریش کے کچھ آدمی آپ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم میں ایک ظاہر ہوا ہے جس نے قوم میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔ اس کا کلام مثل سحر اور جادو کے ہے۔ آ سے بچے رہیں۔ قریش نے ان کو اس قدر ڈرایا کہ انہوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں اتفاقی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام کان میں نہ پڑ جائے۔ یہاں تک کہ لوگ مجھ کو ذوالقطنین کہنے لگے۔ اتفاقاً ایک روز مسجد حرام کی طرف گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جا کھڑا ہوا خداوند کریم چاہتا تھا کہ اپنا کلام مجھ کو سنائے' چنانچہ بلا اختیار میں نے کلام سنا' نہایت اچھا اور بھلا معلوم ہوا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میں عاقل اور بڑا شاعر ہوں مجھ پر کسی کلام کا حسن و قبح مخفی نہیں رہ سکتا' اگر کلام مستحسن ہے تو قبول کروں گا اور اگر قبیح ہے تو چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم سے واپس آئے تو میں آپ کے پیچھے ہولیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دولت کدہ پر پہنچے تو عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام جو کان میں پڑا تو بہت بھلا معلوم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دین مجھے سمجھایئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام پیش کیا اور سورہ اخلاص کی تلاوت فرمائی۔ خدا کی قسم میں نے قرآن کریم سے بہتر کبھی کوئی کلام سنا ہی نہیں اور اسلام سے زیادہ معتدل اور متوسط کسی دین کو نہیں پایا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

طائف سے واپس آنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبیلوں میں تبلیغ شروع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے انفرادی طور پر لوگ دین حقہ کے پرستار ہوتے جارہے تھے۔ لیکن اجتماعی طور پر ابھی تک کوئی قبیلہ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے باہر چلے جاتے اور جو کوئی مسافر آتا جاتا مل جاتا اسے ایمان اور خدا پرستی کا وعظ فرماتے۔ انہی ایام میں قبیلہ بنو کندہ میں تشریف لے گئے۔ سردار قبیلہ کا نام ملیح تھا اور پھر قبیلہ بنو عبداللہ کے ہاں بھی پہنچے۔ انہیں فرمایا کہ تمہارے قبیلہ کا باپ کا نام عبداللہ تھا۔ تم بھی اسم با مسمیٰ ہو جاؤ۔ قبیلہ بنو حنیفہ نے سارے عرب میں سب سے زیادہ بُرے طریق پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کیا۔ قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے بحیرہ بن فراس نے دعوت اسلام سے آگاہی پا کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا ''اگر ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات مان لیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مخالفین پر غالب آ جائیں تو کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد یہ امر ہم سے متعلق ہو گا؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے میرے بعد مقرر کر دے گا۔ بحیرہ بولا'' اس وقت تو عرب کے سامنے ہم سینہ سپر ہوں اور جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام بن جائے تو مزے اور کوئی اڑائے ہم کو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کام سے کوئی سروکار نہیں۔ قبائل کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق کار حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔

بیعت اولیٰ

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام حج میں خصوصیت سے مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے اور دین کی تبلیغ فرماتے۔'' رؤسا عموماً ٹال دیتے اور اپنے آبائی دین کو ترک کرنے سے معذرت کر لیتے۔ آخر ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام عقبہ پر پہنچے۔ وہاں بنو خزرج کے

لوگ تھے جو یثرب سے آئے ہوئے تھے۔ان نیک دل لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کرلی۔قرآن پاک کی چند آیات رافع بن مالک کو عطا کی گئیں۔تبلیغ کا وعدہ کرکے یہ لوگ یثرب روانہ ہوگئے۔اگلے سال حج عمرہ کیلئے یثرب سے بارہ آدمی آئے۔ان میں دس آدمی ایک قبیلے کے تھے اور دو دوسرے قبیلے کے۔ان لوگوں نے عقبہ کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت اور مشورہ کیا۔(عقبہ وہ تنگ نائے ہے۔جہاں ابلیس کا مقام تھا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو راہ خدا میں قربان کر دیں تو شیطان اسی تنگ نائے میں آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی سے روکنے لگا لہٰذا حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اسے پتھر مارے۔آج بھی حاجی لوگ ایام حج میں یہاں جاکر شیطان کو پتھر مارتے ہیں تاکہ سنت ابراہیم علیہ السلام زندہ رہے)

یثرب کے بارہ مسلمان جب اس تنگ نائے میں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ گذشتہ سال کی نسبت مسلمانوں کی تعداد یثرب میں زیادہ ہوگئی ہے اور یہ اضافہ قرآن کریم کی وجہ سے ہوا ہے۔ان بارہ مسلمانوں نے عقبہ کے مقام پر دستِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت کی جو تاریخ اسلام میں بیعت عقبہ کہلائی۔اس کے بعد بارہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یثرب کے بارے میں گفتگو کرنے لگے اور عرض کیا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یثرب میں ایک بادشاہ کا انتخاب ہورہا ہے۔جس کا نام عبداللہ بن ابی ہے۔ایک سنار نے تاج بنانے کیلئے اس کے سر کا ناپ لیا ہے۔مگر یثرب کے لوگ چاہتے ہیں کہ بادشاہ کی بجائے پیغمبر کا انتخاب کریں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریشی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ یثرب کے قریب دفن ہیں لہٰذا یثرب کے لوگ آمادہ ہیں کہ آپ کو سردار بنالیں کیونکہ پیغمبر بادشاہ سے بڑا ہوتا ہے اور اسے خدا کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔

بیعت النساء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت النساء کرو گے" بیعت النساء اس حلف وفاداری کو کہتے ہیں جس میں کسی قبیلے سے نکالا ہوا شخص کسی قبیلے کی پناہ میں آجاتا ہے یا چند قبیلے مل کر ایک قبیلہ کے ساتھ حلف وفاداری کرتے ہیں۔عقبہ کی تنگ نائے میں

قبیلوں کے نمائندوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیعت النساء کی یعنی حلف وفاداری اٹھایا۔ اس کو بیعت النساء اس لئے کہتے ہیں کہ بیعت کرنے والا وفاداری اور فداکاری کی قسم کھاتا ہے کہ جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کروں گا، شخص معہود کی بھی کروں گا' اس لئے بیعت عقبہ کو تاریخ اسلام میں بیعت النساء بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ واپس جانے لگے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت مصعب ابن عمیر کو ان کے ساتھ یثرب کے مسلمانوں کو قرآن سکھانے کیلئے بھیجا۔ مصعب بن عمیر قرآن کریم بہت خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ بیعت کرنے والے اصحاب کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

1-ابو عامہ	2-عوف بن الحارث	3-رافع بن مالک
4-عتبہ بن عامر	5-قطبہ بن عامر	6-معاذ بن حرث
7-ذکوان بن عبد قیس	8-خالد بن مخلد	9-عبادہ بن صامت
10-عباس بن عبادہ	11-ابو الہیثم	12-عویم بن ساعدہ

ان بزرگوں نے جن باتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی وہ یہ ہیں:۔

1- ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے۔
2- ہم چوری اور زنا کاری نہیں کریں گے۔
3- ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔
4- ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے۔
5- ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہر ایک اچھی بات میں کیا کریں گے۔

حضرت مصعب بن عمیر کی دعوت و تبلیغ سے یثرب میں اسلام اس تیزی سے پھیلا کہ سال کے آخر میں انصار کا کوئی گھرانہ باقی نہ رہا جس میں چند مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو چکی ہوں صرف وائل اور خطمہ کے مکانات باقی رہ گئے۔

مصعب کی تعلیم کا چرچا تمام قبیلوں میں پھیل گیا۔ بیعت عقبہ ثانیہ اگلے سال یعنی سنہ 13 نبوت میں 73 مرد اور 2 عورتیں یثرب سے مکہ آئے۔ ان کو اہل یثرب نے اس لئے بھیجا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں۔ یہودی اسلام لانے

کیلئے تیار نہ تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے پر راضی تھے تاکہ ان کے
آپس کے اختلافات کو حل کر دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ ہجرت کرنے پر آمادہ
گئے وہ جانتے تھے ایک بڑے سخت کام کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و
یہ بھی جانتے تھے کہ اگر مدینہ ہجرت کی تو قریش سے ہمیشہ کیلئے تعلقات منقطع ہو جائیں گے ا
لئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلسلہ میں فوری اقدام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ باشندگا
مدینہ جب حج عمرہ کے لئے آئے۔ یہ راست بازوں کا گروہ اسی تنگ نائے میں حضرت محمد صلی
علیہ وآلہ وسلم سے ملا' جس میں بیعت عقبہ اولی یا بیعت النساء ہوئی تھی۔ رات کی تاریکی میں خدا
برگزیدہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ساتھ لئے ہوئے وہاں پہنچ
حضرت عباسؓ نے جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اس وقت ایک بڑے کام کی بات کی کہ لوگو! تمہ
معلوم ہے کہ اہل قریش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے کوئی عہ
پیماں باندھنا چاہو تو پہلے سوچ سمجھ لینا کہ یہ نازک اور مشکل کام ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد و پیماں کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں یعنی خونی اور تاریک و
لڑائیوں کو دعوت دینا ہے۔ مدینہ کے غیور و راست باز ارکان نے حضرت عباسؓ کو تو کوئی جواب نہ
البتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ ارشاد فرمائیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خدا کا کلام یعنی جو پیغام خدا کی طرف سے انس
کی نام تھا' پڑھ کر سنایا' جس سے وہ سب ایمان وایقان سے بھرپور مستفید ہوئے۔ ان لوگوں
جو نو وارد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے شہر
چل بسیئے تاکہ ہمیں پورا پورا فیض حاصل ہو سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنہو
نے بیعت نہیں کی ہے وہ بیعت النساء کریں۔ ان لوگوں نے بھی حلف وفاداری اٹھایا کہ ہم ا
عورتوں اور بچوں سے مدافعت کرنے کی طرح آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف
دفاع کریں گے۔

بیعت حرب

بیعت لینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں نے میرے ہاتھ

بیعت کر لی ہے۔ اگر میں کسی خطرے میں گھر جاؤں گا تو تمہیں اپنے بچوں اور عورتوں کی حمایت کی طرح میری حمایت کرنی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے ہمیں اسلام کی ترقی کیلئے مجبوراً جنگ کرنی پڑے' کیا تم لوگ اللہ کیلئے تیار ہو اور کیا میرے ہاتھوں پر بیعت حرب کرنے پر تیار ہو۔ بیعت حرب اور بیعت النساء میں فرق یہ ہے کہ بیعت حرب پیمان جنگی ہے اور بیعت النساء پیمان مدافعت' بیعت حرب بیعت النساء سے بہ نسبت مفہوم وسیع تر ہے۔ جو شخص بیعت حرب کرتا ہے وہ جنگ مدافعت اور جنگ جارح (حملہ آوری) دونوں میں شرکت کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ مسلمانان مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت حرب کرنے پر تیار ہو گئے۔ مگر بیعت سے پہلے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ڈر ہے کہ جب آپ فتح یاب ہوں گے تو ہمیں چھوڑ کر مکہ چلے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلف وفاداری دیتے ہوئے فرمایا ''اے مسلمانان مدینہ' تمہارا خون میرا خون ہے' میرا خون تمہارا خون ہے' تم میرے ہو' جو کوئی تم سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا' جس شخص کے ساتھ تم راہ خدا میں جنگ کرو گے میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا' تب وہ تہتر مرد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 75 نفوس' 73 مرد اور 2 عورتوں کیلئے بارہ سردار مقرر کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بارہ افراد سے فرمایا تم لوگ میری طرف سے نمائندہ ہو۔ مسلمانان مدینہ کو احکام خداوندی سناؤ اور انہیں کہہ دو کہ مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ الحجرات کی دسویں آیت میں فرماتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

دراصل مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا صلح کرادیا کرو اپنے بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو ۝

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانا چاہی تو ہر قسم کے طبقاتی اور قبائلی نظام کو ختم کرنا چاہا۔ سورۃ الحجرات مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس کی تیرہویں آیت میں فرمایا گیا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُو
وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰ
عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

الحجرات-13

اے انسانو! حقیقت یہ ہے کہ پیدا کیا ہے ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پھر بنا ہے ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ۔ بلاشبہ تم میں زیادہ عزت والا ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے بے شک اللہ ہر بات جاننے والا اور پوری طرح باخبر ہے ○

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ مقرر کردہ سرداروں کو سمجھایا کہ تم لوگ ایک ا بڑی تحریک کے پیش رو ہو۔ جسے سرزمین عرب نے آج تک نہیں دیکھا۔ بارہ نقیبوں کے نا ہیں۔ قبیلہ خزرج' اسد بن زرارہ' رافع بن مالک' عبادہ بن صامت' سعد بن ربیع' منذر بن ع عبداللہ بن رواح' براء بن معرور' عبداللہ بن عمرو بن حرام' سعد بن عبادہ' قبیلہ اوس' اسید بن ح سعد بن خیثمہ' ابوالہشم بن تیہان۔

بیعت عقبہ ثانیہ میں بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(ا) اسد بن زرارہ' اسید بن حضیر' ابی بن کعب' اوث بن ثابت' اوس بن یزید' اسماء بنت عم

(ب) برائن بن معرور' بشیر بن براابن معرور' بشیر بن سعد' بشیر بن الہیشم

(ث) ثابت بن الجزع' ثعلبہ بن عدی' ثعلبہ بن غنمہ

(ج) جابر بن عبداللہ' جابر بن الصخرا

(ح) حارث بن قیس

(خ) خالد بن زید' خالد بن عمرو بن کعب' خالد بن عمرو بن عدی' خالد بن قیس' خالد بن ولید خدیج بن سلامہ' خالد بن سوید بن ثعلبہ

(ذ) ذکوان بن عبد قیس

(ر) رافع بن مالک بن عجلان' رفاعہ بن عبدالمنذر' رفاعہ بن رافعہ بن مالک' رفاعہ بن عمر

(ز) زیاد بن لبید' زید بن سہل ابوطلحہ

(س) سعد بن زید بن مالک الاشہلی' سعد بن خثیمہ' سعد بن الربیع' سعد بن عبادہ' سلمہ بن سلامہ بن وقش' سلیم بن عمرو' سنان بن صیفی' سہل بن عتیق

(ش) شمر بن سعد

(ص) صیفی بن سوار

(ض) ضحاک بن حارثہ

(ط) طفیل بن نعمان

(ظ) ظہیر بن رافع

(ع) عبادہ بن الصامت' عباد بن قیس' عبداللہ بن عنیس' عباس بن نضلہ' عبداللہ بن ربیع' عبداللہ بن رواحہ' عبداللہ بن زید صاحب الاذان' عبداللہ بن عمرو بن حرام' عبس بن عامر' عبید بن التیہان' عقبہ بن عمرو' عقبہ بن وہب' عقبہ بن عامر' عبادہ بن حزم' عمیر بن حارث' عمرو بن حارث' عمرو بن غزیہ' عمرو بن عمیر' عمیر بن الحارث' عوف بن حارثہ' عمرو بن غزیہ' عویم بن ساعدہ

(ف) فردہ بن عمرو

(ق) قتادہ بن النعمان' قطبہ بن عامر' قیس بن ابی صعصعہ

(ک) کعب بن مالک

(م) مالک بن التیہان ابوالہیثم' مالک بن عبداللہ جشم' مسعود بن یزید' معاذ بن جبل' معاذ بن الحارث' معاذ بن عمرو الجموح' معقل بن منذر' معن بن عدی' مسعود بن الحارث' منذر بن عمرو

(ن) نعمان بن حارثہ' نسیبہ بنت کعب' نعمان بن عمر

(ہ) ہانی بن نیاد ابوبردہ

(ی) یزید بن ثعلبہ' یزید بن خزام' یزید بن المنذر

نوٹ: یہ نام ابن جوزی کی کتاب تلقیح سے نقل کیے ہیں۔ علامہ ابن ہشام نے سیرت میں اور حافظ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں یہی نام لکھے ہیں۔

یثرب کے دو مسلمان گرفتار

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد جب قافلہ یثرب کو روانہ ہوا تو قریش کو پتہ چلا۔ وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے۔ انہوں نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو دیکھا۔ منذر تو بھاگ گیا لیکن سعد بن عبادہ پکڑا گیا۔ یہ وہی عبادہ ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نقیب مقرر کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ جب قریش انہیں بے دردی سے زدوکوب کر رہے تھے تو ایک شیریں شمائل شخص انہیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس قوم میں کسی شخص سے بھلائی کی توقع ہو سکتی ہے تو وہ یہ شخص ہوگا۔ لیکن جب وہ میرے قریب آیا تو اس نے میرے منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا کہ کیا قریش کے کسی آدمی سے تیری جان پہچان نہیں۔ میں نے کہا جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ کی میں نے بارہا حفاظت کی ہے' جب وہ تجارت کیلئے یثرب آیا کرتے تھے۔ اس نے کہا پھر ان کے نام دہائی دو۔ جب وہ شخص ان کے پاس گیا اور ان کو بتایا کہ خزرج کا ایک آدمی پٹ رہا ہے اور وہ تمہارے نام کی دہائی دے رہا ہے۔ وہ بولے ہاں! سعد بن عبادہ کا ہم پر احسان ہے۔ انہوں نے آ کر میری جان چھڑائی اور میں یثرب کو سدھارا۔

مسلمانوں کو ترک وطن کی اجازت مل گئی

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانان مکہ کو جو ظلم وستم سہہ رہے تھے اور ان کا اپنا پیارا وطن ان کیلئے آگ کا پہاڑ بن گیا تھا' یثرب چلے جانے اجازت دے دی۔ ان ایمان کے پرستاروں کو گھر بار' خویش و اقارب' بہن بھائی' ماں باپ اور زن و فرزند چھوڑنے کا ذرا بھی غم نہ تھا۔ بلکہ خوشی تھی کہ یثرب جا کر خدائے واحد کی عبادت' پوری آزادی اور یکسوئی سے کر سکیں گے۔ گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنے والوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مسلمان چھوٹے چھوٹے دستوں کی صورت میں شہر کے باہر ہو گئے اور مدینہ کی راہ لی۔ ایک گروہ کا شہر سے باہر جانا معمولی بات نہ تھی۔ قریشیوں کو پتا چل گیا کہ مسلمان نکلے جا رہے ہیں لہٰذا انہوں نے رکاوٹ ڈالنے کی ٹھان لی۔

ہجرتِ مدینہ

تاریخ اسلام کا ایک عظیم واقعہ

تین مسلمان یعنی عیاش بن ربیعہ اور دو بھائی ہاشم اور امیہ فرزندان عاص نے ارادہ کیا کہ تینوں مل کر مکہ سے نکل چلیں۔ جو رات سفر کیلئے مقرر کی گئی اس رات ہاشم بن عاص کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گئے۔ مجبوراً باقی دونوں ایک ساتھ روانہ ہو گئے۔ اہل مکہ کو پتہ چلا کہ ہاشم مسلمان ہیں اور مکہ سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ اہل قریش نے دو اور مسلمانوں کا تعاقب کیا' مگر وہ ہاتھ نہ لگے۔ قریشی جاسوس حضرت عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مدینہ پہنچے اور کہا' آپ کی والدہ بیمار ہیں۔ اگر آپ اپنی والدہ کا منہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے ساتھ مکہ چلو۔ حضرت عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ یہ سچ بھی ہو سکتا ہے اور جھوٹ بھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرنے سے پہلے ماں کا منہ نہ دیکھ سکوں۔ لہٰذا وہ ساتھ چل پڑے۔ جونہی وہ مکہ پہنچے انہیں پابہ زنجیر کر کے ہاشم کے ساتھ تپتے صحرا میں چھوڑ دیا گیا۔ مدینہ میں حضرت عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہاشم کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو چند ایک انصاری تیز رو اونٹوں پر مکہ پہنچے اور رات کی تاریکی میں ان کی زنجیریں کاٹ دیں اور مدینہ کی راہ لی۔ مکہ کے ایک دولت مند شخص ابو جاش نے ہجرت کی تو اس کے عظیم الشان گھر پر ابوسفیان نے قبضہ کر لیا۔

حضرت صہیبؓ بن سنان رومی نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار مکہ نے انہیں آ گھیرا اور کہا' جب تم مکہ میں آئے تھے تو مفلس اور قلاش تھے۔ یہاں ہزاروں کمائے اور دولت بنائی۔ آج

یہاں سے جا رہا ہے اور چاہتا ہے کہ مال و زر ساتھ لے جائے۔ یہ ہم ہونے نہ دیں گے۔ حضرت صہیبؓ سارا مال و دولت چھوڑ کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ اس لئے قرآن کریم میں سورۃ البقرہ کی آیت 207 میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال دی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

"بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی جانوں کو راہ خدا میں بیچ دیتے ہیں اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔"

محققین اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں مراد حضرت صہیبؓ بن سنان رومی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صہیبؓ کا قصہ سن کر فرمایا کہ اس سودے میں صہیب نے نفع کمایا۔ سیرت ہشام کے مطابق حضرت صہیبؓ نے شوال سنہ 38 ہجری بعمر 73 سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اہل قریش حضرت صہیبؓ کو دیوانہ سمجھتے تھے کیونکہ ایک دیوانہ ہی مذہب کیلئے اپنی دولت سے صرف نظر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کی ہجرت روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر قریش پریشان ہو گئے لہٰذا انہوں نے عزم کر لیا کہ مسلمانوں کی ہجرت کو روکنے کیلئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتمہ کر دیا جائے۔

قریش کے دس قبیلوں میں سے ہر ایک کی اپنی مجلس شوریٰ تھی جسے نادی کہتے تھے۔ پھر تمام قبیلوں کی ایک مجموعی شوریٰ تھی جسے دارالندوہ کہتے تھے۔ دارالندوہ میں صرف نادی کے سردار شرکت کر سکتے تھے یا قبائل کے وہ لوگ جو چالیس سال سے اوپر عمر رکھتے ہوں۔ ابولہب بطور استثناء چالیس سال کی عمر کے ہونے سے پہلے ہی دارالندوہ میں شریک ہوتا تھا کیونکہ اسے بڑا دانا اور فہم و فراست کا انسان سمجھتے تھے۔ جب اہل قریش نے مسلمانوں کی ہجرت کو روکنا چاہا تو دارالندوہ میں جمع ہو گئے تاکہ اس کی روک تھام کر سکیں۔ پہلے انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پابہ زنجیر کر کے صحرا میں چھوڑ دیں مگر ان کو خیال آیا کہ اگر مدینہ کے لوگوں کو اطلاع ہو گئی تو وہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آزاد کر کے واپس لے جائیں گے۔ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیس سے نکال دیں تو وہ مدینہ روانہ ہو جائیں گے اور وہاں سے ایک فوج

لا کر مکہ تسخیر کرلیں گے۔ بالآخر اتفاق ہوگیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شہید کر دیا جائے۔ خون بہا سے بچنے کیلئے انہوں نے یہ تجویز کی کہ قریش کے دسوں قبیلے آپ کو شہید کرنے میں شرکت کریں اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ قریش کا کوئی قبیلہ خون بہا کا مطالبہ نہ کر سکے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی رقیہ بنت ابی سیف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کی کہ خلاصی کی فکر کیجئے ورنہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔ جب آپ نے دیکھا کہ خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے تو فوراً حضرت ابو بکرؓ کے پاس بغرض مشورہ چلے گئے۔

قدرت الٰہیہ اور حمایت ربانی دیکھئے کہ جب رات ہوگئی۔ مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر چاروں طرف سے آ گھیرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا "تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ کوئی تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گا" حضرت علی کرم اللہ وجہہ تلواروں کے سائے میں نہایت بے فکری سے سو رہے اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی حفاظت میں باہر نکل گئے۔ سورۃ یٰسین پڑھتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے صاف نکل گئے اور کسی نے ان کو جاتے نہ دیکھا۔ یہ واقعہ 27 صفر سنہ 13 نبوت بروز پنج شنبہ مطابق 12 ستمبر 621ء کا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہنچے۔ انہوں نے سفر کا ضروری سامان درست کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی حضرت اسماء ابو بکر صدیقؓ نے اپنا کمر بند کاٹ کر ستوں کے تھیلے کو بند کیا اور شب کی تاریکی میں دونوں بزرگ چل پڑے۔ مکہ سے چار پانچ میل پر جبل ثور واقع ہے۔ اس کی چڑھائی سخت اور راستہ سنگلاخ تھا۔ پتھروں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک زخمی ہوگئے۔ آخر غار تک پہنچنے کیلئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھے پر اٹھا لیا۔ جب غار تک پہنچے۔ حضرت ابو بکرؓ نے غار کو صاف کیا اور اپنی چادر پھاڑ کر سارے سوراخ بند کر دیئے۔ جب اچھی طرح دیکھ لیا کہ غار آپ کی تشریف آوری کے قابل ہو گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار کے اندر تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے درخواست کی کہ میری ران پر سر مبارک رکھ کر سو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے۔ غار میں ایک سوراخ رہ گیا تھا۔ جس کو بند نہ کیا جا سکا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی ایڑی سے اسے

بند کر دیا۔ ایک سانپ اس بل کے اندر تھا۔ اس نے ایڑھی کو کاٹ کھایا۔ شدت درد سے حضرت ابوبکرؓ کے آنسو نکل آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر ٹپکے' جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے۔ پتہ چلا کہ کسی چیز نے کاٹ لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعاب دہن لگا دیا اور ابوبکرؓ کو فوراً آرام آ گیا۔

قریش تلاش کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانہ مبارک تک پہنچے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے باہر چلے گئے ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا "ہاں" چنانچہ قریش جستجو میں مکہ سے نکلے اور بیابانوں میں تلاش کرنے لگے۔ ادھر مکہ میں منادی کرا دی کہ جو کوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا یا ان کا پتہ دے گا اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ ابوجہل' حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ باہر نکلیں۔ ابوجہل نے پوچھا اے لڑکی تیرا باپ کہاں ہے۔ وہ بولیں بخدا مجھے معلوم نہیں۔ بدزبان درشت خو ابوجہل نے ایسا تمانچہ مارا کہ اسماءؓ کی بالی نیچے گر گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ تین روز تک غار میں رہے۔ رات کی تاریکی میں اسماء بنت ابوبکرؓ روٹی دے جاتیں' عبداللہ بن ابوبکرؓ مکہ والوں کی روئیداد سنا جاتے' عامر بن فہیرہ غلام بکریاں وہاں لے آتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقدر ضرورت دودھ لے لیتے اور فہیرہ آنے والوں کے نقش پا تمام راستے سے مٹا دیتا۔ قریش کے افراد تلاش میں غار تک پہنچے۔ غار کے دہانے پر مکڑیوں نے جالا تن دیا۔ اہل قریش نے جالا تنا دیکھا تو وہاں سے چلے آئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جالے پر کبوتر نے انڈے دے رکھے تھے اور دہانے پر ایک درخت اُگ آیا تھا۔ حسب روایت کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے اوپر چٹان گرا دی اور غار کے دہانے کو بند کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ درد کی وجہ سے تکلیف میں تھے' تلاش کرنے والوں کی آہٹ سن کر گھبرا گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور الٰہی مدد کی امید دلائی۔ سورۃ توبہ کی 40 آیت میں اس واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ

اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ

(التوبہ۔40)

اگر تم نے نبیؐ کی مدد نہیں کی تو (کچھ پرواہ نہیں) بے شک اللہ نے اس کی مدد کی تھی اس وقت بھی جب کافروں نے اس کو نکال دیا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے تو وہ دوسرا تھا اور اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ اللہ نے اپنی طرف سے ان پر سکون قلب نازل کیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غار سے نکلے تو تار عنکبوت پرندہ آشیانہ میں انڈے غار کے دہانے پر چٹان اور درخت کو دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تین دن کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غلام عامر بن فہیرہ دو سفید اونٹنیاں لے آیا۔ دونوں سوار ہوئے اور سمندر کے کنارے کنارے مدینہ کی راہ لی۔ یہ یکم ربیع الاوّل روز دوشنبہ مطابق 16 ستمبر 622ء کی تاریخ تھی اور قافلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہٖ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، عامر بن فہیرہؓ اور راستہ بتانے کیلئے عبداللہ بن اریقط شامل تھے۔ ہجرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء سابقین علیہ السلام کی سنت کو پورا کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کے بعد نصرت الٰہی کی معیت کا ظہور ہوا جیسا کہ پہلے نبیوں کے ساتھ ہوتا رہا تھا۔ دلیل راہ نے میانی راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رابغ کے قلعہ اور ساحل بحر کے درمیان میدان سے گزر رہے تھے تب سراقہ بن جعشم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب کیا۔ اہل قریش نے منادی کر دی تھی کہ جو کوئی بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ لائے گا یا ان کا پتہ بتائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔

عبدالرحمٰن بن مالک مدلجی جو سراقہ کا برادر زادہ ہے بیان کرتا ہے۔

سراقہ بن مالک سردار قبیلہ مدلج اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے دو سفید اونٹوں پر سوار سمندر کے کنارے جاتے دیکھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان میں ایک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھے۔ سراقہ نے بات سنی ان سنی کر دی کہ کہیں یہ شخص بھی انعام میں شریک نہ ہو جائے۔ وہ شخص چلا گیا تو سراقہ سر پر خود لگائے نیزہ تانے بدن پر ہتھیار سجائے اپنی

عوز نامی گھوڑی پر سوار ہو کر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ جلد ہی اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جالیا۔ جونہی اس کی نظر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو سمجھا کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے۔ اتنے میں گھوڑی گھٹنوں کے بل گر پڑی۔ تین بار اس نے ایڑھی لگائی کہ آپ کے قریب پہنچے‘ مگر ہر دفعہ گھوڑی ٹھوکر کھا گئی اور آپ کے قریب نہ پہنچ سکا۔ سراقہ سمجھ گیا کہ حفاظت الٰہی پر غالب آنا ناممکن ہے۔ اس نے نہایت عاجزانہ الفاظ میں جان کی امان مانگی۔ سراقہ آگے بڑھا اور عرض کی کہ اب میں ہر حملہ آور کو پیچھے ہی روک دوں گا۔ پھر اس کی درخواست پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر عامر بن فہیرہ نے اسے خط امان لکھ کر عطا فرمایا۔ صحیح بخاری کے مطابق سراقہؓ اپنے داد جعشم کی نسبت سے سراقہ بن مالک جعشم مشہور ہے۔ سراقہ بن مالک جعشم کنانی علاقہ رابغ پر اس کا قبیلہ قابض تھا۔ استیعاب میں ہے کہ جب سراقہ واپس ہونے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سراقہ اس وقت تیری شان کیا ہو گی‘ جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کی شاہی کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ واقعہ احد کے بعد مسلمان ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں جب مدائن فتح ہوا اور کسری کا تاج اور مرصع زیورات حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے پیش ہوئے تو امیر المومنین نے سراقہ کو بلایا اور اس کے ہاتھوں کسری کے کنگن پہنا دیئے اور زبان سے فرمایا ”اللہ اکبر‘ اللہ کی بڑی شان ہے“ کہ کسری کے کنگن سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنائے گئے۔

غار سے نکل کر اس مبارک قافلہ کا گزر خیمہ ام معبد پر ہوا۔ یہ عورت قوم خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کیلئے بڑی مشہور تھی۔ مسافر اس کے پاس ٹھہر کر ستا لیا کرتے تھے۔ یہاں پہنچ کر اس سے دریافت کیا کہ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ اس نے نفی میں جواب دیا اور کہا اگر کوئی چیز موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے ہی میں خود حاضر کر دیتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک مریل سی بکری دیکھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر اجازت دو تو ہم اس سے دودھ لے لیں۔ ام معبد نے عرض کیا اگر آپ کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دوھ لیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا‘ برتن مانگا۔ وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اچھل کر زمین پر بھی گر گیا۔ یہ دودھ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے پی لیا۔ دوسری دفعہ پھر برتن بھر گیا۔ یہ بھی آپ کے ہمراہیوں نے پی لیا۔ تیسری مرتبہ پھر برتن بھر گیا۔ وہ ام معبد کیلئے چھوڑ دیا گیا اور آگے روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ام معبد کا شوہر آ گیا۔ خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھ کر حیران ہو گیا۔ ام معبد نے کہا ایک بابرکت شخص یہاں آیا تھا اور یہ دودھ ان کے قدوم کا نتیجہ ہے۔ اس نے کہا یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے۔ جس کی مجھے تلاش تھی۔ اچھا تم ذرا ان کی توصیف تو کرو۔

آنحضرتؐ کا حلیہ مبارک

ام معبد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک یوں بیان کیا۔

''پاکیزہ رو' کشادہ چہرہ' پسندیدہ خو' نہ توند نکلی ہوئی نہ چندیا کے بال گرے ہوئے' زیبا' صاحب جمال' آنکھیں سیاہ فراخ' بال لمبے اور گھنے' آواز میں بھاری پن' سیدھی گردن' روشن مردمک' سرمگین چشم' باریک و پیوستہ ابرو' سیاہ گنگھریالے بال' خاموش وقار کے ساتھ' گویا وابستگی لئے ہو' دور سے دیکھنے میں زیبندہ و دلفریب' قریب سے نہایت شریں و کمال حسین' شیریں بن کلام' واضح الفاظ کلام کمی و بیشی الفاظ سے معرا۔ تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی۔ میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہ آئے نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی' زیبندہ نہال کی تازہ شاخ' زیبندہ منظر والا قد' رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد لوگ رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں۔ جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کیلئے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم مطاع نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔''

یہ صفت سن کر ام معبد کا شوہر کہنے لگا کہ یہ ضرور صاحب قریش ہے اور میں اسے ضرور جا کر ملوں گا۔ مکہ سے باہر بدوی غیر مسلم قبائل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگ صاحب قریش کہتے تھے۔

(زاد المعاد' ج 1' صفحہ 307)

بریدہ اسلمی کا ایمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یثرب کو جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں ینبوع کے مقام پر بریدہ اسلمی نے ستر سوار لے کر انعام کے لالچ میں اس مقدس قافلے کو ہراساں کرنے کی کوشش

کی۔ بریدہ اپنی قوم کا سردار تھا لیکن سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ زیبا دیکھ کر معہ اپنے ستر ساتھیوں کے ایمان لے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جلوس میں محافظ بن کر دارالامان تک پہنچایا۔ اپنی پگڑی اتار کر نیزہ پر باندھی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہرتا اور بشارت سناتا تھا کہ امن کا بادشاہ صلح کا حامی دنیا کو عدالت اور انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔ راستہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زبیر بن العوام ملے۔ وہ شام سے آ رہے تھے اور مسلمان کا تجارت پیشہ گروہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کیلئے سفید پارچہ جات پیش کئے۔

(صحیح بخاری ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تاریخ عالم میں ہجرت کیوں مشہور ہے؟

تاریخ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے بعد مجتمع اسلامی نے ایک امت کی حیثیت حاصل کر لی۔ اختلاف نسل وطبقات بالخصوص اشراف ورؤسائے قبائل کی برتری ختم ہوگئی۔ مختلف قبائل سے وابستگی کا شرف بے معنی ہو کر رہ گیا اور تمام مسلمان برابر ہو گئے۔ ہجرت دنیائے قدیم وجدید میں حدِ فاضل بنی۔ عہد جاہلیت دور اسلام سے علیحدہ ہوا۔ اس طرح طبقاتی اور قبائلی تفوق ختم ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یثرب (قبا) میں تشریف لائے تو عمر بن الخطابؓ جیسا انسان مسجد کی تعمیر کیلئے مٹی اٹھا کر لاتا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کا گارا تیار کرتے تھے۔ وہ عمر جو عرب کے اعلیٰ سرداروں میں شمار ہوتے تھے، جن کا قد چھ فٹ سے زیادہ بلند تھا۔ جن کی آواز رعد کی طرح فضا میں گونجتی تھی اور بقول اہل مکہ ان سے شیطان بھی ڈرتا تھا' گارا مٹی ڈھونے میں فخر محسوس کرتے تھے حالانکہ دور جاہلیت میں اگر کوئی شخص پورے عرب کی دولت دے کر یہ کہتا کہ ایک پتھر یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دیں تو وہ ہرگز نہ کرتے کیونکہ تعمیر کا کام شرفاء میں غلام سرانجام دیتے تھے۔

سن ہجری اور اس کا فلسفہ

ہجرت کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے بڑا فکر یہ تھا کہ ان کا رابطہ

عزیزوں اور شجرہ خاندانی سے کٹ جائے گا۔ جدی تعلقات اور اجداد سے کٹ جانا ایک عرب کیلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ عرب کا شجرہ گم ہوا تو گویا وہ خود فنا ہو گیا اور اس کے تمام مادی اور روحانی وسیلے ختم ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی ترقی کی خاطر اپنے شجرہ خاندانی کو قطع کر دیا۔ اسلام جہاں عقائد و عمل میں انضباط پیدا کرتا ہے۔ وہاں ماہ و سال میں بھی باقاعدگی اور موزونیت دیکھنا پسند کرتا ہے۔ سن ہجری کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی۔ گویا مسلمانوں نے اپنی تاریخ کو اس وقت سے شروع کیا جب مکہ معظمہ میں رہنے کے تمام امکانات ختم ہو گئے اور فضا اس قدر مکدر اور ناسازگار ہو گئی کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہی بدخواہوں اور بداندیشوں کی نظروں میں کھٹکنے لگی۔ اس کے باوجود اسلامی تاریخ میں اس سے زیادہ شاندار و خوشگوار واقعات اور روایات موجود ہیں جن کو اسلامی سن کیلئے درخور اعتنا سمجھا جاتا مگر اس کے باوجود ہجرت کو اس مقصد کیلئے چنا گیا۔ اس کا فلسفہ لائق غور ہے۔

ہجرت کا ایک پہلو بظاہر یہی نظر آتا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑا۔ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہونا پڑا' درخت سے کٹے ہوئے پتے کی طرح ہوا کے بے رحم تھپیڑوں کی زد میں آنا پڑا اور زندگی کے تمام کاروبار چھوڑ کر ایسی جگہ جانا پڑا جہاں ان کی جان پہچان کم' ذرائع معاش غیر واضح اور مستقبل غیر متعین تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ حرم مقدس سے دوری یعنی مکہ معظمہ سے یا اللہ کے گھر سے جس پر صبح و مسا انوار کی بارش ہوتی ہے' طرح طرح کی برکات کا نزول ہوتا ہے' محرومی بلاشبہ صدمہ جانکاہ تھا' مگر حضرات صحابہ کے سامنے یہ پہلو مدنظر نہیں تھا کیونکہ مسلمانوں کا مزاج ایسا نہیں کہ وہ اسلام کے رواں دواں قافلوں کو روکیں اور نوحہ بکا کی مجلسیں بپا کریں۔ انہیں آگے بڑھنا ہے اور تاریخ کے اس مقام پر رکنا ہے جہاں اسلامی دعوت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ جہاں سب گردنیں اللہ کے حضور جھکنے پر مجبور ہیں۔ اس سے ادھر ان کے رکنے کی کوئی جگہ نہیں' کوئی توجہ طلب اور درخور اعتنا موڑ نہیں۔ لہٰذا ہجرت کا کوئی دوسرا پہلو ملحوظ ہو سکتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب دلوں میں اسلامی شعور انگڑائیاں لیتا ہے۔ جب اسلامی احساس بیدار ہوتا ہے اور گردوپیش کے مظالم برداشت نہ کرنے کی ٹھان لیتا ہے یہ وہ

وقت ہے جب مسلمان اسلامی دعوت کو کامیاب بنانے کیلئے اپنی تمام راحتوں سے دست بردار ہوتا ہے' تمام مسرتوں سے دست کش ہوتا ہے اور دعوت کو زیادہ زور سے پھیلا کے اپنی اجتماعی قوتوں کو مزید منظم کرنے کیلئے ایک آزاد دینی فضا سے معمور ٹھکانے کی تلاش میں نکل کھڑا ہو جاتا ہے۔ یقیناً بیداری و احساس کی یہ پہلی صبح ہی ایسی صبح مبارک ہے کہ اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے اور اپنی تقویم اور سن کی بنیاد ٹھہرایا جائے' کیونکہ یہی دراصل بعد کی تمام فتوحات اور کامیابیوں کی کلید ہے۔ حضرت عمرؓ کی فراست کی داد دینا چاہیے کہ انہوں نے ہجرت سے اپنے سن کا آغاز کر کے کتنی بڑی دور بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب کسی قوم کا احساس بیدار ہوتا ہے' جب زندگی کا ایک خاص نقطہ نظر اس پر چمکتا ہے اور اس حد تک مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کی کامیابی و بقاء کیلئے اپنی زندگی کی پوری تربیت کو بدل دینے پر آمادہ ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ اس کی کامیابیوں میں کوئی شبہ نہیں (لہٰذا مسلمانوں نے اگر ہجرت پر اپنے سن کی بنیاد رکھی ہے اور محرم الحرام کو اس کا پہلا مہینہ قرار دیا ہے تو گویا دنیا والوں کیلئے اس میں یہ پیغام مضمر ہے کہ اجتماعی زندگی کے آغاز و ظہور کو اس وقت سے ظاہر کرو جب تم نے اجتماعی نقطہ نظر کیلئے پہلا اجتماعی قدم اٹھایا تھا)

قباء میں ورود مسعود

یہ دو سانڈنی سوار جن کے چہروں پر ایمان و ایقان کا نور جھلک رہا ہے۔ 12 دن کے مسلسل سفر کے بعد آٹھ ربیع الاوّل سنہ 13 نبوی دوپہر کے وقت قباء میں داخل ہوئے۔ قباء کی ایک پہاڑی جسے ثنیۃ الوداع بھی کہا جاتا ہے۔ وہاں لوگ روزانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرتے اور جب تک دوپہر نہ ہوتی' بیٹھے رہتے۔ دونوں مسافر وہاں پہنچ کر ایک کھجور کے سائے تلے تشریف فرما ہوئے۔ ایک شخص کے پکارنے پر سب لوگ جمع ہو گئے اور خیر مقدم کرتے اللہ اکبر کے ترانے گاتے ہوئے آفتاب رسالت کے گرد نور خیز شعاعوں کی طرح جمع ہوئے۔ اکثر مسلمان ایسے تھے جنہوں نے ہنوز دیدار پر انوار سے چشم ظاہر بین کو روشن نہ کیا تھا۔ جب دھوپ کی تمازت بڑھی تو صدیق اکبر نے چادر جو زبیر بن العوام نے پیش کی تھی' سے رخ مبارک پر سایہ کر دیا تو خیر مقدم کرنے والوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا۔

(سرور المحزون' شاہ ولی اللہ دہلوی)

وادی قباء میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلثوم بن الہدمؓ کے مہمان رہے۔ کیونکہ جس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے تھے۔ وہ کلثومؓ کی ملکیت تھا اور اسے محلّہ بنی عمر بن عوف کہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ زمین کس کی ہے۔ کلثوم بن الہدامؓ نے بتایا کہ زمین میری ملکیت ہے اور میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں آرام کریں اور رات کو میرے گھر میں آرام فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری وجہ سے تمہیں زحمت ہوگی۔ کلثومؓ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں ایک کمرہ ہے جسے نہ میں استعمال کرتا ہوں' نہ میرے کسی کام کا ہے' آپ صاحبان وہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ میں آپ کے اونٹوں کو کھلا پلا دوں گا اور ان کی نگہبانی کروں گا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ سب سے پہلے مدینہ سے حضرت عمر ابن الخطابؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کیلئے حاضر ہوئے۔ بعدازاں اور مسلمان بھی آئے۔ زیارت کرنے والوں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ اس چھوٹے سے حجرے مین جگہ نہ رہی۔ حضرت سعد بن خثیمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو اپنا وسیع گھر آپ کو پیش کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن میں آنے جانے والوں سے اس مکان میں ملتے اور رات اسی حجرے میں آرام فرماتے۔

(ابن ہشام)

تعمیر مسجد قبا

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبا میں قیام کے دوران سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خداوند وحدہٗ لاشریک کی عبادت کیلئے مسجد کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں میں سے ایک نے مسجد کیلئے اپنی زمین پیش کی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہدیہ قبول نہ فرمایا' بلکہ یہ فرمایا کہ میں یہ زمین خریدنا چاہتا ہوں۔ تاریخوں میں اس زمین کی قیمت درج نہیں مگر تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس زمین کی خریداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہوئی۔ مسجد قبا سب سے پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں نے تعمیر کی اور اس کی تعمیر میں تمام مسلمانان مدینہ نے شرکت کی۔ مہاجرین وانصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گارا اور اینٹیں تیار کر رہے تھے اور حضرت عمر بن الخطابؓ بہت دور سے پتھر یا مٹی کے بورے لا رہے تھے تاکہ گارا اور اینٹیں تیار

کریں۔ مسجد قبا حقیقی معنوں میں سب سے پہلی جامع مسجد ہے۔ کیونکہ تمام مسلمانوں نے اس کی تعمیر میں شرکت کی اور عمر بن الخطاب، ابوبکر، صہیب بن سنان رومیؓ جیسے شرفاء فقیر مسلمانوں کے دوش بدوش مسجد کی تعمیر کیلئے پتھر اور مٹی لاتے۔ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صبح سے شام تک مسجد کی تعمیر میں لگے رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تقریباً بیس دن قیام کیا حتیٰ کہ مسجد مکمل ہوگئی۔ اس مسجد کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○

(سورۃ التوبہ۔108)

جو مسجد اوّل روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی، وہی اس بات کیلئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کیلئے) کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں ○

کلثوم بن ہدم کی افتادہ زمین تھی جس میں کھجوریں سکھایا کرتے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ زمین اس سے لے کر مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابہ کے ساتھ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی کام کرتے تھے۔ شموس بنت نعمان انصاریہ کا بیان ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا بھاری پتھر اٹھاتے تھے کہ جسم اطہر خم ہو جاتا تھا۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے اگر کوئی عقیدت مند عرض کرتا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں، چھوڑ دیجئے، میں اٹھاتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تم ویسا ہی اور پتھر اٹھالاؤ۔ اسی لئے کہا جاتا ہے، کہ اس مسجد کا قبلہ اعدل واقوام ہے۔

(اصابہ ابن حجر۔ ترجمہ شموس بنت نعمان، نیز وفا الوفا)

قباء میں چند روز قیام اور تکمیل مسجد پر جمعہ کے روز 12 ربیع الاوّل سنہ 1 ہجری کو مدینہ کا ارادہ فرمایا اور ناقہ پر سوار ہوئے۔ راستہ میں محلہ بنی سالم پڑتا تھا وہاں پہنچ کر جمعہ کا وقت ہو گیا وہیں نماز جمعہ ایک سو صحابہ کے ساتھ ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں پہلی جمعہ اور پہلا خطبہ ہے۔

خطبۃ التقویٰ

(پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ)

یہ وہ خطبہ ہے جس کا ہر لفظ دریائے فصاحت و بلاغت کی گہرائی میں ڈوبا ہوا ہے اور جس کا ہر حرف امراض نفسانی کیلئے شفا اور مردہ دلوں کیلئے آب حیات ہے اور جس کا ہر کلمہ ارباب ذوق کیلئے رحیق مختوم سے کہیں زیادہ شیریں اور لذیذ ہے۔

(''الحمد اللہ! اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے اعانت اور مغفرت اور ہدایت کا طلب گار ہوں۔ اس کا کفر نہیں کرتا' بلکہ اس کے کفر کرنے والوں سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ جس کو اللہ نے ہدایت' نور حکمت اور موعظت دے کر ایسے وقت میں بھیجا جب انبیاء و مرسل کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور زمین پر علم برائے نام تھا اور لوگ گمراہی میں تھے اور قیامت کا قرب تھا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے' اس نے ہدایت پائی اور جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی وہ بلاشبہ بے راہ ہوا اور کوتاہی کی اور شدید گمراہی میں مبتلا ہوا اور میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کہ ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کو بہترین وصیت یہ ہے کہ اس کو آخرت پر آمادہ کرے اور تقویٰ اور پرہیز گاری کا اس کو حکم دے۔ پس بچو اس چیز سے کہ جس سے اللہ نے تم کو ڈرایا ہے۔ تقویٰ سے بڑھ کر کوئی نصیحت اور موعظت نہیں اور بلاشبہ اللہ کا تقویٰ اور خوفِ خداوندی آخرت کے بارے میں سچا معین اور مددگار ہے اور جو شخص ظاہر و باطن میں اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ درست کر لے جس سے مقصود محض رضائے خداوندی ہو اور کوئی دنیاوی غرض اور مصلحت پیش نظر نہ ہو تو یہ ظاہر و باطن کی مخلصانہ اصلاح دنیا میں اس کیلئے باعث عزت و شہرت ہے اور مرنے کے بعد ذخیرہ آخرت ہے کہ جس وقت انسان اعمال صالحہ کا غایت درجہ محتاج ہوگا اور خلاف تقویٰ امور کے متعلق اس دن یہ تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور ان کے درمیان مسافت بعید حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی عظمت و جلال سے ڈراتے ہیں اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر نہایت ہی مہربان ہیں اور اپنے قول میں سچے ہیں اور وعدہ وفا کرنے والے ہیں۔ ان کے قول اور وعدے میں خلف نہیں پاتے۔

پس دنیا و آخرت میں ظاہر میں اور باطن میں اللہ سے ڈرو۔ تحقیق جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کا کفارہ فرماتے ہیں اور اجر عظیم عطا فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ سے ڈرے تحقیق وہ بلاشبہ بڑا کامیاب ہوا اور تحقیق اللہ کا تقویٰ ایسی شے ہے کہ اللہ کے غضب اس کی عقوبت سزا اور ناراضی سے بچاتا ہے اور تقویٰ ہی قیامت کے دن چہروں کو روشن اور منور بنائے گا اور رضا خداوندی اور رفع درجات کا ذریعہ اور وسیلہ ہوگا اور تقویٰ میں جس قدر حصہ لے سکتے ہو لے لو اس میں کمی نہ کرو اور اللہ کی اطاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم کیلئے کتاب اتاری ہے اور ہدایت کا راستہ تمہارے لئے واضح کیا تاکہ صادق اور کاذب امتیاز ہو جائے۔ پس جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تم حسن و خوبی کے ساتھ اس کی اطاعت بجا لاؤ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو۔ اس کی راہ میں کما حقہ جہاد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے لئے مخصوص اور منتخب کیا ہے اور تمہارا نام اور لقب ہی مسلمان رکھا ہے یعنی اپنا مطیع اور فرمانبردار رکھا ہے۔ پس اس نام کی لاج رکھو۔ منشا خداوندی یہ ہے کہ جس کو ہلاک و برباد ہونا ہے وہ قیام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ ہے وہ بھی قیام حجت کے بعد بصیرت کے ساتھ زندہ رہے۔ کوئی بچاؤ اور کوئی طاقت اور کوئی قوت بغیر اللہ کی مدد کے ممکن نہیں، پس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آخرت کیلئے عمل کرو۔ جو شخص اپنا معاملہ خدا سے درست کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں سے اس کی کفایت کرے گا۔

کوئی شخص اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتا، وجہ اس کی یہ ہے اللہ تعالیٰ کا حکم تو لوگوں پر چلتا ہے اور لوگ اللہ پر حکم نہیں چلا سکتے ہیں۔ اللہ ہی تمام لوگوں کا مالک ہے اور لوگ اللہ کی کسی چیز کے مالک نہیں۔ لہٰذا تم اپنا معاملہ اللہ سے درست کر لو۔ لوگوں کی فکر میں مت پڑو اور اللہ سب کی کفالت کرے گا۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر ولا قوۃ الا باللّٰہ

(تاریخ طبری۔ ج 2، صفحہ 225)

(رحمتہ اللعالمین، سلیمان منصور پوری ج 1، صفحہ 117-120)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خطبہ ہے جو آپ نے ہجرت کے بعد تیرہ سالہ مظلومانہ زندگی کے بعد دیا۔ اس میں ایک حرف بھی اپنے دشمنوں کی مذمت اور شکایت کا نہیں، سوائے تقویٰ اور پرہیز گاری اور آخرت کی تیاری کے بے شک آپ انك لعلیٰ خلق عظیم کے مصداق تھے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبارک وترحم۔ جمعہ سے فارغ ہو کر آپ قصویٰ

پر سوار ہوئے' حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور مدینہ کا رخ فرمایا۔ انصار کا ایک عظیم الشان گروہ ہتھیار لگائے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یمین یسار' آگے اور پیچھے آپ کے جلو میں چل رہا تھا۔ ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ کاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں قیام فرمائیں۔ ہر طرف سے یہی والہانہ اور عاشقانہ استدعا و نیاز تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غریب خانہ حاضر ہے۔ آپ ان کو دعا دیتے اور یہ فرماتے کہ ناقہ من جانب اللہ مامور ہے۔ جہاں اللہ کے حکم سے بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا۔

(فتح الباری۔ ج7' صفحہ 192-195)

مدینہ میں آدھے باشندے یہودی تھے اور آدھے عرب۔ عرب زراعت پیشہ تھے اور یہودی مختلف مشغلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کچھ زراعت پیشہ تھے' کچھ زرگری کرتے تھے اور کچھ دباغ تھے۔ باشندگان مدینہ ایک شخص عبداللہ بن ابی کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ سناروں نے تاج بنانے کیلئے اس کے سر کا ناپ بھی لے لیا تھا۔ جب اہل مدینہ نے سنا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لا رہے ہیں۔ تو انہوں نے عبداللہ بن ابی کے انتخاب کی ضرورت نہ سمجھی۔ مدینہ کے یہودی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قبا کی محراب کا رخ بیت المقدس کی طرف رکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین موسوی قبول کر لیں گے۔ جب مسلمانوں نے پہلی بار جمعہ کی باجماعت نماز مسجد قبا میں پڑھی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کو عبادت کیلئے مخصوص فرمایا تو یہودیوں کو یہ بات ناگوار گزری۔ قبا میں کوئی یہودی مسلمان نہ ہوا البتہ شلوم نام کا یہودی جس نے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورود قباء کی خبر دی تھی' مسلمان ہو گیا۔ جب یہودیوں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی نہیں بنیں گے' تو وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے اسی دن سے مخالف ہو گئے۔ انہوں نے مخالفت کی ابتداء پروپیگنڈے سے کی اور مشہور کر دیا کہ مسلمان عورتیں بانجھ ہو جائیں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے فرمایا کہ یہ پروپیگنڈا بے حقیقت ہے۔ تم کو چاہیے کہ عورتوں کی دل جوئی کرو۔ بعد ازاں حکم الہی ہوا کہ بجائے بیت المقدس کے قبلہ مسلمین خانہ کعبہ

ہو۔اس لئے مسجد قباء کو مسجد ذو قبلتین کہتے ہیں یعنی وہ مسجد جو دو قبلوں والی ہے۔

قباء سے مدینہ کی طرف

جب مسجد قباء مکمل ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں پہلے جمعہ کی نماز باجماعت ادا فرمائی تو مدینہ کا عزم فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔مدینہ کے لوگ گلیوں میں کھڑے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر شخص کی آرزو اور تمنا یہ تھی کہ کاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے یہاں قیام فرمائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کو دعا دیتے اور فرماتے کہ میرا ناقہ من جانب اللہ مامور ہے۔جہاں اللہ کے حکم سے بیٹھ جائے گی وہیں میرا قیام ہوگا۔لگام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا۔جوش کا یہ عالم تھا' خواتین جمال نبوی کو دیکھنے کیلئے چھتوں پر چڑھی ہوئی تھیں اور یہ شعر گاتی تھیں۔

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا　　مادعا اللہ داع
ایھا المبعوث فینا　　جئت بالامر المطاع

چودھویں رات کے چاند نے
ثنیات الوداع کی پہاڑوں سے ہم پر طلوع کیا
ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے
جب تک اللہ کو پکارنے والا کوئی باقی ہے
اے وہ مبارک ذات کہ جو ہم میں پیغمبر بنا کے بھیجے گئے
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امور کو لیکر آئے جنکی اطاعت واجب ہے
اور بنی نجار کی لڑکیاں یہ شعر گاتی تھیں۔

نحن جوارٍ من بنی النجار
یا حبذا محمد من جار

ہم لڑکیاں ہیں بنی نجار کی
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں

تعمیر مسجد نبوی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی مدینہ کے کئی محلے پار کر کے محلہ بنی النجار میں پہنچ گئی۔ سارے مسلمان اونٹنی کے پیچھے پیچھے تھے۔قصویٰ بڑی دیر تک بنونجار کے محلے میں گھومتی رہی۔ پھر ایک افتادہ زمین پر بیٹھ گئی۔اس زین پر کسی کا گھر نہ تھا۔اس سے نزدیک ترین گھر حضرت ابوایوب انصاریؓ کا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ زمین کس کی ہے۔ایک مسلمان آگے بڑھا اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ زمین دو خورد سال یتیموں کی ہے' میرا نام سعد بن زرارہ ہے' میں ان یتیموں کا کفیل ہوں اور یہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کرتا ہوں تاکہ یہاں مسجد اور خانہ مبارک تعمیر فرمائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' میں یہ ہدیہ قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ جگہ یتیموں کی ہے' میں بچپن میں یتیم تھا۔ میں جانتا ہوں یتیموں کو کتنی تکلیفیں پہنچتی ہیں۔صرف ایک شرط پر اسے قبول کرسکتا ہوں کہ تم اس زمین کی قیمت عام قیمت سے زیادہ مجھ سے قبول کرو۔سعد بن زرارہ نے کہا اس زمین کی قیمت سات دینار ہے۔سب نے اس کی تصدیق کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس زمین کی قیمت دس دینار دیتا ہوں کہ تا کہ تم یتیموں کیلئے اس سے بہتر زمین خرید کرسکو۔حضرت ابوبکرؓ اسلام کے خزانچی نے اپنا کیسہ کھولا اور سونے کے دس دینار نکال کر سعد کو پیش کردیے۔اس کے بعد مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔سارے مرد حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود مٹی اور پتھر لا کر مسجد تعمیر کررہے تھے۔مسجد کا طرز تعمیر صدر اسلام میں تمام مسجدوں کیلئے نمونہ بنا۔مسجد کی چھت کھجوروں کے تنوں اور کھجوروں کے پتوں سے بنائی گئی۔مسجد کی تعمیر سات ماہ میں مکمل ہوئی۔

صفہ و اصحاب صفہ

وہ مسلمان جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے تھے ان میں اکثر کے پاس بیٹھنے اور سونے کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں ایک بڑا سا چبوترہ مٹی

اور اینٹوں کا بنوایا' تا کہ نادار لوگ وہاں رات کو سو سکیں۔ اس چبوترے کو صفہ اور اس پر آرام کرنے والوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ جو ابتدا میں فقراء تھے بعد ازاں مشاہیر اسلام ہوئے ہیں' اصحاب صفہ بزرگان اسلام میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ صفہ اسلام کا دار العلوم بنا۔ سب سے پہلی اسلامی درسگاہ یہ صفہ ہی ہے کیونکہ درس وتدریس کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔

اصحاب صفہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ ج تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاج

(سورۃ کہف۔ جزوی آیت نمبر 28)

اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرلو جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں اور اپنی نظریں تم ان کی طرف سے نہ ہٹاؤ۔ اس غرض سے کہ تم دنیاوی زندگی کی زینت پسند کروo

ان کی تعداد میں موت یا سفر یا تزوج کے سبب کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ بعض وقت ان کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی تھی۔ باہر سے اگر کوئی مدینہ میں آتا اور شہر میں اس کی کوئی جان پہچان نہ ہوتی تو وہ صفہ میں اترا کرتا تھا۔ حافظ ابونعیم نے حلیفہ الاولیاء میں سو سے کچھ اوپر اہل صفہ کے نام بتائے ہیں جن میں حضرت ابوذر غفاری' عمار بن یاسر' سلمان فارسی' صہیب رومی' بلال' ابوہریرہ' خباب بن الارت' حذیفہ الیمان بشیر بن المضاصیہ' ابوموبہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ مشاہیر میں سے تھے۔

(مرقات شرح مشکوٰت' ج 5' صفحہ 486)

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جن کا پورا نام خالد بن زید ہے۔ حاضر خدمت ہو کر عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں آرام فرمائیں کیونکہ میرا گھر سب سے قریب ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن بھر مسجد کی تعمیر میں مصروف رہتے' رات کو آتے اور آرام فرماتے' یہودیوں کا پروپیگنڈہ کہ مسلمان عورتیں بانجھ ہوگئی

ہیں' از خود زائل ہو گیا جب حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاں ایک خوبصورت اور تندرست لڑکا پیدا ہوا۔ مسلمان خوش ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمان عورتیں بانجھ نہیں ہوئیں۔

مسجد نبوی اپنی سادگی میں بے مثل تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں تھیں اور کھجور کے تنوں کے ستون تھے اور کھجور ہی کی شاخوں اور پتوں کی چھت تھی جس کو گارے سے لیپ دیا گیا تھا تاکہ بارش سے محفوظ رہے۔ مسجد کے تین دروازے تھے۔ ایک دروازہ دیوار قبلہ کی جانب' دوسرا دروازہ مغرب کی جانب جسے باب الرحمہ کہتے ہیں اور تیسرا دروازہ وہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود آتے جاتے تھے۔ سولہ سترہ ماہ بعد جب بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہو کر خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تو مسجد کے عقب کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ مسجد کا طول و عرض ایک سو گز اور ساٹھ گز تھا۔ مسجد نبوی کی تعمیر دو مرتبہ ہوئی۔ اوّل جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر ابو ایوب انصاری کے گھر فروکش ہوئے' دوسرے سنہ 7 ہجری میں فتح خیبر کے بعد۔ پہلی مرتبہ کی تعمیر میں طول سو گز سے کم تھا اور دوسری مرتبہ کی تعمیر سو گز سے کچھ زائد ہی تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ازواج مطہرات کیلئے حجروں کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے دو حجرے تیار کرائے ایک حضرت سودہؓ کیلئے اور دوسرا حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیقؓ کیلئے۔ بقیہ حجرے بعد میں حسب ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔

مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں دنیا کی پہلی سیاسی اسلامی حکومت اب قائم ہوگئی۔ جس کے سربراہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اب یہی مسجد اسلامی ریاست کا دارالخلافہ' ہائی کورٹ' اسمبلی ہال' اسلامی تعلیمات کی اوّلین یونیورسٹی اصحاب صفہ کا چبوترہ جسے اسلامی دانش گاہ کا شرف حاصل تھا' معرض وجود میں آئے۔ حرم نبوی کا کل رقبہ سترہ ہزار مربع گز تھا۔ جس میں سات تاریخی ستون شامل تھے۔ ان کو استوان رحمت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کے نیچے کے حصے سفید پلاسٹر کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی مسجد کی چھت کے نشان ہیں۔ پہلی قطار میں چار ستون ہیں۔ یہی ریاض الجنہ کی حدود ہیں۔ باقی ستون سرخ رنگ کے ہیں' ان پر طلائی دھاریاں ہیں۔ یہ مسجد نبوی کے صحن کے نشان ہیں۔ ان پر کھجوروں کے درخت بنے ہوئے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہیں کہ ستون کھجور کے تنے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔

1- ستون حنانہ

2- ستون حرس۔ اصحاب النبی یہاں پہرہ دیا کرتے تھے۔

3- ستون توبہ۔ حضرت ابولبابہ سے ایک کوتاہی سرزد ہوئی تو انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا۔ جب توبہ قبول ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے آپ کی زنجیر کھولی۔

4- ستون وفود۔ اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرونی وفود سے ملاقات کرتے تھے۔

5- ستون جبرئیل۔ جناب روح الامینؑ حضرت دحیہ کلبی کی انسان شکل میں یہاں تشریف لائے تھے۔

6- ستون سریر۔ اس جگہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے۔

7- ستون عائشہ صدیقہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ جگہ بہت متبرک ہے۔

مسجد نبوی میں چراغ کی ابتداء

مسجد نبوی اور حجرات میں رات کو چراغ نہیں جلتے تھے۔ حضرت تمیم داری کے غلام سراج کا بیان ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے روشنی کی جاتی تھی۔ ہم قندیلیں، روغن زیتون اور رسیاں لائے اور میں نے قندیلوں کو ستونوں سے لٹکا کر مسجد میں روشنی کر دی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا "ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے" تمیمؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے اس غلام نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، اس کا نام کیا ہے۔ تمیمؓ نے عرض کیا اس کا نام فتح ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بلکہ اس کا نام سراج ہے" پس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام سراج رکھا۔

(استیعاب واصابہ ترجمہ سراج التمیمی)

مواخات

مکہ سے آنے والے مہاجر سب کچھ چھوڑ آئے تھے لہٰذا فقیر تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو حکم دیا کہ ہر ایک انصار ایک مہاجر کے ساتھ بھائی چارہ کرے۔ اسے

اپنے گھر میں جگہ دے اور اپنے ذرائع معاش میں شریک کرے۔انصار نے آپ کی تجویز یا حکم پر لبیک کہا۔ایک سو چھیاسی مہاجرین نے انصار کے ساتھ عہد اخوت باندھا۔اور ان کے گھروں میں رہنے لگے۔اللہ تعالیٰ نے سورہ الانفال کی آیت 76 میں مسلمانان مدینہ کی تعریف کی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○

(الانفال۔74)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی (ان کو) اور مدد کی، یہی لوگ ہیں جو سچے مومن ہیں ان کیلئے بخشش اور عزت کی روزی ہے ○

دنیا کے سب سے بڑے تاریخ ساز نے انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ میں بھائی چارہ قائم کر دیا تا کہ گورے کالے کی تمیز ختم ہو۔ بھائی چارے کے بعد قرار پایا جو مہاجر کسی انصار کے گھر ٹھہرا ہے وہ راہ خدا میں ایک دن مسجد کی تعمیر پر صرف کرے اور ایک دن معاش کیلئے کام کرے۔حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھائی چارہ فرمایا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی تعمیر اور عوام کے ضروری مسائل حل کریں' میں اپنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے فکر معاش کروں گا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ روزی کمانے نکل جاتے اور حصول معاش کیلئے دن بھر پانی ڈھوتے اور روزانہ صرف سولہ کھجوریں مزدوری حاصل کرتے۔آدھی کھجوریں آپ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کرتے اور آٹھ خود رکھ لیتے۔ یہ تھے وہ لوگ جنہوں نے اسلام کی بنیاد رکھی۔ مہاجرین مکہ کاروباری اور انصار مدینہ کاشتکار تھے۔مواخات سے مدینہ کی معیشت پر گہرا اثر پڑا۔مدینہ ایک منڈی بن گیا اور تجارت عام ہوگئی۔مکہ کے قطروں نے مدینہ کے انصار سے مل کر رحمت کا دریا بنا دیا اور بہار جاوداں کی آمد سے مدینہ میں چمنستان کھل اٹھے۔

مواخات مہاجرین وانصار

مواخات میں منسلک ہو کر مہاجرین وانصار شی واحد بن گئے۔تشتت تفریق کا نام ونشان

کے مکان میں ہوئی۔ فتح الباری جلد 7' صفحہ 210 کے مطابق ان بزرگوں کے نام یوں ہیں۔

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکر صدیق	حضرت خارجہ بن زید
حضرت عمر ابن الخطاب	حضرت عتبان بن مالک
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح	حضرت سعد بن معاذ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف	حضرت سعد بن ربیع
حضرت زبیر بن العوام	حضرت سلامہ بن سلامہ بن وقیش
حضرت عثمانؓ بن عفان	حضرت اوس بن ثابت
حضرت طلحہ بن عبیداللہ	حضرت کعب بن مالک
حضرت سعید بن زید	حضرت ابی بن کعب
حضرت مصعب بن عمیر	حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاری
حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ	حضرت عباد بن بشیر
حضرت عمار بن یاسر	حضرت حذیفہ بن الیمان
حضرت ابوذر غفاری	حضرت منذر بن عمرو
حضرت سلیمان الفارسی	حضرت ابودرداء عویمر بن ثعلبہ
حضرت بلال حبشی	حضرت ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ	حضرت عویم بن ساعدہ
حضرت ابومرثد	حضرت عبادۃ بن صامت
عبداللہ بن جحش	حضرت عاصم بن ثابت
حضرت عتبہ بن غزوان	حضرت ابودجانہ
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد	حضرت سعد بن خثیمہ
حضرت عثمان بن مظعون	حضرت ابوالہیثم بن تیہان
حضرت عبیدہ بن الحارث	حضرت عمر بن الحمام

مٹ گیا۔ سب نے مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا۔ امت مرحومہ تفریق واختلاف سے محفوظ ہوگئی۔ زمانہ جاہلیت کے تفاخر اور مباہات کا فاسد مادہ برباد ہوگیا۔ خادم اور مخدوم، غلام اور مولا، محمود اور ایاز سب ایک ہوئے۔ دنیاوی امتیازات مٹ گئے اور صرف تقویٰ اور پرہیزگاری شرف و بزرگی انسانیت کا پیمانہ ٹھہرا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ط

(سورۃ الحجرات۔ 13)

بے شک تم میں خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

پہلی مواخات

ہجرت سے پہلے ہونے والی مواخات جو مکہ میں ہوئی' خاص مہاجرین کے درمیان ہوئی۔ ان حضرات کے نام کچھ اس طرح ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق	حضرت عمر
حضرت حمزہ	حضرت زید بن حارثہ
حضرت عثمان غنی	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
حضرت زبیر بن العوام	حضرت عبداللہ مسعود
حضرت عبیدہ بن الحارث	حضرت بلال بن رباح
حضرت مصعب بن عمیر	حضرت سعد بن وقاص
حضرت ابوعبیدہ	حضرت سالم بن ابی حذیفہ
حضرت سعید بن زید	حضرت طلحہ بن عبیداللہ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	حضرت علی کرم اللہ وجہہ

دوسری مواخات

دوسری مواخات ہجرت کے پانچ ماہ بعد مہاجرین وانصار کے مابین حضرت انس بن مالکؓ

حضرت طفیل بن الحارث	حضرت سفیان نسر خضری
حضرت صفوان بن بیضاء	حضرت رافعہ بن معلے
حضرت مقداد	حضرت عبداللہ بن رواحہ
حضرت ذوالشمالین	حضرت یزید بن الحارث
حضرت ارقم	حضرت طلحہ بن زید
حضرت زید بن الخطاب	حضرت معن بن عدی
حضرت عمرو بن سراقہ	حضرت سعد بن زید
حضرت عاقل بن بکیر	حضرت مبشر بن عبدالمندر
حضرت خنیس بن حذافہ	حضرت منذر بن محمد
حضرت سرہ بن رہم	حضرت عبادہ بن الخشخاش
حضرت مسطح بن رثاثہ	حضرت زید بن المزئین
حضرت عکاشہ بن محصن	حضرت مجذر بن دمار
حضرت عامہ بن فہیرہ	حضرت حارث بن حمتہ
حضرت مہجع مولا حضرت عمر	حضرت سراقہ بن عمرو بن عطیہ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین الا یوم الدین

(عیون الاثر' ج 1' صفحہ 201)

عقد برادری کے بعد انصار نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں اور ہم میں تقسیم فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ یہ سن کر انصار کہا' درختوں کا کام پانی دینا وغیرہ مہاجر کریں' ہم انہیں پھل میں شریک کرلیں گے۔ سب نے اسے بسر وچشم تسلیم کرلیا۔ یہ مساقات کی صورت تھی۔ انصار مہاجرین کو پیداوار کا نصف دیتے تھے۔ اس عقد برادری کے دروان اگر انصاری وفات پا جاتا تو اس کی جائیداد و مال مہاجر کو ملتا اور انصار کے قریبی رشتہ دار محروم رہ جاتے چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۃ الحشر۔9)

اور جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کی ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۝

حدیث میں ہے کہ ایک بھوکا سائل رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر میں دریافت فرمایا کچھ کھانے کو ہے۔ جواب آیا صرف پانی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس کو مہمان بنائے۔ ایک انصاری نے عرض کیا میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اس کو اپنے گھر لے گیا اور بیوی سے کہا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کو کھانا کھلاؤ۔ وہ بولی کہ صرف بچوں کی خوراک موجود ہے۔ کہا وہ کھانا تیار کرو اور کھاتے وقت بچوں کو سلا دینا۔ جب میاں بیوی مہمان کے ساتھ کھانے پر بیٹھے تو بیوی نے بتی اُکسانے کے بہانے چراغ گل کر دیا اور میاں بیوی بھوکے رہے اور ہاتھ اس طرح ہلاتے رہے کہ گویا کھانا کھا رہے ہیں۔ صبح کو انصاری حاضر خدمت ہوا تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رات کو اللہ تمہارے نیک کام سے راضی ہوا اور ویوثرون علی انفسہم کی آیت نازل فرمائی۔

جب سنہ 4 ہجری میں بنو نضیر جلا وطن ہوئے تو ان کے اموال رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انصار کی رضامندی سے مہاجرین میں تقسیم فرما دیئے۔ حضرات سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان اموال کو مہاجرین میں تقسیم فرما دیجئے وہ ہمارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خدایا! تو انصار اور ابنائے انصار پر رحم فرما۔"

مدینہ کے یہود

۱) مدینہ کے آدھے باشندے یہودی تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش اور خواہش تھی کہ وہ اسلام کے معاون رہیں۔ یہودی توریت اور دیگر آسمانی صحیفوں سے واقف تھے یہ بھی جانتے تھے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے اور آخرالزمان پیغمبر ہیں' لیکن حسد اور بغض کی وجہ سے ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے۔ جہاں کمزور ہوتے' مسلمانوں کے سامنے گربہ مسکین کی صورت اختیار کر لیتے اور جہاں طاقت ور ہوتے تو شیر بن جاتے ہم گویا قریش تکبر غرور اور برتری کی بیماری میں مبتلا تھے اور یہود مدینہ احساس کمتری کے روگ میں مرتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے تین بڑے مسائل تھے۔ مہاجرین کی بحالی' دشمنوں کی طرف سے حملہ کا خطرہ اور اس کا سدِ باب اور دین اسلام کی ترویج۔ جب انصار و مہاجر یک جان دو قالب ہو گئے تو یہود نے اندرونی طور پر کفار مکہ سے ساز باز کر لی اور اقامت دین میں مشکلات پیدا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اوّل اوّل یہودیوں کا خیال تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی ہو جائیں گے' حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کرتے' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیغمبر نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عرب میں ہیں اور سارے انبیاء یہودی قوم سے ہوئے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صرف اس طرح پیغمبر ہو سکتے ہیں جب یہودی بن جائیں۔

تحویل کعبہ

تحویل کعبہ سے بہت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہو چکی تھی سورۃ البقرہ آیت 115 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

(سورۃ البقرہ۔115)

اور اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی سو جس طرف بھی تم رخ کرو اسی طرف ہے ر

اللہ کا۔ بے شک اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہےO

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ یہود کسی طرح مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نماز پڑھتے وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کرلیا کریں۔ سورہ البقرہ کی آیت 142 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O

(سورۃ البقرہ۔142)

نادان لوگ ضرور کہیں گے انہیں (مسلمانوں) کیا ہوا کہ پہلے یہ جس قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اس سے یکایک پھر گئے؟ اے نبی ان سے کہو" مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہےO

تحویل قبلہ کا حکم تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اس حکم نے مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں سے کلی طور پر علیحدہ کردیا اور دین اسلام کو دین یہود سے بالخصوص بالکل ممتاز کردیا۔ ہجرت کے سترہ ماہ بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد بنوسلمہ میں ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم ملا۔ یہودی مسلمان پر استہزاء کرتے کہ بیت المقدس تو ہمارا قبلہ ہے جس کی طرف مسلمان منہ کر کے نمازیں ادا کرتے ہیں۔ تازہ حکم سے مسلمانوں کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت الحرام قبلہ بنا دیا گیا تا کہ ملت ابراہیم ایک الگ حزب اللہ بن سکے۔ اب کعبہ مسجد اور روئے زمین اس کا صحن بن گیا اور مسلمانوں کو دنیا کی امامت اور خلافت کا منصب عطا ہوگیا۔

تحویل قبلہ کی کیفیت

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد بنی سلمہ میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے۔ تیسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ وحی الٰہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی طرف رخ موڑ لیا اور مقتدیوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کیا۔ اس مسجد کو مسجد قبلتین کہتے ہیں۔ ایک

نمازی جو شامل جماعت تھا عصر کے وقت مسجد بنی حارثہ میں گیا۔ اس نے دیکھا وہاں نماز عصر بیت المقدس کی طرف پڑھ رہے ہیں اس نے تحویل قبلہ کی خبر دی' وہ لوگ نماز میں ہی قبلہ رخ ہو گئے۔ دوسرے روز قباء میں عین اس وقت خبر پہنچی جب لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بھی اسی حال میں اپنا رخ بدل کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ تحویل قبلہ یہودیوں پر سخت ناگوار گزرا۔ وہ اس پر اعتراض کرنے لگے۔ ان کے اعتراض کا جواب قرآن کریم نے یوں دیا۔

وَمَاجَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ

(سورۃ البقرہ۔ 143)

پہلے تم جس طرف رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کیلئے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے یہ معاملہ تھا تو بڑا سخت۔ مگر ان لوگوں کیلئے کچھ بھی سخت نہ ثابت ہوا' جو اللہ کی ہدایت سے فیض یاب تھے O

پہلی آیت میں جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ان کا اعتراض نقل کر کے یوں جواب دیا گیا کہ مشرق و مغرب بلکہ تمام جہات خدا کی ہیں۔ اس کو کسی خاص جہت سے خصوصیت نہیں کیونکہ وہ مکان و جہت سے پاک ہے۔ وہ جس طرف چاہے قبلہ مقرر کر دے۔ ہمارا کام صرف اطاعت ہے۔ دوسری آیت میں ذکر کیا گیا کہ تحویل قبلہ اس وجہ سے ہوا کہ ثابت و متزلزل میں تمیز ہو جائے۔

اسلام کا اوّلین قانون اساسی

(میثاق مدینہ)

مدینہ منورہ کی اکثر و بیشتر آبادی اوس و خزرج کے قبائل کی تھی۔ مگر عرصہ دراز سے یہاں یہودی بھی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ مدینہ منورہ اور خیبر میں بڑی تعداد میں ان کے مدرسے اور علمی مراکز تھے۔ خیبر میں ان کے متعدد قلعے بھی تھے۔ یہ لوگ اہل کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں ان کو علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا۔ ان کو کتاب سماوی کے ذریعے نبی آخر الزمان کے احوال و اوصاف کا بخوبی علم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ میں رہے' یہود قریش کو نبی کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں اکسارتے رہے اوران کوتلقین کرتے رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصحاب کہف' ذوالقرنین اورروح کے متعلق دریافت کریںؓ (جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کرمدینہ منورہ تشریف لائے تو آتش حسد وعناداور مشتعل ہوگئی اورمحسوس کرنے لگے کہ ہماری علمی برتری بھی ختم ہورہی ہے۔ علماء واحبار یہود میں جوصالح اورسلیم الفطرت تھے۔ انہوں نے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیوں کوظاہرکیااور آپ پرایمان لائے' مگراکثریہود نے معاندانہ رویہ اختیارکیااورحسد وعناداورفتنہ وفساد کے انسداد کیلئے ان سے ایک تحریری معاہدہ کیاتاکہ ان کے عناد وحسد میں زیادتی نہ ہواورمسلمان ان کے فتنہ وفساد سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد یہود مدینہ سے ایک معاہدہ فرمایا جس میں ان کواپنے اوراپنے اموال املاک پر برقرار رکھ کرحسب ذیل شرائط پران سے ایک تحریری عہدلیا جس کوتاریخ اسلام میں میثاق مدینہ کانام دیا گیا ہے(۔ یہ قانون اساسی جس کی باون دفعات تھیں' خودآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضع فرمایا تھا)اوریہ تاریخ انسانیت کا سب سے پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے)۔ اس کی پچیس دفعات مسلمانوں سے متعلق تھیں اور ستائیس دوسرے مذاہب والوں سے تعلق رکھتی تھیں' خواہ وہ یہودی ہوں' عیسائی یاصابی یا بت پرست' مدینہ کا یہ قانون اساسی اسطرح کا تھا کہ دوسرے مذاہب کے پیروکارمسلمانوں کے ساتھ بغیرکسی ٹکراؤ کے مدینہ طیبہ میں رہ سکیں اوراپنے مذہبی معاملات پرآزادی سے عمل کرسکیں)۔ اس قانون کی رو سے مدینہ کاہرگروہ اپنے دین کی حفاظت کرنے کیلئے آزاد تھا۔ البتہ مختلف مذاہب کے پیروکار جومدینہ میں رہتے تھے'اس بات پرمجبور تھے کہ اگرکوئی بیرونی طاقت مدینہ منورہ پرحملہ آورہوتو وہ سب مل کراس کامقابلہ کریں گے۔ اس قانون اساسی کی چندایک دفعات سیرت ابن ہشام ج 1' صفحہ 178 اورالبدایہ والنہایہ ج 3' صفحہ 224 کے مطابق حسب ذیل ہیں۔

یہ تحریری عہدنامہ ہے محمد نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے درمیان مسلمانان قریش ویثرب کے یہود کے کہ جومسلمانوں کے تابع ہوں اوران کے ساتھ الحاق چاہیں' ہرفریق اپنے اپنے مذہب پرقائم رہ کرامورذیل کاپابند ہوگا۔

1- قصاص اورخون بہاکے جوطریقے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ عدل وانصاف کے

ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔

2- ہر گروہ کو عدل وانصاف کے ساتھ اپنی جماعت کا فدیہ دینا ہوگا' یعنی جس قبیلہ کا جو قیدی ہو گا' اس قیدی کو چھڑانے کیلئے زرفدیہ کا دینا اسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔

3- ظلم' برائی اور دشمنی اور فساد کے مقابلے میں سب متفق رہیں گے۔ اس بارے میں کسی کی رعایت نہ کی جائے گی اگرچہ وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

4- کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کی کسی قسم کی مدد کی اجازت ہوگی۔

5- ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جیسا کہ ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کو ہوگا۔

6- جو یہودی مسلمان کے تابع ہو کر رہیں گے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ ان پر نہ کسی کا ظلم ہوگا اور نہ ان کے مقابلہ میں ان کے دشمن کی کوئی مدد کی جائے گی۔

7- کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے کسی جان یا مال کو پناہ دے سکے یا قریش اور مسلمان کے مابین حائل ہو۔

8- بوقت جنگ یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا۔ مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔

9- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ کرے تو یہود پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد لازم ہوگی۔

10- جو قبائل اس عہد اور حلف میں شریک ہیں اگر ان میں سے کوئی قبیلہ اس حلف اور عہد سے علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے علیحدگی اختیار کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

11- کسی فتنہ پرداز کی مدد یا اس کو ٹھکانہ دینے کی اجازت نہ ہوگی اور جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے گا یا اس کو اپنا ٹھکانہ دے گا۔ تو اس پر اللہ کی لعنت اور غضب ہے' قیامت تک اس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔

12- مسلمان اگر کسی سے صلح کرنا چاہیں گے تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضرور ہوگا۔

13- جو کسی مسلمان کو قتل کرے اور شہادت موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا الا یہ کہ ولی مقتول دیت وغیرہ پر راضی ہو جائے۔

14- جب کبھی کوئی جھگڑا یا کوئی باہمی اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(البدایہ والنہایہ ج 3 صفحہ 224 فتح الباری ج 3 صفحہ 314)

قبائل پر معاہدہ کی توسیع

میثاق مدینہ پر مدینہ کی تمام آباد قوموں کے دستخط ہو گئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ گردونواح کے قبیلوں کو بھی اس معاہدہ میں شامل کیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔

1- جو خانہ جنگی قبائل میں جاری رہتی ہے اس کا انسداد ہو جائے۔

2- قریش ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں گے۔

اس مبارک اور امن بخش ارادہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال ودان تک جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، سفر فرمایا اور قبیلہ بنی حمزۃ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کر لیا۔ اس عہد نامہ پر عمرو بن فحشی الضمری نے دستخط کئے۔

(زاد المعاد ج 1 صفحہ 334)

اس ارادہ سے ربیع الاوّل سنہ 2 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضوی کی طرف تشریف لے گئے اور کوہ بواط کے لوگوں کو شریک معاہدہ کر لیا۔

معاہدہ کا متن

یہ معاہدہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین (مسلمان مکہ) اور انصار (مسلمانان مدینہ) اور ان غیر مسلم جماعتوں سے جو ان سے تعلق رکھتی ہیں، کیا اور جس کی شرطیں یہ ہیں کہ یہ سب ملت واحدہ قرار دیئے جاتے ہیں۔ مہاجرین قریشی اپنی رسوم پر قائم رہیں گے۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر خون بہا واجب ہوگا تو سب مل کر اسے ادا کریں گے۔ اپنے قیدیوں کا

اجتماعی حیثیت میں فدیہ ادا کریں گے۔ بنی عوف بھی اپنی رسوم برقرار رکھیں گے اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی خون بہا واجب ہو گیا تو سب اس کی ادائیگی کی متفقہ طور پر کوشش کریں گے اور ہر قبیلہ اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کرے گا (اس جگہ معاہدے میں انصار کی مختلف جماعتوں اور خاندانوں کے نام درج ہیں مثلاً بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی نجار، بنی عمرو، عوف اور بنی نبیت) مومن کسی معذور یا مجبور کو اس کے حال پر نہیں چھوڑیں گے اور اس کا فدیہ یا خون بہا بہ رضا و رغبت ادا کریں گے۔ کوئی مومن کسی مومن کے غلام سے اس کے علم کے بغیر معاہدہ نہیں کرے گا۔ اگر کوئی شخص سرکشی کرے، ظلم پر کمر باندھے، جرم کا مرتکب ہو، زیادتی کرے یا مومنوں کے درمیان موجب فساد بنے تو مومن اس کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، خواہ وہ شخص ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کسی کافر کی حمایت میں ہلاک نہیں کرے گا نہ کسی کافر کو کسی مومن کے مقابلے میں مدد دے گا۔ خدا کا عہد ایک ہے، ایک ادنیٰ ترین مسلمان اگر چاہے تو سب کی طرف سے عہد و پیمان کر سکتا ہے۔ مومن باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں، انہیں دوسروں سے کوئی سروکار نہیں۔

یہودیوں سے معاہدہ

یہودیوں میں سے جو شخص ہمارا پیروکار ہو گا (یعنی عہد کی پابندی کرے گا) وہ بھی ہماری اعانت اور ہمارے تعاون کا مستحق ہو گا۔ کوئی شخص اس پر دست درازی نہیں کرنے پائے گا اور ہم اس کے خلاف کسی کی مدد کیلئے آمادہ نہیں ہوں گے۔ مومن کی صلح صلح ہے۔ مومن کسی جنگ میں دوسرے مومن کی مرضی کے بغیر انصاف اور مساوات سے بے نیاز نہ ہو گا اور کسی بات کیلئے آمادہ نہ ہو گا۔ جو قبیلہ ہمارے دوش بدوش جنگ کرے گا۔ اس کے دستے باری باری حصہ لیں گے۔ مسلمان اس خون ریزی میں جو راہ خدا میں ہوتی ہے، ایک دوسرے کی اعانت کریں گے۔ پرہیزگار مومن ہدایت اور راہ راست پر چلیں گے۔ کوئی مشرک (مشرک سے مراد مشرکین مدینہ ہیں جو اس معاہدے میں شریک ہوئے تھے) قریش کے کسی آدمی یا مال کو اپنی حفاظت میں نہیں لے گا اور اس پر تسلط سے کسی مسلمان کو نہیں روکے گا۔ جو شخص کسی مومن کو بے سبب مار ڈالے گا اور اس پر جرم ثابت ہو جائے گا، اسے مار ڈالا جائے گا۔ تمام مومن اس معاہدے سے متفق ہیں اور اس کی دف

سے انہیں اختلاف نہیں۔ کسی مومن کیلئے جو معاہدے کو تسلیم کرتا ہے اور خدا اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہے یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی خطا کار کو مدد یا پناہ دے اور جو کسی مجرم کو پناہ یا مدد دے گا قیامت کے روز خدا کے غضب اور اس کی لعنت کا مستوجب ہوگا اور اس کی توبہ یا فدیہ نا قابل قبول ہوگا۔ اگر کسی معاملے میں اختلاف ہو تو خدا اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں۔ جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کا صرفہ بھی ہوگا۔ بنی عوف کے یہودی مومنوں کے ساتھ متحد ہیں اور ایک امت کا حکم رکھتے ہیں۔ یہودی اپنے دین کے اور مسلمان اپنے دین کے پیرو ہیں اور ان کے غلام ان ہی کے حکم میں داخل ہیں، مگر وہ شخص جو ظلم کرے یا جرم کا مرتکب ہو، وہ نہ صرف اپنی ذات کو بلکہ اپنے پورے خاندان کو مصیبت میں مبتلا کرے گا۔ بنی نجار، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جشم، بنی اوس، بنی ثعلبہ، بنی جفنہ، بنی شطیبہ بھی ایسے ہیں جیسے بنی عوف کے یہودی اور مسلمانوں سے ان کا اتحاد ہے۔ بنی ثعلبہ کے غلام بھی اس معاہدہ میں اسی طرح شریک ہیں جیسے بنی ثعلبہ اور وہ لوگ جو یہودیوں سے وابستہ ہیں وہ بھی یہودی کے ذیل میں آتے ہیں۔ کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر معاہدین کے زمرے سے خارج نہیں ہوگا قصاص کا حکم کسی صورت ساقط نہ ہوگا اور جو شخص کسی کا خون بہائے گا اس کے اور اس کے خاندان کے ذمے خون بہا کی ادائیگی ہوگی۔ مگر وہ شخص جو مظلوم ہو، اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایفائے عہد کے حق میں ہے۔

یہودی بحالت جنگ اپنے مصارف کے متحمل خود ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات خود برداشت کریں گے۔ جو شخص اپنے معاہدے میں شریک قبائل کے خلاف آمادہ جنگ ہو، اس کے مقابلے کیلئے سب مجتمع ہوں گے اور کوئی شخص اپنے ہم عہد سے بیوفائی نہیں کرے گا۔ مظلوم کی حمایت سب پر فرض ہوگی۔ اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کیلئے مدینہ کا اندرونی حصہ بمنزلہ حرم ہوگا، یعنی اس کی حدود میں جنگ جائز نہ ہوگی۔ ہر شخص کا ہمسایہ خود اس کے برابر ہے، کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے ہمسائے کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ کسی شخص کو اس کے رشتہ داروں کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے۔ اس معاہدے میں شریک ہونے والوں کے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلاف ہو یا مناقشے کی صورت پیش آئے تو اس کے تصفیئے کیلئے خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب رجوع کیا جائے۔ خدا معاہدے کی بہتری میں ہے۔ قریش اور ان

کے دوستوں کو پناہ نہ دی جائے۔ اگر کوئی شخص مدینہ پر حملہ آور ہو تو اس معاہدے میں شریک قبائل اس کے خلاف جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اگر انہیں صلح کی دعوت دی جائے تو اسے قبول کریں۔ اگر یہ صلح کا پیغام دیں تو مسلمانوں کیلئے لازم ہے کہ وہ اسے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کریں۔ لیکن اس سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو دین کے بارے میں جنگ پر آمادہ ہو۔ بنی اوس کے یہودی اوران کے غلام اس معاہدے سے مستفید ہوں گے۔ ان سے نیک سلوک روا رکھا جائے۔ نیکی بدی سے قطعاً علیحدہ چیز ہے۔ جو شخص کچھ کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ خدا اس معاہدے پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے اور اس کا منشاء ہے کہ اس کی دفعات پر پورا عمل ہو۔ ظالم اور مجرم کی حمایت منشائے ایزدی کے منافی ہے۔ جو شخص مدینہ سے باہر چلا جائے مامون ہے اور جو یہاں رہے وہ بھی امن میں ہے۔ خداوند تعالیٰ پرہیز گاروں اور نیکوکاروں کا ناصر و یاور ہے۔

ان شرائط کا خلاصہ یہ ٹھہرا۔

1- خون بہا اور فدیہ کا طریقہ حسب سابق قائم رہے گا۔

2- ہر دو فریق کو مذہبی آزادی ہوگی۔

3- ہر دو فریق ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے۔

4- اگر ایک فریق کو کسی سے لڑائی پیش آئے تو دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا۔

5- اگر فریقین میں ایسا اختلاف پیدا ہو جائے جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھوڑ دیا جائے۔

6- اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرے تو ہر دو فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

7- کوئی فریق قریش اور ان کے معاونین کو امان نہ دے گا۔

8- اگر ایک فریق کسی سے صلح کرے گا تو اس مصالحت میں دوسرا فریق بھی شامل ہوگا مگر مذہبی لڑائی سے مستثنیٰ ہوگا۔

سیاسی فتح

یہ معاہدہ ایک سیاسی کارنامہ ہے۔ جسے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے سرانجام دیا۔ اس کی رو سے افکار و عقائد کی آزادی اور مدینہ اور اہل مدینہ کی حفاظت کیلئے ایک

م معرض وجود میں آ گیا۔ اس دور میں چار سو ظلم و فساد اور جور و ستم کا دور دورہ تھا۔ یہ معاہدہ اپنی
نیت میں اپنی نظیر آپ ہے اگر چہ بنی قریظہ بنی نضیر اور بنی قینقاع کے یہودیوں نے اس معاہدے
شرکت نہیں کی تھی تاہم چند روز بعد انہوں نے بھی اس قسم کا معاہدہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے کیا اور اس طرح مدینہ اور اطراف مدینہ اس کے باشندوں کے امن و سلامتی کا مرکز و محور بن گئے۔
معاہدین پر معاہدے کی حفاظت اور جنگ کی صورت میں ان پر ایک دوسرے کی مدد لازم ہوگی۔
(سیرت ابن ہشام)

ماہ جمادی الآخر سنہ 2 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی العشیرہ تشریف لے
گئے جو ینبوع اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے اور یہاں بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔
(زادالمعاد ج 1 صفحہ 334)

اگر کافی وقت مل جاتا اور میثاق مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق
تکمیل پاتا تو دنیا پر آشکار ہو جاتا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تلوار چلانے نہیں
بلکہ صلح اور امن قائم کرنے کیلئے معبوث ہوئے تھے۔

ضمیر کی آزادی کا اوّلین منشور

خلاصہ کلام یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں جو مختلف طبقات اور
قبائل پر مشتمل معاشرہ ترتیب دیا تھا' وہ صحیح معنوں میں متمدن زندگی کا آغاز کرنے کیلئے یہود اور
دیگر قبائل کے ساتھ ایک معاہدہ تھا جو تاریخ عالم میں پہلی باضابطہ حکومت کی تشکیل کا باعث بنا
اس معاہدے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر کی محلہ وار انتظامیہ کی تشکیل دی اور ہر
محلے میں ایک امیر مقرر فرمایا۔ ہر امیر محلہ کی امداد اور مشاورت کیلئے متعدد نائبین محلہ اور اجتماع
کیلئے جگہ کا تعین فرمایا۔ نائبین کو علی الترتیب نقیب' عریف اور سقیف کہتے تھے اور یہ بھی قرار دیا
کہ اگر کوئی محلے دار اپنی مجلس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے قابل نہ ہو تو دیگر مجالس ہاتھ
بٹانے کی پابند ہوں گی۔ اس معاہدے میں یہ بھی تحریر تھا کہ یہودی اپنے مذہب پر اور مسلمان
اپنے مذہب پر قائم رہیں گے۔ دینی آزادی اور رواداری بنیادی حیثیت کی حامل ہوگی
معاہدے کے الفاظ میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھا گیا جسے یہودیوں نے قبول

و منظور کیا۔ اس معاہدے میں یہودی قبائل کا ذکر فرداً فرداً کیا گیا۔ اس طرح یہودیوں نے ایک اکائی کی حیثیت سے وفاق مدینہ میں شرکت نہیں کی بلکہ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک اکائی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی یہودی قبیلہ سے جنگ کی نوبت آئی یا کسی یہودی قبیلے کو مدینہ بدر کرنے کے احکام نافذ کئے گئے تو نہ صرف باقی قبائل خاموش رہے بلکہ بعض مواقع پر انہوں نے مسلمانوں کی مدد بھی کی۔

معاہدے کی رو سے مسلمانوں کے ساتھ فوج میں یہودیوں کی شرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت پر منحصر تھی۔ اس دفعہ کی عبارت کچھ مبہم سی ہے اور اس سے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ یہودی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر خود کسی سے جنگ نہیں کر سکتے۔ اس سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاسی اقتدار کی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ اس معاہدے سے سب سے زیادہ قریش مکہ متاثر ہوئے جو مسلمانوں کے خلاف یہود سے مدد لیتے تھے یا انہیں مدد فراہم کرتے تھے۔ لہٰذا قریش اپنے حلیف یہودیوں کی اعانت سے محروم ہو گئے۔ اس معاہدے سے یہ بات بھی طے ہو گئی کہ یہودی قریش کو اور قریش یہودیوں کے مددگاروں کو بھی کسی قسم کی پناہ نہیں دیں گے۔

میثاق میں لفظ ''دین'' بھی استعمال کیا گیا ہے جس سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ اسلام میں مذہب اور سیاست میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا گیا دستور مدینہ کا ایک مقصد اسلام کی حقانیت کو واضح کرنا بھی تھا۔ اس مقصد کے پیش نظر دستور میں مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا ہے۔ کہ اگر ان کا کوئی غیر مسلم رشتہ دار کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو ان کو قصاص پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کسی مسلمان کے خلاف کسی غیر مسلم کی مدد کرنی چاہیے۔

مدینہ منورہ کی حرمت

مکہ معظمہ تو حرم تھا ہی میثاق مدینہ نے مدینہ منورہ کو بھی حرم قرار دے دیا۔ مذہبی لحاظ سے یہاں خونریزی کی ممانعت ہو گئی۔ فریقین اس پر رضامند ہو گئے کہ اس حرمت کو قائم و دائم رکھنے کیلئے کسی قربانی سے گریز نہیں کریں گے۔ سیاسی لحاظ سے اس دستور نے حرم کی حدود میں رہنے والوں کو ایک جماعت قرار دیا' جس پر حکومت کے تمام قوانین عائد ہوتے تھے۔ مدینہ منورہ کو حرم

قرار دینے کے بعد اس کی سرحدوں پر چھوٹے چھوٹے مینار حضرت کعب بن مالکؓ کی نگرانی میں تعمیر ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں سے ایک نیم یہودی عرب شہر کو حرم منوالینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا سیاسی کارنامہ تھا۔

مملکت مدینہ کو وحدت، میثاق مدینہ کی بدولت حاصل ہوئی۔ معاہدے نے فریقین کو اس بات کا پابند کر دیا کہ وہ تمام دنیا کے مقابل اسے ہی محترم جانیں گے۔ میثاق مدینہ نے پہلی بار جزیرہ نمائے عرب میں ایک مرکزی حکومت کی اساس قائم کی۔ اس سے پہلے عرب میں قبائلی نظام رائج تھا۔ جس میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے ساتھ برسرپیکار رہتا۔ ہر طرف لاقانونیت کا راج تھا۔ مسلمانوں کی مرکزی حکومت کے قیام سے پہلے مظلوم کو اپنے انتقام کی آگ بجھانے کیلئے اپنی یا اپنے قبیلہ کی قوت پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اس دستاویز نے انفرادیت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا اور ظلم وستم اور زیادتی کرنے والوں کا احتساب کرنا حکومت کا فرض ٹھہرا' مسلمانوں کا ایک دوسرے کی مدد کرنا فرض قرار دیا گیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی ضرب سے اس عربی تصور کو ختم کر دیا جس نے اہل مکہ کو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف استحصال ختم کرنے کی موثر حکمت عملی سے روکے رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قدیم بندھنوں کو ختم کر دیا' قدیم رکاوٹوں کو توڑ ڈالا اور ہر مسلمان کو ایمان والوں کی مسلسل وحدت کا تحفظ دیا۔ یہ تحفظ قصاص کی حد تک تھا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں خون بہانے کا تعلق ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے خون کا انتقام لے سکتے ہیں اس معاہدے کی حقیقت مسلم مورخین سے کہیں زیادہ مشرکین نے محسوس کی ہے۔ پروفیسر نکلسن رقمطراز ہے۔

''بظاہر یہ ایک انقلاب تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کی آزادی پر کھلم کھلا تو ضرب نہیں لگائی' لیکن اسے ختم کر ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ قبائلی مرکز کو عالمی مرکزیت میں رنگ دیا' اگرچہ اس وحدت میں یہودی مشرکین اور مسلمان سب ہی شریک تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوبی سمجھتے تھے کہ نئی ریاست میں فعال اور بااثر عنصر مسلمان ہی ہوں گے۔''

تاریخ عالم میں پہلی دستوری حکومت اور ضمیر کی آزادی

معاہدہ مدینہ سے پہلے انصار مدینہ کو قریش مکہ اور دوسری اقوام حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کی مثال موجود ہے۔ وہ یہ کہ جنگ بدر میں جب قریش کے تین سردار میدان جنگ میں آئے تو مسلمانوں کی طرف سے تین انصاری جوان ان کے مقابلے کیلئے نکلے۔ قریش مکہ کے سرداروں نے یہ کہہ کر ان سے لڑنے سے انکار کر دیا کہ ہم ان حقیر اور گھٹیا لوگوں سے نہیں لڑیں گے۔ لیکن اس معاہدے نے تمام مسلمانوں کو ایک خدا کو ماننے والے ایک رسول کو ماننے والے ایک قرآن کو ماننے والے بنا دیا اور سب کو برابر کا درجہ دلا دیا۔ ہر قسم کی رنگ و نسل کی اونچ نیچ ختم کر دی۔ میثاق مدینہ کو بلاشبہ دنیا کی آئینی تاریخ میں برطانوی تاریخ کے میگنا کارٹا سے بالاتر حیثیت حاصل ہے۔ یہ دستاویز ایک فرض اور ایک حکم کی صورت میں نافذ کی گئی کیونکہ کتاب کے معنی فرض اور حکم کے بھی ہیں۔ یہ ضمیر کی آزادی کا پہلا چارٹر ہے۔ یہ معاہدہ ان لوگوں سے کیا گیا جو قرآن کی زبان میں ظلم اور گناہ کی راہ میں تیز رو تھے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ قانون اساسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی روشنی میں بنایا تھا کہ تمام مذاہب والے آزاد ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

(سورۃ البقرہ۔62)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا اور وہ لوگ جو یہودی عیسائی یا صابی ہوں۔ جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کیلئے کسی خوف اور رنج کا موقعہ نہیں ہے○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں عیسائیوں حتیٰ کہ صابیوں کو بھی اپنی رحمت سے محروم

نہیں کیا بشرطیکہ ان کا ایمان سچا ہو۔ ریا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایک اور آیت میں یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ط وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ○

(سورۃ المائدہ۔66)

کاش انہوں نے توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کیلئے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔ اگرچہ ان میں کچھ لوگ راست رو بھی ہیں لیکن ان کی اکثریت سخت بدعمل ہے ○

اس آیت کے نقل کرنے سے مقصد یہ ہے کہ جو قانون اساسی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنایا تھا' احکامات قرآنی سے اخذ کیا تھا اگرچہ وہ قرآن کریم کا جزو نہیں ہے۔ اس قانون اساسی کی روشنی میں گذشتہ بانیاں ادیان میں سے کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رواداری کو نہیں پہنچا۔ آپ نے بڑی وسعت قلبی کے ساتھ مدینہ کے تمام پیروان مذاہب کو اسلام کے ساتھ ساتھ نہایت آزادی سے زندگی گزارنے کا موقع عطا فرمایا تا کہ ان سے کوئی بھی مزاحمت نہ کر سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین تھا کہ ان کے مذہب کی بنیاد آزادی اور مساوات پر ہے لہٰذا دوسرے مذاہب سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ دین اسلام دوسرے مذاہب کو اپنی شعاعوں سے منور کرے گا لیکن دوسرے مذاہب اسلام کو پیچھے نہیں ہٹا سکیں گے۔

(زاد المعاد ج 1 صفحہ 334)

منافقین اسلام کے مخالف نہ تھے مگر دلی طور پر اسلام کے طرفدار بھی نہ تھے۔ منافق یعنی وہ لوگ جو نفاق پھیلاتے ہیں۔ منافق کے لفظی معنی کھسک جانے والے کے ہیں یا وہ جو لومڑی کی طرح جُل دے کر نکل بھاگتے ہیں۔ سورنساء کی آیت 137 میں منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا

كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝
(النساء۔137)

بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے ہرگز نہیں ہے اللہ کہ بخشے ان کو اور نہ یہ کہ ہدایت دے ان کو (سیدھے) راستے کی

اسی سورۃ کی آیت نمبر 145 میں فرمایا گیا:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝
(النساء۔145)

بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کیلئے ہرگز کوئی مدد نہ پاؤ گے ۝

مشرکین مکہ کے خط آنے پر عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی اطلاع مل گئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حملہ کرنے والے مجمع میں جا کر گفتگو فرمائی کہ قریش نے تم پر ایسی چال چلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکی میں آ گئے تو تمہارا بہت زیادہ نقصان ہوگا' بہ نسبت اس کے کہ تم ان کی بات سے انکار کر دو' کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بھائیوں اور فرزندوں کو جو مسلمان ہو چکے ہیں قتل کرو گے۔ اگر تمہیں قریش سے لڑنا پڑا تو وہ غیروں کا مقابلہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر ان کے دلنشین ہوئی اور تمام مجمع منتشر ہو گیا۔

اس کے بعد قریش مکہ نے خفیہ طور پر یثرب کے یہودیوں سے ساز باز شروع کر دی۔ جب ان کو اپنے ساتھ ملا چکے تو اپنی کامیابی پر بھروسہ کر کے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ ہم یثرب پہنچ کر تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اس پیغام کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اقتصادی جنگ کرنی چاہی۔ قریش نے جزیرۃ العرب کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اس طرح یہ کا اقتصادی محاصرہ کامیاب نظر آنے لگا کیونکہ مدینہ میں کوئی سامان رسد نہ پہنچ سکتا تھا۔ اگرچہ مدینہ کے اطراف میں باغات اور کھیت تھے جہاں سے شہر میں خوراک مہیا ہو جاتی تھی تاہم

مدینہ کو خورد ونوش کی تکلیف محسوس ہوئی اور قیمتیں بہت بڑھ گئیں۔ جب مدینہ کا اقتصادی محاصرہ شدت اختیار کر گیا تو آپ نے اپنا فرض ادا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا یا یہ کہ دشمن سے جنگ کریں یا سیاسی طور پر ان کو ناکام کریں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوب غور وخوض کے بعد فیصلہ کر لیا کہ اقامت دین اور احکام الٰہی کی اشاعت کیلئے تلوار اٹھانا ہی پڑے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو پیغام بھیجا کہ تم لوگوں نے مدینہ کی اقتصادی ناکہ بندی کر دی ہے' لہٰذا آئندہ تمہارے قافلے مدینہ سے نہ گزرنے پائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو مسلمانوں کو حق ہوگا کہ وہ انہیں روک لیں اس کے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں چالیس مسلمانوں کا انتخاب فرمایا تاکہ مدینہ اور بحر احمر کے درمیان مکی قافلوں کی روک تھام کر سکیں۔ حضرت حمزہؓ اور ان کے چالیس سر بازوں کی جولانگاہ مدینہ منورہ اور بحر احمر کے درمیان ایک سو تیس کلومیٹر کا علاقہ تھا۔ مکہ کے کارواں اس علاقے سے گزرنے پر مجبور تھے۔ ایک دن ایک کارواں نظر آیا اور معلوم ہوا کہ اس کا سردار ابو جہل ہے۔ مسلمانوں نے حملہ کی تیاری کر لی۔ مگر اس سرزمین کا سردار محمد بن عمرو آڑے آیا کیونکہ اس کے قبیلے کا مکہ والوں سے معاہدہ تھا کہ تمام قافلے اس کے علاقہ سے امن وامان کے ساتھ گزریں گے کیونکہ وہ ہر سال قافلے والوں سے دو بار سال میں خوہ یا باج وصول کرتا تھا۔ حضرت حمزہؓ خوب جانتے تھے کہ عہد و پیمان کو توڑا نہیں جا سکتا۔ ابو جہل نے مکہ پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا لیکن اہل قریش نے اس حملہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔

دوسری دفعہ عبید بن الحارث جو نبی علیہ السلام کے چچا تھے' کی زیر سرکردگی ساٹھ مسلمانوں کی ایک جماعت نے عکرمہ بن ابو جہل کی زیر سرکردگی آنے والے ایک مکی قافلے پر حملہ کر دیا۔ قافلہ والے مسلمانوں کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ قافلے کے دو آدمی مسلمانوں سے آملے ان میں ایک مقداد بن عمرو اور دوسرے عتبہ بن غزوان تھے جو پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ ان دو مسلمانوں کے مدینہ پہنچنے سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ کچھ دن بعد حضرت سعد بن وقاص کی زیر سرکردگی بیس سواروں کے ایک دستے نے کاروان مکہ کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر مقامی سردار نے کہا یہ علاقہ دارالامان ہے کیونکہ ہم مکی قافلوں سے خوہ یا باج وصول کرتے ہیں۔ اس بار بھی مسلمانوں کا دستہ مکہ والوں پر حملہ کئے بغیر واپس ہو گیا۔ حضرت سعد بن وقاصؓ نے رسول رحمت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کوئی ایسی تدبیر سوچیں کہ جو مکہ والوں کے خوہ یا باج سے زیادہ موثر ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل مکہ کی ناچیز رقم کے بدلے میں بدو اہل عرب کو بہشت دوں گا۔ اہل عرب نے آپ کی پیش کش قبول کر لی اور اس پر راضی ہو گئے۔ جس وعدہ قرآن کریم کی سورہ الدھر بارہویں آیت میں فرمایا گیا۔

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ۝

انہوں نے جو صبر کیا اس کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا ۝

اسی سورۃ کی تیرھویں آیت میں فرمایا گیا:

مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۚ۝

یہ وہاں اونچی اونچی مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور نہ برداشت کرنی پڑے گی انہیں وہاں سورج (کی گرمی) اور نہ ٹھر (جاڑے کی) ۝

اور پھر اسی سورۃ کی انیسویں آیت میں فرمایا:

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝

اور دوڑتے پھر رہے ہوں گے ان کی خدمت کیلئے ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ جب تم انہیں دیکھو تو خیال کرو گویا کہ موتی ہیں بکھرے ہوئے ۝

قرآن کریم کی معجزہ نما تاثیر نے اپنا رنگ دکھایا۔ بدو عرب اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اہل مکہ سے باج وصول نہ کریں اور اس کی بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ متحد ہو جائیں چنانچہ ساٹھ مسلمان نبرد آزماؤں کی قیادت کرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو غفار کا رخ فرمایا جو مدینہ منورہ اور ینبوع کے درمیان رہتے تھے۔ اس سے پیشتر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو غفار کی سرزمین تک پہنچیں بمقام ابواء توقف فرمایا۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر تھی۔ قبر تک جانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ صرف حضرت عمر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے

سر مبارک قبر پر رکھ کر رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر روئے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں مشہور تھا کہ شیطان بھی ان سے ڈر کے مارے بھاگ جاتا ہے' کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر نہ روئیں کیونکہ مجھے بھی رونا آ رہا ہے۔ بہر حال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر پر اس قدر روئے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کی بھی ہچکی بندھ گئی۔

قبر سے رخصت ہو کر بنوغفار کی سرزمین پر قدم رکھنے سے پیشتر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ بنوفمرہ کے مسکن ودان پہنچے اور ایک ہفتہ تک بنوفمرہ کے سرداروں سے گفت وشنید کرتے رہے اور ایک عہدو پیمان باندھا گیا اور اس پر مہر ثبت کی گئی۔ تاریخ اسلام میں یہ سب سے پہلا انتظامی معاہدہ ہے' جو مسلمانوں اور ایک بدوی قبیلے کے درمیان منعقد ہوا۔ اس معاہدے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد کیا کہ اگر بنوفمرہ پر کوئی حملہ کرے تو مسلمان ان کی حمایت کریں گے اور اگر مسلمان کو بنوفمر کی ضرورت پڑی تو وہ ان کی مدد کیلئے آئیں گے۔ بنوفمرہ سے معاہدے کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنوغفار کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے تاہم بنوغفار ابھی تک راہزنی سے باز نہ آئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد بنوغفار سب کے سب مردوزن پاکیزہ افراد بن گئے اور دین اسلام کے احکامات دل سے ادا کرنے لگے حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی گناہ کا مرتکب ہو جاتا تو خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوغفار سے ایک جنگی معاہدہ کر لیا کہ اگر بنوغفار پر کوئی حملہ آور ہوگا تو مسلمان ان کی مدد کریں گے اور اگر مسلمانوں پر کسی نے حملہ کیا تو بنوغفار ان کی طرف سے مقابلہ کریں گے۔ قبیلہ بنوغفار کو اپنی صداقت اور دیانت کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس قدر اعتماد حاصل ہو گیا کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر جانا چاہا تو حضرت ابوذر غفاریؓ کو مسلمانوں کے سارے امور کا اختیار سونپ دیا۔ غفاروں سے معاملات طے کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ جہینہ اور بنومدلج کا ارادہ فرمایا' بنومدلج کا سردار سراقہ بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتاری کیلئے انعام کے لالچ میں پیش پیش تھا' مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

بنو مدلج بت پرست تھے مگر انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی تعظیم کی اور بڑی محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پذیرائی کی اور بڑی فراخ دلی سے ایک جنگی معاہدہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد سراقہ بن مالکؓ مسلمان ہوئے جو اسلام کے بڑے بڑے سرداروں میں شمار ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آئے تو ایک ناخوشگوار خبر سنی کہ شتر سواروں کا ایک گروہ مدینہ آیا۔ ان کا سردار ابن جبیر تھا۔ انہوں نے مدینہ کے کئی گھروں کو آگ لگا دی اور مسلمانوں کے اموال لوٹ لئے۔ یہ شتر سوار قریشیوں نے بھیجے تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان جنگ ناگزیر ہوگئی ہے۔

استقامت

مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کا تقابلی جائزہ

مکہ میں صرف قریشیوں کا زور اور حکومت تھی۔ لوگوں کا مذہب زیادہ تر بت پرستی تھا۔ مدینہ مختلف اقوام و مذاہب کا مجموعہ تھا۔ وہاں بت پرست بھی تھے اور یہودی بھی تھے اور کچھ عیسائی بھی۔ یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر' بنو قینقاع اور بنو قریظہ بڑے زبردست قلعوں کے مالک تھے۔ تجارت اور سود خوری ان کے پسندیدہ پیشے تھے۔ جب خدا کے برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے وعظ میں یہودیوں کو بشارت دی کہ خداوند خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا اور جو کچھ خداوند خدا اسے فرمائے گا تو وہ سب سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔

(کتاب استثنا باب 18 ' درس 5)

اس پیشین گوئی پر مدینہ کے یہود منتظر تھے کہ خدا موسیٰ کے بھائیوں میں سے موسیٰ جیسا نبی پیدا کرے گا۔ اس وقت سے یہود امید کئے ہوئے تھے اور اسی امید پر مدینہ میں رہائش پذیر تھے کہ بنی اسماعیل میں سے پیدا ہونے والا نبی یہود کے قومی ادبار کو دور کرنے والا' ان کی گزشتہ شان و

شوکت' حکومت وسلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہوگا اور جب سے یہود کو شام سے نکال کر ذلت وغلامی کے گڑھے میں ڈال دیا گیا تھا' اس وقت سے ہی نبی موعود کے ظہور پر ان کی آنکھیں لگی تھیں۔ بنو اسماعیل سے نبی کے مدینہ تشریف لانے پر یہودی بالخصوص بہت خوش ہوئے' لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو حضرت مسیح کو راست باز ٹھہراتا' ان کی تعلیم کو سچا بتاتا اور مسیح پر ایمان لانے کو اسلام کا ضروری جزو قرار دیتا ہے اور ان کی بزرگی کر کے یہودیوں کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے تو اس وقت سب یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہو گئے۔ جب سے خدا کے برگزیدہ بندہ مسیح علیہ السلام نے سب سے آخری وعظ میں دوسرے تسلی دینے والے کے آنے کی بشارت دی تھی اور عیسائیوں کو ان کے حکم پر چلنے کی تاکید کی تھی' تب سے عیسائی بھی اس نبی کی آمد کے منتظر تھے۔ جو یہود سے ان کے ظلموں کا بدلہ لینے والا' عیسائیوں کو جلال بخشنے والا' مسیح کی صداقت ظاہر کرنے والا ہو' جب انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل ابنیت' تثلیث' کفارہ' رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اقدارات کا رد کیا تو وہ بھی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہو گئے۔

مدینہ منورہ کی حالت کا اندازہ کرنے کیلئے عبداللہ بن ابی بن سلول کے حال پر بھی ایک مختصر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ یہودیوں کے علاوہ مدینہ کا ممتاز اور ذی اثر شخص عبداللہ بن ابی تھا۔ اوس اور خزرج کے قبیلوں پر اس کا بہت زیادہ اثر تھا۔ اس کی توقع تھی کہ ان طاقت ور قبیلوں کی مدد سے وہ سب سے اعلیٰ طاقت بن جائے گا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج مسلمان ہو رہے ہیں تو خود بھی جنگ بدر کے بعد بظاہر مسلمان بن گیا۔ اس نے جب محسوس کیا کہ یہود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہو گئے ہیں تو اس نے یہودیوں پر بھی اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ اس لئے اس نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان سے اپنی رفاقت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کے سامنے ان کے ساتھ اپنے اتحاد وصداقت کا دعویٰ کیا کرتا۔ چونکہ اسلام کو اپنی آرزوؤں کا پامال کنندہ سمجھتا تھا' اس لئے جب بھی موقع ملتا مسلمانوں کی ضرر رسانی میں دریغ نہ کرتا۔ اس گروہ کا نام مسلمانوں نے منافق رکھا۔ منافق یعنی وہ لوگ جو نفاق پھیلاتے ہیں۔ کیونکہ منافقین اسلام کے مخالف نہ تھے مگر دلی طور پر اسلام کے طرفدار بھی نہ تھے۔ عربی زبان میں

منافق کے معنی ''کھسک جانے والے'' کے ہیں جو کہ خطرے کے وقت نکل بھاگے۔ سورۃ النساء کی آیت 138 میں منافقوں کے بارے میں فرمایا گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝

بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں ہرگز نہیں ہے اللہ کہ بخشے ان کو اور نہ یہ کہ ہدایت دے ان کو (سیدھے) راستے کی ۝

اسی سورۃ کی آیت نمبر 145 میں فرمایا گیا:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝

بے شک منافق ہوں گے سب سے نچلے درجے میں جہنم کے اور ہرگز نہ پاؤ گے تم ان کیلئے کوئی مددگار ۝

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حسب فیصلہ خداوندی دین کے بارے میں غیر طرفدار ہونا سب سے بڑا گناہ ہے۔

سورۃ منافقون میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے خدوخال بیان فرمائے ہیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پیشتر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی رسم تاجپوشی ہونے والی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے اہل مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقیدت مند ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی معاملہ فہم اور عقل مند تھا۔ بظاہر مسلمان لیکن اندرونی طور پر مدینہ کے یہود و کفار مکہ سے سازشیں کرتا رہا۔ منافقین مدینہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کے تیر پھینکے' مسجد ضرار بنائی' انصار مدینہ کو بغاوت پر اکسایا' ہرقل شاہ روم کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر اکسایا' جنگ تبوک کے موقع پر عقبہ کی گھاٹی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسائے' جنگ اُحد میں معاہدے سے منحرف ہوئے۔ نبی علیہم الصلوۃ والتسلیم پر جادو کرائے۔ گوشت میں زہر ملایا' رات کے اندھروں میں حملے کرائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر سے نہ نکلنے دیتے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعہ

صحابہ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ خود رسول امین کی حفاظت کرے گا۔ مکہ مکرمہ سے حمیرہ حضور اکرمؐ کے قتل کی نیت سے آیا۔ آپ کا رخ مبارک دیکھ کر ایمان سے بہرہ ور ہوا۔ طواف کعبہ کے دوران فضالہ بدنیتی سے آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا تو اس کی کایا پلٹ گئی۔ عبداللہ بن سلام اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔ آپ کا رخ مبارک دیکھ کر پکار اٹھا ''آپ اللہ کے سچے رسول ہیں'' اسلام کا مقصد و مسلک انسان کی اصلاح' اخلاق اور معاشرہ کی تعمیر ہے۔ اقامت دین کیلئے طاقت اور حکومت کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اسلامی ریاست کا نظام حکومت سے وابستہ ہو تو یہ قافلہ رواں دواں رہ سکتا ہے۔

مدینہ منورہ کی حالت کے پیش نظر ظاہر ہوتا تھا کہ اسلام کی دعوت اور منادی کیلئے اس جگہ پر بھی بہت سی دشواریوں کا سامنا تھا۔ ان سب موانع پر غالب آنا اسلام کی صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ اشاعت اسلام میں جو کامیابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں بمقابلہ مکہ معظمہ میں ہوئی اس کا ذکر قرآن مجید نے پہلے ہی بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا۔

وَللاٰخرة خير لك من الاولىٰ

پچھلا تیرے لئے پہلے سے بہتر ہوگا

جب میثاق مدینہ پر تمام قوموں کے دستخط ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ گردونواح کے قبیلوں کو بھی اس معاہدے سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ جیسا بیان ہو چکا ہے تمام قبیلوں کو بھی اس معاہدے میں شامل کر لیا گیا۔ اس کے دو فائدے فوری طور پر ظاہر ہوئے۔

اوّل جو خانہ جنگی قبائل کے درمیان ہمیشہ سے جاری تھی اور خلق خدا کا خون زمین کو رنگین کرتا تھا اس کا انسداد ہو گیا۔

دوئم قریش ان لوگوں کو جن کا معاہدہ ہو چکا تھا' مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکتے تھے۔ معاہدہ کو توسیع دینے کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ودان تک سفر فرمایا اور قبیلہ کنانہ حمزہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کر لیا۔ اس عہد نامہ پر فتحی نے دستخط کئے۔

(زاد المعاد ج 1' صفحہ 334)

اسی ارادہ سے سنہ 2 ہجری میں خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رضوی کا سفر اختیار فرمایا اور کوہ بواط کے لوگوں کو شریک معاہدہ کرلیا۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی العشیرہ تشریف لے گئے۔ یہ مقام ینبوع اور مدینہ کے درمیان واقع ہے اور بنومدلج سے معاہدہ کیا۔

اس مبارک ارادے کی تکمیل سے آشکارا ہوتا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں صلح پھیلانے اور امن قائم کرنے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔

اذان کے ذریعہ اعلان نماز

اسی زمانہ میں نماز اور زکوۃ کی فرضیت کا اعلان ہوا اور شرعی حدود کا تعین بھی انہی ایام میں ہوا۔ مدینہ میں اسلام کی شان دوبالا ہونے لگی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ورود مدینہ سے پیشتر دستور یہ تھا کہ نماز کے وقت مسلمان خود اپنی اٹکل سے جمع ہو جاتے تھے۔ کسی دعوت یا کسی اعلان کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ ایک بگل کے ذریعہ سے مسلمانوں کو نماز کیلئے جمع کیا جائے۔ ان ایام میں یہودی بوق بجاتے تھے لیکن نماز کیلئے دعوت کا یہ انداز کچھ معقول معلوم نہ ہوتا تھا۔ بعدازاں ناقوس کا خیال آیا' لیکن حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ سے مشورہ کے بعد اس طریق کو بھی ناقابل عمل قرار دیا گیا۔ ناقوس کا رواج نصاریٰ کے یہاں تھا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقوس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی الٰہی کے نزول کے بعد توجہ ہٹائی اور اذان پر اتفاق کیا۔ جس کیلئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ" کو حکم دیا' اے عبداللہ تم بلالؓ کے پاس کھڑے ہو کر اذان کے کلمات دہراتے جاؤ کیونکہ تمہاری آواز سے حضرت بلالؓ کی آواز کہیں زیادہ بلند ہے۔" زنانِ بنونجار میں سے ایک خاتون کا مکان مسجد کے قریب واقع تھا جو مسجد سے قدرے بلندی پر تھا۔ حضرت بلالؓ اس کی چھت پر چڑھ جاتے اور اپنی سریلی آواز میں اذان دیتے۔ نسیم سحر کی لہریں صبح صادق کی جانفزا نوید کے ساتھ حضرت بلالؓ کی کوثر سے دھلی ہوئی زبان سے نکلے ہوئے کلمات مسلمانان مدینہ کے دل ودماغ کی گہرائیوں میں آب حیات گھولتے اور وہ نماز کیلئے آمادہ ہو جاتے۔ اذان کے کلمات یہ ہیں جو آج بھی دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں دہرائے جاتے ہیں۔

اَللّٰہُ اکبر، اَللّٰہُ اکبر　اَللّٰہُ اکبر، اَللّٰہُ اکبر

اَشْہَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ الا اللّٰہ　اَشْہَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ الا اللّٰہ

اَشْہَدُ ان محمد الرّسول اللّٰہ　اَشْہَدُ ان محمد الرّسول اللّٰہ

حی علی الصلوٰۃ　حی علی الصلوٰۃ

حی علی الفلاح　حی علی الفلاح

اَللّٰہُ اکبر　اَللّٰہُ اکبر

لا الہ الا اللّٰہ

اس طرح مسلمانوں کا خوف و ہراس امن و سکون سے بدل گیا اور یثرب مدینۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مرکز شوکت اسلام کی حیثیت سے قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ مدینہ کے غیر مسلموں کو یہ یقین ہو گیا کہ مسلمان ہم سے کہیں زیادہ طاقت ور ہیں' ان پر غالب آنا ہمارے بس کی بات نہیں' کیونکہ ان کا سرچشمہ روحانیت ہے' وہ ایمان کی راہ میں مصائب و آلام کا پامردی سے مقابلہ کرتے ہیں اور اب انہیں قدرت نے صبر و تحمل کا پھل عطا کر دیا ہے اور وہ آزادی سے اپنی مذہبی رسوم کو ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام اور میثاق مدینہ نے ثابت کر دیا کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر فوقیت نہیں رکھتا' عبادت صرف خدا کیلئے مخصوص ہے' بندے اس کے سامنے اپنے عجز و درماندگی کا ثبوت نہ دیں تو کہاں دیں۔ البتہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرپرست اعلیٰ ہیں' ان کو اپنی تعلیمات کے اظہار و اعلان کے خاصے مواقع میسر آ گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود ان تعلیمات کا عملی نمونہ بن کر تمدن اسلام کی بنیادیں مستحکم فرمائی ہیں۔

تمدن اسلام کی بنیاد

تمدن اسلام کی بنیاد اخوت اور مساوات پر ہے اور اس کا ثبوت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد مبارکہ سے ملتا ہے کہ

''تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔''

اس جذبے کے تحت خیر خواہی اور شفقت سے کام لے لیکن عجز و خواری کی دلدل میں نہ پھنسے۔ کسی شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سی تعلیم بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کھانا کھلائے اور ہر شخص کو خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو' سلام کرے'' ایک دفعہ خطبے کے آغاز میں فرمایا

''جو شخص چاہے آدھا خرما کسی کو بخش کر جہنم کی آگ سے محفوظ رہ سکتا ہے اور اگر یہ بات اس کے بس میں نہ ہو تو اچھی باتوں کی بدولت جہنم سے نجات پا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی ایک نیکی کا صلہ دس گنا دیا جائے گا۔

''اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ خدا سے جیسا کہ چاہیے ڈرو اور اس کی راہ میں صدق و صلاح کو اپنا پیشہ بناؤ۔ ایک دوسرے کو دوست رکھو۔ ان لوگوں سے جو عہد شکنی کرتے ہیں خدا ناخوش ہوتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہؓ سے گفتگو کے دوران اور مسجد میں خطبہ ارشاد کرتے وقت اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ پہلے خطبہ پڑھتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے ایک ستون کا سہارا لیا کرتے تھے۔ یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تین سیڑھیوں کا ایک منبر بنایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے اور دوسری سیڑھی پر تشریف رکھا کرتے۔

اخوت کا عملی مظاہرہ

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اخوت و مساوات کی تعلیم ہی نہ دیتے تھے بلکہ خود عملی طور پر اخوت و مساوات کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرماتے تھے کہ میری تعریف میں مبالغہ مت کرو جیسا کہ نصاری کرتے ہیں۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند مسلمانوں کے قریب سے گزرے۔ وہ احتراما

کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے استقبال کیلئے عجمیوں کے طرح کھڑے نہ ہوا کرو۔" اصحاب کی مجلس میں جہاں جگہ ملتی تشریف رکھتے۔ ہر ایک سے بالا تکلف ملتے۔ بچوں سے کھیلتے اور انہیں اپنی گود میں اٹھاتے۔ ہر شخص آزاد' غلام' لونڈی اور محتاج کی دعوت قبول فرماتے۔ بیماروں کی عیادت فرماتے۔ عذر کرنے والے کا عذر قبول فرماتے' سلام میں ہمیشہ پہل فرماتے۔ ملنے والوں کے ساتھ خوش دلی سے مصافحہ فرماتے' اگر نماز میں مصروف ہوتے تو پاس بیٹھنے والے کی خاطر نماز جلدی ختم فرماتے اور اس کی حاجت روائی فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندہ جبیں اور خوش طبع تھے۔ بوقت وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سنجیدگی کے آثار نمایاں ہو جاتے تھے' گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے' اپنے کپڑے خود دھوتے' بکری کا دودھ خود دوہتے' کپڑوں میں پیوند لگاتے' اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے' اپنے اونٹ خود باندھتے' خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے' محتاج' نادار اور کمزور کی حاجت روائی فرماتے' کل کیلئے کچھ نہ چھوڑتے۔ بوقت وصال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی تھی' دربار نجاشی کے مہمانوں کی خود خاطر تواضع فرمائی اور مہمانداری کے فرائض خود سرانجام دیتے۔ وفاداری کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ذکر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو کلمات خیر سے یاد فرمایا کرتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتیں' مجھے حضرت خدیجہؓ پر ہمیشہ رشک آتا اور میرے دل میں رشک کے جذبات موج زن رہتے۔ ایک دفعہ ایک عورت آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اس سے گفتگو فرمائی۔ بعد میں فرمایا "یہ عورت حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی۔ دوستی پاس عہد کی علامت ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم دلی احساس مرعوبیت یا عجز وانکساری کا نتیجہ نہ تھی نہ کسی پر احسان جتانا چاہتے تھے بلکہ ایک سادہ اور پرخلوص رشتہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے درمیان قائم تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمدن اسلام کی قدریں دیگر ادیان کی اقدار تمدن سے جداگانہ تھیں۔ اسلام میں اخوت ومساوات لازم وملزم ہیں۔ اخوت کی بنیادیں عدل وانصاف کے بغیر استوار نہیں ہو سکتیں۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ "پس جس نے تم پر زیادتی کی ہو تم بھی اس پر اتنی زیادتی کر سکتے ہو جتنی زیادتی تم پر کی گئی ہے۔" یا "اے دانشمندو! قصاص میں

تمہارے لئے زندگی کا راز مضمر ہے۔"

(البقرہ۔179)

مدینہ طیبہ میں اسلام، یہودیت اور نصاریٰ کا اجتماع بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان ادیان کو معاملات میں اچھا خاصا دخل تھا۔ اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کا مقصد معاندانہ تھا لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ انسانیت کا مرتبہ بلند ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعاون کی غرض سے قرآنی دعوت ان الفاظ میں دی:۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

(العمران۔64)

کہو اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں ○

مخالفین اس دعوت پر کیا اعتراض کر سکتے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہی تو تھی کہ خدا کے سوا کسی کی معبودیت تسلیم نہ کی جائے۔ اس کا کوئی شریک نہ ٹھہرایا جائے' مقدس' منصفانہ اور منزہ روح کے آئینہ میں نور بصیرت کے نظریہ کے سوا کوئی باطل نظریہ تسلیم نہ کیا جائے' انسان مادہ پرستی اور ذلت وخواری سے محفوظ رہے اور مادی منفعت کی خاطر صلاحیتوں کو فنا نہ کرے۔ روحانیت کی منزل سے منہ موڑ کر پست جذبات کے تابع نہ ہو جائے۔

مسلمانوں کے خلاف قریش کی سازشیں

قریش مکہ کو مسلمانوں اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی دشمنی تھی کہ ان کے وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا۔ جب مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تو قریش نے حبشہ پہنچ کر ان کے گرفتار کرانے کی کوشش کی مگر شاہ حبشہ کی مداخلت پر وہاں کچھ نہ کر

سکے۔اب جو مسلمان مدینہ جا رہے تو انہوں نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔قریش مکہ
پہلے عبداللہ بن ابی اور اس کے حواریوں کو جو ہنوز بت پرست تھے لکھ بھیجا۔

پہلی سازش

تم نے ہمارے ایک شخص کو اپنے ہاں ٹھہرایا ہے اس لئے لازم ہے کہ تم اس سے لڑو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ یکبارگی تم پر حملہ کر دیں گے۔تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔اس خط کے وصول ہونے پر عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی اطلاع مل گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخالفوں سے خود جا کر گفتگو فرمائی اور کہا کہ قریش نے تم سے دوہری چال چلی ہے کہ اگر تم دھمکی میں آ گئے اور مسلمان کے ساتھ لڑائی پر آمادہ ہو گئے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بھائی بندوں کو جو مسلمان ہوئے ہیں قتل کرو گے اور اگر تم نے قریش سے لڑنے کا فیصلہ کیا تو وہ غیروں کا مقابلہ ہوگا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور تمام مجمع منتشر ہو گیا۔

(سنن ابی داؤد)

دوسری سازش

قریش مکہ نے اندر ہی اندر یثرب کے یہودیوں سے ساز باز شروع کر دی اور جب خفیہ طور پر انہیں اپنے ساتھ ملا چکے تو اپنی کامیابی پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے مسلمانان مدینہ کو کہلا بھیجا کہ ہم یثرب پہنچ کر تمہیں نیست و نابود کر دیں گے۔اس پیغام کے بعد انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔سنہ 2 ہجری میں سرداران مکہ نے ایک شخص کرز بن جابر الفہری کو یثرب بھیجا اور مدینہ والوں کے مویشی جو میدان میں چر رہے تھے لوٹ کر لے گیا۔گویا مدینہ والوں کو اپنی طاقت دکھا گیا۔پھر رمضان المبارک سنہ 2 ہجری میں ابوجہل نے مکہ میں مشہور کر دیا کہ ہمارا قافلہ جو شام سے آ رہا ہے مسلمان اسے لوٹ لیں گے۔مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ جن کا مال تجارت میں لگا ہوا ہے مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ابو جہل ایک ہزار جانبازوں کی فوج لیکر مکہ سے نکلا۔ اس میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے یہ فوج اجتماعی تجارتی کاروان کی حفاظت کیلئے نکلا تھا۔ لیکن وہ کاروان صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا مگر ابو جہل اس فوج کو لے کر برابر مدینہ کی طرف بڑھتا گیا۔ اب مسلمانوں کو شک نہ رہا کہ قریش کی چڑھائی غریب مسلمانوں پر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موقع کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مشورہ فرمایا۔ مہاجرین نے اطمینان بخش جواب دیا' آپ نے دوبارہ مشورہ طلب فرمایا' مہاجرین نے پھر اطمینان بخش جواب دیا۔ آپ نے تیسری بار مشورہ طلب فرمایا۔ اب انصار سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے جواب کے منتظر ہیں۔ چنانچہ سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید حضور نے سمجھا کہ انصار شہر سے باہر نکل کر حضور کی اعانت کرنا اپنا فرض نہیں سمجھتے۔ انصار کی طرف سے میں عرض کرتا ہوں کہ ہم ہر حالت میں حضور کے ساتھ ہیں۔ کسی سے معاہدہ فرمایئے' کسی سے مقاہدہ کو نامنظور کیجئے' ہمارے زر و مال سے جس قدر منشاء مبارک ہو لیجئے۔ ہم کو جو مرضی مبارک ہو عطا کیجئے۔ مال کا جو حصہ ہم سے حضور لے لیں گے ہمیں وہ زیادہ پسند ہوگا اس مال سے جو حضور ہمارے لئے چھوڑ دیں گے۔ ہم کو جو حکم حضور دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اگر حضور غمدان کے چشمے تک چلیں گے تو ہم ساتھ ہونگے۔ اگر حضور ہم کو سمندر میں جانے کا حکم دیں گے تو حضور کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے۔ حضرت مقدادؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم وہ نہیں کہ قوم موسیٰ کی طرح اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون کہہ دیں۔ ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں' بائیں آگے پیچھے قتال کیلئے حاضر ہیں۔

مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی

مسلمان پہلے سے تیار نہ تھے۔ انصار و مہاجر مل کر تین سو تیرہ ایسے نکلے جو جنگ کیلئے میدان میں جا سکیں۔ اب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی کیونکہ اسلام کو جنگ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے جس کے معنی صلح اور فروتنی کے ہیں۔ جو مذہب دنیا کیلئے صلح کا پیغام لے کر آیا ہو' جس مذہب کے پیرو ایمانداروں کو منکسر اور متواضع رہنے کا حکم ہو' وہ کیونکر جنگ کرتے؟

حکم جہاد کی ضرورت

یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے چپ چاپ گھروں کو اور املاک کو مکہ میں چھوڑ اور حبش یا مد
ہجرت کر گئے۔ لیکن اب ایسی صورت کا سامنا تھا کہ جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ اگر ہاتھ
ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ بھیڑ بکری کی طرح ذبح ہو جاتے اور سب سے بڑا نقص
یہ تھا کہ توحید کی منادی کرنے والا دنیا میں کوئی نہ رہتا۔ لوقا کی انجیل 22\36 کے مطابق حضر
عیسیٰ علیہ السلام نے جس ضرورت کے پیش نظر مجبور ہو کر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ ہتھیار خر
مسلح ہو جائیں، اسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی حالت پر رحم فر
ان کو بھی چودہ سال تک صبر کرنے اور ظلم وستم برداشت کرتے رہنے کے بعد حملہ آور دشمنو
مدافعت کا حکم دے دیا۔ یہ پہلا حکم ہے، جس کی رو سے مسلمانوں کو اجازت ملی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ
نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ
إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ
لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ
اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ
لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

(سورۃ الحج۔ 40-39)

اجازت دے دی گئی ہے (جنگ کی) ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے کیونکہ
مظلوم ہیں۔ اور بے شک اللہ ان کی مدد پر ہر طرح قادر ہے ۝ یہ لوگ ہیں جو نکال دیئے گئے اپنے
گھروں سے ناحق صرف (اس قصور پر) کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ دفع کرتا
اللہ انسانوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ سے تو ضرور مسمار کر دی جاتیں خانقاہیں، گرجے
عبادت خانے اور مسجدیں جن میں لیا جاتا ہے اللہ کا نام کثرت سے۔ اور ضرور مدد کرتا ہے اللہ ان
کی جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور اور زبردست ہے ۝

اس حکم میں وہ وجوہات مفصل طور پر درج ہیں جو مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت دے

کا باعث ہوئیں اور اس حکم میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنگ جارحانہ ہے یا مدافعانہ۔ پہلی وجہ مدافعت کرنے والوں کا مظلوم اور حملہ آوروں کا ظالم ہونا ہے اور وہ یہ وجہ ہے جسے آج کل ''حفاظت خود اختیاری'' کے نام سے جائز ٹھہرایا جاتا ہے۔ دوسری وجہ ان کا گھر بار سے نکالا جانا' املاک سے بے دخل کیا جانا اور وہ بھی صرف اختلاف عقیدہ کیلئے اور یہ مظلوم مسلمان وہی تھے جن کو ہر قسم کی ایذائیں اور جلاوطنی کی سزا محض توحید کی وجہ سے دی گئی تھی۔ تیسری وجہ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف ان کے ذاتی' قومی اور مذہبی فوائد کے لحاظ سے نہیں دی گئی بلکہ اس لئے کہ مسلمانوں نے جو معاہدات یہودیوں' عیسائیوں اور دیگر اقوام کے ساتھ کئے تھے اور جس فراخ دلی سے ہر مذہب کیلئے آزادی عطا کی تھی۔ اب اگر مسلمان اس معاہدہ کی حفاظت میں اپنی جان نہ لڑائیں گے تو سب مذاہب کی آزادی ختم ہو جائے گی اور سب کے مذہبی مقامات معابد گرجے وغیرہ خاکستر ہو جائیں گے۔ جب کوئی حفاظت کرنے والا ہی نہ رہا تو معاہدہ پر عمل کیوں کر اور کون کرا سکتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر مسلمانوں کیلئے ضروری ٹھہرا کہ بے سروسامانی اور قلیل تعداد کے باوجود حملہ آوروں کو مدینہ منورہ سے دور رکھیں گے۔

عبداللہ بن جحش کا حملہ

سنہ 2 ہجری میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پختہ ارادہ فرمالیا کہ قریش کو کاری ضرب لگائی جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ مسلمانوں کا انتخاب فرمایا جن کا سردار عبداللہ بن جحش کو مقرر کیا۔ آپ نے ایک سربمہر نامہ عبداللہ بن جحشؓ کو دیا اور فرمایا کہ نجد کی طرف جاؤ۔ جب نجد کے کوئیں پر پہنچو تو خط کھول کر اس پر عمل کرنا۔ یہ مختصر جماعت دو دن تک مغرب کی جانب چلتی رہی حتیٰ کہ کوئیں پر جا پہنچے اور خط کھول کر پڑھا۔ اس میں حکم دیا گیا تھا کہ طائف کی طرف سے مکہ جانے والے قافلے کو نخلہ کے مقام پر روک لیا جائے۔ عبداللہ بن جحش حکم پڑھتے ہی اپنی مختصری جماعت کے ساتھ نخلہ جا پہنچے لیکن دو ساتھی راہ میں گم ہو گئے۔ یہ حضرت سعد بن وقاص اور عتبہ بن غزوان تھے۔ باقی چھ آدمی طائف سے آنے والے قافلے پر نخلہ میں حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ لیکن یہ رجب کا مہینہ تھا جو ماہ حرام شمار ہوتا تھا اور اس میں حملہ کرنے کی ممانعت تھی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ حیران تھے کہ کیا کریں' اگرچہ وہ جانتے تھے کہ

اس قافلہ پر حملہ کرنا راہ خدا میں خدمت سرانجام دینا ہے کیونکہ مکہ والوں نے بلاوجہ اہل مدینہ کا اقتصادی محاصرہ کر کے مسلمانوں کو بھوکا مار رکھا ہے۔ عبداللہ بن جحشؓ نے ماہ رجب کی حرمت سے صرف نظر کر کے قریشیوں پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک مارا گیا' دو گرفتار ہوئے اور ایک بھاگ گیا۔ حضرت عبداللہؓ کے مجاہدوں نے اونٹوں اور مال پر قبضہ کر لیا۔ قریشی کو قتل کرنے والے مسلمان کا نام وقید بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ یہ سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے راہ خدا میں ایک کافر کو قتل کیا۔ جو شخص بچ کر نکل گیا اس نے مکہ والوں کو حالات سے آگاہ کیا۔ چنانچہ اہل مکہ مسلمانوں کو گرفتار کرنے کیلئے چل کھڑے ہوئے لیکن مسلمان بمعہ مال غنیمت مدینہ جا پہنچے۔ اہل عرب نے جو قانون بنایا تھا کہ سال میں چار ماہ جنگ اور دستبرد سے ہاتھ روکیں گے حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ماہ رجب میں حملہ کر کے اس قانون کو پاؤں تلے روند ڈالا تھا۔ جب مسلمان مال اور اونٹ لیکر مدینہ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا صدمہ ہوا کہ حرام ماہ میں مسلمانوں نے قافلہ پر حملہ کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ انہیں اس واقعہ سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ کی آیت 217 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ والفتنة مِنَ الْقَتْلِ ط وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

(سورۃ البقرہ۔ 217)

لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو اس میں لڑنا بہت برا ہے مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں

کو وہاں سے نکالنا' اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا اور فتنہ خون ریزی سے شدید تر ہے۔ وہ تو تم سے لڑتے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں اس دین سے پھیر لے جائیں (اور خوب سمجھ لو کہ) تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا۔ اس کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے O

یعنی ماہ حرام میں قتل قتال بڑا بھاری گنا ہے مگر بہ نسبت ماہ حرام کی بے حرمتی کے حرم کے باشندوں کو اپنے گھروں سے نکالنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور مسلمانوں کو مکہ سے نکالنا جنگ کرنے سے بھی بدتر ہے۔ اس آیت کے نزول سے معلوم ہوا کہ ماہ حرام میں جنگ کرنا برا نہیں بلکہ جہاں دین خداوندی میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ ہو'اس کی مخالفت جائز ہے اور ماہ حرام کے تقدس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس اصول کو توڑا جا سکتا ہے تاکہ حق کا بول بالا ہو۔

قریش کی آئے دن کی سازشوں سے مجبور ہو کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل عرب سے جو معاہدے کئے ان سے اہل مدینہ کے حوصلے بلند ہوئے اور اہل مکہ میں اپنی تجارت کے معرض خطر میں پڑنے کا احساس بڑھتا گیا۔ حضرت حمزہ' حضرت عبیدہ اور حضرت سعد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دستوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جنگ کے ارادے سے گئے تھے البتہ مسلمانان مدینہ قریش سے جنگ کے منصوبے تیار کر رہے تھے لہٰذا فوجی دستے مرتب کرنے کا مقصد قریش کے قافلوں کو لوٹنا تھا کیوں کہ لوٹ مار صحرانشینوں کی فطرت کا تقاضا تھا تاہم اہل مدینہ صحرانشین نہ تھے اور ان کی معاش کا دارومدار لوٹ مار پر نہ تھا۔ وہ اکثر و بیشتر زراعت پیشہ تھے اور آرام وسکون کی زندگی کو جنگ وجدل پر ترجیح دیتے تھے۔ بہر حال مہاجرین کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ اپنا مال ومتاع جو مکہ میں چھوڑ آئے تھے قریش سے واپس لیں' لیکن اس کیلئے انہوں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ فوجی دستے بھیجنے کا مقصد اموال قریش پر قبضہ کرنا نہ تھا کیونکہ اسلام نے جنگ جدل کی اجازت نہیں دی۔ جنگ سے ان کی غرض وغایت یہ تھی کہ ہمیں دینی فرائض کی انجام دہی سے کوئی نہ روکے اور اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں کوئی خلل انداز نہ ہو۔ قبائل سے جو معاہدے کئے گئے ان سے مقصد یہ تھا کہ مدینہ کا دبدبہ قائم ہو اور لوگ اس کی عظمت کے قائل ہو جائیں تاکہ قریش یہ

Shoaib Bhatti

جرأت ہی نہ کر سکیں کہ مسلمانوں کے اخراج کیلئے ویسی ہی چالیں چلیں جیسی انہوں نے حبشہ میں چلی تھیں۔ پھر بھی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ قریش سے کوئی معاہدہ ہو جائے تاکہ فتنہ فرو ہو اور اسلام کی تبلیغ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

شروع شروع میں یہودی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے اور انہوں نے مسلمانوں سے یہ معاہدہ بھی کیا تھا کہ فریقین اپنے اپنے مذہبی رسوم کو بجالانے میں آزاد ہوں گے لیکن یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کا اثر ورسوخ روبہ ترقی ہے اور اسلام طاقت ور ہو رہا ہے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے بغض وعناد کے جذبات اُبھرنے لگے وہ مدینہ میں خانہ جنگی اور اسلام دشمنی کا کھلے بندوں اعلان تو نہ کر سکے اور نہ ہی معاہدہ شکنی کی جرأت کر سکے تاہم مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اوس اور خزرج کی دیرینہ مخاصمت کی یاد تازہ کرنے کیلئے مکر و فریب کے جال بچھاتے رہے۔ جب مسلمانوں کو یہ یقین ہو گیا کہ یہودی اپنی مکاریوں اور فتنہ پردازیوں سے باز نہیں آتے تو انہوں نے یہودیوں کو منافقین سے بھی بدتر جانا اور اپنی مسجد سے بھی ایک دفعہ نکال دیا' ان سے میل جول اور گفتگو کا سلسلہ بھی ختم کر دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو دلائل سے قائل کرنے کی کوشش فرمائی لیکن آخر کار آپ ان سے اجتناب فرمانے لگے۔ مگر یہ بات آپ اچھی طرح جان گئے تھے کہ وہ فتنہ وفساد کا طوفان برپا کرنے میں کوشاں ہیں۔ وقت اور ضرورت کا تقاضا یہی تھا کہ یہودیوں سے محض احتراز واجتناب کیا جائے بلکہ ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ ان پر یہ حقیقت واضح کر دی جائے کہ مسلمان اتنے طاقت ور ہیں کہ وہ ہر فتنہ کی سرکوبی پر قادر ہیں اور ان کی فتنہ سامانیوں کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ اس لئے مسلح دستوں کی گشت اور فوجی مظاہرے سے زیادہ کوئی تدبیر موثر اور کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اس میں یہ تدبیر بھی تھی کہ مسلمانوں کو شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ اس لئے حضرت حمزہؓ جیسے تندمزاج آتش خو مسلمانوں کو فوجی دستوں کا سردار مقرر کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فوجی دستوں کی ترتیب سے مسلمانوں کے دو مقاصد تھے' ایک طرف یہودیوں کو مرعوب کرنا اور دوسری طرف قریش کو مصالحت پر آمادہ کرنا تاکہ مسلمان اپنے دینی مراسم آزادی کے ساتھ ادا کر سکیں۔

اسلام ایمان اور جان مال کے تحفظ کی خاطر جنگ سے منع نہیں کرتا بلکہ جارحانہ اقدام کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کے متعلق واضح ارشاد ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○

(سورۃ البقرہ۔190)

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بیشک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا○

اگرچہ مہاجرین اپنے مال و متاع کے مطالبے میں حق بجانب تھے تاہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اہم مسئلہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے عقیدے میں آزاد ہوں اور کسی کو یہ جرأت نہ ہو کہ انہیں اسلام سے برگشتہ کرے۔ اس مقصد سے جنگ جائز قرار دی گئی۔ قریش نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء ماہ حرام کا احترام نہیں کرتے۔ اس کے متعلق تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس موقع پر عبداللہ بن جحش کے دستے کی کارروائی اور آیت بالا کے مضمون پر غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہاں سے اسلام کی سیاست کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام نے جہاد جائز قرار دیا ہے اور قرآن کریم اس کی تائید و توثیق کرتا ہے۔ اسی کا نام مدافعانہ جنگ ہے۔

رحمتہ العالمین میدان بدر میں

غزوہ بدر

نخلہ میں کامیابی کے بعد مسلمان جاسوسوں نے اطلاع دی کہ قریش کا بڑا کارواں جس میں دو ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال ہے' مدینہ کے قریب سے گزرنے والا ہے۔ ابوسفیان سالار کارواں ہے اور اس میں تمام قریشی خاندانوں کا مال و منال شامل ہے۔ قافلہ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ایک کاہنہ نے اعلان کیا کہ مکہ پر بہت جلد مصیبت آنے والی ہے۔ جب دور سے آنے والا کوئی قافلہ مکہ پہنچنے والا ہوتا تو ایک شخص اونٹنی پر سوار پہلے مکہ پہنچ کر خوشخبری

سناتا۔ باشندگان مکہ نے قیاس کیا کہ اگر کارواں مکہ پہنچنے والا ہوتا تو قاصد کبھی کا آچکا ہوتا مگر جب ڈھنڈورچی آیا تو وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ اے قریشیوں! آگاہ ہو جاؤ کہ کاروان مکہ ہلاکت کی نذر ہو گیا ہے کیونکہ مسلمانوں نے اس کے لوٹنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اہل مکہ کو جنگ کیلئے تیار ہو جانا چاہیے۔ چند گھنٹوں میں نو سو پچاس جنگجو مرد، سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تیار ہو گئے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی چلنے کیلئے آمادہ ہو گئیں تاکہ میدان جنگ میں مردوں کو مسلمانوں کے قتل عام پر بھڑکائیں۔ ان جنگی تیاریوں کے علاوہ پچاس ہزار درہم نقد جمع ہوئے کیونکہ آج تک تاجران مکہ نے اپنے سرمایہ کو اس قدر شدید خطرے میں نہیں دیکھا تھا۔ قریش نے اس فرضی خوف کو بہانہ بنا کر جنگ کی تیاریاں زور شور سے کر دیں اور مدینہ منورہ پر حملے کیلئے تیار ہو گئے جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو حضور نے صحابہ کی مجلس شوریٰ منعقد کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین کی اور حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت مقدادؓ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے زندگی اور موت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بسر کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ

حضرات انبیا علیہم السلام کی بعثت عین رحمت ونعمت ہے حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس سلسلہ کا آغاز فرمایا اور اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجے تاکہ لوگوں کو اطاعت کی دعوت دیں اور مطیع و فرمانبرداروں کو جنت کی بشارت سنائیں، نافرمانوں اور سرکشوں کو جہنم سے ڈرائیں۔ جس طرح ایک مشفق باپ اپنی نالائق اولاد کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا، اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے پند و نصائح اور مشفقانہ واعظ حسنہ سے امت کی تفہیم اور اصلاح میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ ایک مدت مدید اور عرصہ دراز تک نہایت ملاطفت اور ملائمت سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے، مگر وہ بدنصیب دن بدن اللہ سے دور بھاگتے رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نوح کی آیت 7-6-5 میں فرمایا

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۙ فَلَمْ یَزِدْهُمْ

عَآءِ یۡ اِلَّا فِرَارًا ○ وَاِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا
صَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوا
سۡتِکۡبَارًا ○

اس (نوحؑ) نے عرض کیا۔ اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز
پکارا○ مگر میری پکار نے ان کے فرار ہی میں اضافہ کیا○ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تاکہ تو
انہیں معاف کر دے۔ انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک
لئے اور اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا○

جب انبیاء علیہ السلام لوگوں کو سمجھاتے تھک گئے اور ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اصحاب متبعین کی تکالیف و تعذیب استہزا اور تمسخر پر تل گئے تب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا اور مکذبین کو ہلاک و برباد کیا' کسی کو غرق کیا' کسی کو زمین میں دھنسا دیا' کسی پر پتھر برسائے اور کسی پر زلزلہ نازل فرمایا اور کسی پر تند ہوا نازل فرمائی۔ جب سے خداوند عالم کی نافرمانی اور انبیاء و مرسلین صلوٰۃ اللہ سلامہ اجمعین سے بغاوت اور سرکشی کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی وقت سے ان کی تعذیب اور بربادی ان کی ہلاکت و رسوائی بھی جاری ہے۔ پس جس طرح ملائکہ کے ہاتھوں حضرات انبیاء و مرسلین کے منکرین اور مکذبین کو عذاب دینا عین حکمت ہے اسی طرح انبیاء اور متبعین کے ہاتھوں منکرین و مکذبین کو عذاب دینا ثواب ہے۔

قرآن کریم کی سورہ 9 آیت 14 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قَاتِلُوۡہُمۡ یُعَذِّبۡہُمُ اللّٰہُ بِاَیۡدِیۡکُمۡ وَیُخۡزِہِمۡ وَیَنۡصُرۡکُمۡ عَلَیۡہِمۡ
وَیَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○

ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل و خوار کرے گا۔ ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا اور ان لوگوں کے دل ٹھنڈے کرے گا جو مومن ہیں○

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو عذاب بندوں کے ہاتھوں ظاہر ہوتا وہ درحقیقت اللہ کا فعل ہے۔ بندہ کا ہاتھ اس کے عذاب کیلئے صرف واسطہ ہے۔ عذاب الٰہی کا ظہور کبھی بلاواسطہ ہوتا ہے اور کبھی انسان کے ہاتھ سے۔

وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ○

(سورۃ توبہ۔52)

اور ہم انتظار کر رہے ہیں تمہارے لئے اس بات کا کہ اللہ خود تم کو سزا دیتا ہے یا ہمارے ہاتھوں سے دلواتا ہے۔ سو تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں ○

یہ عذاب کبھی فرشتوں اور کبھی انسانوں کے ذریعے بشکل جہاد و قتال ظہور میں آتا ہے جیسے جنگ بدر میں کفار مکہ کا قتل صحابہ کرام کے ہاتھوں ظہور میں آیا اور ملائکہ مکرمین کے ہاتھوں بھی۔ دونوں فریق نے مل کر محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکرین و مکذبین کا مقابلہ کیا۔ مجرم کا قتل امیر یا حاکم کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ جلاد اور سیاف کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ اس لئے ارشاد ہوا۔

فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمۡ ۪ وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

(سورۃ الانفال۔17)

پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا ہے اور انکی طرف مشت خاک کو تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا ○

یعنی باغیوں کے قاتل حقیقت میں ہم ہیں اور تم محض آلہ اور واسطہ ہو جس طرح تیر و تلوار تمہارے افعال کیلئے آلہ اور واسطہ ہیں اسی طرح تم ہمارے افعال کیلئے مثل تیر و کمان کے واسطہ اور مظہر ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند کریم نے بشیر و نذیر بنا کر دنیا کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل تنہا تھے' نہ کوئی معین و مشیر اور نہ ہی کوئی وزیر باتدبیر تھا۔ نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا' توحید ربانی کی دعوت دی کہ اللہ کو ایک مانو اور ایک جو اسی سے مانگو' اسی کے سامنے جھکو۔ ہر فحش اور بے حیا ہر ناکارہ اور بری بات سے روکا' محاسن اخلاق اور مکارم افعال کی ترغیب دی۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی کوئی خیر اور بھلائی

چھوڑی کہ جس کی تعلیم و تلقین اور جس کا حکم نہ کیا ہو اور دنیا اور آخرت کی کوئی برائی ایسی نہیں چھوڑی جس سے منع نہ فرمایا ہو۔ سلیم طبائع نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات و ہدایات کو گوش ہوش سے سنا اور قبول کیا۔ ہٹ دھرم' ضدی اور مال و دولت کے نشے میں مخمور لوگوں نے ان کے انکار و تکذیب پر ہی کفایت نہ کی بلکہ تکالیف' ایذا رسانی' تمسخر اور استہزا پر کمربستہ ہو گئے۔ آپ اور آپ کے اصحاب کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ آپ صبر و تحمل سے کام لیتے اور گمراہیوں کیلئے دعائے ہدایت فرماتے اللھم اھد قومی فانھم لا تعلمون (اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے اس لئے کہ وہ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو اس کی اجازت نہ تھی کہ مشرکین مکہ سے زبان سے یا ہاتھ سے کسی قسم کا انتقام یا بدلہ لیں' بلکہ حکم یہ تھا۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

(سورۃ البقرہ۔109)

سو تم معاف کرتے رہو اور درگزر سے کام لو یہاں تک کہ نافذ فرمائے اللہ خود ہی اپنا فیصلہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام نے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کو زینت بخشی اور جہاد کی اجازت نازل ہوئی۔

حکم جہاد

جہاد کی اجازت میں جو آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عائشہ صدیقہ' حضرت ابوبکر صدیق' حضرت سعید بن زبیر' حضرت عروہ بن زبیر' حضرت زید بن مسلم' حضرت قتادہ و مقاتل بن حیان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر کئی سلف کے مطابق وہ یہ ہیں۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ○ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ

حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○

(سورۃ الحج ۔39-41)

اجازت دے دی گئی ہے (جنگ کی) ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اور بے شک اللہ ان کی مدد پر ہر طرح قادر ہے ○ یہ لوگ ہیں جو نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے ناحق صرف (اس قصور پر) کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ دفع کرتا رہتا اللہ انسانوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ سے تو ضرور مسمار کر دی جاتیں خانقاہیں، گرجے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں لیا جاتا ہے اللہ کا نام کثرت سے۔ اور ضرور مدد کرتا ہے اللہ ان کی جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ یقیناً ہے اللہ بہت طاقتور اور زبردست ○ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر اقتدار بخشیں ہم انہیں زمین میں تو قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں نیکی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے انجام سب کاموں کا ○

جہاد کے اغراض و مقاصد

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اجمالاً جہاد کے کچھ اغراض و مقاصد بیان فرمائے ہیں اور اس شبہ کا جواب دیا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے جہاد کی اجازت دے کر خونریزی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ جہاد اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ انبیاء سابقین کو بھی جہاد کی اجازت دی گئی تھی ورنہ اللہ کا نام لینا دشوار ہو جاتا، اور تمام معابد منہدم کر دیئے جاتے اور خداوند ذوالجلال کی یہ قدیم سنت ہے کہ وہ اپنے مخلصین کو جہاد کا حکم دیتا رہا تاکہ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے شر اور فساد کو دفع فرمائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت 251 میں فرمایا۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ

اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○

اور اگر نہ ہٹاتا رہتا اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ سے تو نظام بگڑ جاتا زمین کا لیکن اللہ بڑا مہربان ہے اہل عالم پر ○

ان آیات میں جہاد کی عام غرض وغایت کے علاوہ اس کی علت بھی بیان فرمائی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کیوں جہاد وقتال کی اجازت دی گئی؛ وہ یہ کہ ان پر طرح طرح سے ظلم وستم اور زیادتی کی گئی اور بے قصور، بلاوجہ اپنے گھروں سے نکالے گئے، صرف اس لئے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور جہاد کی اجازت سے فقط مشرکین مکہ کے پنجہ ظلم سے چھڑانا مقصود نہیں بلکہ یہ ہے کہ ان کی نصرت اور حمایت کریں۔

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ○

(الحج۔39)

اور بے شک اللہ ان کی مدد پر ہر طرح قادر ہے ○

اور اس قادر مطلق کو یہ قدرت ہے کہ روئے زمین ان کے قبضہ میں دیں اور اپنے احکام کے اجراء کی قدرت عطا فرمائیں، تاکہ زمین پر دسترس پانے کے بعد خود بھی جان اور مال سے خدا کی عبادت اور بندگی کریں، نماز کو قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے منع کریں۔ یعنی جن لوگوں کو جہاد کی اجازت ہے اور جن کی نصرت وحمایت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ان کی شان یہ ہے کہ یاد ہونے کے باوجود دنیا کی عیش عشرت میں مبتلا نہیں ہوں گے، بلکہ جان و مال سے خدا کے مطیع اور فرمانبردار ہوں گے اور دوسروں کو راہ مستقیم پر چلائیں گے۔ نیک باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے منع کریں گے۔ غرض یہ کہ خود کامل ومکمل ہوں گے اور دوسروں کیلئے نمونہ ہوں گے۔ خود بھی ہدایت یافتہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی ہدایت کے راستہ پر لائیں گے۔ چنانچہ یہ اوصاف خلفاء راشدین میں موجود تھے کیونکہ خدا نے انہیں آسمانی بادشاہت کیلئے منتخب فرمایا تھا۔

حقیقت جہاد

جہاد بمعنی طاقت، جس کے معنی یہ ہیں کہ طاقت کو مال و دولت کیلئے نہیں، عصبیت اور

قومیت، وطنیت اور اظہار شجاعت ومردانگی یا توسیع سلطنت ومملکت نہیں بلکہ محض اعلائے کلمۃ الحق کیلئے اپنی طاقت کا استعمال اصطلاح شریعت میں جہاد کہلاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے وفاداروں کا اللہ کے باغیوں سے لڑنا اور اس کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کا نام جہاد ہے، بشرطیکہ وہ سرفروشی محض اللہ کا بول بالا کرنے کیلئے ہوتا کہ اللہ کے احکام بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں اور دنیاوی نفع مقصود نہ ہو، ایسی جانبازی اور سرفروشی کو جہاد کہتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ انسان کبھی شجاعت کیلئے اور کبھی قومی غیرت کیلئے اور کبھی دنیاوی نام نمود کیلئے جنگ کرتا ہے۔ ان میں سے کون سی جنگ جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص فقط اس لئے لڑے تا کہ اللہ ہی کا بول بالا رہے، پس وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ط

(آل عمران۔ 166-167)

جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا اور اس لئے تھا کہ اللہ دیکھ لے تم میں سے مومن کون ہے ۝ اور منافق کون۔ وہ منافق کہ جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) مدافعت کرو۔

اس دن منافقین سے کہا گیا کہ آؤ خدا کی راہ میں قتال کرو اور اگر خدا کی راہ میں نہیں لڑتے تو قومی اور وطنی حمیت کیلئے اپنی قوم، وطن، مال اور اولاد کے حفاظت کیلئے دشمن کی مدافعت کرو، کیونکہ اگر دشمن کامیاب ہو گیا تو انتقام لینے میں مومنین اور منافقین کی تمیز نہ کرے گا۔ یہ آیت رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ احد میں مسلمانوں نے خدا کیلئے قتال کیا اور عبداللہ بن ابی نے محض قومی اور وطنی حمیت کی بناء پر مدافعت کی، جس سے معلوم ہوا کہ قوم اور وطن کیلئے دشمن کی مدافعت کا نام جہاد نہیں۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ کچھ مسلمان جنگ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے مقابلے میں نکلے۔ یہ مسلمان جو کافروں کی فوج میں شریک تھے صحابہ

کرام کے ہاتھوں مارے گئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○

(سورۃ النساء۔97)

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا' کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے ○

یہ آیت جن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی وہی لوگ تھے جنہوں نے باوجود دعویٰ اسلام کے قوم اور وطن کی خاطر اسلام کا مقابلہ کیا اور کافروں کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے نکلے۔ خلاصہ یہ کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے جو جنگ لڑی جائے' جہاد ہے' حضرات انبیاء علیہ السلام نے ہم وطن کافروں سے نہ اتحاد کیا' نہ مشترک حکومت بنائی' بلکہ اپنے اصحاب کے ساتھ ہجرت فرمائی اور اپنا الگ ٹھکانہ بنایا اور جہاد کی تیاری کر کے اپنی کافر قوم سے رزم آرائی کی اور اس کو فتح کیا۔ ہر رسول نے سب سے پہلے اپنی کافر قوم سے جہاد کیا اور غیر قومی کافروں سے بعد میں نبرد آزما ہوئے۔ جنگ بدر میں کسی کے سامنے کسی کا باپ تھا' کسی کا لخت جگر کسی کا بھائی' کسی کا چچا اور کسی کا ماموں اور عام رشتہ داری تو سبھی سے تھی' محض اللہ اور اس کے رسول کے دین کی خاطر اصحاب رسول کی تیغ بے دریغ بے نیام تھی۔ معلوم ہوا کہ وطنیت فتنہ ہے۔ بت پرستی کے بعد قوم پرستی اور وطن پرستی کا درجہ ہے۔ انما المومنون اخوۃ اور ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنا بھائی اور کافروں کو اپنا دشمن سمجھو۔

قوم پرستوں کا مغالطہ

قوم پرستوں کا یہ کہنا کہ ایک ملک اور ایک وطن کے باشندے ایک قوم ہیں یہ ان کا مغالطہ اور دھوکہ ہے۔ اس گروہ کا ایک خاص مقصد اور ایک خاص نظریہ ہے۔ جو شخص اس عقیدہ اور نظریہ میں ان کا موافق ہو وہ ان کا دوست ہے اگرچہ وہ دوسرے ملک یا دوسرے وطن کا متوطن ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص اس نظریہ اور اس عقیدہ میں ان کا مخالف ہو ان کا دشمن ہے اگرچہ وہ ان کا باپ یا بیٹا یا بھائی یا استاد کیوں نہ ہو۔ مشرق اور مغرب کے باشندے جو اشتراکی عقیدہ رکھتے ہوں' باوجود بعد المشرقین ایک ہیں اور ایک گھر میں رہنے والے دو بھائی اگر مختلف نظریات کے حامل ہوں تو وہ دونوں ایک دوسرے سے بعید ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتحاد کا دارومدار وطنیت اور قومیت پر نہیں۔ بلکہ اتحاد و اتفاق کا معیار اتحاد مسلک پر ہے۔ پس اگر شریعت اتحاد اور اخوت کا دار اسلام رکھتی ہے' تو اس کو تعصب اور تنگ نظری کیوں کہا جائے' شریعت کے احکام ایمان اور کفر کی تقسیم پر مبنی ہیں۔ مسلمان اور کافر ایک دوسرے کا وارث نہیں' اسی اسلامی تعلق سے بلال حبشی' صہیب رومی اور سلمان فارسی اسلامی برادری میں شامل ہو گئے۔

آداب جہاد

1- جب جہاد کیلئے نکلو تو اللہ کا نام لیکر نکلو۔

2- اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ نکلو۔

3- آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرو۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔

4- مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہو۔ صبر اور تحمل سے کام لو۔

5- عین معرکہ قتال میں اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو' جس کیلئے جانثاری اور سرفروشی کرنے نکلے ہو۔ ایک لمحہ کیلئے اس سے غفلت نہ برتو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا

وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ○
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ
النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
مُحِيْطٌ ○

(سورۃ الانفال۔ 47-45)

اے ایمان والو! جب مقابلہ ہو تمہارا کسی گروہ سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرتے رہو اللہ کا کثرت سے، تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو ○ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ جھگڑو (آپس میں) ورنہ بزدل ہو جاؤ گے تم اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور صبر سے کام لو۔ بے شک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ○

6- اپنی کثرت اور سازوسامان پر مغرور نہ ہو اور قلت سے کبھی نہ گھبراؤ۔ ہر حال میں خداوند ذوالجلال پر اعتماد اور بھروسہ رکھو۔ فتح و نصرت کا مالک صرف اسی کی ذات کو جانو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ
اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ○ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ
تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○

(سورۃ توبہ۔ 26-25)

یقیناً اللہ تمہاری بہت سے مواقع پر مدد کر چکا ہے اور غزوہ حنین کے دن (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) جب تم کو اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا تو کوئی چیز تمہارے کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے ○ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل فرمائے جو تمہیں نظر نہ آتے تھے اور جو لوگ منکر حق تھے ان کو سزا دی اور منکرین حق کی یہی سزا ہے ○

لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ

اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

7- جب سوار ہونے لگو تو اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہاری آسائش کیلئے یہ سامان سفر پیدا فرمایا اور یہ پڑھو

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ○ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ○

(سورۃ الزخرف۔14-13)

پاک ہے وہ جس نے مسخر کر دیا ہے ہمارے لئے اسے حالانکہ نہ رکھتے تھے ہم اسے قابو میں رکھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے ○ اور بلا شبہ ہم بھی اپنے رب کی طرف ضرور پلٹ کر جانے والے ہیں○

غور فرمائیں اسلامی جہاد کی یہ شان ہے کہ دیکھنے میں مجاہدین کا لشکر ہے اور در پردہ نور السماوات والارض کے عاشقوں کا ایک گروہ جا رہا ہے۔ سبحان اللہ

معرکہ بدر اور رسول خدا کی طرز حرب

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً ستر اسی میل کے فاصلہ پر ہے۔ بدر بن یخلا بن نضر بن کنانہ یا بدر بن الحارث کی طرف منسوب ہے جو اس کا بانی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر ایک کنوئیں کا نام ہے، جس کی مناسبت سے بستی مشہور ہو گئی۔ بدر مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ وادی بدر کا کچھ حصہ ریت اور مٹی پر مشتمل ہے اور کچھ سنگلاخ ہے جو دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ مشرقی پہاڑی کو العدوۃ القصویٰ اور مغربی کو العدوۃ الدونیا کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک رستہ کوہ جنوب کی وادی میں ہے جسے اسفل کہتے ہیں۔ یہاں چند ایک چشمے تھے جہاں مکہ کے قافلے آ کر ٹھہرتے تھے۔ قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ گاتے بجاتے مکہ سے روانہ ہوئے۔ جب مقام جحفہ میں پہنچے تو جہیم بن صلت نے خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ساتھ ایک اونٹ ہے وہ شخص کھڑے ہو کر کہتا ہے۔ قتل ہوا عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن

ربیعہ اور ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) اور امیہ بن خلف اور فلاں فلاں۔ بعدازاں اس شخص نے اونٹ پر برچھے کا وار کیا اور لشکر میں چھوڑ دیا اور کوئی خیمہ ایسا نہ رہا جس پر خون کے چھینٹے نہ پڑے ہوں۔ ابوجہل کو جب اس خواب کی تفصیل معلوم ہوئی تو بہت برہم ہوا اور یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ بنی عبدالمطلب میں جہیم بن صلت دوسرا نبی پیدا ہوا ہے۔ کل جب مقابلہ ہوگا تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ میں ہم میں سے کون قتل ہوگا۔

(البدایہ والنہایہ ج3 صفحہ 265)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکی قافلے کے مقابلے کیلئے مدینہ میں ہر قسم کی طاقت مہیا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ صرف تین سو تیرہ مرد تھے جو سب کے سب بہترین لڑنے والے تھے۔ انصار میں مدینہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے اور ہر قبیلے میں ستر (70) آدمی اس کارزار شامل تھے اس طرح ایک سو چالیس انصار اور باقی مہاجرین مکہ تھے۔ تین سو تیرہ مجاہدین اسلام کے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان میدان جنگ کی طرف گھوڑے لیکر گئے اور وہ بھی صرف دو راس۔ اس کے مقابلہ میں مکی فوج میں نو سو پچاس مرد، سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی چلنے کیلئے آمادہ ہوگئیں۔ بسیس اور عدی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کے قافلے کی خبر لینے کیلئے بھیجا۔ جب وہ بدر پہنچے تو اپنے اونٹوں کو بدر کے چشمے سے سیراب کیا۔ بسیس اور عدی کے چلے جانے کے بعد ابوسفیان مسلمانوں کی نقل و حرکت کی خبر لینے کی غرض سے اس مقام پر پہنچا۔ وہاں اونٹوں کی کچھ مینگیاں دیکھیں۔ ایک مینگی اٹھا کر دیکھی تو کہا خدا کی قسم یہ یثرب کے اونٹوں کی مینگیاں ہیں۔ وہاں سے فوراً واپس ہوا اور تجارتی کاروان کا رخ بدل دیا اور ساحلی راستہ سے قافلہ کو صحیح سالم مکہ لے گیا اور قریش کو پیغام بھیجا کہ تم صرف اس لئے نکلے تھے کہ تجارتی کاروان کو بچاؤ۔ سو اللہ نے سب کو بچالیا لہٰذا تم مکہ واپس آجاؤ۔ ابوجہل نے کہا جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک مزے نہ اڑائیں اس وقت تک ہرگز واپس نہ ہوں گے۔ ابوجہل کی بیجا ضد نے سرداران قبیلہ کو بددل کر دیا اور وہ آہستہ آہستہ قریشیوں کو چھوڑ گئے۔ اخنس بن شریک نے اپنی قوم بنی زہرہ سے کہا کہ تم اپنے اموال کی حفاظت کیلئے نکلے تھے سو تمہارے اموال اللہ نے بچا لئے ہیں۔ ہم بلاوجہ

ہلاکت میں کیوں پڑیں۔ لہٰذا تم واپس ہو جاؤ۔ قبیلہ بنی زہرہ کے تمام لوگ اپنے سردار اخنس بن شریق کے کہنے پر واپس ہو گئے۔ دیگر قبیلوں کے لوگوں نے بھی کہا کہ جب ہمارا قافلہ صحیح سالم بچ گیا ہے تو جنگ کی کیا ضرورت رہی۔ مگر ابو جہل نے ایک نہ سنی اور بدر کی طرف روانہ ہو گیا۔

(سیرۃ ابن ہشام ج 2 صفحہ 14)

سترھویں رمضان 2 ہجری کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ وادی بدر میں کاروان مکہ کا انتظار کرنے لگے۔ مگر قریش نے پہلے پہنچ کر پانی کے چشمے پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو نہ پانی ملا اور نہ مناسب جگہ، ریتلا میدان تھا، چلنا دشوار اور ریت میں پاؤں دھنس جاتے تھے۔ باری تعالیٰ نے باران رحمت نازل فرمائی جس سے ریت جم گئی۔ مسلمانوں نے پانی جمع کرنے کیلئے چھوٹے چھوٹے حوض بنائے تاکہ پانی وضو اور غسل وغیرہ کے کام آ سکے۔ اس احسان کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝

(سورۃ الانفال۔ 11)

اور نازل کر رہا تھا تم پر آسمان سے پانی، تاکہ پاک کر دے تمہیں اس سے اور دور کر دے تم سے نجاست شیطان کی اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے تمہارے قدم ۝

وادی بدر میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جانثاروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب تک اہل عرب انفرادی جنگ کو ترجیح دیتے رہے ہیں کیونکہ ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ انفرادی طور پر اپنی شجاعت کا اظہار کرے مگر ہم اس جنگ میں صرف خدا کیلئے لڑنے آئے ہیں۔ اللہ ہر ایک کی بہادری پر نظر رکھتا ہے۔ اگر ہم اس کی رہ میں قربان ہو گئے تو وہ جزا دے گا۔ ہمارے مقابلے میں سربازان مکہ تین گنا ہیں، اگر ہم انفرادی طور پر لڑے تو ہم نیست و نابود ہو جائیں گے۔ البتہ اگر سب مل کر لڑیں گے تو فتح یقینی ہے۔ باوجود کہ ہم صرف تین سو تیرہ سرفروشان اسلام ہیں اور ہمارے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں، ایک حضرت زبیر بن العوامؓ کا اور دوسرا حضرت مقدادؓ کا۔ اس بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ ہمیں فتح سے ہمکنار کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا' تمہارا میدان جنگ سے فرار بے سود ہوگا' بھاگو گے تو مدینہ میں یہودیوں اور منافقوں کا سامنا ہوگا جو تمہیں قریشیوں کے سپرد کر دیں گے اور وہ تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی خوش الحانی سے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

(سورۃ الانفال ۔ 15-16)

اے ایمان لانے والو! جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دو چار ہو تو ان کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقعہ پر پیٹھ پھیری...... ماسوائے اس کے کہ...... جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کیلئے...... تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ۝

سپاہ اسلام کا ''فالانز'' مثلث تھا اور تینوں ضلعوں پر تین پرچم تھے۔ پہلے ضلع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور علم بردار تھے۔ دوسرے ضلع کے علمبردار مصعب بن عمیرؓ اور تیسرے ضلع کے علمبردار ایک انصاری تھے۔

جنگ کی تیاری

حضرت علی' زبیر بن العوام اور سعد بن وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قریشیوں کی خبر لینے محاذ جنگ کی دیکھ بھال پر مقرر ہوئے۔ اتفاق سے انہیں دو غلام مل گئے۔ ان کو پکڑ کر دریافت حال کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ قریش کہاں ہیں۔ غلاموں نے جواب دیا کہ متنفس ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کتنے لوگ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا بہت لوگ ہیں' ہمیں تعداد کا علم نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ غلاموں نے جواب دیا کسی دن نو اور کسی دن دس۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نوسو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں۔ سرداران قریش میں سے عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ ابوالبختری بن الحارث' زمعہ بن اسود' ابوجہل بن ہشام' امیہ بن خلف' منبہ اور مینبہ پسران حجاج' سہیل بن عمرو' عمرو بن عبدود اور کئی دوسرے سرباز لشکر قریش میں شامل ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مکہ نے آج اپنے تمام جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ سعد بن معاذؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ کیلئے بلندی پر ایک چھپر نہ بنا دیں جس میں آپ تشریف رکھیں اور سواریاں آپؐ کے قریب تیار رکھیں' پھر ہم دشمنوں سے مقابلہ کریں۔ اگر اللہ نے ہم کو عزت بخشی اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا تو ہماری عین تمنا ہے اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئی تو آپ سوار ہو کر ہماری قوم کے باقی ماندہ لوگوں سے جا ملیں۔ قوم کے جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہم ان سے زیادہ آپ کے محبّ نہیں۔ اگر ان کو کسی وجہ سے اس میں یہ گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ کا سامنا ہوگا تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرماتا اور وہ نہایت اخلاص اور خیر خواہی سے آپ کے ساتھ جہاد کرتے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذؓ کی تعریف کی اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔ بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایک چھپر بنایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں تشریف فرما رہے۔ اہل عرب میں دستور تھا کہ سپہ سالار افواج پیچھے کھڑے ہو کر انتظام و انصرام کرتا تھا۔ جنگ بدر کے سپہ سالار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر جنگ کا نقشہ ملاحظہ کر رہے تھے اور احکامات صادر فرما رہے تھے۔ سپہ سالار کے اس مقام کو اہل عرب ''عریش'' کہتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل) یہ چھپر ایسے ٹیلے پر بنایا گیا تھا' جس پر کھڑے ہو کر تمام میدان کارزار نظر آتا تھا۔ چھپر کھجور کی شاخوں کا تھا۔

(طبقات ابن سعد)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب قریش کی عظیم الشان جماعت کو پورے سازوسامان کے ساتھ میدان کارزار کی طرف بڑھتے دیکھا تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا ''اے

اللہ یہ قریش کا گروہ ہے جو تکبر و غرور کے ساتھ مقابلہ کیلئے آیا ہے' تیری مخالفت کرتا ہے اور تیرے بھیجے ہوئے پیغمبر کو جھٹلاتا ہے۔اے اللہ اپنی فتح و نصرت نازل فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور اے اللہ ان کو ہلاک کر۔''

جب آفتاب ڈوبنے لگا تو مکی لشکر دکھائی دیا۔رات ہو جانے کی وجہ سے مسلمان لڑنا چاہتے تھے نہ کافروں نے لڑنا چاہا۔رات کے وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے لشکر کی جگہ کو بدل دیا تاکہ ایسے مقام پر جنگ کر سکیں جہاں سورج کی چمک نہ پڑے اور آنکھیں خیرہ نہ ہوں۔ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فنون حرب اور جنگ سے پوری طرح واقف تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ رات بھر آرام کریں۔صرف وہ لوگ جاگتے رہیں جو پہرہ دیں گے۔میں خدا سے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سکون عطا فرمائے۔حیرت ہوتی ہے کہ مٹھی بھر مسلمان جو اہل مکہ کے مقابلہ میں ایک تہائی تھے مکہ کے لشکر کثیر کے مقابلہ کیلئے میدان بدر میں آئے۔مکہ کے لوگ ڈرپوک نہ تھے کہ ہم یہ خیال کریں کہ اہل مکہ اسلام کے لاؤ لشکر کی خبر سن کر بھاگ جائیں گے۔وہ بھی بدو عرب تھے' ذاتی شجاعت کے وارث تھے' تلوار کے دھنی تھے اور میدان کارزار میں موت کی پرواہ کئے بغیر لڑتے تھے خواہ کسی کو ماریں یا کوئی انہیں مار دے۔لہٰذا اس بارے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ بدر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر تھا اور انہیں یقین تھا کہ خداوند قہار و جبار ضرور ان کی مدد کرے گا اور ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ مکہ کا لشکر کثیر مدینہ کے لشکر قلیل کو شکست دے دے' باوجود یہ کہ اہل مکہ کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے۔

آغاز جنگ

17 رمضان المبارک سنہ 2 ہجری کی صبح آغاز جنگ پر طلوع آفتاب کے وقت دستور عرب کے مطابق فریقین نے رجزیہ اشعار پڑھنے شروع کئے۔اس کے بعد قریش کی فوج سے تین بہادر نکلے اور اپنے مبارز طلب کئے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ اگر مسلمان شکست کھا گئے تو مسلمان اور اسلام دنیا سے مٹ جائے گا۔کیونکہ ابھی اسلام میں اتنی

طاقت نہ آئی تھی کہ وہ کسی شکست کو برداشت کر سکے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عریش میں تشریف لائے اور سعد بن معاذ کے چھپر کے دروازے پر پہرہ دینے کیلئے تلوار سونتے کھڑے ہو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب واحباب کی قلت اور بے سروسامانی اور اعداء کی کثرت وقوت پر نگاہ ڈالی تو نماز کیلئے کھڑے ہو گئے۔ دو رکعت نماز ادا فرمائی اور دعا کیلئے دست مبارک بلند فرمائے۔

''اے اللہ میں تیرے عہد کے وفا کی درخواست کرتا ہوں۔ اگر تو چاہے تیری عبادت ہو۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خضوع خشوع کی ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ بارگاہ خداوندی میں ابتہال فرماتے اور کبھی فقیرانہ اور سائلانہ انداز میں ہاتھ پھیلا پھیلا کر فتح ونصرت کی دعا مانگتے۔ محویت کا یہ عالم تھا کہ دوش مبارک سے ردا گر پڑتی تھی۔ کبھی سر بسجود ہو کر یا حی یا قیوم کہتے جاتے اور کبھی دعا فرماتے ''اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما۔ اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ مختصر جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین میں تیری پرستش نہ ہو گی'' اس دعا سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتح ونصرت کی دعا فقط مسلمانوں کی جان بچانے کیلئے نہ تھی بلکہ اس لئے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی باقی رہے۔ ایسا نہ ہو کہ دنیا اللہ کی عبادت سے خالی رہ جائے۔ گریہ زاری سے چشم ہائے مبارک سے چشمے جاری تھے۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بشارت دی۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ط ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ؕ○

(سورۃ النمل۔62)

بھلا وہ کون ہے جو دعا سنتا ہے بے قرار کی جب وہ اسے پکارے اور رفع کرتا ہے اس کی تکلیف اور بناتا ہے تمہیں زمین کا خلیفہ؟ کیا کوئی (اور) معبود ہے اللہ کے ساتھ (شریک ان کاموں میں)؟ تم لوگ کم ہی سوچتے سمجھتے ہو○

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ وزاری میں مصروف تھے اور دعا کر رہے تھے تو چادر مبارک دوش پر سے بار بار گرتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے پیچھے کھڑے تھے چادر مبارک دوش پر ڈالتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر

عرض کیا ''بس کافی ہے یارسول اللہ تحقیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حضور میں بہت الحاح وآہ وزاری کی۔''

(رواہ بخاری وصحیح مسلم)

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

(سورۃ الانفال۔10-9)

جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے (تو) جواب میں اس نے فرمایا کہ تمہاری مدد کیلئے پے درپے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لئے بتادی کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوجائیں۔ ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے ۝

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے تو زبان مبارک پر یہ آیت تھی۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

(سورۃ القمر۔45)

عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھاجائے گی اور پشت پھیر کر بھاگے گی

قریش کی صفوں میں نکلنے والے تین بہادروں کے نام یہ تھے (1) عتبہ خسر ابوسفیان سرخیل افواج مکہ (2) شیبہ ابوسفیان کی بیوی کا چچا (3) ولید ابوسفیان کا برادر نسبتی

مسلمانوں کی طرف سے مدینہ منورہ کے تین نوجوان انصاری آگے بڑھے اور کہا۔ ہم تمہارے مقابلے کیلئے حاضر ہیں۔ قریش بولے ہم تم سے ناواقف ہیں اس لئے تم سے نہیں لڑسکتے۔ ہمارے مقابلے کیلئے اشراف مکہ ہی کو آنا چاہیے۔ یہ سن کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علی علیہ السلام کو ولید سے نبرد آمائی کا حکم صادر فرمایا پھر اپنے چچا حضرت حمزہؓ اور عبید بن حارثؓ کو فرمایا کہ تم دونوں قریشیوں کے مقابلہ کیلئے بڑھو۔ یہ تینوں جب ان کے مقابلے کیلئے آگے بڑھے تو قریشیوں نے رجزیہ اشعار پڑھنے شروع کیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں علی ابن ابی طالب ابن عبدالمطلب ہوں' پھر امراؤالقیس کے رجزیہ اشعار پڑھے۔ مقابلے پر ولید نے اپنا تعارف کراتے ہوئے حارث بن الحلز الیشکری کے چند اشعار پڑھے۔ حضرت علی ابن ابی طالب اچھے شمشیرزن تھے۔ ولید کو ایک بھرپور وار حضرت علیؓ کا لگا' جس سے اس کی شاہ رگ حلقوم تک کٹ گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے بھی اپنے حریف کو قتل کر دیا البتہ عبید بن حارث اور ان کے مدمقابل عتبہ دونوں زخمی ہو گئے لیکن انہوں بھی بالآخر حریف کو مار ڈالا۔ جب اہل قریش نے دیکھا کہ ان کے تینوں بہادر مارے گئے ہیں تو انہوں نے نعرے بازی سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ جنگ شروع ہو چکی ہے۔

جنگ سے ایک دن پہلے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان جنگ کا ملاحظہ فرمایا تھا اور پیش گوئی فرمائی کہ انشاء اللہ جنگ کے نتیجہ میں فلاں دشمن اس جگہ اور فلاں فلاں اس جگہ قتل ہو گا۔ عتبہ' شیبہ اور ولید کے قتل ہو جانے کے بعد ابوجہل سالار افواج قریش نے لوگوں کو یہ کہہ کر ہمت دلائی کہ لو گو عتبہ' شیبہ اور ولید کے قتل ہونے سے نہ گھبراؤ۔ ان تینوں نے عجلت سے کام لیا۔ ہم ہرگز اس وقت تک واپس نہ ہوں گے۔ جب تک ہم مسلمانوں کو رسیوں سے جکڑ نہ لیں گے۔ اس کے بعد ابوجہل نے دعا مانگی کہ قرابتوں کے قطع کرنے والا اور غیر معروف امور کے مرتکب کو ہلاک کر دے اور جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو اس کو فتح و نصرت دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۟

(سورۃ الانفال۔19)

(اے کافرو!) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو بے شک آ چکا ہے تمہارے سامنے فیصلہ اور اگر تم باز

آ جاؤ تو یہ بہتر ہوگا تمہارے لئے اور اگر تم دوبارہ یہی کرو گے تو پھر ہم بھی ایسا ہی کریں گے اور ہرگز نہ کام آ سکے گی تمہاری جمعیت تمہاری ذرا بھی خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو اور (جان لو کہ) بیشک اللہ اہل ایمان کے ساتھ ہے○

ابو جہل کی دعا کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی ''اے پروردگار! اگر یہ چھوٹی سی جماعت ایمان والوں کی ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر کبھی تیری عبادت نہ ہوگی۔ ایک طرف ابو جہل دعا مانگ رہا تھا تو دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشغولِ دعا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عریش سے باہر تشریف لاکر صحابہ کو جہاد وقتال کی ترغیب دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ جو شخص خدا کی راہ میں مارا جائے گا' حق تعالیٰ اُس کو جنت میں داخل کرے گا۔

(زرقانی' ج ا' صفحہ 27)

بعد ازاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مشت خاک لے کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور صحابہ کو حکم دیا کہ حملہ کرو۔ مشرکین میں کوئی بھی ایسا نہ رہا جس کی آنکھ اور ناک تک یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ○

(سورۃ الانفال۔ 17)

پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور تو نے نہیں پھینکی (ریت ان پر) بلکہ اللہ نے پھینکی تھی (اور یہ اس لئے تھا) کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے۔ یقیناً اللہ ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے○

اس کے بعد مسلمانوں نے اجتماعی طور پر ہلہ بول دیا۔ فالانز طریقہ پر ترغیب دی ہوئی مسلمانوں کی تینوں صفیں حرکت میں آ گئیں۔ گویا تین قلعوں کی حرکت تھی۔ قریش اس کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہو گئے۔ بڑے بڑے بہادر اور سردار قتل وقید ہونے لگے اور مسلمان خدا کے دشمنوں

کے قتل کرنے اور گرفتار کرنے میں مشغول ہو گئے۔

یہاں ضرور معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''فالانز'' کی تشریح ہو جائے۔ ''فالانز'' کا یہ مطلب تھا کہ سپاہی ایک دوسرے کے کاندھے سے کاندھا ملا کر اور پہلو سے پہلو ملا کر کھڑے ہوئے تھے اور صف کو قائم رکھتے تھے کہ مثلث مربع یا دائرے کی شکل بن جاتی۔ اس مثلث' مربع یا دائرے میں تمام سربازوں کا رخ دشمن کی طرف ہوتا اور پشت مثلث' مربع یا دائرے کی طرف ہوتی نتیجہ یہ کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکتا تھا' کیونکہ جس طرف بھی منہ کرتا مقابل سامنے ہوتا۔ اس طرح جنگ کو یونانی زبان میں فالانز کہا جاتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب میں پہلی مرتبہ اس طرز جنگ کو رائج کیا اور جنگ بدر میں اس سے فائدہ حاصل کیا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور اظہار شجاعت کا یہی سبب بنا۔ اس کے باوجود یہ لفظ عربی زبان میں داخل نہ ہو سکا۔

(محمد رسول اللہ' مصنفہ کونسٹن ویرژیل گیور گیو' ترجمہ عبدالصمد صاریم' صفحہ 191-193)

یہ بات قابل غور ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں نے مسلمانوں کے دل و دماغ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ مجاہدین اسلام دشمنوں کی کثرت تعداد سے قطع نظر ان کی طاقت کو خاطر میں نہ لائے اور بڑی بے جگری سے شجاعت کے جوہر دکھانے لگے۔ خدائے بزرگ و برتر پر ایمان اور کائنات سے وابستگی روح میں بڑی طاقت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جنگ بدر سے پہلے مسلمانوں کی اخلاقی طاقت میں بھی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا تھا لیکن میدان جنگ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترغیب مہارت جنگ اور اپنی روحانی طاقت نے قلت تعداد اور قلت ساز و سامان کی تلافی کر دی' چنانچہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ کے بارے میں ان آیات کا نزول ہوا۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ط اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ج وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْآ اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ط فَاِنْ

یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ۚ وَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ
اَلۡفٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَیۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ○
(سورۃ الانفال۔66-65)

اے نبیؐ! ابھارتے رہو مومنوں کو جہاد پر۔ اگر ہوں گے تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے تو غالب آجائیں گے وہ دو سو پر۔ اور اگر ہوں گے تم میں سے سو (ثابت قدم) تو غالب آجائیں گے وہ ہزار کافروں پر کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے ○ اچھا! اب تخفیف کردی ہے اللہ نے تم پر اور جان لیا ہے کہ تم میں کمزوری ہے لہٰذا اگر ہوں تم میں سے سو ثابت قدم رہنے والے تو وہ غالب آجائیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہوں تم میں سے ہزار (ثابت قدم) تو وہ غالب آجائیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ○

جب مشرکین میں سے بہت سارے گرفتار کر کے لائے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو فرمایا' اے سعد تجھ کو قریش کا گرفتار کرنا ناگوار ہے۔ سعدؓ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ پہلا حادثہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل شرک پر نازل فرمایا ہے۔ میرے نزدیک خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کو قتل اور خون ریزی ان کے زندہ چھوڑنے سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ
لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ○
(سورۃ النساء۔48)

بے شک اللہ یہ (گناہ) کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے معاف نہیں کرتا اور شرک کے علاوہ (باقی گناہ) جس کیلئے چاہے معاف کر دیتا ہے اور جس نے (کسی کو) اللہ کا شریک ٹھہرایا' اس نے اللہ پر بہتان باندھا اور بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ○

ابوجہل عدو اللہ کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ میرے دائیں بائیں دو انصاری نوجوان ہیں۔ ایک نے آہستہ سے کہا کہ چچا مجھ کو ابوجہل دکھاؤ کہ کون سا ہے۔ میں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ

ابوجہل کوقتل کروں گا۔ کیونکہ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب وشتم کرتا ہے۔ میں نے اشارہ سے ابوجہل کی نشان دہی کی۔ یہ دونو جوان شکرے اور باز کی طرح ابوجہل پر دوڑے اور اس کا کام تمام کردیا۔

(بخاری' کتاب الجہاد' جلد 2' باب غزوہ بدر)

سپاہِ قریش کے سردار ابوجہل کے کئی محافظ تھے۔ مسلمان اس کے محافظوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس تک جا پہنچے۔ فدایان اسلام میں سے ایک شخص معاذ بن عمرو نے ابوجہل کے پاؤں پر تلوار ماری۔ وہ بہت زیادہ مجروح ہو کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل کے فرزند عکرمہ بن ابوجہل نے مدافعت کرتے ہوئے معاذ بن عمرو پر حملہ کیا اور ایسا وار کیا کہ حضرت معاذؓ کی داہنی کہنی کٹ گئی اور ہاتھ کھال کے ساتھ لٹک گیا۔ حضرت معاذؓ نے اپنے بائیں ہاتھ سے داہنے ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دیا اور بلند آواز میں کہا ''راہ خدا میں'' صحیح بخاری کی روایت کے مطابق معاذؓ اور معوذؓ عفراء کے بیٹے ابوجہل کے قاتل تھے۔ لیکن کتاب الجہاد کی روایت کے مطابق معاذ بن عفراءؓ اور معاذ بن عمرو الجموع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور معاذ بن عمروؓ ہی نے قتل کیا۔ اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل سے چھینا ہوا سامان معاذ بن عمرو الجموع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی دلوا دیا۔

(فتح الباری' ج 7' صفحہ 230' زرقانی' صفحہ 428/1)

ابوجہل کے قتل ہونے پر قریش بددل ہو گئے اور ان پر خوف طاری ہو گیا کیونکہ عددی کثرت کے باوجود وہ مسلمانوں کی صفوں کو نہ چیر سکے۔ لہٰذا بڑی تیزی سے بھاگ کھڑے ہوئے ستر بت پرست مارے گئے جن کے لاشے قریش میدان جنگ میں چھوڑ گئے۔ مسلمانوں کے چودہ بہادر شہید ہوئے۔ اس جنگ میں چونکہ مسلمانوں کی فتح ہوئی اس لئے ان کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ یہ چھوٹا سا لشکر اپنے سے تگنے لشکر پر اپنی قوت ایمانی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایجاد کردہ طریقہ جنگ کی وجہ سے کامیاب ہوا۔

غزوہ بدر اب تک تاریخ اسلام میں اہمیت کا حامل ہے اور رہے گا کیونکہ یہ کفر اور اسلام کا پہلا معرکہ تھا۔ جس میں حق کا بول بالا ہوا۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ عامیانہ نظریہ اور محض غلط مفروضہ ہے۔ قرآن مجید سے زیادہ مستند

شہادت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(سورۃ الانفال۔7-5)

تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا۔وہ اس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے۔حالانکہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں ۝ یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے۔مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ۝

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو قریش کے دو گروہ تھے۔ ایک ابوسفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا جو مکہ سے حملہ کرنے کے ساز و سامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں شامل ہوئے۔حضرت عمرؓ کا قبیلہ کے ایک متنفس بھی اس جنگ میں شریک نہ ہوا۔سب سے جو پہلا مسلمان اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام تھا۔عاصی بن ہشام حضرت عمرؓ کا ماموں ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔اسلام کے معاملات میں وہ قرابت اور محبت کا اثر نہ لیتے تھے۔اسیران بدر کے متعلق بھی حضرت عمر کی رائے تھی کہ اسلام کے معاملہ میں قرابت اور رشتوں کا لحاظ کئے بغیر ان سب کو قتل کر دینا چاہیے وہ اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کر دے جو شخص میرا عزیز ہو اس کا کام میں تمام کروں گا۔

میدان بدر میں حضرت بلالؓ نے امیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو دیکھا۔امیہ بن خلف

وہی شخص تھا جو مکہ میں حضرت بلالؓ پہ انسانیت سوز مظالم کرتا اور اذیتیں دیتا تھا۔ امیہ بن خلف کو دیکھ کر حضرت بلالؓ پکارے "یہ کافروں کا سردار ہے بچ کر نہ جائے" حضرت بلالؓ پھر بلند آواز سے پکارے "یہ کافروں کا سرخیل ہے' اسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔" یہ کہہ کر امیہ کی طرف بڑھے اور پے در پے وار کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔ حضرت معاذ بن عمرو بن جموحؓ نے ابو جہل کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حضرت حمزہؓ' حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے مسلمان اس بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ انہیں قلت تعداد کا احساس بھی نہ تھا۔ اسی اثناء میں زبردست آندھی آئی اور اس سے فضا تاریک ہو گئی۔ سرداران قریش ایک ایک کر کے اپنے کیفر کردار کو پہنچ رہے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں کے سامنے زمانؑ و مکان کے حجابات چاک ہو گئے ہیں اور خداوند قہار و جبار نے ان کی تائید و حمایت کیلئے فرشتوں کی فوج بھیج دی ہے۔ یہ نظر آ رہا تھا مسلمان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدائی طاقت سے مصروف جنگ ہیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر خاک اٹھا کر قریش کی طرف پھینک دی اور فرمایا "تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔" اگر خدا کی تائید نہ ہوتی تو مسلمان قریش پر غالب نہ آتے۔ اس باب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ۝

(سورۃ الانفال۔12)

اور وہ وقت جبکہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ "میں تمہارے ساتھ ہوں' تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو' میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پہ چوٹ لگاؤ۝

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ قریش نے راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور جو لوگ بھاگ نہ سکے انہیں اسیر کیا۔ فتح بدر سے مسلمانوں کی دھاک پورے عرب میں بیٹھ گئی۔ اہم مقامات پر اسلام کا ہلالی پرچم لہرانے لگا اور وہ مملکت وجود میں آئی جسے تمدن اسلام کا مرکز کہنا

مناسب ہوگا اور اس تمدن کے اثرات آج بھی دنیا کے گوشے گوشے میں پائے جاتے ہیں۔

اسیران بدر

جنگ بدر کی فتح مبین پر قریش کے ستر نامور سردار قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتولین کے لاشوں کے متعلق فرمایا کہ بدر کے کنوئیں میں ڈال دیے جائیں۔ امیہ بن خلف کی لاش پھول کر اس قدر مسخ ہو چکی تھی کہ زرہ اتارنے کی کوشش میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اس لئے وہیں دبا دی گئی۔ جب عتبہ بن ربیعہ کی لاش کنوئیں میں ڈالی جانے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتبہ کے بیٹے ابوحذیفہؓ کے چہرے پر حزن وملال کے آثار دیکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوحذیفہ کیا باپ کی حالت دیکھ کر تیرے دل میں کچھ خیال گزر رہا ہے؟ ابوحذیفہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی قسم کوئی خیال نہیں' صرف اتنی بات ہے کہ میرا باپ صاحب رائے حلیم' بردبار اور صاحب فضل تھا' اس لئے امید تھی کہ اس کو یہ فہم وفراست اسلام کی طرف رہنمائی کرے گی' لیکن جب اس کو کفر پر مرتے دیکھا تو رنج ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوحذیفہؓ کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ اس دن مسلمانوں نے بقیہ وقت اپنے شہیدوں کو دفن کرنے میں گزارا اور کافروں کی لاشوں کو چاہ بدر میں ڈال دیا۔ بدر کی فتح نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ ایک چھوٹی سی فوج صداقت کی بنا پر ایک بڑی فوج کو شکست دے سکتی ہے۔ جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی تھی کہ کسی مشرک جنگجو کے لاشہ کا مثلہ نہ کرنا۔ ان کے ہاتھ' پاؤں یا جسم کے کسی حصے کو نہ کاٹنا کیونکہ جس طرح بحالت حیات زندوں کے ساتھ احسان کرنا چاہیے' مرنے کے بعد بھی مردوں کے ساتھ احسان کرنا چاہیے۔

فتح کی بشارت مدینہ روانہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتح مبین کی بشارت سنانے کیلئے عبداللہ بن رواحہؓ اور زید بن حارثہؓ کو روانہ فرمایا۔ حضرت اسامہ بنؓ فرماتے ہیں کہ یہ خوشخبری ہم تک اس وقت پہنچی جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ

حضرت رقیہؓ کو دفن کر چکے تھے۔ان کی تیمار داری کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمانؓ کو مدینہ چھوڑ آئے تھے۔اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تاہم حضرت عثمان کو اصحاب بدر میں شمار کیا گیا۔زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کے مدینہ منورہ روانہ فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے۔اسیران بدر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔مال غنیمت عبداللہ بن کعبؓ کے سپرد فرمایا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رواحہ پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ مسلمان ملے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مبارک بادی۔اس پر سلمہ بن سلامہؓ نے کہا کس بات کی مبارک باد دیتے ہو۔خدا کی قسم بوڑھوں سے پالا پڑا۔رسی میں بندھے اونٹوں کی طرح ان کو ذبح کر ڈالا۔یعنی ہم نے کوئی بڑا کام نہیں کیا جس پر ہم مبارک کے مستحق ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا یہی تو مکہ کے سادات اور اشراف تھے۔

مال غنیمت کی تقسیم

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر میں تین روز قیام فرمایا اور تین دن بعد مدینہ منورہ کا قصد فرمایا۔مال غنیمت عبداللہ بن کعبؓ کے سپرد فرمایا۔بمقام صفراء مال غنیمت تقسیم فرمایا۔مال غنیمت کی تقسیم پر اصحاب بدر مختلف الرائے ہو گئے۔جوان کہتے تھے کہ مال غنیمت ہمارا حق ہے کہ ہم نے کافروں کو قتل کیا۔بوڑھے کہتے تھے کہ ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کیا جائے کہ جو کچھ فتح ہوا ہماری پشت پناہی سے ہوا۔ایک جماعت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہی تھی وہ مال غنیمت کو اپنا حق سمجھتی تھی۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ط قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ فَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ص وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

(سورۃ الانفال:1)

(اے نبیؐ) پوچھتے ہیں تم سے غنیمت کے بارے میں' کہو! مالِ غنیمت اللہ اور رسول کا ہے۔ پس ڈرو تم اللہ سے اور درست کرو آپس کے تعلقات اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اگر تم مومن ہو۔

یعنی مال غنیمت کے مالک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ کے نائب جس طرح مناسب سمجھیں تقسیم کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔

(تفسیر قرطبی ج 1 صفحہ 1)

مال غنیمت میں ان آٹھ آدمیوں کو بھی حصہ عطا فرمایا جو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے بدر میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ تفصیل یہ ہے:۔

1- عثمان بن عفانؓ، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیوی حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کی وجہ سے مدینہ میں چھوڑا تھا اور جب قاصد فتح بدر کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو اصحاب ان کو دفن کر چکے تھے۔
2- طلحہ بن عبید اللہؓ
3- سعید بن زیدؓ، ان کو دونوں حضرات کو مدینہ سے ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لینے کیلئے روانہ کیا گیا تھا۔
4- ابولبابہؓ، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہی میں بغرض انتظام چھوڑا تھا۔
5- عاصم بن عدیؓ، ان کو عالیہ میں چھوڑ گئے تھے۔
6- حارث بن حاطبؓ، ان کو بنی عمرو بن عوف کی طرف بھیجا تھا۔
7- حارث بن القمہؓ۔
8- خوات بن جبیرؓ، یہ اصحاب اگرچہ معرکہ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بدر کے مال غنیمت میں حصہ عطا فرمایا اور بدرئین میں شامل فرمایا۔

(ابن اثیر ج 2 صفحہ 51)

بدر کے اسیران جنگ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفراء میں نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو عرق الطبیہ میں قتل کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نضر بن حارث کو اور عاصم بن ثابتؓ نے عقبہ بن معیط کو قتل کیا۔ نضر اور عقبہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دریدہ دہنی اور بدزبانی کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تذلیل و توہین، سب و شتم، استہزا اور تمسخر میں ہاتھ اور زبان سے ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔

(الخصائص الکبریٰ‘ ج 1 ‘صفحہ 407۔ وکتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول‘ العارف حیدرآباد)

اسیرانِ بدر کا فیصلہ

آپ نے صحابہ سے اسیرانِ بدر کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ ابتداً از خود ارشاد فرمایا کہ ”تحقیق اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے۔“ حضرت عمر نے عرض کیا کہ مناسب ہے کہ ان سب کی گردن اڑا دی جائے۔ رسول رحمت نے اس رائے سے اتفاق نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا ”اے لوگو! اللہ نے تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘ یہ لوگ فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں۔

(مجمع الزوائد‘ ج 6‘ صفحہ 87)

عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت دے اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلے میں ہمارے معین و مددگار ثابت ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ (ترمذی‘ ج 2‘ صفحہ 124)

فدیہ لینے پر عتاب الٰہی

فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیگر اکابر صحابہ کی رائے کے مطابق دیا گیا کہ شاید آگے چل کر یہ مسلمان ہو جائیں اور اسلام کے مددگار ثابت ہوں۔ فدیہ کا مشورہ دینے والوں میں کچھ اصحاب ایسے بھی تھے جن کا مقصود حصول مال ہو۔ اس پر پروردگارِ خداوندی سے عتاب نازل ہوا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

(سورۃ الانفال۔ 67-68)

کسی نبی کیلئے زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو۔ حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس

پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی O

اس عتاب کے مخاطب وہ لوگ تھے جنہوں نے مالی فائدہ اور دنیاوی مصلحت پیش نظر رکھی۔ جن حضرات نے دینی اور اُخروی مفاد کی بنا پر فدیہ کا مشورہ دیا تھا۔ فی الحقیقت وہ اس عتاب میں شامل نہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلہ رحمی کی بنا پر فدیہ کی رائے پسند فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبرؓ عتاب ربانی سن کر رو پڑے۔ حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت عمرؓ متفق الرائے تھے اور عبداللہ بن رواحہؓ بھی فدیہ کے مخالف تھے مگر ان کی رائے تھی کہ اسیران جنگ کو جلا دیا جائے' جس کو شریعت پسند نہیں کرتی۔ چونکہ کافروں کی جڑ کاٹنی مقصود تھی۔ اس لئے اس جنگ میں اللہ کی طرف سے خاص طور پر مشرکین کے قتل کا حکم دیا گیا۔ لہٰذا ارشاد ہوا۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ O لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ O

(سورۃ الانفال۔8-7)

اور (یاد کرو) جب وعدہ کر رہا تھا تم سے اللہ ایک کا دو گروہوں میں سے کہ وہ تمہیں مل جائے گا اور تم یہ چاہتے تھے کہ کمزور گروہ مل جائے تمہیں اور ارادہ تھا اللہ کا یہ کہ ثابت کر دکھائے حق کو اپنے ارشادات سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی O تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کر دے خواہ ناگوار گزرے (یہ بات) مجرموں کو O

صاف ظاہر ہے کہ جب تک دشمنان خدا کی خونریزی نہ ہو جائے اور حق کی ہیبت اور دبدبہ قائم نہ ہو جائے' فدیہ لینا جائز نہیں۔ البتہ شوکت اسلام کے قیام پر فدیہ لے کر آزاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جب کفر کی جڑ کٹ جائے اور کفر سر نہ اٹھا سکے تو فدیہ لینا مناسب ہوگا۔

جنگی قیدیوں پر رحم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اسیران جنگ کیلئے ایک آئین مرتب کیا گیا۔ تاریخ عالم میں یہ پہلا جنگی آئین ہے۔ جو اسیران جنگ کیلئے وضع ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔اس آئین کے مرتب کرنے سے پہلے ہر شخص کو یہ اختیار تھا کہ وہ اپنے قیدی کو قتل کرے یا زندہ جلا ڈالے۔البتہ اگر قیدی کے لواحقین اس کا فدیہ ادا کریں تو وہ ایسا کر سکتے تھے۔بصورت دیگر اسے غلام بنا کر فروخت کیا جا سکتا تھا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتب کردہ جنگی آئین میں یہ بھی درج تھا کہ جنگی قیدی سے فدیہ اس کی حیثیت کے مطابق لیا جائے۔چونکہ بدر کے قیدی مالدار قریش ہیں اس لئے ان سے چار ہزار درہم فی کس وصول کیا جائے اگر کوئی اتنی رقم ادا نہیں کر سکتا تو اتنی ہی قیمت کی تلوار یں اور نیزے دے سکتا ہے۔جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں ان کا فدیہ یہ ہے کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔آئین نامہ میں اسیران جنگ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی تھی جس کے نتیجہ میں بعض غازیان اسلام نے اپنے کپڑے اور اپنا کھانا تک اپنے قیدیوں کو دے دیا اور خود بھوکے رہے۔اسیران جنگ میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے ابوالعاص بھی تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر تھے۔حضرت زینبؓ نے تین ہزار درہم نقد اور ایک ہزار کے بدلے میں اپنا طلائی ہار بطور زر فدیہ مدینہ بھیجا۔جب یہ ہار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آب دیدہ ہو گئے' جو اصحاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد موجود تھے۔وہ بہت متاثر ہوئے اور بعض رونے لگے۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہار حضرت خدیجہؓ کا تھا جوان کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کو دے دیا تھا۔حضرت عمرؓ نے تجویز پیش کی کہ ابوالعاص کو بغیر فدیہ وصول کئے رہا کر دیا جائے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور دوسرے مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں۔اگر ابوالعاص مکہ سے میری دختر کو طلاق دیکر مدینہ بھیج دے تو اس کی آزادی دی جا سکتی ہے۔مسلمانوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور ابولعاص کو آزاد کر دیا۔ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام الٰہی کی سختی سے پابندی فرماتے تھے مگر صلہ رحمی کو نظر انداز نہ فرماتے تھے۔بعد میں ابوالعاصؓ مسلمان ہو گئے' اور دوبارہ حضرت زنیبؓ سے نکاح کیا۔لیکن وہ جلد ہی وفات پا گئیں۔

جنگ بدر کے اثرات

میثاق مدینہ کی ایک دفعہ کے مطابق مدینہ منورہ کے یہودی مشرکین مکہ کی مسلمانوں کے خلاف امداد نہیں کر سکتے تھے مگر یہودیوں نے اس کے خلاف ایک یہودی شاعر کو مکہ بھیجا تا کہ مکہ والوں کو مسلمانان مدینہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے۔ یہ شاعر کعب بن اشرف تھا۔ چنانچہ قریشیوں نے مکہ میں مقتولین بدر کا ماتم بند کر دیا اور لوگوں کو انتقام کیلئے اکسانے لگے۔ غزوہ بدر میں ابوجہل کے قتل ہونے پر سرداران مکہ کی ایک سہ رکنی کمیٹی قائم ہوئی۔ جس کے ارکان ابولہب ابوسفیان اور صفوان بن امیہ ہوئے۔ انہوں نے عہد کیا کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو ختم نہ کر دیں' چین سے نہ بیٹھیں گے۔ بدر کی شکست پر مشرکین مکہ اسیران جنگ کا فدیہ دینے پر مجبور ہوئے۔ اس لیے ابولہب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت پر آمادہ ہو گیا۔ اس کام کے انجام دینے کیلئے ابولہب کو عمیر بن وہب مل گیا' جس کا بیٹا بدر میں قید ہوا تھا۔ سہ رکنی کمیٹی کی انگیخت پر عمیر اس مقصد کیلئے مدینہ جانے پر تیار ہو گیا۔ ابولہب نے اس کے خرچ واخراجات کا ذمہ لے لیا۔ عمیر مدینہ پہنچا اور بیٹے کا فدیہ ادا کرنے کے بہانے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمیر تو جھوٹا ہے تو مجھے قتل کرنے آیا ہے۔ عمیر نے فوراً خنجر نکال کر پھینک دیا اور مسلمان ہو گیا۔ اس دوران ابولہب طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اب اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان بن گیا۔ ابوسفیان چار سو ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کی نیت سے روانہ ہو گیا۔ اس کو اطمینان تھا کہ یہودی اس کا ساتھ دیں گے۔ سلام بن مشکان یہودی سے مشورہ کر کے ابوسفیان نے ارادہ کیا کہ مسلمانوں پر حملہ کرے مگر کسی وجہ سے یہ منصوبہ باطل ہو گیا۔ ڈر کے مارے مدینہ سے بھاگا اور جاتے ہوئے مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا گیا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا چنانچہ اس نے راستے میں ستو کی بوریاں پھینک دیں۔ اس لئے اس کو غزوہ سویق کہتے ہیں۔ مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ کی قیادت میں ایک قافلہ خیبر سے نقرئی ظروف لے کر مکہ کو جا رہا ہے۔ ایک سو مسلمان مجاہدین زید بن حارث کی قیادت میں ابوسفیان کے قافلے پر حملے کرنے نکلے۔ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ بھاگ گئے اور تمام نقرئی سامان پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ اہل مکہ کو پتہ چلا کہ مسلمانوں نے ان کے مال پر قبضہ کر لیا ہے تو

ان کی آتش خشم بھڑک اٹھی۔ انہوں نے جنگ کی تیاریاں تیز تر کر دیں۔ مدینہ کے یہودی مشرکین مکہ کی تیاریوں میں برابر کے شریک تھے' چنانچہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف ہجویہ اشعار کی مہم شروع کر دی۔ اس مہم میں ایک عورت اسماء بنت مروان پیش پیش تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' مسلمانوں' قرآن' جبریل امین اور اللہ پاک کی بڑے پر تاثیر انداز میں کہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے متعلق قرآن میں فرمایا۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

(سورۃ العصر)

قسم ہے زمانے کی ۝ یقیناً انسان خسارے میں ہے ۝ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور کرتے رہے نیک عمل اور نصیحت کرتے رہے ایک دوسرے کو حق کی اور تلقین کرتے رہے ایک دوسرے کو صبر کی ۝

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اس زمانے کی قسم کھاتا ہے' جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے' جو معرفت و حقیقت کا زمانہ ہے کہ انسان اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے ضرور بدبختی میں مبتلا ہوتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر اور نیک عمل کئے اور راہ حق پر ثابت قدم رہے اور صبر و بردباری میں استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

مسلمان اپنے بارے میں بدگوئی سن سکتے تھے مگر خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو سننا ان کیلئے ناقابل برداشت تھا' چنانچہ ایک رات ایک نابینا مسلمان نے اسماء بنت مروان کو قتل کر دیا۔ نابینا اسماء کا رشتہ دار تھا' رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے اسماء کو قتل کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت متاثر ہوئے مگر کوئی کارروائی نہ کر سکے کیونکہ قاتل اور مقتول ایک ہی قبیلہ سے متعلق تھے۔ مدینہ کا ایک اور شاعر ابو عفک بھی ایک ہم قبیلہ مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے باوجود یہود مدینہ نے مسلمانوں کے خلاف ہجو گوئی اور دل آزاری جاری رکھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو بلوا کر کہا کہ مسلمانوں کو آزار دینا چھوڑ دو۔ تم لوگوں نے میثاق مدینہ کی پابندی تسلیم کی ہے اور یہ کہ تم

نوں کے ساتھ کسی قسم کا اتحاد نہ کرو گے۔ مدینہ میں یہود کے تین بڑے گروہ تھے۔ یعنی کچھ کسان
، کچھ سنار تھے اور کچھ دباغ۔ ساروں کو معلوم تھا کہ مکہ کا ایک بڑا لشکر مسلمانوں کی سرکوبی کیلئے
رہا ہے۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے ساتھ سردمہری کا برتاؤ کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ
لم نے انہیں سمجھایا کہ مسلمان کسی سے ڈرتے نہیں۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خراب
ہونے چاہئیں اور مدینہ کے قانون اساسی کا احترام کرنا چاہیے۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ
ہودیوں سے ابھی تک آپ کو پالا نہیں پڑا۔ ہم بہادر، ثابت قدم اور جنگ کے ماہر ہیں۔ ہم سے
لا پڑا تو شکست تمہارا مقدر ہو گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہم تم سے لڑنا نہیں
چاہتے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مکہ والوں کی مدد کرنا چاہتے ہو۔ بہتر ہو گا اگر تم غیر جانبدار ہو جاؤ۔''
مسلمان برابر یہودیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہے۔ ایک دن ایک نوجوان مسلمان لڑکی کا
گزر یہودی محلے سے ہوا۔ چند یہودی لڑکوں نے اس لڑکی کو تنگ کرنا شروع کیا۔ یہودی سنار نے
لڑکی کے دامن کو میخ سے گاڑ دیا۔ لڑکی نے بھاگنا چاہا تو اس کے کپڑے پھٹ گئے۔ ایک غیرت مند
نوجوان مسلمان ادھر سے گزر رہا تھا۔ اس نے سنار کے سر پر مکا رسید کیا۔ یہودیوں نے سنار کا بدلہ
لینے کیلئے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ مسلمانوں نے یہودیوں سے مقتول کے خون کا
مطالبہ کر دیا۔ نہ دینے پر مسلمان یہودیوں سے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے اور مکی
لشکر کا انتظار کرنے لگے مگر قشون مکہ نے آنا تھا نہ آئے لہٰذا یہودیوں نے سپر ڈال دی۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نرم سلوک کیا اور مدینہ بدر کر دیا۔ یہودی ساروں کے چلے
جانے سے دشمنوں کی تعداد گھٹ گئی تاہم مدینہ میں ان کی تعداد کافی تھی۔ قریش کو یہود کے جانے
سے سخت نقصان ہوا کیونکہ ان کے سات سو جنگجو مدینہ سے چلے گئے تھے۔

اصحاب اور ان کی تعداد

قرآن کریم میں اصحاب بدر کے متعلق ارشاد ہے۔ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُم، مراد اصحاب
بدر کے صدق اور اخلاص کو ظاہر کرنا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اہل بدر کی مخلصانہ جانبازی، مجاہدانہ اور
والہانہ سرفروشی مسلم ہو چکی ہے۔ مرتے دم تک ان حضرات کا قدم جادۂ محبت و وفا سے کبھی
ڈگمگانے والا نہیں۔ ان کے قلوب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت

سے لبریز ہیں۔ اگر مقتضائے بشریت سے کسی وقت کوئی معصیت صادر ہو جائے تو فوراً توبہ ا[ور] استغفار کی طرف رجوع کریں گے۔ تاہم اہل بدر جو کچھ بھی کریں گے' جنت ان کیلئے واجب ہو چ[کی] ہے۔ عجب نہیں کہ ان کے درجے اور بھی بلند ہوں اگر وہ کسی معصیت پر توبہ و استغفار کریں۔ بار[گاہ] رب العزت سے اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ کا خطاب ان حضرات کو ہو سکتا ہے' جن کے قلوب حق ...[ت]عا[لیٰ] کی محبت و عظمت' خوف و خشیت اور ہیبت سے لبریز ہوں۔

حضرات بدرئینؓ کی تعداد میں مختلف روایات ہیں' لیکن مشہور یہی ہے کہ وہ تین سو ت[یرہ] تھے۔ آٹھ اصحاب ایسے تھے جو اس غزوہ میں کسی نہ کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے' لیکن اہل بدر [میں] شمار کیے گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت میں ان کو برابر حصہ عطا فر[مایا۔] تفصیل اس اجمال کی پہلے گزر چکی ہے۔

فہرست اسماء مہاجر بدرئین

آئمہ حدیث اور علماء سیر نے اسماء بدرئین کا تذکرہ خاص اہتمام سے فرمایا ہے۔ مگر حرو[ف] تہجی سے سب سے پہلے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اسماء بدرئین کو مرتب فرمایا ہے۔

سید المہاجرین و امام البدرئین خاتم الانبیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ ابوبکر صدیق	2۔ عمر بن خطاب
3۔ عثمان بن عفان	4۔ علیؓ بن ابی طالب
5۔ حمزہ بن عبد المطلب	6۔ زید بن حارث
7۔ انسہؓ حبشی مولی رسول اللہ	8۔ ابو کبشہ فارسی
9۔ ابو مرثد کنانہ بن حیصن	10۔ مرثد بن ابی مرثد
11۔ عبیدہ بن الحارث	12۔ طفیل بن الحارث
13۔ حصین بن الحارث	14۔ مسطح عوف بن اثاثہ
15۔ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	16۔ سالم مولی ابی حذیفہ
17۔ صبیح مولی ابی العاص	18۔ عبداللہ بن جحش
19۔ عکاشہ بن محصن	20۔ شجاع بن وہب

21- عقبہ بن وہب
22- یزید بن رقیش
23- ابو سنان بن محصن
24- سنان بن ابی سنان
25- محرز بن نضلہ
26- ربیعہ بن اکثم
27- سقف بن عمرو
28- مالک بن عمرو
29- مدلج بن عمرو
30- سوید بن مخشی
31- عقبہ بن غزوان
32- مولیٰ عتبہ بن غزوان
33- زبیر بن العوام
34- حاطب بن ابی بلتعہ
35- سعد کلبی مولیٰ حاطب بن بلتعہ
36- مصعب بن عمیر
37- سوبیط بن سعد
38- عبدالرحمٰن بن عوف
39- سعد بن ابی وقاص
40- عمیر بن ابی وقاص
41- مقداد بن عمرو
42- عبداللہ بن مسعود
43- مسعود بن ربیعہ
44- ذوالشمالین بن عبد عمرو
45- خباب بن الارت
46- بلال بن رباح حبشی
47- عامر بن فہیرہ
48- صہیب بن سنان الرومی
49- طلحہ بن عبیداللہ
50- ابوسلمہ بن سنان الرومی
51- شماس بن عثمان
52- ارقم بن ابی الارقم
53- عمار بن یاسر
54- معتب بن عوف
55- زید بن الخطاب
56- مہجع مولیٰ حضرت عمر
57- عمرو بن سراقہ
58- عبداللہ بن سراقہ
59- واقد بن عبداللہ
60- خولی بن ابی خولی
61- مالک بن ابی خولی
62- عامر بن ربیعہ
63- عامر بن بکیر
64- عاقل بن بکیر
65- خالد بن بکیر
66- ایاس بن بکیر

67- سعد بن زید بن عمرو
68- عثمان بن مظعون
69- سائب بن عثمان بن مظعون
70- قدامہ بن مظعون جمحی
71- عبداللہ بن مظعون
72- معمر بن حارث
73- خنیس بن حذافہ
74- ابوسبرۃ بن ابی رہم
75- عبداللہ بن مخرمہ
76- عبداللہ بن سہیل بن عمرو
77- عمیر بن عوف
78- سعد بن خولہ
79- ابوعبیدہ عامر بن الجراح
80- عمرو بن الحارث
81- سہیل بن وہب
82- صفوان بن وہب
83- عمرو بن ابی سرح
84- وہب بن سعد
85- حاطب بن عمرو
86- عیاض بن ابی زہیر

فہرست اسماء انصار بدرئین

87- سعد بن معاذ
88- عمرو بن معاذ
89- حارث بن اوس بن معاذ
90- حارث بن انس
91- سعد بن زید
92- سلمہ بن سلامہ بن وقش
93- عباد بن بشر
94- سلمہ بن ثابت
95- رافع بن یزید
96- حارث بن خزمہ
97- محمد بن سلمۃ
98- سلمۃ بن اسلم
99- ابوالہیثم بن التیہان
100- عبداللہ بن سہل
101- عبید بن التیہان
102- قتادہ بن النعمان
103- عبید بن اوس
104- نصر بن الحارث
105- معتب بن عبید
106- عبداللہ بن طارق
107- مسعود بن سعد
108- ابوعبس بن جبیر
109- ابوبردہ ہانی بن نیارضی
110- عاصم بن ثابت

111- معتب بن قشیر
112- عمرو بن معبد
113- سہل بن حنیف
114- مبشر بن عبدالنذر
115- رفاعہ بن عبدالنذر
116- سعد بن عبید بن النعمان
117- عویم بن ساعدہ
118- رافع بن عنجدہ
119- عبید بن ابی عبید
120- ثعلبہ بن حاطب
121- ابولبابہ بن عبدالمنذر
122- حارث بن حاطب
123- حاطب بن عمرو
124- عاصم بن عدی
125- انیس بن قتادہ
126- معن بن عدی
127- ثابت اقرم
128- عبداللہ بن سلمہ
129- زید بن اسلم
130- ربعی بن رافع
131- عبداللہ بن جبیر
132- عاصم بن قیس
133- ابوضیاح بن ثابت
134- ابوحنہ بن ثابت
135- سالم بن عمیر
136- حارث بن النعمان
137- خوات بن جبیر
138- منذر محمد
139- ابوعقیل بن عبداللہ
140- سعد بن خیثمہ
141- منذر بن قدامہ
142- مالک بن قدامہ
143- حارث بن عرفجہ
144- تمیم مولیٰ سعد بن خیثمہ
145- جبر بن عتیک
146- مالک بن نمیلہ
147- نعمان بن عصر
148- خاجتہ بن زید
149- سعد بن ربیع
150- عبداللہ بن رواحہ
151- خلاد بن سوید
152- بشیر بن سعد
153- سماک بن سعد
154- سبیع بن قیس
155- عباد بن قیس
156- عبداللہ بن عبس

157- یزید بن حارث
158- خبیب بن اساف
159- عبداللہ بن زید
160- خریث بن زید
161- سفیان بن بشر
162- تمیم بن یعاز
163- عبداللہ بن عمیر
164- دید بن المزین
165- عبداللہ بن عرفط
166- عبداللہ بن ربیع
167- عبداللہ بن عبداللہ بن ابی
168- اوس بن خولی
169- زید بن دولیعہ
170- عقبہ بن وہب
171- رفاعہ بن عمرو
172- عامر بن سلمہ
173- معبد بن عباد
174- عامر بن البکیر
175- نوفل بن عبداللہ
176- عبادۃ بن الصامت
177- اوس بن الصامت
178- نعمان بن مالک
179- ثابت بن ہزال
180- مالک بن دخشم
181- ربیع بن ایاس
182- ورقہ بن ایاس
183- عمرو بن ایاس
184- مجذر بن زیاد
185- عباس بن خشخاش
186- نحاب بن ثعلبہ
187- عبداللہ بن ثعلبہ
188- عتبہ بن ربیعہ
189- ابودجانہ بن سماک
190- منذر بن عمرو
191- ابواسید مالک بن ربیعہ
192- مالک بن مسعود
193- عبدربہ بن حق
194- کعب بن جماز
195- ضمرہ بن عمرو
196- زیاد بن عمرو
197- بیس بن عمرو
198- عبداللہ بن عامر
199- قراش بن صمہ
200- حباب بن منذر
201- عمیر بن الجمام
202- تمیم مولیٰ خراش

203- عبداللہ بن عمرو بن خرام
204- معاذ بن عمرو بن الجموع
205- معوذ بن عمرو الجموع
206- خلاد بن عمرو الجموع
207- عقبۃ بن عامر
208- حبیب بن اسود
209- ثابت بن ثعلبہ
210- عمیر بن الحارث
211- بشر بن صبراء
212- طفیل بن مالک
213- طفیل بن نعمان
214- سنان بن صیفی
215- عبداللہ بن جدّ بن قیس
216- عتبہ بن عبداللہ
217- جبار بن صخر
218- خارجہ بن حمیر
219- یزید بن المنذر
220- معقل بن المنذر
221- عبداللہ بن النعمان
222- عبداللہ بن حمیر
223- ضحاق بن حارثہ
224- معاذ بن زریق
225- بعد بن قیس
226- عبداللہ بن قیس
227- عبداللہ بن مناف
228- جابر بن عبداللہ بن ریاب
229- خلید بن قیس
230- نعمان بن سنان
231- ابوالمنذر یزید بن عامر
232- سلیم بن عمرو
233- قطبۃ بن عامر
234- عنترہ مولیٰ سلیم بن عمرو
235- عبس بن عامر
236- ثعلبہ بن غنمہ
237- ابوالیسر کعب بن عمرو
238- سہل بن قیس
239- عمرو بن طلق
240- قیس بن محصن
241- حارث بن قیس
242- معاذ بن جبل
243- جبیر بن ایاس
244- سعد بن عثمان
245- عقبۃ بن عثمان
246- زکوان بن عبد قیس
247- مسعود بن خلدہ
248- عباد بن قیس

249- اسد بن یزید
250- حاکہ بن بشر
251- معاذ بن ماعص
252- عائذ بن ماعص
253- مسعود بن سعد
254- رفاعہ بن رافعہ
255- خلاد بن رافعہ
256- عبید بن زید
257- زیاد بن لبید
258- خروہ بن عمرو
259- خالد بن قیس
260- جبلہ بن ثعلبہ
261- عطیہ بن نویرہ
262- خلیقۃ بن عدی
263- عمارہ بن حزم
264- سراقہ بن کعب
265- حارثہ بن النعمان
266- سلیم بن قیس
267- سہیل بن قیس
268- عدی بن زغبار
269- مسعود بن اوس
270- رافع بن حارث
271- عوف بن حارث
272- ابوخذیمہ بن اوس
273- نعمان بن عمرو
274- معوز بن حارث
275- معاذ بن حارث
276- عامر بن نحلہ
277- عبداللہ بن قیس
278- عیصمہ اشجعی
279- ودیقہ بن عمرو
280- ابوالحمرا مولیٰ حارث بن عظر
281- ثعلبہ بن عمرو
282- سہیل بن عتیک
283- حارث بن صمہ
284- ابی بن کعب
285- انس بن معاذ
286- اوس بن ثابت
287- ابوشیخ ابی بن ثابت
288- ابوطلحہ زید بن حراسہل
289- حارثہ بن سراقہ
290- عمرو بن ثعلبہ
291- سلیط بن قیس
292- ابوسلیط بن عمرو
293- ثابت بن سنان
294- عامر بن امیہ

295- محرز بن عامر
296- سواد بن غزیہ
297- ابوزید قیس بن مسکن
298- ابوالاعور بن حارث
299- سلیم بن ملحان
300- حرام بن ملحان
301- قیس بن ابی صعصعہ
302- عبداللہ بن کعب
303- عشیمہ اسدی
304- ابوداؤد عمیر بن عامر
305- سراقہ بن عمرو
306- قیس بن مخلد
307- نعما بن عبد عمر
308- حماک بن عبد عمر
309- سلیم بن حارث
310- جابر بن خالد
311- سعد بن سہیل
312- کعب بن زید
313- بجیر بن ابی بجیر
314- عتبان بن ارک
315- ملیلیل بن دبرہ
316- عصمۃ بن الحصین
317- بلال بن المعلی

اسمائے شہدائے بدر

1- حضرت عبیدہ بن الحارث مہاجر' معرکہ بدر میں پیر کٹ گیا۔ مقام صفرا میں وفات پائی اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر وہیں دفنائے گئے۔
2- حضرت عمیر بن ابی وقاص مہاجر' حضرت سعد بن ابی وقاص کے برادر اصغر۔ عمیر کی عمر شہادت کے وقت 16 سال تھی۔
3- حضرت ذوالشالین بن عمرو مہاجر
4- حضرت عاقل بن البکیر مہاجر' سابقین اوّلین
5- حضرت مُجع بن صالح مولیٰ حضرت عمر بن الخطاب' مہاجر
6- حضرت صفوان بن بیضاء مہاجر
7- سعد بن خشیمہ انصاری' صحابی اور صحابی کے بیٹے۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بنی عمرو کے نقیب

8- حضرت مبشر بن عبداللہ انصاری

9- حضرت عمیر بن الحمام انصاری

10- یزید بن حارث انصاری

11- حضرت رفاع بن معلیٰ انصاری

12- حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری' صحابی اور صحابی کے بیٹے' شہید اور شہید کے بیٹے۔ بیٹا بدر میں اور باپ حنین میں شہید ہوئے۔

13- حضرت عوف بن حارث انصاری

14- معوذ بن حراث انصاری' یہ دونوں بھائی ہیں اور عضراء کے بیٹے ہیں۔

اسماء اسیران بدر

جنگ بدر میں ستر مشرکین قتل ہوئے اور ستر ہی اسیر ہوئے ہم مشہور اسیران بدر کے نام یہاں درج کرتے ہیں۔ جو ان میں سے مشرف بہ اسلام ہوئے ان کے نام کے ساتھ تصریح بھی پیش کی جاتی ہے۔

1- عباس بن عبدلمطلب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم فتح مکہ سے کچھ قبل اعلانیہ طور پر اسلام کا اظہار فرمایا۔

2- عقیل بن ابی طالب' رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد بھائی۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

3- نوفل بن حارث غزوہ خندق کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

4- صائب بن عبید

5- نعمان بن عمرو

6- عمرو بن ابوسفیان بن حرب

7- حارث بن ابی وحرہ

8- ابوالعاص بن ربیع' بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے

9- ابوالعاص بن نوفل

10- ابوریشہ بن ابی عمرو

11- عمرو بن ازرق

12- عقبہ بن عبدالحارث

13- عدی بن الخیاز

14- عثمان بن عبدالشمس

15- ابوثور

16- عزیز بن عمیر عبدی' بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے

17- اسود بن عامر

18- عقبہ بن عبدالحارث

19- اسود بن عامر

20- سائب بن ابی جیش' فتح مکہ پر مسلمان ہوئے۔

21- حویرث بن عباد

22- سالم بن شداخ

23- خالد بن ہشام' ابوجہل بن ہشام کے بھائی

24- امیہ بن ابی حذیفہ

25- ولید بن ولید بن مغیرہ

26- صیفی بن ابی رفاعہ

27- ابوالمنذر بن ابی رفاعہ

28- ابوالعطا عبداللہ بن ابی اسائب بعد میں مسلمان ہوئے اور مسلمانوں نے ان سے علم قرأت حاصل کیا۔

29- مطلب بن حطب' بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

30- خالد بن اعلم

31- ابوودا عہ بھی فتح مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

32- سروۃ بن قیس

33- حنظلہ بن قبیصہ

34- حجاج بن حارث

35- عبداللہ بن ابی بن خلف، فتح مکہ میں مشرب بہ اسلام ہوئے۔ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

36- ابوعزہ عمرو بن عبداللہ

37- خاکہ مولیٰ امیہ بن خلف

38- وہب بن عمیر، وہب اور اس کے باپ مشرف بہ اسلام ہوئے

39- ربیعہ بن دراج

40- سہل بن عمرو، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور شام میں شہید ہوئے۔

41- عبد بن زمعہ، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کے بھائی۔

42- عبدالرحمٰن بن شنود

43- طفیل بن ابی قنیع

44- عقبہ بن عمرو

45- قیس بن سائب مخزومی، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے

46- نسطاس مولیٰ امیہ بن خلف، غزوہ اُحد کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

معاندین اسلام اور ابولہب کا انجام

جنگ بدر میں عتبہ، شیبہ، ولید، حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ دو کم سن مجاہدوں معوذ اور معاذ بن عفرا کی تلواروں سے ایک بڑا دشمن امت محمدیہ کا فرعون ابوجہل کیفر کردار کو پہنچا۔ ابولہب مکہ کا امیر تاجر اپنے خبث باطن کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا، ابتدائے اسلام میں مکہ مکرمہ کی گلیوں میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے پھرتا، پتھر مارتا تو اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایڑیاں زخمی ہو جاتیں۔ اپنی بدفطرت اور کمینہ پن کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان میں گندگی پھینکتا، ابولہب احول چشم اور لنگڑا بھی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بدترین ہمسایہ بھی تھا۔ اس کی بیوی ام جمیل

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مطہر پر مٹی پھینکتی' راستے میں کانٹے بچھاتی' ہجو یہ اشعار کہتی' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہتے' صبر سے کام لیتے۔ کبھی کبھی تنگ آ کر فرماتے ''عبد مناف کے گھر والو تم کیسے پڑوسی ہو۔''

حضرت رقیہؓ کا انتقال

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح بدر کے بعد تین دن تک بدر میں قیام فرمایا اور حضرت زید بن حارثؓ کو فتح کی خوشخبری دے کر مدینہ منورہ بھیجا۔ زید جب مدینہ پہنچے تو حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میت حضرت عثمانؓ اور دوسرے مسلمان جنت البقیع میں دفن کر کے واپس آ رہے تھے۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح

حضرت فاطمہؓ کی عمر 15 برس ہو چکی تھی' آپ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ فروخت کر کے ضروریات نکاح اور مہر کی رقم ادا کی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحب زادی کو جہیز میں ایک لحاف' ایک چمڑے کا گدا جس میں درخت کی چھال بھری ہوئی تھی' دو چکیاں' ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے دیئے۔ رہائش کیلئے حارث بن نعمان نے اپنا مکان پیش کر دیا۔

غزوہ غطفان

ماہ ذی الحجہ سنہ 3 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب جو قبیلہ غطفان کی شاخیں ہیں' نجد میں جمع ہو رہے ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ اطراف مدینہ میں ڈاکہ ڈالیں۔ ان کا سردار دعثور غطفانی ہے۔ ماہ محرم الحرام سنہ 2 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غطفان کی سرکوبی کیلئے نجد کا ارادہ فرمایا اور مدینہ میں حضرت عثمانؓ بن عفان کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ کے ہمراہ چار سو پچاس صحابہ کرام تھے۔ غطفان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے۔ اس سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے۔ غطفان کے سردار دعثور نے تلوار لی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے سر پر کھڑا ہو کر کہنے لگا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بتا آج تجھے میری تلوار سے کون بچائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطمینان سے فرمایا اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھا دعثور سے فرمایا تم بتاؤ اب تم کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ اس نے جواب دیا کوئی نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اسلام لے آیا اور بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ دعثور نے اپنی قوم سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس پر ساری قوم مسلمان ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

(سورۃ المائدہ۔11)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے (ابھی حال ہی میں) تم پر کیا ہے جبکہ ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے ان کے ہاتھ تم پر (اٹھنے سے) روک دیئے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ۝

واپسی پر معلوم ہوا کہ ماہ ربیع الثانی میں بنی سلیم بحران نجد میں جمع ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطلاع ملتے ہی تین سو صحابہ کی معیت میں بحران کی طرف کوچ فرمایا اور مدینہ میں عبداللہ بن مکتومؓ کو مقرر فرمایا۔ بنو سلیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر سنتے ہی منتشر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی لڑائی کے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس دن قیام فرمایا۔

غزوہ بدر سے پہلے مسلمان اہل مدینہ سے خائف تھے لیکن بدر سے فاتحانہ مراجعت کے بعد سالم بن عمیر نے ابو عفک کا کام تمام کرنے کی ٹھان لی۔ ابو عفک عمرو بن عوف کے قبیلے سے تھا۔ وہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر مسلمانوں کی مذمت میں ہجو یہ اشعار کہتا تھا۔ ابو عفک اپنے اشعار میں اسلام اور ہادی اسلام کے خلاف زہر اگلتا رہتا اور لوگوں کو مسلمانوں کے

خلاف بھڑکاتا تھا۔ سالم بن عمیر موسم گرما کی ایک شب ابوعفک کے مکان پر پہنچے جو اپنے مکان کے صحن میں سویا ہوا تھا۔ سالم نے بڑھ تلوار کا ایسا وار کیا کہ ابوعفک کا جسم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

عصماء بنت مروان کا وطیرہ بھی ایسا ہی تھا۔ وہ لوگوں کو اکساتی اور بھارتی رہتی تھی اور کہتی اسلام کوئی اچھا مذہب نہیں۔ غرض یہ بدبخت عورت لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتی رہتی تھی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بھی ناروا اور نازیبا باتیں کرتی رہتی تھی۔ سالم بن عمیر بن عوف رات کے وقت اس کے گھر پہنچے۔ عصماء اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ سالم کی نظر کمزور تھی۔ انہوں نے ٹٹول کر پہلے بچے کو اس سے جدا کیا پھر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ سالم بن عمیر بن عوف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عصماء کے قتل کی اطلاع دے کر واپس آ رہے تھے کہ انہیں عصماء کے رشتہ دار مل گئے۔ ان میں سے کسی نے ابن عمیر سے کہا ''تم نے عصماء کو قتل کیا ہے'' سالم بن عمیر نے جواب دیا ہاں! اس کا قاتل میں ہوں جو تم سے ہو سکے کر لو۔ خدا کی قسم اگر تم بھی وہی بات کہو جو عصماء نے کہی تھی تو ابھی تلوار کھینچ لیتا ہوں یا تم مجھ کو مار ڈالو گے یا میں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔ سالم بن عمیر کی بیباکی کا یہ اثر ہوا کہ بنی خطمہ جو عصماء کا شوہری قبیلہ تھا' میں قبول اسلام کی راہ ہموار ہو گئی۔ یہ لوگ ابھی تک اپنے اسلام کا علی الاعلان اظہار نہیں کر سکے تھے۔ انہیں بھی حوصلہ ہوا اور وہ دھڑلے سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

قتل کعب بن اشرف یہودی

فتح بدر کی خبر مدینہ پہنچتے ہی کعب بن اشرف یہودی کو بے حد صدمہ ہوا۔ مقتولین بدر کی تعزیت کیلئے مکہ روانہ ہوا۔ بدر میں مارے جانے والوں کے مرثیے لکھے۔ یہ مرثیے پڑھ کر خود بھی روتا اور مشرکین مکہ کو بھی رلاتا اور لوگوں کو آمادہ قتل کرنے پر جوش دلاتا۔ ایک روز قریش کو بیت اللہ کا پردہ تھام کر قتال کرنے کا ارادہ کرنے کا حلف اٹھایا۔ واپس مدینہ آ کر مسلمانوں کی مستورات کو اپنی دریدہ دہنی سے تنگ کرنا شروع کیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو صبر اور تحمل کی تلقین فرماتے لیکن جب وہ شرارت سے باز نہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ محمد بن مسلمہ نے اس دریدہ دہن کو قتل کر دیا۔ وہ عام طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی' سب وشتم اور گستاخانہ کلمات استعمال کرتا تھا۔ آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتا تھا۔ عشقیہ اشعار میں مسلمان عورتوں کا بطور تشبیب ذکر کرتا رہتا تھا۔ لوگوں کو غدر، نقص امن اور مسلمانوں کے مقابلے میں ابھارتا رہتا تھا۔ دعوت کے بہانے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور شاتم رسول تھا۔ کعب بن اشرف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

(سورۃ آل عمران۔186)

تمہیں مال و جان دونوں کی آزمائشیں پیش آکر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اگر ان سب حالت میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے○

کعب بن اشرف کے قتل کے بعد حویصہ بن مسعود کے چھوٹے بھائی محصہ بن مسعودؓ نے ابن بسینہ یہودی کو قتل کر ڈالا۔ حویصہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اور محیصہؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ حویصہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو مارنا شروع کیا۔ محیصہ نے کہا مجھ کو اس کے قتل کا ایسی ذات پاک نے حکم دیا تھا کہ اگر وہ ذات بابرکات تیرے قتل کا حکم دیتی تو واللہ میں تیری بھی گردن اڑا دیتا۔ بڑے بھائی حویصہ نے کہا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تجھ کو میرے قتل کا حکم دیں تو کیا واقعی تو مجھ کو قتل کر دے گا۔ چھوٹے بھائی محیصہؓ نے کہا ہاں! خدا کی قسم اگر تیری گردن مارنے کا حکم دیتے تو ضرور تیری گردن اڑا دیتا۔ حویصہ حیران رہ گیا اور بے ساختہ بول اٹھا خدا کی قسم یہی دین حق ہے جو دلوں میں اس درجہ راسخ اور مستحکم اور رگ و پے میں جاری و ساری ہے۔ اس کے بعد حویصہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سچے دل سے اسلام قبول کیا۔

سریہ زید بن حارثہؓ

جنگ بدر کے بعد قریش مکہ مسلمانوں سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ اپنا قدیم تجارتی

راستہ چھوڑ دیا۔ بجائے شام کے راستہ کے عراق کا راستہ اختیار کرلیا۔ ایک قافلہ حیان عجلی کی راہنمائی میں مال کثیر لے کر ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ کی سربراہی میں براستہ عراق شام کیلئے روانہ ہوا۔ اس کاروان میں حویطب بن عبدالعزیٰ اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بھی شامل تھے۔ فتح مکہ میں یہ چاروں اصحاب مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس قافلہ کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سو صحابہ کی جمعیت کو حضرت زید بن حارثہؓ کی امارت میں اس کی سرکوبی کیلئے روانہ فرمایا۔ خدا کے فضل سے یہ جمعیت قافلہ کو قابو کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ قافلہ والے بھاگ گئے صرف فرات بن حیان عجلی گرفتار ہوئے جو مدینہ پہنچ کر مسلمان ہوگئے۔ اس سریہ میں مسلمانوں کو بیس ہزار درہم خمس ملا۔ کل مالیت ایک لاکھ درہم تھی۔

قتل ابی رافع یہودی

ابورافع یہودی مالدار تاجر تھا' ابورافع کنیت تھی۔ اصل نام عبداللہ بن ابی الحقیق تھا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے میں ہمیشہ پیش پیش رہتا۔ کعب بن اشرف کا معین و مددگار تھا یہ شخص غزوہ احزاب میں قریش مکہ کو چڑھا لایا اور حملہ آوروں کی مالی مدد کرتا رہا۔ مسلمانوں کے خلاف پانی کی طرح دولت خرچ کرتا رہتا تھا۔ عبداللہ بن عتیکؓ اور مسعود بن سنان خزرجیؓ نے بارگاہ نبوت سے اجازت لے کر ابورافع کو قتل کردیا۔ ان فتنہ پردازوں کے قتل پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ مسلمانوں کو آزار دینا چھوڑ دو۔ تم نے حسب قانون مدینہ وعدہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھو گے اور ان کے دشمن کے ساتھ اتحاد نہ کرو گے۔ یہودیوں کے سردار کو معلوم تھا کہ چند ہفتوں میں مکہ والوں کا ایک بڑا لشکر مسلمانوں کی سرکوبی مکہ سے روانہ ہونے والا ہے۔ یہ شخص پوشیدہ طور پر مکہ والوں سے عہد وپیماں کر چکا تھا۔ یہ امر قانون اساسی کے خلاف تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سناروں کے سردار اسلام بن ہشام کے گھر گئے اور اس کی توجہ قانون اساسی کی طرف مبذول کرائی اور فرمایا "ہر شخص خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی مدینہ کے قانون اساسی کا پابند ہے۔ کسی کو مدینہ کے قانون اساسی کے خلاف نہ چلنا چاہیے۔ مسلمان یہ نہیں چاہتے کہ ان کے اور یہودیوں کے درمیان تعلقات خراب ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ یہودی مسلمانوں کی ایذارسانی سے باز رہیں اور مدینہ کے قانون اساسی کا احترام کریں۔ یہودی سردار نے جواب دیا کہ جنگ بدر کی فتح سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مغرور ہو گئے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پالا یہودیوں سے پڑا نہیں۔ ہم بہادر اور جنگ میں ثابت قدم ہیں۔ ہم سے جو کوئی لڑے گا شکست کھائے گا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم یہودیوں سے لڑنا نہیں چاہتے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ سے ایک بڑا قافلہ مدینہ کی طرف آ رہا ہے اور تم ان کا ساتھ دینا چاہتے ہو۔ بہتر ہوتا اگر تم لوگ غیر جانب دار رہتے۔ افواج مکہ کے روانہ ہونے کی خبر یہودیوں کو مل چکی تھی اس لئے یہودی سردار نے جواب دیا کہ اگر مسلمانوں کا رویہ ٹھیک رہا تو ہم غیر جانب دار ہو جائیں گے۔ مسلمان یہودیوں سے برابر نیک سلوک کرتے رہے لیکن یہودی اپنی شرارتوں اور معاندانہ رویہ سے باز نہ آئے۔ لہٰذا مسلمانوں نے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں کے انتظار کے باوجود مکی افواج مکہ سے روانہ بھی نہ ہونے پائیں تھی چہ جائیکہ وہ مدینہ پہنچیں۔ یہودیوں نے حالات کے پیش نظر صلح کی درخواست کی جو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمائی اور یہودیوں سے نرم سلوک اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مسلمانوں نے یہودیوں سے ہتھیار رکھوا لئے اور انہیں اختیار دیا کہ وہ مدینہ میں رہیں اور مسلمان ہو جائیں یا مدینہ سے نکل جائیں اور زمین کے سوا اپنا تمام مال و منال ہمراہ لے جائیں۔ یہودی اپنا سارا مال لے کر خیبر چلے گئے۔ اس کے باوجود ایک بڑی تعداد مدینہ میں موجود رہی۔ اہل قریش کو یہودیوں کے نکل جانے سے سخت نقصان پہنچا۔

غزوہ اُحد اور سنہ 3 ہجری

اُحد مدینہ منورہ کے ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے کم وبیش دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کو اُحد اس لئے کہتے ہیں کہ دوسرے پہاڑوں سے منفرد اور دوسرے پہاڑوں سے بالکل علیحدہ ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد 4' صفحہ 9)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ O

(سورۃ آل عمران۔ 121)

جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (احد کے میدان میں) مسلمانوں کو جنگ کیلئے جابجا (مورچوں پر) مامور کر رہے تھے اور اللہ ساری باتیں سنتا ہے اور وہ نہایت باخبر ہے O

قریش مکہ جب بدر سے بری طرح شکست کھا کر مکہ واپس ہوئے تو معلوم ہوا وہ کاروان تجارت جس کو ابوسفیان ساحلی راستے سے بچا کر نکال لایا تھا۔ وہ اصل سرمایہ مع زر منافع کے دارلندوہ میں بطور امانت محفوظ ہے۔ بدر کی ذلت آمیز شکست کا غم تو ہر شخص کے دل میں تھا لیکن جن لوگوں کے باپ' بیٹے' بھائی بھتیجے اور خویش واقارب مارے گئے تھے ان کو رہ رہ کر جوش آتا تھا' جذبہ انتقام سے ہر شخص کا دل لبریز تھا۔ بالآخر ابوسفیان بن حرب' عبداللہ بن ابی ربیعہ عکرمہ بن ابوجہل' حارث بن ہشام حویطب بن عبدالعزیٰ' صفوان بن امیہ اور دیگر سرداران قریش نے فیصلہ کیا کہ کاروان تجارت کا اصل سرمایہ تمام شرکاء میں بقدر حصص تقسیم کر دیا جائے اور پچاس ہزار دینار زر منافع مسلمانوں سے جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ

یَغْلَبُوْنَ ۵ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اِلٰی جَھَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ۝

(سورۃ الانفال۔36)

یقیناً جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا وہ اپنے مال خدا کے راستے سے (لوگوں کو) روکنے کیلئے صرف کر رہے ہیں اور ابھی اور خرچ کرتے رہیں گے۔ مگر آخر کار یہی کوششیں ان کیلئے پچھتاوے کا سبب بنیں گی' پھر وہ مغلوب ہوں گے۔ پھر یہ کافر جہنم کی طرف گھیر لائے جائیں گے ۝

الحاصل یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے فتح یاب تشریف فرما ہوئے تو ملکی انتظامات کیلئے سب سے پہلا کام یہ فرمایا کہ یہودیوں سے معاہدہ فرمایا کہ مسلمانں کے خلاف کسی دشمن کو مدد نہیں دیں گے۔ اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر چڑھ آئے گا تو مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ لیکن جب آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے فاتح لوٹے تو ان کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے حریف نہ بن جائیں۔ چنانچہ چھیڑ چھاڑ شروع کی اور رعب جمانے کیلئے کہتے پھرے کہ اہل قریش فن حرب سے ناواقف تھے۔ ہم سے پالا پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا کس کو کہتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو معاہدہ کیا تھا' توڑ ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر چڑھائی کی اور وہ گرفتار ہو کر مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ تاریخ اسلام میں یہودیوں سے لڑائی کا جو طویل سلسلہ نظر آتا ہے اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور ابوسفیان نے عہد کیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لے لوں' غسل نہ کروں گا۔ چنانچہ ذوالحجہ سنہ 2 ہجری میں دوسو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا۔ بھاگتے ہوئے ابوسفیان نے ستو کی بوریاں بوجھ ہلکا کرنے کیلئے راستہ میں پھینک دیں۔ اس لئے اس کو غزوۃ السویق بھی کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آتے رہے ہیں یہاں تک کہ شوال سنہ 3 ہجری میں غزوہ احد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

قریش کا جذبہ انتقام

غزوہ بدر کے بعد قریش آرام سے نہ بیٹھے۔غزوہ سویق سے ان کے جذبہ انتقام کی خاطر خواہ تسکین نہ ہوسکی۔حضرت زید بن حارثہؓ نے جو کاروان قریش لوٹا تھا۔اس نے آتش انتقام پر تیل چھڑک دیا۔مقتولین بدر کی یاد ان کے دلوں سے محو نہ ہوسکی کیونکہ مارے جانے والے سارے سردار تھے۔جو لوگ بدر کے میدان سے جان سلامت لے گئے تھے انہوں نے قافلہ ابوسفیان کے مال کو دارالندوہ میں محفوظ کر رکھا تھا کہ اس کی آمدن سے فوج بھرتی کی جائے اور مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرا ہونے کیلئے تمام عرب قبائل کو دعوت دی جائے۔ابوعزہ شاعر جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدیہ لئے بغیر بدر سے رہا کیا تھا ان لوگوں سے آملا۔حبشی النسل عربوں نے بھی قریش کا ساتھ دیا۔عورتیں میدان جنگ میں شرکت کیلئے اصرار کر رہی تھیں۔کوئی کہتا عورتوں کا ہمراہ ہونا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اپنے مردوں کو بہتر طور پر جنگ کی ترغیب دے سکتی ہیں۔کوئی کہتا عورتوں کی معیت ہرگز مناسب نہیں۔ممکن ہے جنگ میں شکست ہو جائے اور ہماری عزت و ناموس بھی خطرے میں پڑ جائے۔عورتوں کی مخالفت کرنے والوں سے ابوسفیان کی بیوی ہندہ کہتی "تم لوگ بدر کے دن صحیح سلامت رہے اور خیرت سے اپنے گھروں کو واپس آ گئے لیکن ہمارا ارادہ شرکت جنگ ہے اور ہم ضرور چلیں گی۔تم لوگوں نے بدر کے موقع پر عورتوں کو جحفہ کے مقام سے واپس لوٹا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اعزہ و اقارب مارے گئے۔کیونکہ میدان میں انہیں کوئی جنگ کی ترغیب دینے والا نہ تھا۔

قریش نے اس جنگ کیلئے خوب تیاری کی اور عورتوں کو بھی ساتھ لیا تا کہ وہ رجزیہ اشعار سے لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔نیز یہ کہ عورتوں کی بے حرمتی کے خیال سے لڑنے والے سینہ ٹھونک کر لڑیں اور پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں۔قبائل میں قاصد دوڑائے گئے کہ اس جنگ میں شریک ہوں۔اس طرح تین ہزار آدمیوں کی فوج تیار ہوگئی۔جن میں سات سو زرہ پوش تھے دو سو گھوڑے اور تین سو اونٹ تھے۔یہ لشکر جرار بڑے کروفر سے ابوسفیان کی سرکردگی میں 5 شوال سنہ 3 ہجری کو مکہ سے روانہ ہوا۔

(طبقات ابن سعد' ج2 'صفحہ 25 ۔ زرقانی ج2 'صفحہ 20 ۔ طبری' ج3 'صفحہ 9)

حضرت عباسؓ نے تمام حالات لکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجے۔ یہ اطلاع ملتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انسؓ اور مونسؓ کو حالات کا جائزہ لینے کیلئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے اطلاع دی کہ قریش کی فوجیں مدینہ کے قریب آ پہنچی ہیں۔ تعداد معلوم ہونے پر سعد بن معاذؓ ، اسید بن حضیرؓ اور سعد بن عبادؓ نے رات بھر مسجد نبوی کا پہرہ دیا اور شہر کے اطراف و جوانب میں بھی پہرے بیٹھا دیئے گئے۔ یہ جمعہ کی شب تھی۔ جب صبح ہوئی تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا۔ اکابرین انصار نے مشورہ دیا کہ مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن نوجوان نے شوق شہادت میں یہ رائے دی کہ شہر سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے تھی کہ شہر میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین سے بھی مشورہ لیا گیا۔ اس نے اپنے تجربے کی بنا پر کہا کہ جب بھی مدینہ پر حملہ ہوا' اہل مدینہ نے شہر کے اندر رہ کر ہی مقابلہ کیا اور فتح پائی اس لئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر نہ نکلئے۔ مگر اکابر نوجوانوں نے اصرار کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ حضرت حمزہ' حضرت سعد بن عباد اور حضرت نعمان بن مالکؓ نے کہا کہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کرنے میں دشمن مسلمانوں کو بزدل خیال کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوانوں کے اصرار پر مدینہ سے باہر نکل کر حملے کی حامی بھری۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر تیاری کا حکم صادر فرمایا۔ نبوت کے پروانوں اور شہادت کے شائقین سمجھ گئے کہ اب اس دنیا کے جیل خانہ سے ہماری رہائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔

آنحضرتؐ کی سلاح پوشی

نماز عصر سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو زرہیں پہن کر اور مسلح ہو کر اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے غلطی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے خلاف اصرار کیا ہے۔ جو کسی طرح مناسب نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مرضی مبارک پر عمل فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نبی کیلئے جائز نہیں کہ ہتھیار لگا کر اتار دے یہاں تک کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ نہ کرے۔ اب اللہ کے نام پر چلو اور میں جو حکم دوں اس پر عمل کرو اور سمجھ لو کہ جب تک تم صابر اور ثابت قدم

ہو گے۔ اللہ کی فتح و نصرت تمہارے ساتھ ہو گی۔ گیارہ شوال سنہ 3 ہجری یوم جمعہ میں بعد نماز عصر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار جانثاروں کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے۔ سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے تھے اور مسلمان دائیں بائیں منظم صفوں میں چل رہے تھے۔ مدینہ سے باہر نکل کر فوج کا جائزہ لیا۔ ان میں جو نو عمر اور کم سن تھے ان کو واپس فرمایا۔

بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

1۔ اسامہ بن زیدؓ	2۔ زید بن ثابتؓ
3۔ ابو سعیدؓ	4۔ عبداللہ بن عمرؓ
5۔ اسید بن ظہیرؓ	6۔ عرابہ بن اوسؓ
7۔ براء بن عازبؓ	8۔ زید بن ارقمؓ

(طبقات ابن سعد و زرقانی)

ان کم سنوں میں رافعہ بن خدیج بھی تھے جو بہت اچھے تیر انداز تھے۔ معائنہ کے وقت انہوں نے یہ ہوشیاری کی کہ انگوٹھوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔ ویسے بھی رافعہ بن خدیج دراز قامت تھے۔ سمرہ بن جندب نے جو انہی کم سنوں میں شامل تھے نہایت حسرت سے کہا رافعہ کو تو اجازت مل گئی حالانکہ میں ان سے قوی تر ہوں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں میں کشتی کرائی۔ سمرہ نے رافعہ کو بچھاڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمرہ کو بھی اجازت عطا فرمائی۔

(طبری' ج 3 'صفحہ 13)

منافقین کی علیحدگی

جب مسلمان نواح اُحد کے قریب پہنچیں تو عبداللہ بن ابی قائد منافقین اپنے تین سو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری رائے نہیں مانی۔ ہم بلاوجہ کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِھِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِھِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ ○

(سورۃ آل عمران۔ 167)

اور اس لئے تھا کہ اللہ دیکھ لے کہ تم میں سے مومن کون ہیں اور منافق کون ہے۔ وہ منافق کہ جب ان سے کہا گیا آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر) کی مدافعت ہی کرو۔ کہنے لگے اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور ساتھ چلتے۔ یہ بات جب وہ کہہ رہے تھے اس وقت وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپائے ہیں' اللہ اسے خوب جانتا ہے ○

عبداللہ بن ابی سردار منافقین لوٹ آیا' اگرچہ وہ اور دوسرے منافقین مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ گئے تاہم یہود میثاق مدینہ کے احترام میں اپنی جگہ قائم رہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میثاق مدینہ کے مطابق جب بھی مدینہ پر بیرونی حملہ ہو تو سب ہتھیار اٹھا لیں گے' مگر یہ جنگ اہل مکہ نے مسلمانوں پر مسلط کی ہے جو باشندگان مدینہ پر نہیں' لہٰذا یہ لڑائی مذہبی جنگ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ مدینہ کے قانون اساسی کے تحت نہیں آتی لہٰذا مناسب یہی ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ وہ فوراً واپس وہاں سے چلے آئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف سات سو غازی رہ گئے۔ غزوہ اُحد میں مسلمانوں کی حالت جنگ بدر کے نسبت زیادہ خراب تھی' کیونکہ مکی فوج مسلمانوں سے چوگنی سے بھی زیادہ تھی۔ قبیلہ خزرج میں سے بنی سلمہ اور بنی اوس میں سے حارثہ نے بھی عبداللہ بن ابی کی طرح واپسی کا ارادہ کیا۔ یہ دونوں قبیلے لشکر کے دونوں طرف تھے۔ لیکن خدا نے ان کو فرار سے بچا لیا اور وہ واپس نہیں ہوئے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذْ ھَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

(سورۃ آل عمران۔122)

جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے O

شام ہو گئی۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز مغرب پڑھائی۔ محمد بن مسلمہ نے رات بھر پہرہ دیا۔ ساری رات فوج کا چکر لگاتے اور واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ کا پہرہ دیتے رہے۔ رات کے آخری وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوچ فرمایا۔ صبح کے وقت اُحد کے قریب پہنچ گئے اور نماز فجر ادا فرمائی۔

علی الصبح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ پہنی اور مسلمانوں سے فرمایا ''ہمارا طرز جنگ وہی ہو گا جو بدر میں تھا یعنی ہمیں بشکل مربع یا دائرہ لڑنا چاہیے تاکہ جس طرف سے بھی حملہ ہو ہمارے غازی سامنے ہوں۔ دشمن کی فوج سواروں پر منحصر ہے کیونکہ خالد بن ولید' (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) کی سرکردگی میں دو سو سوار ہیں۔ وہ اس امر کی کوشش کریں گے کہ ہماری صفوں کو درہم برہم کر دیں۔ اگر ہم بصورت مربع یا دائرہ صف بستہ رہے تو ہمارے غازی دشمن کے سامنے ہوں گے۔ اس طرح دشمن کے حملے سے کوئی خطرہ نہ ہو گا۔ البتہ سواروں کا حملہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ گھوڑوں کی سرعت رفتار سے ہم صف بندی درست نہ رکھ سکیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خالد بن ولید اپنے سواروں کے ساتھ ہمارے دو پر حملہ کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں پیادوں کے دو ستے مقرر فرما دیئے اور انہیں سختی سے ہدایت فرمائی ''ہمارے اوپر کچھ بھی گزرے تم اس ٹیلے کے درپے سے ہرگز نہ ہٹنا۔ دشمن اگر ادھر ادھر سے ہمارا رخ کرے اس پر اس طرح تیر برسانا کہ وہ ہم تک نہ پہنچ سکے۔ تم لوگ اپنی جگہ جمے رہنا خواہ آخری آدمی تک مارا جائے۔ ہر وقت چوکنے رہنا کہ دشمن ادھر سے حملہ آور نہ ہو۔''

قریش کی افواج

قریش کا لشکر اُحد کے دامن میں خیمہ زن ہوا جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ سات سو زرہ پوش' دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ اشراف مکہ کی پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں تاکہ اشعار پڑھ کر

فوجوں کو جوش دلاتی رہیں۔ان کے نام یہ ہیں۔

ہندہ بنت عتبہ	زوجہ ابوسفیان بن حرب
ام حکیم بنت حارث بن ہشام	عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی
فاطمہ بنت ولید	حارث بن ہشام کی بیوی
برزہ بنت مسعود	صفوان بن امیہ کی بیوی
ریطہ بنت شیبہ	عمرو بن العاص کی بیوی
سلافہ بنت سعد	طلحہ بن ابی طلحہ حجی کی بیوی
خناس بنت مالک	مصعب بن عمیر کی بیوی
عمرہ بنت علقمہ	

سوائے خناس اور عمرہ کے یہ سب عورتیں بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

(زرقانی' ج2' صفحہ 6

قریش نے میمنہ پر خالد بن ولید' میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل اور پیادوں پر صفوان بن ام
تیراندازوں پر عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔آگے چل کر یہ پانچوں ام
مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(زرقانی' ج2' صفحہ 26۔فتح الباری' ج7' صفحہ 7

قریش مکہ سے روانہ ہوئے۔عورتیں ہند زوجہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ان کے
چلیں۔غزوہ بدر میں ہند کا باپ' بھائی اور دوسرے اعزہ مارے گئے تھے۔لشکر قریش کے تین
تھے اور فوج تین ہزار تھی۔بنی ثقیف کے دوسو افراد کے علاوہ باقی سب اہل مکہ تھے۔ستر اشخا
زرہ پوش' دوسو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور سامان حرب کی فراوانی تھی۔رسول رحمت صلی اللہ ع
وآلہ وسلم کے چچا عباس بھی لشکر قریش میں شامل تھے۔زمانہ کفر میں حضرت عباسؓ بت پرست
اس کے باوجود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور ان کو عز
احترام کی نظر سے دیکھتے تھے' غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جو نیک سلو
کیا تھا' انہیں اس کا اعتراف تھا۔لشکر قریش کی روانگی پر حضرت عباسؓ نے رسول رحمت صلی اللہ
وآلہ وسلم کو ایک خط لکھا جس میں قشوں قریش کی روانگی' تعداد اور سامان حرب وضرب کی تفص

درج تھی۔ لشکر قریش منزلیں مارتا ہوا ابواء پہنچا اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر کے پاس سے گزرا۔ مغلوب الغضب قریشیوں نے قبر اکھاڑنے کا ارادہ کیا لیکن اکابر قریش نے اس ناشائستہ فعل کی اجازت نہ دی مبادا کہ بنی بکر اور بنی خزاعہ کے لوگ ہمارے بزرگوں کی ہڈیاں اکھاڑ پھینکیں۔ لشکر ابواء سے چل کر مقام عقیق میں پہنچا اور دامن کوہ اُحد جو مدینہ سے پانچ میل پر واقع ہے، میں پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت عباس کا قاصد مدینہ سے پانچ میل پر واقع ہے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت عباس کا قاصد مدینہ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قاصد نے خط پیش کیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے اسے پڑھ کر سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن کعب کو ہدایت فرمائی کہ خط کا مضمون مخفی رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن ربیع کے مکان میں اترے اور ان کو بھی کہا کہ مضمون خط فی الحال معرض خفاء میں رہے لیکن زوجہ سعد بن ربیع گھر میں موجود تھی۔ اس نے تمام گفتگو سن لی اس لئے راز مخفی نہ رہ سکا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضالہ کے بیٹوں انس اور مونس کو قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی خدمت پر مامور فرمایا۔ انہوں نے خبر دی کہ لشکر قریش نے اونٹوں اور گھوڑوں کو کھیتوں میں چھوڑ دیا ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خباب بن منذرؓ کو لشکر قریش کی معلومات حاصل کرنے کیلئے بھیجا۔ ساتھ ہی سلمہ بن سلامہ لشکر قریش کے تجسس پر نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ قریش کا ہراوّل مدینہ پہنچ چکا ہے۔ قریب ہے کہ بستی میں داخل ہو جائے گا۔ مسلمانوں کی ایک مسلح جماعت ہر وقت مسجد نبوی میں تیار رہتی تاکہ دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرام گاہ پر اچانک حملہ نہ کر سکے۔

مجاہدین سے رسول رحمتؐ کا خطاب

فریقین کی صفیں مرتب ہونے پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تلوار لے کر مجاہدین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''کون ہے جو اس تلوار کا حق پورا کرے۔'' بہت سے مجاہد اس سعادت کو حاصل کرنے کیلئے آگے بڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت ابودجانہؓ اٹھے اور عرض کیا 'یارسول اللہ! اس کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے اور مسلمانوں کا خون بہانے سے اجتناب کرے۔

ابو دجانہؓ نے عرض کیا' یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حق میں ادا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار ابو دجانہؓ کو عطا فرمادی۔

(البدایہ' ج4' صفحہ 58' زرقانی' ج2' صفحہ 28)

جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ قریش کی طرف سے میدان جنگ میں سب سے پہلے آنے والا ابو عامر تھا۔ اوس کے بہادروں کے تیور دیکھ کر بغیر لڑے واپس ہو گیا۔ دوسرا مبارز طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقابلے کیلئے نکلے اور ایسا وار کیا کہ اس کا پیر کٹ گیا اور اوندھے منہ گر پڑا۔ ساتھ ہی اس کا ستر کھل گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا اے علی! کیوں پیچھے ہٹے۔ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو اس کے ستر کھل جانے سے شرم آ گئی۔ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر اس کے سر پر وار کیا جس سے اس کے سر کے دو حصے ہو گئے۔ تیسرا مبارز عثمان بن ابی طلحہ نکلا۔ حضرت حمزہؓ نے بڑھ کر ایسا وار کیا کہ عثمان کے دونوں ہاتھ اور دونوں شانے صاف ہو گئے۔ چوتھا مبارز ابو سعد بن ابی طلحہ تھا۔ حضرت عاصم بن ثابتؓ نے ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔ قریش کے یکے بعد دیگرے گیارہ مبارز مارے گئے ان میں مسافع بن طلحہ' حارث بن طلحہ' اکلاب بن طلحہ' جلدس بن طلحہ' ارتاہ شرجیل' شریح بن قارظ اور شریح کے غلام صواب شامل تھے۔ اس طرح قریش کے بائیس سردار مارے گئے۔ جن کے نام ابن ہشام نے تفصیل سے دیئے ہیں۔

(ابن ہشام' ج2' صفحہ 103)

غازیان اسلام کے ایک گروہ کو حضرت زبیر بن العوامؓ کی قیادت میں علیحدہ کھڑا کیا گیا تھا کہ تا کہ مسلمانوں میں کہیں کمزوری کے آثار نظر آئیں تو فوراً وہاں پہنچ جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری وقت تک یہی نصیحت فرماتے رہے کہ انفرادی جنگ سے بچیں۔ مبارز طلبی نے قریشی لشکر کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ چنانچہ عام جنگ شروع ہونے سے پہلے زوجہ ابو سفیان چند عورتوں کے ساتھ طبل بجاتی رہی تا کہ مردان قریش کی ہمت بندھی رہے۔ اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ تم میں سے جو کوئی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)' حضرت حمزہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قتل کرے گا وہ فوراً آزاد کر دیا جائے گا۔ مسلمانوں کی منظم صفوں نے

حرکت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر نصیحت کی کہ اپنی صفوں کو ہرگز نہ توڑیں اور نظم و ضبط قائم رکھیں۔ مکہ کا لشکر شروع سے ہی مرعوب نظر آ رہا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ فتح مسلمانوں کی ہو گی۔ مسلمانوں کی منظم صفیں دیکھ کر قریش کے جوان پریشان ہو گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ قریشیوں کا فرار دکھاوے کا نہ تھا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اگر ثابت قدم رہے تو مارے جائیں گے۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ سربازان قریش بھاگ کھڑے ہوئے ہیں تو انہوں نے غنیمت لوٹنے کی طرف توجہ دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زور سے پکارے کہاں جا رہے ہو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظم وضبط کی تاکید کی ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے دستہ نے جو ٹیلے پر متعین تھا دیکھا کہ عام مسلمان مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہیں تو وہ بھی مال غنیمت حاصل کرنے کیلئے بھاگے۔ صرف بارہ اشخاص عبداللہ بن جبیر کے ساتھ ٹیلے پر رہ گئے۔ عورتوں نے جب قریش کو بھاگتے دیکھا تو چیخ چیخ کر ان سے کہا تمہاری غیرت کو کیا ہوا ہے۔ ثابت قدم رہ کر مارا جانا بھاگنے کی بے غیرتی سے بہتر ہے۔ جب قریشیوں نے عورتوں کی طعنہ زنی سنی تو انہوں نے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ مسلمان اپنی صفوں کو توڑ چکے تھے اور مال غنیمت سمیٹنے میں مشغول تھے۔ قریشی بڑی تیزی سے آگے بڑھے۔ ادھر خالد بن ولید نے دیکھا' ٹیلہ خالی ہو گیا ہے اور مسلمان افراتفری کی حالت میں ہیں اس لئے اس نے اپنے سواروں کے ساتھ پیچھے سے حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اپنے گیارہ ساتھیوں کے ساتھ خالد بن ولید کے حملہ کو روکنا چاہا مگر وہ سب شہید ہو گئے۔ خالد بن ولید مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گئے اور مسلمانوں کو سخت زک پہنچائی۔

سیاہ فام وحشی غلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں پھرتا رہا۔ اس کو سرداران اسلام میں سے کوئی نہ ملا' البتہ اس نے حضرت حمزہ اسد اللہ و رسولہ کو پالیا۔ لیکن ان کی شمشیر زنی دیکھ کر قریب جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ وحشی نے نظر بچا کر حضرت حمزہؓ پر عقب سے وار کیا اور نیزہ ان کے سینے کے پار کر دیا۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے نہ صرف وحشی کو آزاد کیا بلکہ اسے اپنے طلائی زیورات بھی بخش دیئے۔ خالد بن ولید کے اچانک حملے نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا۔ مسلمان منتشر ہو گئے۔ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

اور چند دوسرے اصحاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے تاکہ ان کی حفاظت کر سکیں۔ سوائے ان چند افراد کے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع تھے باقی مسلمان قریشیوں اور خالد بن ولید کے عقبی حملے کی وجہ سے منتشر ہو چکے تھے۔ اس موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ○

(سورۃ آل عمران۔143)

تم موت کی تمنا کرتے تھے اس سے قبل کہ اس سے ملو یعنی شہادت پاؤ۔ مگر جب اسے دیکھ لیا تو دور سے کھڑے دیکھتے رہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند جانثاروں کے ساتھ خالد بن ولید کے سواروں کا مقابلہ کر رہے تھے تو قریش کے ایک آدمی نے جس کا نام عبداللہ بن قمیہ تھا گوپھن سے ایک پتھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر پھینکا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے اور شدت درد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غار میں جا گرے۔ نامراد عبداللہ بن قمیہ نے خبر اڑا دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے۔ مسلمان جو ابھی تک لڑ رہے تھے یہ خبر سن کر مایوس ہو گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے فرار کو قابل سرزنش قرار دیتے ہوئے قرآن کریم میں یوں متنبہ فرمایا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ○

(سورۃ آل عمران۔144)

محمدؐ، اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو' جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا' البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ

اس کی جزا دے گا۔O

مطلب یہ کہ کیا تم جنگ چھوڑ دو گے اور دین کو ترک کر دو گے۔ تم میں سے جو دین سے پھر جائے گا مرتد ہو جائے گا۔ وہ خدا کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکتا ہے بلکہ ضرور اس پر پڑے گا۔

حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت انس اور حضرت ابو دجانہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین برابر شمشیر زنی کرتے رہے۔ ان حضرات کے بدن پر زرہ نہ تھی، صرف خود پہنے ہوئے تھے۔ قشون مکہ کے سر بازوں نے بڑی کوشش کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ سکیں لیکن ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ حضرت ابو دجانہؓ بہت زیادہ زخمی ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ دشمن نے ان پر اس قدر تیروں کی بارش کی کہ ان کا جسم خار پشت بن گیا اور وہ زمین پر گر پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد شہید ہو گئے۔ حضرت انسؓ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے چہرے پر اس قدر تلواروں کے زخم تھے کہ کوئی بھی ان کو نہ پہچان سکا حتیٰ کہ ان کی ہمشیرہ نے کانوں سے ان کی شناخت کی۔ جنگ احد کے خاتمہ پر ابو سفیان سالار قریش نے کہا کہ ''غزوہ اُحد کی آخری گھڑیوں میں جو لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد احاطہ کئے ہوئے تھے، میں نے ان جیسے جانثار نہیں دیکھے جو اس قدر ایک شخص کے وفادار وفدا کار ہوں'' اس موقعہ پر حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ دختران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے باپ کے پاس پہنچیں۔ کچھ عورتیں غازیان اسلام کو پانی پلانے کی خدمت سرانجام دے رہی تھیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا ''فاطمہ! علی کی طرف توجہ کرو۔ وہ بہت زیادہ زخمی ہیں۔ میری بہ نسبت انہیں مرہم پٹی کی زیادہ ضرورت ہے۔'' حضرت عمرؓ نے نیزے اور تلواروں کے اکیس زخم کھائے تھے اور سعد بن وقاص نے بارہ۔

جنگ اُحد کے اختتام پر ہندہ زوجہ ابو سفیان نے حضرت حمزہ عم پیغمبر رسول خدا کا شکم اور سینہ چیرا اور جگر نکال کر اسے چبایا۔ ان کے ناک کان کاٹے اور ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ اسی وجہ سے اسے ہندہ جگر خوار بنت جگر خوار کہتے ہیں۔ ایک اور قریش عورت سلافہ بنت سعد شہدائے اسلام کے لاشوں کو ٹٹولتی رہی اور اپنے بیٹے کے قاتل کو ڈھونڈتی رہی جس نے اسے جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ اسے نے شہدا کا سر کاٹا اور کہنے لگی کہ میں اس کے کاسہ سر میں تا زندگی پانی پیتی رہوں گی۔ مطلع صاف

ہونے پر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر حضرت حمزہؓ کی نعش پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ متاثر ہوئے اور فرمایا ''اب جو جنگ ہمارے اور مشرکوں کے درمیان ہوگی' میں حمزہ کے بدلے میں تیس بت پرست مقتولوں کا مثلہ کروں گا۔'' اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○

(سورۃ النحل۔126)

اگر تم بدلہ لو تو اسی قدر تکلیف پہنچاؤ' جس قدر تکلیف تمہیں پہنچائی گئی اور اگر صبر کرو تو یقیناً صبر بہتر ہے صبر کرنے والوں کیلئے ○

اس آیت کے نزول پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے خدا میں نے انتقام لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میں صبر کروں گا۔'' جنگ اُحد میں ستر غازی شہید ہوئے جن میں سے چونسٹھ انصاری تھے اور چھ مہاجر۔ غروب آفتاب پر ابوسفیان میدان جنگ میں آیا اور کہنے لگا ''کیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زندہ ہیں یا نہیں۔'' یہ بات طے ہو چکی تھی کہ کوئی بھی اس کا جواب نہ دے مگر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے بلند آواز سے جواب دیا ''اے دشمن خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ سلامت ہیں۔ ابوسفیان پکارا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنگ بدر میں ہمارے ستر آدمی مارے گئے تھے اس جنگ میں تمہارے ستر جان باز ہم نے مار دیئے لہٰذا حساب برابر ہو گیا۔ جب دشمنوں سے میدان صاف ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ شہیدوں کو دفن کیا جائے۔ دامن کوہ اُحد میں شہیدوں کو دفن کر دیا گیا۔ یہ لوگ میدان جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ شہادت نے انہیں پاکیزہ کر دیا تھا اسی لئے انہیں غسل کی ضرورت نہ تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر میت کے دفن سے پہلے دعائے جنازہ پڑھتے۔ جب سب شہدا دفن ہو چکے تو آپ نے ان کی تعظیم و توصیف فرمائی۔

آنحضرتؐ کے محافظین

غزوہ اُحد میں جو اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ تھے ان میں سے سات مہاجر اور سات انصار تھے جن کے نام یہ ہیں۔

مہاجر	انصار
1۔ حضرت ابوبکر صدیق	2۔ حضرت ابودجانہ
3۔ حضرت عمر بن الخطاب	4۔ حضرت حباب بن منذر
5۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف	6۔ حضرت عاصم بن ثابت
7۔ حضرت سعد بن وقاص	8۔ حضرت حارث بن صمیہ
9۔ حضرت طلحہ	10۔ حضرت سہیل بن حنیف
11۔ حضرت زبیر بن العوام	12۔ حضرت سعد بن معاذ
13۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح	14۔ حضرت اسید بن حضیر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام اس لئے ان میں شامل نہیں کیا گیا کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے شہید ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں علم عطا فرما کر جہاد کا حکم دیا تھا۔ ان چودہ اصحاب میں سے بھی کسی وجہ سے کچھ ادھر ادھر چلے جاتے تھے۔ اس لئے کبھی بارہ اور کبھی صرف سات آدمی رہ جاتے۔

مسلمانانِ مدینہ کا اضطراب

جنگ اُحد میں مدینہ منورہ میں وحشت ناک خبریں پہنچ گئیں۔ اس لئے مرد، عورتیں اور بچے بوڑھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے عزیز واقارب کو سلامت دیکھنے کے متمنی تھے۔ چنانچہ واپسی پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک انصاری عورت کے پاس سے ہوا جس کا شوہر، بھائی اور باپ شہید ہو گئے تھے۔ جب اس عورت کو شوہر، باپ اور بھائی کی شہادت کا علم ہوا تو یہ کہا پہلے یہ بتاؤ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا الحمد اللہ خیریت سے ہیں۔ اس عورت نے کہا کہ مجھے ان کا چہرہ مبارک دکھاؤ' آنکھوں سے دیکھ کر اطمینان ہو گا۔ لوگوں نے اشارہ سے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہیں۔ جب اس عورت نے جمال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو کہا ''ہر مصیبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہیچ ہے۔''

(ابن ہشام' ج 1' صفحہ 12)

اس جنگ میں کچھ عورتوں نے بھی شرکت کی حضرت عائشہؓ نے اور حضرت اُنس کی والدہ ام

سلیمؓ پائینچے چڑھائے پانی کی مشکیں بھر بھر کر لوگوں کو پلاتی تھیں۔ ابو سعید خدری کی والدہ ام سلیطؓ بھی مجاہدین اُحد کو پانی پلاتی پھرتی تھیں۔ ان عورتوں نے لوگوں کو پانی پلایا۔ مریضوں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور خبر گیری کی۔ ام عمارہؓ نے جب دیکھا کہ ابن قمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کر رہا ہے تو انہوں نے آگے بڑھ کر ابن قمیہ پر حملہ کر دیا لیکن وہ دشمن خدا دو زرہیں پہنے ہوئے تھا۔

ایمان کی طاقت

یہ فتح رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دقت نظر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام امور کا جائزہ پہلے ہی لے لیا تھا اور پہلے ہی تیر اندازوں کا ایک دستہ پہاڑ کی گھاٹی میں متعین فرما دیا تھا تاکہ عقب سے دشمن حملہ آور نہ ہو سکے۔ مسلمانوں کو اپنی روحانی طاقت اور ایمانی جذبہ وقوت پر پورا یقین واعتماد تھا۔ جس شخص یا قوم کو اپنے عزم و یقین اور اپنی قوت پر اعتماد ہے وہ قلت وکثرت سے مرعوب نہیں ہوتی' اس پر مستزاد یہ کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جیسی بے نظیر سپہ سالاری میسر ہو۔ تیر اندازوں کا دستہ جسے گھاٹی پر متعین کیا گیا تھا' صرف پچاس افراد پر مشتمل تھا' اگر دشمن کے تین سو سپاہی اس طرف بڑھنے کی کوشش کرتے تو یقیناً غالب آ سکتے تھے لیکن ایمان ہی وہ طاقت ہے جو کسی صاحب ایمان کو مغلوب نہیں ہونے دیتی۔ یہی سبب تھا کہ قریش کے تین ہزار سپاہی صرف سات سو مسلمانوں سے شکست کھا گئے۔ قریب تھا کہ ان کی مستورات بھی گرفتار ہو جائیں' مسلمانوں نے تعاقب کر کے قریش کو دور تک بھگا دیا اور اس کے بعد وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مال وزر کی طمع نے انہیں دور تک دشمن کا تعاقب کرنے نہ دیا۔

غزوہ اُحد نتیجہ فتح یا ہزیمت

مسلمان ابتدا ہی سے کافروں پر غالب رہے لیکن جب مرکز گریز رویہ اختیار کیا' جس پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم رہنے کی تاکید فرمائی تھی' یعنی یہ کہ متعینہ مقام اور مفوضہ فرائض سے روگردانی نہ ہو تو اس حکم کے خلاف مال غنیمت جمع کرنے کیلئے پہاڑ سے اتر آنا باعث ہزیمت بنا۔ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور فتح شکست میں بدلنے کے آثار نظر آنے لگے۔ بعض مورخین

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی' لیکن یہ درست نہیں۔ دشمن نہ کہیں قبضہ کر سکا نہ لشکر اسلام کو ختم کر سکا اور نہ ہی کوئی قیدی بنا سکا۔ جو فوج سالم ہو اس کو کبھی شکست خوردہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ عدول حکمی نے مخلصین کی تنبیہ کیلئے وقتی طور پر فتح کو شکست میں بدل دیا' تا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متنبہ ہو جائیں کہ غیر اللہ پر نظر رکھنا جائز نہیں اور اللہ پر بھروسہ عارضی شکست کو فتح میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(سورۃ آل عمران۔152)

اللہ نے (تائید ونصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا' اور جوں ہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے۔ (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا' کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو شکست خوردہ نہیں بتایا۔ چنانچہ اسی سورۃ کی آیت 139 میں فرمایا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

اور نہ دل شکستہ ہو اور نہ غم کرو' تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو ○

اسی سورۃ کی آیت 140 میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ۙ○

اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں۔ کیونکہ اللہ کو ظالم لوگ پسند نہیں ہیں ○

یعنی اگر تمہیں کوئی زخم لگا ہے غزوہ اُحد میں تو قریشیوں کو بھی اسی قسم کے گھاؤ لگے ہیں۔

وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَمۡحَقَ الۡكٰفِرِیۡنَ ○

اور تاکہ چھانٹ لے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان والے ہیں اور زور توڑ دے کافروں کا ○

(سورۃ آل عمران۔ 141)

یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا درجہ ملنا تھا اور مومن اور منافق کا پرکھنا منظور تھا اور مسلمانوں کو سدھارنا۔ اس واسطے اتنی شکست ہوئی ورنہ اللہ کافروں سے راضی نہیں جو لوگ اس جنگ میں بھاگ کھڑے ہوئے' اللہ تعالیٰ ان کیلئے اظہار ترحم فرماتا ہے اور پیغمبر خدا سے کہتا ہے کہ انہیں معاف کر دیں' چنانچہ ارشاد ہوا۔

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ۚ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِیۡنَ ○

(سورۃ آل عمران۔ 159)

(اے محمدؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کیلئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم

ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو (اور کر گزرو) بے شک اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں O

پس جنگ اُحد میں بھاگنے والوں کو معاف کر دیجئے' اور ان کیلئے مغفرت طلب فرمایئے اور ان سے مشورہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ غزوہ اُحد کو جنگی شکست قرار نہیں دیتا کیوں کہ مسلمانوں نے ابوسفیان کے لشکر کو میدان اُحد سے مار بھگایا تھا۔ یہ دلیل فتح ہے۔

مگر بایں ہمہ ربِ ذوالجلال نے مسلمانوں کو بار بار تسلی دی کہ تم شکستہ خاطر نہ ہونا۔ ہم نے تمہاری لغزش کو معاف کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی مزید تسلی کیلئے عفو کا پھر اعلان فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ انما استزلهم الشيطن ببعض ما كسبوا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ O

(سورۃ آل عمران-155)

بے شک تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے۔ ان کی لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔ اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے O

مطلب یہ کہ جو ہوا سو ہوا۔ اب البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو معاف کر دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لغزش کو معاف فرما دیا۔ اس لئے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ملول اور رنجیدہ مت ہونا اور نا امید ہو کر بیٹھ نہ جانا۔ تمہاری معافی کا اعلان ساری دنیا کو اس لئے سنا دیا کہ معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ کی عنایت کس طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبذول ہیں اور کس طرح ان کو تسلی دی جا رہی ہے تا کہ کسی کو مجال نہ ہو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں لب کشائی کر سکے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا۔ خدا کے عفو اور رضا کے بعد کسی کے عفو اور رضا کی ضرورت نہیں۔ غزوہ اُحد میں مال غنیمت کی طرف میلان کی وجہ سے عتاب ہوا مگر بعد میں معاف کر دیا گیا۔ بایں ہمہ اپنی شجاعت اور ہمت'

صبر اور استقامت پر نظر نہیں بلکہ نظر اللہ تعالیٰ پر ہی رکھی اور برابر گناہوں کی استغفار اور ثابت قدم رہنے کی دعا مانگتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ان کو اس کا صلہ مرحمت فرمایا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○

(سورۃ آل عمران۔ 147-146)

اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں۔ ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ ان کی دعا بس یہ تھی کہ ''اے ہمارے رب' ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما' ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے معاف کر دے ہمارے قدم جمادے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر ○

مسلمانوں کو جنگ اُحد ایک ناخوشگوار واقعہ محسوس ہوتا تھا لیکن یہود مدینہ نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ میں شکست کھا گئے ہیں۔ اگر وہ خدا کے پیغمبر ہوتے تو ہرگز شکست نہ کھاتے۔ اس پروپیگنڈا سے مسلمانوں میں جوش پیدا ہوا۔ مگر یہودی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے بلکہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازشیں شروع کر دیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہودیوں کی نیت میں فتور ہے تو آپ نے ان کے محلے کا محاصرہ کر لیا اور فرمایا کہ تم لوگ معاہدہ مدینہ کے خلاف ورزی کر رہے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ یا باقی یہودیوں کی طرح مدینہ سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ مدینہ سے چلے گئے اور اپنے مکانوں کی چھتیں تک لے گئے۔ اب مدینہ میں دباغ یہودیوں کے بغیر کوئی نہ رہا۔ جس کی مکمل تفصیل غزوہ بنی نضیر میں آگے آ رہی ہے۔

غزوہ حمراء الاسد

قریش جنگ اُحد سے واپس ہوئے اور مقام روحا میں ٹھہرے۔ ان کو خیال آیا کہ ہم بہت سے اصحاب رسول کو قتل کر چکے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ پلٹ کر مدینہ پر اچانک حملہ کر دینا چاہیے کیونکہ مسلمان اس وقت خستہ حالت میں ہیں اس لئے مقابلہ کی تاب نہ لاسکیں گے۔ صفوان بن اُمیہ نے مشورہ دیا کہ مکہ واپس چلو۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب جوش میں بھرے ہوئے ہیں ممکن ہے تمہیں شکست دیں۔ 13 شوال سنہ 3 ہجری کو قریش روحاء پہنچے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخبروں نے خبر دی کہ قریش دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے ذریعے مدینہ میں منادی کرادی کہ خروج کیلئے تیار ہو جائیں۔ جابر بن عبداللہ نے جو اُحد میں شریک نہ ہو سکے تھے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ اس تعاقب کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان کمزور نہیں باوجودیکہ مسلمان خستہ حال تھے اور ایک دن بھی آرام نہ کیا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ چل کر حمراء الاسد پر قیام فرمایا۔ یہاں قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اُحد میں شہید ہونے والوں کی تعزیت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہو کر وہ ابوسفیان سے ملا۔ معبد نے ابوسفیان کو کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم الشان جمعیت لیکر تمہارے تعاقب میں نکل پڑے ہیں۔ یہ سنتے ہی ابوسفیان مکہ واپس چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں تین دن قیام فرمایا۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌۚ ○

(سورۃ آل عمران۔ 172)

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا۔ ان میں جو اشخاص نیکوکار اور پرہیز گار ہیں۔ ان کیلئے بڑا اجر ہے ○

اسی سال رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ بنت حضرت عمرؓ سے ماہ

شعبان میں نکاح فرمایا۔

(طبری، ج3، صفحہ 9

اسی سال 15 رمضان المبارک کو حضرت امام حسنؓ پیدا ہوئے اور اسی سال ماہ شوال میں
شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

سریہ ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد

یکم محرم الحرام سنہ 4 ہجری میں طلحہ بن خویلد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقا
کیلئے اپنے لوگوں کو جمع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہ بن عبداللہ بن عبدالاسدؓ
ڈیڑھ سو مہاجرین وانصار کے ساتھ ان کے مقابلے کیلئے روانہ فرمایا۔ وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ طلحہ
خولید مسلمان ہو گیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعو
کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کو مقابلے کیلئے روانہ فرمایا۔ طلحہ بھاگ کر شام چلا گ
اور تائب ہو کر پھر مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کے ساتھ برابر لڑائیوں میں شرکت کرتا رہا۔ حضر
عمرؓ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ اور معرکہ نہاوند میں دادِ شجاعت دیتا رہا۔ سنہ 21 ہجری میں نہاوند
معرکہ میں شہید ہوا۔

(زرقانی، ج3، صفحہ 53

5 محرم الحرام سنہ 4 ہجری کو خالد بن سفیان ہزلی نے جنگ کی نیت سے لشکر جمع کرنا شرو
کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن انیس انصاریؓ کو مقابلہ کیلئے روانہ فرمایا۔ عبدال
بن انیسؓ نے موقع پا کر خالد بن سفیان کو قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر واپس آئے اور چھپتے چھپا
23 محرم سنہ 4 ہجری کو مدینہ پہنچ کر خالد کا سر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن انیسؓ کو ایک عصا تحفہ میں دیا۔ خالد بن سفیان گستاخ او
دریدہ دہن بھی تھا۔

حادثۂ رجیع

ماہ صفر سنہ 4 ہجری میں قبیلہ عضل کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا قبیلہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس لئے چند لوگ ہمارے لئے ساتھ کر

بھیجئے تا کہ ہمیں قرآن کریم پڑھائیں اور احکام اسلام کی تعلیم دیں۔ آپ نے مندرجہ ذیل منتخب صحابہ ان کے ہمراہ کر دیئے۔

1۔ حضرت عاصم بن ثابت

2۔ حضرت مرثد بن ابی مرثد

3۔ حضرت عبداللہ بن طارق

4۔ حضرت خبیب بن عدیؓ

5۔ زید بن دثنہ

6۔ خالد بن ابی البکیر

7۔ حضرت معتب بن عبیدہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اور حضرت عاصم بن ثابتؓ کو ان پر امیر مقرر فرمایا۔ یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے جو مکہ اور عسفان کے مابین ہے تو ان لوگوں نے مسلمانوں سے بدعہدی کی اور قبیلہ عضل کے حلیف بنو لیحان کے دو سو آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت عاصمؓ اپنے رفقائے کے ساتھ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی خبر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دی۔ تاہم حضرت عاصم بمعہ اپنے رفقا کے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مشرکین نے حضرت خبیب اور حضرت زید کو گرفتار کر لیا اور مکہ لے جا کر ان کو فروخت کر دیا۔ صفوان بن امیہ نے باپ کے بدلے جو جنگ بدر میں مارا گیا تھا حضرت زیدؓ کو شہید کر دیا۔ حضرت خبیبؓ کے ہاتھوں حارث بن عامر مارا گیا تھا۔ حارث کے بیٹوں نے حضرت خبیب کو خرید لیا۔ حضرت خبیبؓ کو قتل کیلئے سامنے لایا گیا تو ابوسفیان نے کہا اے خبیب! تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم پسند کرو گے کہ تمہارے بدلے محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت خبیب نے فرمایا خدا کی قسم مجھ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیر میں کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم میں نے کسی کو اس درجہ محب اور مخلص نہیں دیکھا جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محب اور جانثار ہیں۔

المیہ بئر معونہ

اسی ماہ صفر سنہ 4 ہجری میں دوسرا واقعہ پیش آیا۔ایک قبیلے کا سردار عامر بن مالک ا
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے ابو براء کو اسلام کی دعوت
اس نے قبول کرنے کی بجائے استدعا کی کہ چند اصحاب نجد کی طرف دعوت اسلام کی غرض
بھیجے جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجد سے خطرے کا اندیشہ فرمایا۔ابو براء نے
ضامن ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر صحابہ جو قراء تھے اس کے ہمراہ
دیئے۔منذر بن عمرو ساعدیؓ ان کے امیر تھے۔یہ نہایت مقدس اور پاکباز جماعت تھی
لکڑیاں چنتے اور شام کو فروخت کر کے اصحاب صفہ کیلئے کھانا لاتے۔یہ جماعت بئر معونہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا رئیس تھا
حرام بن ملحان کے سپرد فرمایا۔حزام بن ملحان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط
طفیل کو دیا۔عامر نے خط پڑھنے سے پہلے ہی اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔انہوں نے حضرت حرام
بن ملحان کو شہید کیا اس کے بعد عامر نے حلیفوں سے مل کر باقی صحابہ کو شہید کر ڈالا۔کعب بن
انصاریؓ بچ گئے اور عمرو بن امیہؓ گرفتار ہوگئے۔اس معرکہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامر
بن فہیرہؓ بھی شہید ہوئے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی آپ
کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اتنا تمام عمر نہ ہوا۔

غزوہ بنی نضیر

عمرو بن امیہ جب بئر معونہ سے واپس مدینہ آ رہے تھے تو راستہ میں بنی عامر کے دو شخص
ان کے ساتھ ہو گئے۔رات کو انہیں ایک باغ میں سونے کا اتفاق ہوا۔عمرو بن امیہ نے موقع پا کر
ان دونوں کو قتل کر ڈالا۔مدینہ پہنچ کر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔
آپ نے فرمایا یہودیوں سے تو ہمارا عہد و پیمان ہے۔اس لئے مقتولین کی دیت یعنی خون بہا دینا
ضروری ہوگا۔کیونکہ بنو عامر بنو نضیر کے حلیف ہیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت سعد بن معاذؓ حضرت اسید بن حضیر اور حضرت سعد بن عبادہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ ایک دیوار کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے۔ بنونضیر نے خفیہ طور پر ایک آدمی اس چھت پر چڑھایا تا کہ وہ ایک بڑا پتھر آپ کے سر مبارک پر گرا دے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک یہودی سلام بن مشکم نے ان سے کہا تھا کہ ایسا ہرگز نہ کرو۔ خدا کی قسم' ان کو وحی کے ذریعے علم ہو جائے گا نیز یہ باہمی عہد و پیاں کے بھی خلاف ہو گا۔ اس سے پہلے ہی جناب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبریل کے اشارہ پر وہاں سے اٹھ کر مدینہ کی طرف تشریف لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر یہودیوں کی اس مکرو سازش سے اصحاب کو مطلع فرمایا اور ان کے خلاف حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہودیوں نے قلعہ بند ہو کر حملے کا مقابلہ کیا۔ لیکن تاب نہ لا سکے اور خائب و خاسر ہو کر بالآخر آپؐ سے امان طلب کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شرط پر ان کو امان دی کہ وہ مدینہ چھوڑ کر وہاں سے چلے جائیں۔ اس کیلئے ان کو دس دن کی مہلت دی گئی اور کہا گیا وہ جس قدر مال و اسباب اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔

چند روز بعد جب یہودی مدینہ سے جانے کی تیاریاں کرنے لگے تو عبداللہ بن ابی کا قاصد یہ پیغام لے کر ان کے پاس آیا کہ ترک وطن نہ کرو اور اموال و املاک نہ چھوڑو۔ میں تمہاری مدد کو دو ہزار آدمی بھیجوں گا۔ یہ پیغام سن کر یہودی شش و پنج میں پڑ گئے' کیونکہ اس سے پہلے عبداللہ بن ابی بنو قینقاع کے یہودیوں کو مدد کا وعدہ دے کر راہ فرار اختیار کر چکا تھا۔ یہودیوں کو یہ بھی علم تھا کہ بنی قریظہ کے یہودی ہمارے مدد کو نہ آ سکیں گے کیونکہ ان کا مسلمانوں سے معاہدہ دوستی ہو چکا ہے۔ یہودی اسی فکر میں تھے کہ حی بن اخطب نے کہا "میں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجتا ہوں کہ ہم اپنے وطن سے ہرگز نہ نکلیں گے اور نہ اپنے اموال و املاک سے دست بردار ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بن پڑے کیجئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے یہودیوں کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ اس اثنا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ یہودیوں کے کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے جائیں۔ اس لئے کہ یہ درخت ان یہودیوں

کیلئے سپر اور حفاظت کا کام دے رہے تھے۔یہودی مسلمانوں کے اس اقدام سے بہت زیادہ مضطرب ہوئے اور فریاد کی ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فساد سے روکتے ہیں اور مفسدین پر نکتہ چینی کرتے تھے اب ہمارے باغ کیوں کاٹے اور جلائے جارہے ہیں۔'' اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا ''تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹے یا چھوڑے ہیں وہ خدا کے حکم سے اور بدکاروں کی رسوائی کیلئے تھا۔یعنی یہ سب حکم الٰہی سے ہوا اور یوں جنگی نقطہ نظر سے دشمن کے درخت کاٹے بھی جاسکتے ہیں۔

جب یہودیوں کو عبداللہ بن ابی کی کوئی امید نہ رہی' محاصرہ طول کھینچتا گیا اور ان پر خوف طاری ہوا تو انہوں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان طلب کی اور از خود مدینہ چھوڑنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ درخواست منظور کرلی گئی۔اس شرط کے ساتھ کہ تین تین یہودی ایک اونٹ پر جو سامان لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔باقی انہیں اب سب کچھ یہاں ہی چھوڑنا ہوگا۔

بنونضیر کی جلاوطنی

بنونضیر حی بن اخطب کی سربراہی میں مدینہ سے نکلے۔ان میں سے کچھ خیبر میں جا بسے اور کچھ شام چلے گئے۔غلہ اور دوسرے سامان کے علاوہ پچاس زرہیں اور تین سو چالیس تلواریں مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں۔ان کے علاوہ زمینوں کو غنیمت کے طور پر تقسیم نہ کیا گیا بلکہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تصرف چاہیں فرمائیں۔آپ نے زمینیں مہاجروں میں تقسیم فرمادیں اور کچھ ناداروں کیلئے وقف کردیں۔انصار کو ان زمینوں سے کچھ حصہ نہ ملا البتہ حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف کو کچھ زمین دے دی گئی۔کیونکہ انہوں نے اپنی احتیاج ظاہر کی تھی۔دو یہودی ایمان لے آئے اور اپنے اموال املاک پر قابض رہے۔مدینہ میں یہودیوں کا وجود فتنہ کی جڑ تھا۔ان سے یہ اندیشہ تھا کہ اگر کسی دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مدینہ کے یہودی اس کا ساتھ دیں گے۔اسطرح ان سے بھی جنگ چھڑ جائے گی۔ یہودیوں کی شرارت سے ہر روز ایک دو ناخوش گوار واقعات ظہور پذیر ہوتے تھے۔مدینہ سے بنونضیر کے اخراج سے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ

كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ
وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا ۙ وَّإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ۝ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ
مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوهُمْ
لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝

(سورۃ الحشر۔12-11)

تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت کی روش اختیار کی ہے؟ یہ اپنے کافر اہل کتاب بھائیوں سے کہتے ہیں "اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں۝ اگر وہ نکالے جائیں گے تو یہ نہ نکلیں گے ان کے ساتھ اور اگر لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد کریں گے۔ اگر مدد کریں گے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر کہیں مدد نہ پائیں گے۔

یہودیوں کے اخراج کے بعد مدینہ میں امن وسلامتی کی فضا پیدا ہوگئی۔ مسلمانوں کو منافقین کی ریشہ دوانیوں کا اندیشہ نہ رہا۔ مہاجرین خوش حال ہوگئے۔ کیونکہ انہیں یہودیوں کی چھوڑی ہوئی زمینیں مل گئیں۔ انصار پر مہاجرین کا بوجھ نہ رہا اور مہاجرین انصار کی مدد سے بے نیاز ہوگئے۔ غرض مسلمانوں نے اپنی جگہ اطمینان کا سانس لیا۔ البتہ انصار کی اولاد میں بعض لوگ یہودی مذہب کے پیروکار تھے۔ جب مدینہ منورہ سے رخصت ہونے لگے تو مطالبہ کیا کہ ہمارے ہم مذہب ہمارے ساتھ چلیں۔ مسلمان روک رہے تھے کہ قرآن کریم نے مشکل حل کر دی۔ آیت نازل ہوئی۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ

دین میں کوئی سختی نہیں۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے فرمان پر خاموش ہوگئے اور یہ لوگ خوشیاں مناتے خیبر میں جا بسے۔

غزوہ ذات الرقاع

غزوہ بنونضیر کے بعد ربیع الاوّل سنہ 4 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ بنی

محارب اور بنی ثعلبہ مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے لشکر جمع کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سو صحابہ کی ایک مختصر سی جماعت لے کر نجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ نجد سے قریب پہنچے تھے کہ قبیلہ غطفان کے کچھ لوگ ملے لیکن لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ یہاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ غزوہ ذات الرقاع اس کا نام اسی لئے پڑا کہ صحابہ کرام کے پاؤں مسلسل چلنے سے پھٹ گئے تھے۔ انہوں نے پیروں پر چیتھڑے لپیٹ لئے اس لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رقاع ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ میں نزول فرمایا۔ اس غزوہ کی تاریخ وقوع میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ غزوہ جمادی الاوّل سنہ 4 ہجری میں ہوا۔ بعض کا خیال ہے محرم الحرام سنہ 5 ہجری میں ہوا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ غزوہ سنہ 7 ہجری میں ہوا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے صلوٰۃ الخوف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے غزوہ نجد میں پڑھی ہے۔ یہ سنہ 7 ہجری کا واقعہ ہے۔

غزوہ بدر موعد

غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر پندرہ سو صحابہ ہمراہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعبان سنہ 4 ہجری کو بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ کیونکہ اُحد کی شکست کے بعد ابوسفیان نے کہا کہ آئندہ سال پھر بدر میں ملیں گے۔ آٹھ روز تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان کا انتظار فرماتے رہے۔ ابوسفیان مرالظہر ان تک پہنچا لیکن مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور یہ کہہ کر واپس ہوا کہ یہ سال قحط اور گیرانی کا ہے۔ جنگ وجدال کا نہیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ روز کے بعد بلا قتال وجدال واپس مدینہ تشریف لائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ص فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

(سورۃ آل عمران۔172-175)

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا ان میں جو لوگ نیکو کار اور پرہیز گار ہیں ان کیلئے بڑا اجر ہے اور وہ جن سے لوگوں نے کہا ''تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں' ان سے ڈرو'' تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے' ان کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے○

ان آیات میں جھوٹی خبریں مشہور کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے شیطان فرمایا ہے اور اللہ نے پروپیگنڈا کا علاج اور جواب یہ بتلا دیا ہے کہ تم اپنی قدرت کے مطابق جہاد کی تیاری کرو اور بھروسہ اللہ پر رکھو۔ یہ نہ کرنا کہ تم بھی شیطان کی طرح جھوٹی خبروں سے ڈرنے لگو۔ جھوٹ کا جواب سچائی سے دو۔ اسلام اپنے دشمنوں کے متعلق بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا۔

واقعات متفرقہ سنہ 4 ہجری

1- ماہ شعبان سنہ 4 ہجری میں امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے۔

2- اسی سال ماہ جمادی الاول میں حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے عبداللہ کا بعمر 6 سال انتقال ہوا۔

3- ماہ شوال سنہ 4 ہجری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔

4- اسی سال کے ماہ رمضان المبارک میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت خزیمہ ''ام المساکین'' سے نکاح فرمایا۔

5- سنہ 4 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم صادر فرمایا کہ یہود کی زبان میں لکھنا پڑھنا سیکھیں کیونکہ یہود کے پڑھنے پر یقین نہیں۔

6- حجاب (پردہ) کا حکم اسی یعنی سنہ 4 ہجری میں نازل ہوا۔ بعض 3 اور بعض سنہ 5 ہجری

کہتے ہیں۔

(طبری' ج3 'صفحہ 43-42-39۔ فتح الباری' ج7 'صفحہ 333)

غزوہ دومتہ الجندل سنہ 5 ہجری

دومتہ الجندل مدینہ منورہ سے پندرہ دن کے فاصلہ پر ہے۔ دومتہ الجندل سے دمشق تک پانچ دن کا راستہ ہے۔ ماہ ربیع الاوّل سنہ 5 ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ دومتہ الجندل کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہزار صحابہ کے ساتھ 25 ربیع الاوّل کو دومتہ الجندل کا ارادہ فرمایا۔ وہ لوگ اطلاع ملتے ہی منتشر ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی جدال وقتال کے واپس مدینہ تشریف لے آئے اور 20 ربیع الثانی کو مدینہ داخل ہوئے۔

(طبقات ابن سعد' ج1 'صفحہ 44۔ زرقانی' ج2 'صفحہ 22)

غزوہ مریسیع یا بنی مصطلق

مریسیع ایک چشمہ یا تالاب کا نام ہے جہاں بنی مصطلق سے مقابلہ ہوا۔ بنی مصطلق بنی خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار سردار بنی مصطلق نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے اور مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالات کا جائزہ لینے کیلئے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ کو بھیجا۔ حضرت بریدہؓ نے خبر کی تصدیق کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان فوراً تیار ہو گئے۔ اس فوج میں تیس گھوڑے ساتھ تھے' جن میں سے دس مہاجرین اور بیس انصار کے تھے۔ اس غزوہ میں منافقین بھی غنیمت کے لالچ میں شامل ہو گئے۔ مدینہ میں زید بن حارثہ کو قائم مقام فرمایا۔ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو ساتھ لیا اور 2 شعبان کو مریسیع کی طرف کوچ فرمایا اور تیز رفتاری سے چل کر ناگہاں اور اچانک بنو مصطلق پر حملہ کر دیا۔ وہ لوگ حملہ کی تاب نہ لا سکے اور منتشر ہو گئے۔ ان کے دس آدمی قتل ہوئے باقی سب مرد' عورتیں' بچے اور بوڑھے گرفتار ہو گئے۔ دو ہزار اونٹ' پانچ ہزار بھیڑ بکری اور دو سو گھوڑے بطور غنیمت مل گئے۔ قیدیوں میں سردار مصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھی۔ مال غنیمت کی تقسیم میں جویریہ

بت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ جویریہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ئیں اور عرض کیا کہ میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں۔ میں کبھی کنیز نہیں ی۔ نہ میں نے کبھی لونڈی کا کام کیا ہے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم پیغمبر اسلام کی زوجہ بننا پسند کروگی؟ جویریہ نے جواب دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ بننے کیلئے تیار ہوں۔ چنانچہ حضرت جویریہ" زوجہ پیغمبر ہو گئیں۔ جب بنو مصطلق کو علم ہوا تو وہ سب سلمان ہو گئے۔ الغرض حضرت جویریہ" کی نسبت سے مسلمانوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو زاد کر دیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے اور ہمیشہ اسلام کے وفادار رہے اور ہمیشہ خدمت سلام میں بڑی جانثاری کا ثبوت دیا۔

عبداللہ بن ابی کے تحت منافقین کی ایک جماعت اس سفر میں مسلمانوں کے ہمراہ تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان کامیاب ہو گئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حکمت عملی سے ایک بڑے جنگجو قبیلے کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا ہے تو اسے بڑا غصہ آیا اور سردار منافقین عبداللہ بن ابی نے ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی جائے۔ اتفاق سے پانی کے ایک چشمہ پر ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی نے انصار کو اکسایا کہ مہاجرین کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح ہم پر مسلط کر دیا ہے۔ خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو حضرت عمرؓ نے اس منافق کی گردن مار دینے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم پسند کرو گے کہ تمہارے نبی کا نام تاریخ میں اس طرح آئے کہ جو لوگ اپنے منہ سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی گردن مار دینے کا حکم دیتے تھے۔ عبداللہ بن ابی اپنے منہ سے اقرار کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اب بتاؤ میں اس کی گردن مار دینے کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں۔ دلوں کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

عبداللہ بن ابی کا بغض

عبداللہ بن ابی حسب معمول یہی ظاہر کرتا رہا کہ وہ اسلام کا خیر خواہ اور پکا مسلمان ہے اور اس کا عقیدہ پختہ ہے لیکن اس کے دل میں بغض و حسد کی جتنی سلگ رہی تھی۔ اس نے اسلام اور ہادی

اسلام کے خلاف جو زہر اگلا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں آ گیا تھا۔ تاہم اس نے تردید وتغلیط پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور قسمیں کھاتا رہا۔ لیکن قرآن کریم نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ المنفقون۔8-7)

مگر یہ منافق سمجھتے نہیں ہیں ۝ یہ کہتے ہیں کہ ہم مدینے واپس پہنچ جائیں تو جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کیلئے ہے مگر یہ منافق جانتے نہیں ۝

موضح القرآن میں بیان ہوا ہے دو شخص اس سفر میں لڑ پڑے ایک مہاجرین کا ایک انصار کا پھر ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملا دیا۔ منافق پیٹھ کے پیچھے کہنے لگے ہم ان کو اپنے شہر میں جگہ نہ دیتے تو ہم سے مقابلہ کیوں کرتے۔ ایک نے کہا تم خبر گیری کرتے ہو تو یہ لوگ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمع رہتے ہیں۔ خبر گیری چھوڑ دو آپ ہی متفرق ہو جائیں گے ایک نے کہا اب کے سفر سے ہم مدینہ پہنچیں تو جس کا اس شہر میں زور ہے چاہیے بے قدروں کو نکال دے۔ ایک صحابی نے یہ باتیں سنیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا پوچھا تو قسمیں کھا گئے کہ اس نے ہماری دشمنی سے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔ ان آیات کے نزول کے بعد مسلمانوں کو یقین کامل ہو گیا کہ عبداللہ بن ابی کی خیر نہیں۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی حقیقتاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے نہ تھا بلکہ سخت ترین دشمن تھا۔ لیکن ظاہر صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے مشابہ تھا اس لئے اس کے قتل کی اجازت نہ دی۔ عبداللہ بن ابی کا جوان بیٹا تھا جو سچا مسلمان تھا۔ اس سفر میں اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ وہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مہاجرین وانصار کو اکسانے کا سارا واقعہ گوش گزار کیا اور کہا میرا باپ چاہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فدائیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بھڑکائے۔ چونکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف

سازش کرنا چاہی اس لئے وہ واجب القتل ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دیں تو میں اسے خود قتل کر دوں۔ میں اپنے باپ کا وفادار ہوں مگر جب یہ خیال آتا ہے کہ وہ میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دھوکہ کرنا چاہتا ہے تو میں اسے مستحق ہلاکت سمجھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے منع فرمایا کیونکہ آپ کثیر العفو تھے اور دشمنوں سے انتقام نہ لیتے تھے۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے شاید اس لئے اپنے باپ کے قتل کی اجازت چاہی تھی کہ اگر کوئی دوسرا مسلمان اسے قتل کرے تو جوش کے جذبہ میں وہ اس مسلمان کو قتل نہ کر دیں۔ اس طرح سے وہ ایک مسلمان کے قتل کا مرتکب ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کو اپنے باپ سے نیک سلوک اور احسان کی تلقین فرمائی۔ عبداللہ بن ابی حق شناس نہ تھا۔ وہ شکر کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور مورد عفو قرار دیا ہے مگر اس کے بجائے وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا۔ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک اور ضرب لگانے کی ناکام کوشش کی اور اپنے خبث باطن کا ثبوت دیا۔

واقعہ افک

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ایک زوجہ مطہرہ کو سفر میں ہمراہ رکھتے تھے۔ بنو مصطلق کی جنگ پر قرعہ انتخاب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام نکلا۔ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئیں' واپسی پر راستے میں حضرت صدیقہؓ رفع حاجت کیلئے اونٹ سے اتریں۔ رفع حاجت سے واپسی پر بد قسمتی سے ان کا ہار ٹوٹ گیا۔ اس کے نگینوں کو جمع کرنے میں کچھ دیر لگی۔ جب وہ لوٹیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ جس وقت قافلہ روانہ ہوا تو حسب عادت لوگوں نے کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ ہودج کے پردے ڈالے ہوئے تھے۔ ام المومنین دبلی پتلی تھیں' اس لئے ہودج اٹھاتے وقت لوگوں کو محمل کے ہلکے ہونے کا احساس نہ ہوا۔ قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ ام المومنین چادر لپیٹ کر بیٹھ گئیں کہ جب قافلہ آگے پڑاؤ پر پہنچے گا تو مجھ کو نہ پا کر میری تلاش میں یہاں ضرور آئیں گے۔ آپ نے خدا سے التجا کی کہ یا اللہ تو نے مجھ کو اسلام میں پیدا کیا' زوجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنایا ہے۔ مجھے اس مصیبت سے نجات دے۔ حضرت صفوان بن معطل سلمیؓ جو قافلہ کی گری پڑی چیزوں کے اٹھانے کیلئے پیچھے رہا کرتے تھے۔

آ گئے اور دیکھتے ہی حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا۔ کیونکہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو بچپن میں دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون پڑھا۔ حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ لا کر حضرت عائشہؓ کے قریب لا کر بٹھا دیا اور آپ دور کھڑے ہو گئے تا کہ ام المومنین سوار ہو جائیں۔ حضرت صفوانؓ مہار پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ لشکر میں جا پہنچے۔ عبداللہ بن ابی نے جب سنا کہ صفوان بن معطل سلمی ام المومنین حضرت عائشہؓ کو لائے ہیں' تو موقع کو غنیمت سمجھ کر افترا پردازی پر اتر آیا اور کچھ لوگ بھی عبداللہ بن ابی کے ہمنوا ہو گئے۔ یہ لوگ مدینہ کے چکر لگاتے اور لوگوں سے حضرت عائشہؓ کی بدخواہی کرتے۔ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن تھے ہی' انہوں نے اور زیادہ واہی تباہی بکنا شروع کی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے بھی دریافت حال فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں صریحاً جھوٹ ہے۔ میں کسی گناہ کی مرتکب نہیں ہوئی۔''

حالات روز بروز خراب ہوتے گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت زیدؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مشورہ دیا کہ اگر آپ حضرت عائشہ کو گنہگار نہیں سمجھتے تو اس بدگوئی کی پرواہ نہ کیجئے اور اگر دوسری صورت ہے تو طلاق دے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے عورتوں کی کیا کمی ہے۔

حضرت اسامہؓ نے عرض کیا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ آپ کے اہل ہیں جو آپ کے اہل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایاں شان اور منصب رسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عصمت وعفت کا پوچھنا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم محترم کی طہارت ونزاہت تو اظہر من الشمس ہے۔ اس میں رائے مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے کبھی سوائے خیر خوبی' نیکی اور بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کی لونڈی سے تحقیق فرمائیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل سچ بتا دے گی اس لئے کہ باندی یا خادمہ خانگی حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریرہ (خادمہ) سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ بریرہ نے کہا' ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' میں تجھ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ چھپانا نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی بتا دے گا۔ بریرہ نے عرض کیا چھپاؤں گی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' کیا تو نے عائشہ صدیقہ سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی ہے۔ بریرہ نے جواب دیا' قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے' میں نے عائشہ صدیقہؓ میں کوئی عیب اور قابل گرفت بات کبھی نہیں دیکھی اور یہ کہ وہ کم سن ہے۔ آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہیں۔ بکری کا بچہ آ کر اسے کھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جواب سن کر مسجد میں تشریف لائے اور خطبہ دیا اور عبداللہ بن ابی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بیٹھ کر خدا کی حمد و ثنا کی اور فرمایا۔

''اے عائشہ مجھ کو تیری جانب سے ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ اگر کوئی بدی ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تجھ کو بری کرے گا اور اگر تو نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ سے توبہ اور استغفار کر اس لئے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ قبول فرماتا ہے۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے صرف یہ جواب دیا کہ ''میں وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی اپنی جگہ سے اٹھے نہ تھے کہ وحی کے آثار نمودار ہوئے۔
(ابن اسحاق' امام بخاری)

آیہ برات کا نزول

بعد ازاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت عائشہؓ کی کمال برات اور طہارت پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا

وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ
فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○
وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۚ○ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ
وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ
اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ يَعِظُكُمُ
اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ○
وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(سورۃ النور۔19-11)

بلا شبہ جو لوگ بہتان گھڑ لائے ہیں۔ تم ہی میں سے ایک جماعت ہیں۔ اس واقعہ کو اپنے لئے شرمت سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے خیر ہے ہر ایک شخص کیلئے اتنی ہی سزا ہے جتنا اس نے گناہ کیا ہے ان میں سے جس نے تہمت کے بڑے حصہ کی ذمہ داری اٹھائی اس کیلئے عذاب عظیم ہے ○ جب تم نے اس الزام کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے نیک گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ سوچا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے ○ الزام لگانے والے (ثبوت کیلئے) چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پھر جب کہ یہ گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے نزدیک خود ہی جھوٹے ٹھہرے ○ اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں نہ ہوتی تو اس (الزام) کی وجہ سے جو پھیلایا جا رہا تھا تم کو کوئی بڑا عذاب آ لیتا ○ جب تم اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں پہ لا رہے تھے اور اپنے مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں تھا اور تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی بات تھی ○ اور جب تم نے اسے سنا تو یہ کیوں نہیں کہا کہ ہمیں یہ بات کہنا زیب نہیں دیتا' سبحان اللہ' یہ تو ایک بہتان عظیم ہے ○ تم کو اللہ نصیحت کرتا ہے

کہ اگر تم مومن ہو تو ایسی کوئی حرکت نہ دھرانا O اور اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے O بے شک وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے' ان کیلئے دنیا میں اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

یعنی یہ کہ جن لوگوں نے بہتان طرازی کی ہے' وہ تم ہی میں سے ہیں' اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ یہ بھلا ہی ہے۔ ہر شخص کو اس کے گناہ کی پاداش ملے گی۔ جس نے سب سے بڑا جھوٹ گھڑا ہے اس کیلئے سخت عذاب ہے۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی ہے۔ نیز یہ کہ تم مسلمان مرد و زن باایمان ہو۔ جب تم نے افترا پردازی کی خبر سنی تھی تو اپنے جیسے ایمان والوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ تہمت ہے۔ اگر یہ لوگ سچے ہوتے تو چار گواہ لاتے تاکہ ثابت ہوتا کہ حضرت عائشہؓ کے خلاف یہ بے بنیاد تہمت تھی۔ اس فتنہ کے بانی اصل میں منافقین تھے۔ صرف دو تین سادہ لوح مسلمان دھوکے میں آئے۔ ان میں مسطح بن اثاثہ' حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش شامل تھے۔ تحقیقات کے بعد ان پر قذف کے حد جاری کی گئی اور انہیں اسی اسی دُرے مارے گئے۔ یہ اپنی غلطی سے تائب ہوئے۔ عبداللہ بن ابی کے متعلق مشہور ہے کہ اس کو سزا نہیں دی گئی کیونکہ وہ منافق تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی حد جاری کی گئی۔ مسطح حضرت صدیق اکبر کا خالہ زاد بھائی تھا اور حضرت صدیق اکبر ان کے اخراجات کے کفیل تھے۔ اس قصہ میں شرکت کی وجہ سے آپ نے اس کی امداد سے دست کشی اختیار کی۔ پروردگار عالم کو حضرت صدیق اکبر کی یہ ادا پسند نہ آئی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ O
(سورۃ النور۔22)

جو لوگ صاحب فضل اور صاحب حیثیت ہیں وہ قسم نہ کھائیں کہ قرابت داروں' مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیا کریں گے۔ انہیں چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ معاف

کرنے والا' رحم فرمانے والا ہے O

جب یہ آیت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو سنائی تو کہنے لگے۔ "کیوں نہیں' خدا کی قسم البتہ تحقیق میں اس کو بہت زیادہ محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمائے" اور مسطح کو بدستور خرچ دینا شروع کیا اور قسم کھائی کہ مسطح کا خرچہ کبھی بند نہ کروں گا۔

غزوہ احزاب یا غزوہ خندق

غزوہ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عساکر قریش کی مدافعت کیلئے جو وسیلہ دفاع تجویز فرمایا۔ وہ مدینہ منورہ کے گرد ایک خندق کا کھودنا تھا۔ اس لئے اس جنگ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ یہ جنگ ماہ شوال سنہ 5 ھ میں مسلمانوں اور قریش و یہود کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ میں قریش کی حمایت میں یہود کے علاوہ مختلف قبائل عرب نے بھی شرکت کی اس لئے اس کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ احزاب حزب کی جمع ہے اور حزب کے معنی گروہ کے ہیں۔ جمہور مورخین وائمہ مغازی کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ غزوہ سنہ 5 ھ میں ہوا۔ اس غزوہ کا باعث اور سبب یہ ہوا کہ بنو نضیر کی جلاوطنی کے بعد یہود کا سردار حیئ بن اخطب مکہ گیا اور قریش کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ پر آمادہ کیا۔ سالم بن ابی الحقیق' کنانہ بن الربیع اور خیبر کے دیگر سرداران یہود نے بھی جا کر بنو غطفان اور قریش مکہ کو ترغیب دی اور دیگر قبائل کا دورہ کیا اور تمام ملک میں آگ لگا دی۔ چند روز میں دس ہزار جنگجو ابوسفیان کی سرداری میں مشرکین مکہ کے علم کے نیچے جمع ہو گئے اور مدینے کا رخ کیا۔ سرداران یہود نے قبائل اور قریش مکہ کو یہ طمع دی کہ خیبر کے نخلستان میں جس قدر کھجوریں پیدا ہوں گی اس کا نصف حصہ ہر سال تم کو دیا جائے گا۔ یہ سن کر متفقہ سردار احزاب عیینہ بن حصن تیار ہو گیا۔ قریش پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ شہر کے گرد خندق کھودی جائے اور شہر کے اندر ہی سے دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود خندق کے حدود مقرر فرمائے اور خط کھینچ کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمائی۔ خندق اس قدر گہری کھودی گئی کہ تری نکل آئی۔

(طبقات ابن سعد' ج 2' صفحہ 47۔ طبری' ج 3' صفحہ 45)

خندق چھ دن میں تیار ہوگئی۔ مکمل حصار کی مدت بیس دن ہے۔ صحابہ کرام کے ساتھ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی خندق کھودنے میں مصروف رہے۔ ابتدا اپنے دست مبارک سے کدال زمین پر مار کر کی اور یہ الفاظ زبان مبارک پر تھے ''بسم اللہ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں اگر اس کے سوا کسی اور کی عبادت کریں تو بڑے ہی بدنصیب ہیں۔ وہ کیا ہی اچھا رب ہے اور اس کا دین کیا ہی اچھا دین ہے'' جاڑوں کا موسم تھا۔ سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ کئی کئی دن فاقہ تھا۔ مہاجرین وانصار نہایت ذوق وشوق سے خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ براء بن عازبؓ راوی ہیں کہ خندق کے دن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس مٹی اٹھا رہے تھے یہاں تک کہ شکم مبارک گرد آلود ہوگیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان آ گئی۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ٹھہرو میں خود آتا ہوں۔ بھوک کے مارے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال پکڑی اور اس چٹان پر اس زور سے ماری کہ چٹان دفعتاً تودہ ریگ ہوگئی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے اس طریق کو اختیار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار کے طریق جنگ کو اختیار کرنا درست ہے۔ علیٰ ہذا کفار کے ایجاد کردہ آلات حرب کا استعمال بھی جائز ہے جیسا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا۔ مسلمان خندق کھود کے فارغ ہوئے کہ قریش دس ہزار جنگ بازوں کا لشکر جرار لے کر مدینہ پہنچے اور کوہ اُحد کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین ہزار مخلصین کی جماعت لے کر مقابلہ کیلئے نکلے۔ خندق فریقین کے درمیان تھی۔ عورتوں اور بچوں کو ایک محفوظ قلعہ میں رکھا گیا تاکہ اللہ کے دشمن مرعوب اور اللہ کے دین کی حفاظت ہو۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا۔ اس لئے کفار کو اس کی تدبیر کچھ نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کر کے فوجیں ہر طرف پھیلا دیں اور رسد وغیر بند کر دی اور برابر ایک مہینہ محاصرہ جاری رکھا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں اتر کر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق سے ادھر کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ و متعین کر دیا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصہ پر حضرت عمرؓ مقرر تھے چنانچہ اس مقابلے میں حضرت عمرؓ کو اتنا مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوگئی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے پاس عرض کیا کہ آج کفار نے نماز تک پڑھنے کا موقع نہیں دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

یہودیوں میں بنوقریظہ الگ تھلگ تھے لیکن حیٔ بن اخطب سرادر بنونضیر نے ان کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی۔ کعب بن اسد سردار بنی قریظہ کے پاس گیا۔ بنوقریظہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کر چکے تھے اس لئے حیٔ بن اخطب کو آتے دیکھ کر اپنے قلعے کا دروازہ بند کرلیا۔ لیکن حیٔ کی منت ساجت پر کعب معاہدہ توڑنے پر راضی ہوگیا۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو حقیقت حال کی دریافت پر روانہ فرمایا' واپسی پر انہوں نے عرض کیا کہ جس طرح قبیلہ عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اسی طرح کعب بن اسد نے غداری کی ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس غداری سے صدمہ ہوا۔ کافروں نے ہر طرف سے مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا۔ باہر سے دشمنوں کا ٹڈی دل اور اندر سے بنوقریظہ کی غداری نے ہر شخص کو مسلمانوں کے خون کا پیاسا بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں اس صورت حال کا بیان یوں کیا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝

(سورۃ احزاب۔ 11-10)

جب وہ (کافر) تم پہ چڑھ آئے' اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے مونہوں کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے ۝ یہی وقت تھا جب مومن آزمائے گئے اور خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔

یہ وقت ابتلا اور آزمائش کا تھا۔ اس آزمائش نے کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا۔ چنانچہ منافقین نے حیلے اور بہانے شروع کئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر پست دیوار ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہیں' بچوں اور عورتوں کی حفاظت ضروری ہے۔ اس لئے اجازت چاہتے ہیں۔

ویستاذن فریق منھم النبی یقولون انا بیوتنا عورۃ ط
وماھی بعورۃ ان یریدون الافرارا○
(سورۃ احزاب۔13)

منافقین یہ کہتے ہیں کہ تحقیق ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں، محض بھاگنا چاہتے ہیں۔اس لئے یہ حیلے بہانے کررہے ہیں۔

اور مسلمان جن کے قلوب اخلاص وایقان سے لبریز تھے ان کی یہ حالت تھی جو حق تعالیٰ نے بیان فرمائی۔

وَلَمَّارَاَالْمُؤمنونَ الاحزابَ قالوا ھٰذا مَا وَعدَنا اللّٰہُ
وَرَسُولُہ و صَدَقَ اللّٰہ وَرَسُولُہٗ وَمَا زَادَھُم اِلَّا ایمَانَا وَّتَسلِیمَا
(سورۃ احزاب۔22)

اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے تو بولے یہ وہی ہے جس کا وعدہ اللہ نے اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا اور اللہ نے اور اس کے رسول نے سچ کہا اس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا اور اللہ کی رضا پہ راضی ہوئے○

قریش مکہ نے یہودیوں پر اثر انداز ہونے کیلئے یہ بھی کہا کہ تم اہل کتاب ہو۔ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کی نوعیت تم پر واضح ہے۔ یہ بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ تمہارا دین محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین سے بہتر ہے اور تم اپنے موقف میں حق بجانب ہو۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا۔

اَلَم تَرَاِلَی الَّذِینَ اُوتُوا نَصِیبًا مِّنَ الکِتٰبِ یُؤمِنُونَ
بِالجِبتِ وَالطَّاغُوتِ وَیَقُولُونَ لِلَّذِینَ کَفَرُو ھٰٓؤُلَآءِ
اَھدٰی مِنَ الَّذِینَ اٰمَنُوا سَبِیلًا○ اُولٰٓئِکَ الَّذِینَ لَعَنَھُم
اللّٰہُ ط وَمَن یَّلعَنِ اللّٰہُ فَلَن تَجِدَ لَہٗ نَصِیرًا○
(سورۃ النساء۔52-51)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت (جادوٹونے) اور طاغوت (شیطانی قوتوں) کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں ○ ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کردے پھر تم اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے ○

حیئ بن اخطب نے دیگر یہودیوں کے ہمراہ قریش کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ابھارا اور یہ بات طے پائی کہ جنگ چھڑنے کی صورت میں بنی غطفان' بنی قیس' بنی مرہ' بنی خزاعہ' بنی اشجع' بنی سلیم' بنی سعد' بنی اسد اور دوسرے قبائل بھی جنگ میں شرکت کریں گے۔ حیئ بن اخطب نے ان قبائل کو یہ بھی یقین دلایا کہ قریش ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آمادہ ہیں۔ اسی لئے یہودیوں نے بت پرستی کے حق میں تعریفی کلمات کہے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ مسلمانوں پر فتح حاصل کرلیں گے۔ المختصر یہ کہ یہودی ابوسفیان کی قیادت میں قریش کی فوج میں آملے جو چار ہزار نبرد آزماؤں پر مشتمل تھی۔ ان کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ڈیڑھ ہزار اونٹ تھے۔ اس فوج کا سالار اعلیٰ عثمان بن طلحہ تھا جس کا باپ غزوہ اُحد میں مارا جاچکا تھا۔ بنی فزارہ کے پاس ایک ہزار اونٹ تھے۔ ہر قبیلے سے چار سو اور ایک ہزار کے قریب افراد جمع ہوئے۔ مسلمانوں کو قریش اور عرب قبائل کی اجتماعی فوج کی خبر ملی تو ان میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اتنی مجتمع فوج کی نظیر عرب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

غرض یہ کہ یہودیوں اور منافقین نے اس لڑائی میں بدعہدی کی۔ مسلمان اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے نرغہ میں آگئے۔ محاصرہ کی شدت سے مسلمان گھبرا گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے نخلستان سے ایک تہائی پھل دے کر یہود سے صلح کرنی چاہی تاکہ ابوسفیان کی مدد سے کنارہ کش ہوجائیں۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عباد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو ہم تعمیل کیلئے حاضر ہیں۔ بصورت دیگر ہم انہیں ایک خرما تک دینے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ خدا کی قسم ہم ان کو سوائے تلوار کے کچھ نہ دیں گے۔ ان سے جو ہوسکتا ہے کرگزریں۔ دو ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ دست بدست مقابلے کی نوبت نہیں آئی۔ بالآخر قریش کے چند سوار عمرو بن عبدود' عکرمہ بن ابوجہل' ہبیرہ بن ابی

وہب، ضرار بن ازور، نوفل بن عبداللہ مسلمانوں کے مقابلے کیلئے نکلے اور آواز دی۔ اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پانچ سو بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جس سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اللہ عزوجل نے فتح دی ہے۔ نوفل بن عبداللہ خندق میں گھوڑے سے گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ حملہ کا یہ دن نہایت ہی سخت تھا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں۔ حضرت صفیہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی نے خیمہ کی لکڑی سے ایک یہودی کا سر پھاڑ دیا۔ اس اثناء میں حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رئیس بنو غطفانؓ نے جو اسلام لا چکے تھے جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈال دی۔ اس طرح یہودیوں اور اہل مکہ کے درمیان بدظنی پیدا ہو گئی۔ وہ مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکے۔ دو ہفتے محاصرہ جاری رکھنے کے بعد ابوسفیان کے دس ہزار لشکر میں رسد کی قلت پیدا ہو گئی۔ گھوڑوں کیلئے چارہ نہ رہا تو بہت بددل ہو گئے۔ ابوسفیان نے واپسی کا حکم دے دیا۔

غزوہ خندق میں پندرہ دن تک مسلمان اور مشرکوں کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پڑی رہیں۔ کئی بار دست بدست جنگ بھی ہوئی۔ مکی افواج کے دو مشہور سرباز عمرو بن عبدود اور نوفل مخزومی ہلاک ہوئے۔ نوفل مخزومی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خندق میں گر کر اس کی گردن ٹوٹ گئی مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کا گھوڑ خندق میں آ گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خندق میں اترے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ ابوسفیان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیشکش کی کہ نوفل کا مثلہ نہ کریں نہ اس کا سر کاٹیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس کے بدلے میں ایک سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ انعام پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور بغیر کوئی ہدایہ قبول کرنے کے نوفل مخزومی کی لاش قریشیوں کو بھیج دی۔ دوسرا سردار قریش جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں مارا گیا، عمرو بن عبدود تھا۔ جسمانی طاقت کے علاوہ قریش کے نامی سرداروں میں سے تھا۔ اتنا اچھا شمشیر زن تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو مرتبہ زخمی کیا۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان زخموں کی کب پرواہ کرنے والے تھے کہ جنگ چھوڑ دیں۔ وہ برابر لڑتے رہے حتیٰ کہ ایک وار سے عمرو بن

عبدود کا ہاتھ کاٹ دیا۔اس کی تلوار گر پڑی۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پائے مبارک اس کی شمشیر پر رکھ دیا اور اس سے کہا ''اگر تم اسلام لے آؤ تو میں تمہاری جان بخشی کر دوں گا۔بد بخت عمر بن عبدود نے ان کے منہ پر تھوک دیا۔بعض مورخین کہتے ہیں کہ عمرو بن عبدود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے گتھم گتھا ہو گیا۔آپ نے اسے بچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر چڑھ گئے کہ اس کا سر تن سے جدا کریں۔اس بد بخت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے منہ پر تھوک دیا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے منہ صاف کیا اور سر جھکائے چند ساعت کیلئے الگ کھڑے ہو گئے۔عمرو بن عبدود نے کہا ''اے علی! (کرم اللہ وجہہ) آپ مجھے قتل کیوں نہیں کرتے۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اس لئے کہ جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھ پر غصہ کا غلبہ ہو گیا۔اگر میں ایسی حالت میں تجھے قتل کرتا تو غصہ اور انتقام کی خاطر ایسا کرتا۔میں نہیں چاہتا کہ تجھے انتقام میں قتل کروں۔مسلمان خدا کی راہ میں لڑتا ہے اور صرف رضائے الٰہی کیلئے قتل کرتا ہے۔اپنے غیض وغضب کیلئے نہیں۔اے عمرو اگر چہ تو واجب القتل ہے۔پھر بھی میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تیرے قتل سے درگزر کروں گا۔عمرو نے مسلمان ہونے سے پھر انکار کیا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے قریب گئے اور ایک ہی وار سے گردن اڑا دی۔عمرو بن عبدود بڑی قیمتی زرہ پہنے ہوئے تھا جس کے حلقے سونے کے تھے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہ زرہ اس کی بہن کو بھجوا دی تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اسے سونے کے لالچ میں قتل کیا گیا۔

نوفل اور عمرو بن عبدود کے قتل ہو جانے کے بعد شکست خوردہ قریش واپس ہوئے۔صحیح بخاری میں ہے قریش اور غطفان پر ایک سخت ہوا مسلط کی گئی۔جس سے دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے۔رسیاں اور طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں۔گرد وغبار آنکھوں میں بھرنے لگا۔جس سے کفار کا تمام لشکر سراسیمہ ہو گیا۔اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۟

(سورۃ الاحزاب۔9)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کا احسان جو اس نے تم پر کیا جب چڑھ آئے تھے تم پر لشکر تو بھیجی ہم نے ان پر آندھی اور (بھیجے) ایسے لشکر جو تم نہ دیکھ سکتے تھے۔ اور اللہ ان سب اعمال کو جو تم کر رہے تھے دیکھ رہا تھا○

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ط وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ط وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا○

(سورۃ الاحزاب۔25)

اور واپس بھیج دیا اللہ نے کافروں کو غصے میں بھرا ہوا وہ کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکے اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو لڑائی سے اور اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے○

غزوہ خندق یا غزوہ احزاب میں محاصرہ پندرہ دن رہا۔ یہ روایت ابن سعد اور بلاذری کی ہے۔ سعد بن مسیب فرماتے ہیں کہ یہ محاصرہ چوبیس دن رہا اور غزوہ میں مشرکین کے تین نامی پہلوان نوفل بن عبداللہ مخزومی، عمرو بن عبدود اور منبہ بن عبید مارے گئے۔ جس سے مشرکین کی کمر ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں میں سے چھ صحابہ شہید ہوئے۔

1- سعد بن معاذ

2- انس بن اویس

3- عبداللہ بن سہل

4- طفیل بن نعمان

5- ثعلبہ بن غنمۃ

6- کعب بن زید رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حافظ دمیاطی نے دو نام اور اور اضافہ کئے ہیں۔

1- قیس بن زید

2- عبداللہ بن ابی خالد

غزوہ بنی قریظہ سنہ 5ھ

بنو قریظہ کے یہودیوں کی روش جنگ خندق میں مدینہ کے قانون اساسی کے خلاف تھی۔

کیونکہ وہ حملہ آوروں کے حلیف بن گئے تھے۔ حالانکہ میثاق مدینہ کی رو سے ان کا فرض تھا کہ بیرونی حملہ کی صورت میں وہ مسلمانوں سے مل کر مدینہ کا دفاع کریں۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ نے مدینہ کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے وہ مکی لشکر کی واپسی پر اپنے گھروں میں محصور ہو گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کا محاصرہ کرلیا اور کہلا بھیجا کہ اسلام قبول کرو انہوں نے انکار کیا۔ چند دنوں بعد محصور بنو قریظہ کے یہودیوں کے کھانے پینے کی اشیاء کی قلت پیدا ہوگئی۔ کعب بن اسد سردار بنی قریظہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے درخواست کی کہ بچوں عورتوں کو بچانے کیلئے غذا فراہم کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ تم نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی ہے اور مسلمانوں کو مجبور کر دیا ہے کہ تم پر بھروسہ نہ کریں۔ لہٰذا تم اپنے مسلمانوں کے درمیان کسی کو فصیل بنالو۔ اسی دوران حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک ہفتے کیلئے راشن کا انتظام کردیا۔ پچیس دن کے محاصرہ کے بعد کعب بن اسد نے یہودیوں کو جمع کیا اور کہا میں تم تین باتیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں جس کو چاہو اختیار کرو تاکہ اس مصیبت سے نجات مل سکے۔

1- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور ان کے متبع اور پیرو بن جاؤ۔

2- اگر پہلی تجویز منظور نہیں تو عورتوں اور بچوں کو قتل کردو اور مسلمانوں کا ہمت سے مقابلہ کرو

3- تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہفتہ کی شب مسلمان غافل اور بے خبر ہوں گے کیونکہ جانتے ہیں یہ دن یہود کے نزدیک محترم ہے اس لئے وہ حملہ نہیں کرسکتے۔ اسی شب کو مسلمانوں پر حملہ کردیں گے۔

بنو قریظہ نے کعب بن اسد کی بات کو نہ مانا۔

ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے بنی قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے۔ اس بنا پر ان کو امید ہوئی شاید اس آڑے وقت میں وہ ان کے کام آئیں۔ یہودیوں نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر مسلمان بھی ہو جاؤ تب بھی تمہیں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے قتل کا ارادہ کرلیا ہے۔ واپسی پر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ وہ مسجد میں پہنچے اور سزا کے طور پر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا

ور قسم کھائی جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کرے میں اس جگہ سے نہ ہلوں گا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب حقیقت حال کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بولبابہؓ کو اس وقت تک نہ کھولا جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔

(ابن ہشام ج 2 صفحہ 146)

بالآخر بنو قریظہ کے یہودیوں نے سعد بن معاذؓ کو اپنا فیصل بنایا۔ سعد بن معاذ یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے دوست تھے۔ حکم کے انتخاب کے بعد دونوں فریقوں نے دو دو نمائندے چنے۔ حضرت سعد بن معاذ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ یہودیان بنی قریظہ نے مدینہ کے قانون اساسی کی خلاف ورزی کی ہے اس لئے وہ جلاوطنی کے مستحق ہیں۔ فیصلہ سننے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عورتیں، بچے اور نابالغ لڑکیاں لڑکے، بوڑھی عورتیں اور بوڑھے مرد رہا کر دیئے۔ بقیہ لوگوں کو اسلام لانے کی صورت میں معافی کا عام اعلان کر دیا۔ چنانچہ بہت سے یہودی مسلمان ہو گئے۔ صرف وہ یہودی قلعہ میں رہ گئے جو جنگ کرنے کے خواہاں تھے۔ حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق عورتیں اور بچے اسیر بنا کر مسلمانوں میں تقسیم کئے گئے اور لڑنے والے مرد قتل کئے گئے۔ عورتوں میں سے ایک عورت جس کا نام بنانہ تھا اس جرم میں قتل ہوئی کہ اس نے کوٹھے پر سے چکی کا پاٹ گرایا تھا تاکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو جائیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدلے حضرت خلاد بن سویدؓ شہید ہو گئے تھے۔ چار سو قیدیوں کو فروخت کرنے کیلئے نجد اور شام کی طرف بھیجا گیا اور مال و اسباب جو غنیمت میں ملا تھا مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا۔ بنی قریظہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

(سورۃ الاحزاب۔ 27-26)

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا تھا اللہ تعالیٰ انہیں ان کی گڑھیوں سے

اتارلایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ (وہ مغلوب ہو گئے اور) کچھ کو تم نے قتل کر دیا
اور کچھ کو قیدی بنالیا○ تمہیں ان کی زمینوں اور گھروں کا وارث بنا دیا جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا
اور اللہ ہی ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے○

سریہ محمد بن مسلمہ انصاری سوئے قرطاء

10 محرم الحرام سنہ 6 ہجری کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاریؓ کی قیادت میں تیس سواروں کا ایک دستہ قرطاء (یمن) کی جانب روانہ فرمایا تاکہ مشرکین قرطاء پر چھاپہ ماریں۔ اس سریہ میں دس آدمی قتل ہوئے باقی بھاگ گئے۔ مال غنیمت میں تین سو اونٹ اور تین ہزار بھیڑ بکریاں ہاتھ آئیں۔ انیس دن کے بعد یعنی اونتیس محرم الحرام کو یہ لوگ واپس آئے مال غنیمت کا خمس نکال کر باقی فاتحین میں تقسیم فرمایا۔ قرطاء کا سردار ثمامہؓ بن اثال گرفتار ہو کر پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مسجد میں ایک ستون کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا تاکہ مسلمانوں کو نماز پڑھتا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو فرمایا اے ثمامہ میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے؟ ثمامہ نے جواباً عرض کیا میں اپنا معاملہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلق جمیل اور عفو و کرم پر چھوڑتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ثمامہ کو آزاد کر دو اور زبان مبارک سے کہا "اے ثمامہ میں نے تجھ کو معاف کیا اور آزاد کیا" ثمامہ نے مدینہ کے نخلستان میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں آ کر مسلمان ہو گیا۔ ثمامہؓ نے مشرکین کے لیے یمن سے غلہ کی ترسیل بند کر دی یہاں تک کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہؓ کو لکھ بھیجا کہ غلہ کی ترسیل جاری رکھیں۔

(فتح الباری، ج 8، صفحہ 68)

مسیلمہ کذاب کے ظہور پر اہل یمامہ مرتد ہو گئے تو حضرت ثمامہ بن اثال نے لوگوں کے سامنے مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

حٰمٓ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ○ غَافِرِ الذَّنْبِ
وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ○
(سورۃ المومن۔ 3-1)

حا۔میم ○ اللہ کی طرف سے یہ کتاب نازل کی جا رہی ہے جو زبردست اور سب کچھ جاننے والا ہے ○ وہ گناہوں کو معاف کرنے والا' توبہ قبول کرنے والا' سخت سزا دینے والا اور بڑے انعام والا ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے ○

حضرت ثمامہؓ کی تلاوت کام کر گئی اور تین ہزار آدمی مسیلمہ کذاب کا ساتھ چھوڑ گئے۔
(زرقانی' ج2' صفحہ 144)

تنظیم ملت

غزوہ خندق اور بنی قریظہ کی بیخ کنی سے مدینہ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثاروں کو سکون نصیب ہوا۔عرب قبائل پر دہشت طاری ہوگئی۔ قریش اس سوچ میں پڑ گئے کہ کیوں نہ ہم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے رفقاء کے ساتھ صلح و آشتی کی طرح ڈالیں۔ یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ مہاجرین جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں ہمارے ہی عزیز و اقارب ہیں' سردار و اکابر ہیں۔ یہودیوں کے اخراج کے بعد مسلمانوں کو بھی مدینہ میں آرام و راحت کی زندگی نصیب ہوئی۔غرض کچھ عرصہ مسلمانوں کو سکون و یکسوئی اور زندگی کی گوناگوں نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا اور تقویت ایمان اور تعلیمات اسلام پر عمل کی راہیں کھلیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش یہ تھی کہ عرب میں ایک ایسے اجتماعی نظام کی تشکیل فرمائیں' جس کی نظیر تاریخ عرب میں نہ ملتی ہو۔ایسی تنظیم کی ضرورت مسلمانوں میں اس لئے بھی ضروری تھی کہ اسلام کے دائرہ اثر و اقتدار میں وسعت ہو۔اسلام سے قبل عرب معاشرہ منظم نہ تھا۔لوگ رسوم و رواج کے پابند تھے۔خاندان اور اس کے نظامِ ازدواجی زندگی اور اس کے حدود' طلاق اور اس کی قیود اور تعلقات زوجین اور اولاد سے متعلق کچھ رسوم ضرور تھیں' جن پر وہ اپنی مرضی کے مطابق کاربند تھے۔تاہم یہ ضروری سمجھا گیا کہ نوزائیدہ ملت اسلامیہ کیلئے ایک ضابطہ حیات مرتب کیا جائے اور مختصر مدت میں تمدن اسلام کی اساس اس انداز سے استوار کی جائے کہ بعد میں ایران' روم اور مصر کے تمدن پر اس کا رنگ غالب رہے اور وقت کے ساتھ اس تمدن کو معراج کمال نصیب ہو حتیٰ کہ ایک دن یہ آیت شریفہ اس کی شان میں نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ

لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

(سورۃ المائدہ۔3)

آج مکمل کر دیا ہے میں نے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین۔

مرد و زن کے تعلقات

اسلام سے قبل عرب کی بدوی زندگی کا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ رہا ہو تاہم بلاد عرب تمدن کی ابتدائی منازل طے کر رہے تھے' دراصل حقیقت یہ ہے اور جس کی شہادت قرآن کریم سے ہی نہیں بلکہ آثار قدیمہ سے بھی ملتی ہے کہ اسلام سے قبل عرب میں مرد اور عورت کے ازدواجی تعلقات حیوانیت کی سطح سے بلند نہ تھے۔ مختلف قبائل کی ازدواجی زندگی میں اگر کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ ان میں سے بعض کے طور طریقے وحشی افراد سے ملتے جلتے تھے۔ یہی وجہ تھی ایام جاہلیت کی عورت بناؤ سنگھار کی بے حد خوگر تھی۔ غیر مردوں سے اختلاط معیوب نہ تھا۔ کھلے بندوں بے شرمی اور بے حیائی کی باتیں ہوتیں۔ انتہا یہ ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ اُحد کے میدان کارزار میں قریش کو ان اشعار میں ترغیب دے رہی تھی۔ (ترجمہ)

''اگر تم ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرو گے تو ہم تمہیں اپنی آغوش میں جگہ دیں گی اور تمہارے لئے نرم گرم مخمل کے فرش بچھائیں گی۔ اگر تم نے دشمن کو پیٹھ دکھائی تو ہم تم سے ہمیشہ کیلئے جدائی اختیار کر لیں گی۔''

اصلاح معاشرہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ حقیقت واضح تھی کہ اجتماعی نظام کی تشکیل مرد و زن کے تعاون کے بغیر عمل میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ مرد اور عورت زندگی کے ہر شعبہ میں ایک دوسرے کی اعانت کریں۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے حقوق سے بہرہ ور ہوں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ سب خرابیوں کا فوری انسداد نہیں ہو سکتا تھا۔ بلاشبہ وہ عرب جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے' ان کے ایمان کی بنیادیں استوار ہو چکی تھیں۔ اس کے باوجود اصلاح معاشرہ

کی رفتار بہت کم تھی۔ تمام اجتماعی اصلاحات جو مسلمانوں کے سود و بہبود کیلئے نافذ کی گئیں ان کی صورت اور ان کا انداز بھی یہی تھا۔ نماز' روزہ' زکوۃ' حج ایسے واجبات و فرائض اور اسی طرح نواہی محرمات سے متعلق احکام بھی تدریجی تھے۔ مرد و زن کے تعلقات کی اصلاح رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات سے کی۔ غزوہ خندق سے پیشتر ازواج مطہرات پردہ کی پابند نہ تھیں۔ غزوہ خیبر سے ایک سال بعد آپ نے مسلمانوں کو بشرط عدل وانصار چاف بیویوں تک سے عقد کی اجازت دے دی۔ آپ نے ابتدا ہی میں ازواجی زندگی کے تعلقات کی حدود متعین کر دیں اور مرد و زن کے مساوی حقوق کی نگہداشت کیلئے زمین ہموار کی کہ بعد میں قرآنی تصریحات کی رو سے یہی روش اسلام کا جزو بن گئی۔ آپ نے مردوں کی سرپرستی میں عورتوں کو بھی اپنے بنیادی حقوق سے بہرہ ور ہونے کا موقع دیا۔

خودنمائی کی مذمت

ابتدا میں مرد و زن کے تعلقات پر حیوانیت سوار تھی۔ مسلمان بھی دیگر عربوںؓ کی طرح اسی روگ میں مبتلا تھے۔ عورتوں میں بناؤ سنگھار کی لت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ مرد عام گزرگاہوں پر کھلے بندوں عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ یہودی اور منافق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب النبی کی دشمنی میں اتنے گر گئے تھے کہ مسلمانوں عورتوں سے چلتے پھرتے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے اور کبھی اس حد سے گزر کر اذیت بھی دیتے تھے۔ ان بدطینت انسانوں سے مسلمانوں کیلئے ایسی دشواریاں اور مشکلات پیدا ہو گئیں کہ ان پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ محاصرہ بنی قینقاع اسی قسم کے حوادث کا نتیجہ تھا۔ ان حالات کے پیش نظر اسلام نے مرد و زن کے تعلقات کی اصلاح اصول مساوات کی روشنی میں کی اور مسلمانوں کو یہ محسوس بھی نہ ہونے دیا کہ ان کی زندگی کے طور طریق اور معاشرہ کی پرانی قدریں تبدیل کی جا رہی ہیں۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ
احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ
وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ
اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

رَّحِیمًا ○ لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ لَنُغْرِیَنَّکَ بِہِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَکَ
فِیْہَآ اِلَّا قَلِیْلًا ○ مَّلْعُوْنِیْنَ ج اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ○
سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ
اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ○

(سورۃ الاحزاب۔62-58)

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو (ایسے کاموں کے الزام لگا کر) اذیت دیتے ہیں (جو انہوں نے نہیں کیے) انہوں نے بلاشبہ اپنے اوپر بہت بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھایا ○ اے نبیؐ! اپنی بیویوں' اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے منہ پر چادر کا پلو ڈال لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے ○ اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلاتے ہیں (اپنی شرانگیزیوں سے) باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان کے خلاف (کارروائی کیلئے) کھڑا کریں گے۔ پھر وہ تمہارے ساتھ مدینہ میں بہت تھوڑے دنوں تک رہ سکیں گے ○ ان پر (ہر طرف سے) لعنت بھیجی جائے گی۔ جہاں کہیں وہ پائے جائیں گے' پکڑے جائیں گے اور بری طرح قتل کر دیے جائیں گے ○ ایسے لوگوں کے معاملے میں اللہ کی سنت یہی ہے۔ پہلے کی طرح اب بھی تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے ○

یہ منافق تھے' پیٹھ پیچھے بدگوئی کرتے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ان کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی' حالانکہ وہ صاحب ناموس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیک بخت زوجہ تھیں۔ لہٰذا بدبخت لوگوں کو ان سے الجھنا نہیں چاہیے تھا۔ اس لئے حکم ہوا پردے کا اور گھونگھٹ نکالنے کا' یہ حکم بہتری کا تھا۔ جو لوگ بدنیت تھے اور مدینہ میں عورتوں کو ٹوکتے' چھیڑتے تھے' ان کے خلاف جھوٹی خبریں اڑاتے تھے' مسلمانوں کے خلاف بے ہودہ باتیں کرتے تھے' اس لئے فرمایا کہ مفسدوں کو اپنے میں سے باہر کر دو۔ بالفاظ دیگر ان کو جلاوطن کر دو کیونکہ توراۃ میں بھی مفسدوں کیلئے یہی حکم ہے۔ غرض مسلمانوں نے عرب کی قدیم رسومات و عادات کو پامال کر دیا۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ مسلمان معاشرہ کو تمام آلودگیوں سے پاک وصاف کیا جائے۔ مسلمانوں کی توجہ اس چیز پر مرکوز کردی کہ عورتوں کو ان لوگوں کے سامنے بناؤ سنگھار نہ کرنا چاہیے جن سے ان کی کوئی قرابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ ابنائهن او ابنابعو لتهن اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(سورۃالنور۔ 31-30)

کہو مومن مردوں سے کہ نیچی رکھیں اپنی نظریں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی' یہ طریقہ زیادہ پاکیزہ ہے ان کیلئے بے شک اللہ پوری طرح باخبر ہے ان باتوں سے جو وہ کرتے ہیں ۝ اور کہو مومن عورتوں سے کہ نیچی رکھیں اپنی نظریں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی اور نہ ظاہر کریں اپنا بناؤ سنگار مگر جو خود ظاہر ہو جائے اور مارے رکھیں بکل اپنی اوڑھنیوں کی اپنے سینوں پر اور نہ ظاہر کریں اپنا بناؤ سنگار مگر سامنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا شوہروں کے باپوں کے یا بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا (ان کے سامنے) جو ان کی ملکیت میں ہوں یا ان خادموں کے

(سامنے) جنہیں خواہش نہ ہو (عورتوں کی) خواہ مرد ہی کیوں نہ ہوں یا ان بچوں کے (سامنے) جو ابھی واقف نہ ہوئے ہوں عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے۔ اور نہ مار کر چلیں (زمین پر) اپنے پاؤں اس طرح کہ ظاہر ہو وہ زینت جو انہوں چھپا رکھی ہے۔ اور توبہ کرو اللہ کے حضور سب مل کر اے مومنو! تاکہ تم فلاح پا جاؤ○

یعنی مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ حفاظت کریں اپنے ستر کی' نہ کسی کا ستر دیکھیں نہ اپنا دکھائیں۔ کفر کی رسموں کے دوران اس بات کی قید نہ تھی۔ عورت کو کہا گیا کہ منہ تھوڑا سا' ہاتھ کی انگلیاں اور پاؤں کا پنجہ کھولنا درست ہے۔ گہنا ڈھانپنا ضروری ہے' غیروں سے مگر اپنے محرموں سے نہیں۔ اپنی عورتیں جو نیک چال چلن کی ہوں' ان کو بدراہ عورتوں سے کنارہ کش رہنا چاہیے۔ پاؤں کو دھمکانا کہ گھونگرو کی چھنکار سنائی دے باریک کپڑا جس سے بدن نظر آئے قطعاً ناجائز ہے۔

اسلام نے مرد و زن کے باہمی تعاون و تعلقات کو اس انداز میں استوار کیا کہ فریقین شر و فساد سے دور رہیں۔ ایسی تعلیم ان عربوں کیلئے جو صدیوں سے رسوم و رواج کے پابند تھے کوئی انقلاب نہیں لا سکتی تھی۔ اصل انقلاب بھی طبعی تقاضے کے تابع ہوتا ہے کیونکہ اس پر طبعی قانون کی گرفت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب انسان کی زندگی میں بھی انقلاب رونما ہوتا ہے تو اس کا ظہور بھی فوری نہیں ہوتا بلکہ بتدریج ہوتا ہے اس لئے رسوم و رواج کی اصلاح ممکن نہیں البتہ جب ان رسوم و رواج کی گرفت ڈھیلی پڑنی شروع ہو جاتی ہے تو اس سے اکثر تغیر رونما ہوتا ہے۔ جب انسان کی زندگی تغیرات کی نذر ہو جاتی ہے تو آہستہ آہستہ تبدیلی کے امکانات کا دروازہ خود بخود کھل جاتا ہے۔ اسلام نے بھی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی اصلاح کیلئے اسی طریقہ پر عمل کیا۔ شروع شروع میں ایمانیات اور عقائد کی بنیاد مضبوط کی گئی۔ اس کے باوجود بہت سی قدیم روایات زندگی میں شامل رہیں۔ چنانچہ بدوی زندگی کے اثرات مسلمانوں میں بھی نمایاں تھے لیکن آہستہ آہستہ یہ اثرات زائل ہوتے گئے اور اسلام نے خالص اپنے معاشرے کی بنیادیں استوار کیں۔

ادب رسول

تاہم بعض امور میں مسلمانوں کی حالت پہلے جیسے تھی۔ کبھی کوئی مسلمان کاشانہ نبوت میں آتا تو گھنٹوں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ازواج مطہرات سے مصروف گفتگو رہتا'

حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طویل گفتگو کے متحمل نہ تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہم امور پر یکسوئی سے غور وخوض کا موقع نہ ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی بے ضابطگیاں ختم کرنے کیلئے ارشاد فرمایا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝

(سورۃ الاحزاب۔53)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت جایا کرو نبی کے گھروں میں الا یہ کہ بلایا جائے تمہیں کھانے پر نہ تاکتے رہا کرو کھانے کا وقت ہاں جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور نہ بیٹھے رہا کرو باتیں کرنے کیلئے۔ یقیناً تمہاری یہ حرکتیں تکلیف دیتی ہیں نبیؐ کو مگر وہ لحاظ کرتے ہیں تمہارا (اور کچھ نہیں کہتے) لیکن اللہ نہیں شرماتا حق بات کہنے سے اور اگر مانگنا ہو تمہیں نبیؐ کی بیویوں سے کوئی سامان تو مانگوا ان سے پردے کے پیچھے۔ یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کیلئے زیادہ مناسب ہے اور نہیں ہے جائز تمہارے لئے کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی۔ بے شک ایسا کرنا ہے اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ۝

اس آیت میں مومنین سے خطاب کیا گیا ہے اور ان کے فرائض سے آگاہی بخشی گئی ہے' جو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات سے متعلق ان پر عائد ہوتے ہیں۔ ذیل کی آیت میں زواج مطہرات کو مخاطب کیا گیا ہے تا کہ وہ اپنی بلند حیثیت

سے آگاہ رہیں۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝

(سورۃ الاحزاب۔33-32)

اے نبی کی بیویو! نہیں ہوتم مانند عام عورتوں کے (لہٰذا) اگرتم اللہ سے ڈرنے والی ہوتو نہ بات کیا کرو دبی زبان سے اس طرح کہ لالچ میں پڑ جائے کوئی ایسا شخص جس کے دل میں خرابی ہو بلکہ بات کیا کرو صاف اور سیدھے طریقے سے ۝ اور ٹک کر رہو اپنے گھروں میں اور نہ دکھاتی پھرو (اپنی سج دھج) سابق دورِ جاہلیت کی طرح اور قائم کرتی رہو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی' اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ دور کردے تم سے گندگی' اے نبیؐ کے گھر والو اور پاک کردے تمہیں پوری طرح ۝

یہ گویا ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو ایسے جیسے ماں کہے بیٹے کو پہلے کفر میں عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں اور اب پردہ کا حکم ہوا۔ یہ خطاب اور حکم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے پہلے پھر باقی مسلمان مستورات کیلئے نافذ ہوا۔

غزوہ بنی لیحان

(ربیع الاوّل سنہ 6 ہجری)

یکم ربیع الاوّل سنہ 6 ہجری کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاصم بن ثابتؓ، خبیب بن عدیؓ اور دیگر شہداء رجیع کا بدلہ لینے کیلئے دوسو سواروں کو ہمراہ لیکر بنو لیحان کی طرف روانہ ہوئے۔ خبر پاتے ہی وہ لوگ پہاڑوں میں جا چھپے۔ ایک دو روز یہاں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دس سوار دے کر اطراف و جوانب کی خبر گیری کیلئے روانہ فرمایا۔ چنانچہ بلا جدال و قتال واپس

مراجعت فرمائی۔

(طبقات ابن سعد ج 2 صفحہ 147)

غزوہ ذی قرد

یہ غزوہ ربیع الاوّل سنہ 6 ہجری میں ہوا۔ بعض کہتے ہیں سنہ 7 ہجری میں غزوہ خیبر سے تین روز پہلے مگر متفقہ رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ سنہ 6 ہجری میں حدیبیہ سے پہلے ہوا۔ ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے۔ جو بلاد غطفان کے قریب ہے۔ یہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی۔ عیینہ بن حصن فزاری نے اس پر چھاپہ مارا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیوں کو پکڑ کر لے گیا۔ ابوذر غفاریؓ کے بیٹے کو جوان کا محافظ تھا قتل کر ڈالا اور اس کی ماں (ابوذر غفاریؓ کی بیوی) کو پکڑ کر لے گئے۔ سلمہ بن اکوع نے تعاقب کیا جو بڑے تیر انداز تھے اور ایک چشمہ پر جا پکڑا۔ یہاں تک کہ تمام اونٹنیاں چھڑا لیں اور تیس یمنی چادروں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ سو مجاہدین کو ساتھ لے کر تیزی سے مسافت طے کر کے عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھیوں کو جا لیا۔ مشرکین کے دو آدمی مارے گئے۔ سعد بن حکم کو حضرت ابوقتادہؓ اور ابان بن عمر کو حضرت عکاشہؓ نے قتل کیا۔ مسلمانوں میں سے محرز بن نضلہؓ عبدالرحمٰن بن عینہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اور ایک رات وہاں مقیم رہے۔ صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی اور مدینہ واپس تشریف لائے۔

(زرقانی ج 2 صفحہ 153)

عکاشہ بن محصن

سریہ عکاشہ بن محصن سوئے غمر۔ سریہ محمد بن مسلمہ سوئے ذی القصہ۔ سریہ ابوعبیدہ بن الجراح سوئے القصہ (سریہ ذی القصہ ثانی) سریہ جموم، سریہ عیص، سریہ طرف، سریہ حسمیٰ، سریہ وادی القریٰ ربیع الاول تا رجب المرجب سنہ 6 ہجری میں وقوع پذیر ہوئے۔ سریہ دومۃ الجندل ماہ شعبان 6 ہجری میں پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

سریہ دومۃ الجندل

(شعبان سنہ ۶ ہجری)

حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت عبدالرحمٰن بن مسعود' معاذ بن جبل' حذیفہ بن الیمان اور ابو سعید خدری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ ایک انصاری نوجوان حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سب سے بہتر کون سا مسلمان ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں۔ اس نے پھر سوال کیا' کون مسلمان سب سے زیادہ ہوشیار اور سمجھدار ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا اور کہنے والا ہو اور موت آنے سے پہلے ہی سب سے زیادہ موت کی تیاری کرنے والا ہو۔ ایسے ہی لوگ سمجھدار اور ہوشیار ہیں۔ انصاری نوجوان خاموش ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا' پانچ خصلتیں زیادہ خطرناک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے شر سے پناہ دے اور دیکھنے سے محفوظ رکھے۔

1- جس قوم میں بے حیائی کھلم کھلا پھیل جائے' اس قوم میں بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو پہلے کبھی ظاہر نہ ہوئی ہوں۔

2- جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے وہ قحط سالی اور مشقتوں میں مبتلا ہوتی ہے اور ان پر ظالم حکمران مسلط کر دیا جاتا ہے۔

3- جو قوم اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں نکالتی' ان سے بارش روک لی جاتی ہے اور اگر جانور نہ ہوتے تو بالکل بارش سے محروم کر دیئے جاتے۔

4- جو قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ اجنبی دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ غیر قوم ان سے سب کچھ لے لیتی ہے۔

5- جب پیشوا اور احکام کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرنے لگیں اور متکبر و سرکش ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ آپس میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔

اس کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلا کر اپنے دست مبارک سے ایک سیاہ عمامہ باندھا اور فرمایا اسی طرح عمامہ باندھا کرو۔ حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ

جھنڈا عبدالرحمٰن بن عوف کو دیں اور عبدالرحمٰنؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے جاؤ۔ جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان سے قتال کرو۔ خیانت اور غدر نہ کرنا' کسی کا مثلہ نہ کرنا' کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا' یہ اللہ کا عہد اور اس کے نبی کی سنت ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو سات سو آدمیوں کے ساتھ دومتہ الجندل کی طرف جانے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا اگر وہ تمہاری دعوت قبول کرلیں اور اسلام لے آئیں تو تم وہاں کے رئیس کی بیٹی سے نکاح کر لینا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ وہاں پہنچے اور تین دن تک لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ تیسرے دن وہاں کے رئیس اصبغ بن عمر نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ عبدالرحمٰنؓ نے رئیس کی بیٹی تماضہ بنت اصبغؓ سے نکاح کیا۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(زرقانی' جلد 2' صفحہ 62)

سریہ فدک شعبان سنہ 6 ہجری میں پیش آیا۔ بنی سعد بن بکر نے خیبر کے یہودیوں کی امداد کیلئے فدک کے قریب لشکر جمع کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک سو جانبازوں کے ہمراہ فدک کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بنی سعد کا ایک جاسوس ملا۔ جان کی امان پا کر اس نے بنی سعد کی تیاریوں کا ٹھیک پتہ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حملہ کیا۔ بنوسعد بھاگ گئے۔ مسلمان پانچ صد اونٹ اور ہزار بکریاں مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ رمضان سنہ 6 ہجری میں سریہ ام قرفہ پیش آیا۔ فاطمہ بنت ربیعہ بنی فزارہ کی سردار تھی اور ام قرفہ کی کنیت سے مشہور تھی۔ زید بن حارثہؓ مال تجارت لے کر شام جاتے ہوئے بنی فزارہ کی سرزمین سے گزرے۔ بنی قرفہ نے ان کو حملہ کر کے زخمی کر دیا اور تمام مال تجارت چھین لیا۔ زیدؓ کی واپسی پر اہل فزارہ کی سرکوبی کیلئے ایک لشکر بھیجا جو کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ شوال سنہ 6 ہجری میں سریہ عبداللہ بن رواحہؓ' یہود کی سرکوبی کیلئے وقوع پذیر ہوا۔ اس سریہ کی تفصیل یہ ہے کہ ابورافع یہودی کے قتل ہو جانے کے بعد یہود نے اسیر بن رزام کو اپنا سردار بنا لیا۔ اس نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان تیاریوں کا علم ہوا تو عبدالرحمٰن بن رواحہؓ کو تین آدمیوں کے ساتھ تحقیق کے حال کیلئے روانہ فرمایا۔ حقیقت حال معلوم ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیس آدمیوں کو عبداللہ بن انیس کے

ساتھ روانہ فرمایا کہ اسیر بن رزم کو بلا لائیں تاکہ ان سے گفتگو کریں۔ اسیر بن رزم نے مسلمانوں سے بدعہدی کی تو راستے ہی میں جنگ چھڑ گئی۔ عبداللہ بن انیسؓ اور ان کے ہمراہیوں نے تمام یہودی قتل کر دیئے۔ صرف ایک یہودی بچا جو بھاگ گیا۔ عبداللہ بن انیسؓ زخمی ہوئے۔ واپسی پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زخم پر لعب دہن لگایا۔ زخم اچھا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن انیسؓ کیلئے دعا فرمائی۔

شوال سنہ 6 ہجری میں ہی سریہ کرز بن جابر بجانب عرنین پیش آیا۔ قبیلہ عکل اور عرینہ کے چند لوگ مدینہ آئے اور اسلام لائے۔ چند روز بعد انہوں نے شہر مدینہ سے باہر رہنے کی اجازت مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخواست منظور فرمائی۔ انہیں شرارت سوجھی اور مرتد ہو گئے۔ انہوں نے چرواہوں کو قتل کیا اور صدقے کے اونٹ بھگا لے گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرز بن جابر فہری کو بیس آدمیوں کے ہمراہ ان کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ سب بھگوڑے گرفتار ہوئے۔ ان سے قصاص اور بدلہ لینے کا حکم ہوا۔ جس طرح انہوں نے چرواہوں کو قتل کیا تھا اسی طرح وہ بھی قتل کیے گئے۔

بعثت عمرو بن امیہ ضمری

ایک دن ابوسفیان نے بھرے مجمع میں کہا کون ہے جو جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر آئے ان کے ہاں کوئی پہرہ نہیں ہوتا۔ ایک اعرابی نے کہا کہ میں اس کام میں بڑا ماہر ہوں۔ ابوسفیان نے اس کو ایک اونٹنی دی اور امداد کا وعدہ کیا۔ وہ اعرابی مدینہ روانہ ہوا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد عبدالاشہل میں تشریف فرما تھے۔ جب اعرابی مدینہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی کو آتے دیکھ کر فرمایا' یہ شخص کسی فاسد نیت سے آ رہا ہے۔ اسید بن حضیرؓ اٹھے اور اس شخص کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اعرابی کا خنجر گھبراہٹ میں ہاتھ سے گر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سچ بتا کس نیت سے آیا ہے۔ جان کی امان پا کر اعرابی نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔ وہ اعرابی مسلمان ہو گیا اور کہا "اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی سے ڈرنے والا نہ تھا مگر آپ کو دیکھتے ہی عقل جاتی رہی اور دل کمزور پڑ گیا۔ مزید برآں یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ارادہ سے مطلع ہو گئے' جس کا

کسی کو علم نہ تھا۔ پس میں نے پہچان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامون ومحفوظ ہیں اور یقیناً حق پر ہیں اور ابوسفیان کا گروہ شیطان کا گروہ ہے۔" وہ اعرابی چند روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا' پھر اجازت لے کر رخصت ہوا' پھر اس کا کوئی حال معلوم نہ ہو سکا۔ کچھ عرصہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمریؓ اور سلمہ بن اسلم انصاریؓ کو مکہ روانہ فرمایا کہ ابوسفیان کو قتل کر دیں۔ ان دونوں نے ارادہ کیا کہ بیت اللہ کا طواف کریں۔ حرم میں داخل ہوتے ہی ابوسفیان نے ان کو دیکھ لیا اور چلایا کہ عمرو بن امیہ ضرور کسی شر کیلئے آیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اسے عمرو بن امیہ شیطان کہا جاتا تھا۔ اہل مکہ نے اسے کچھ پیسہ دیا' عمرو نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ابوسفیان کا قتل تو اب ممکن نہیں' بہتر ہے ہم جان بچا کر نکل چلیں۔ واپسی پر راستے میں عبداللہ بن مالک کو قتل کیا۔

صلح حدیبیہ

ہجرت کے بعد چھ سال اس طرح گزرے کہ کبھی قریش سے تصادم ہوتا تھا تو کبھی یہودیوں سے جنگ وجدل تک نوبت پہنچتی' کیونکہ یہود مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں اور فریب کاریوں کے جال بچھاتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت بھی ترقی کرتی گئی۔ کعبۃ اللہ عرب کی مشہور عبادت گاہ تھا۔ جن مہینوں میں اس کی حرمت مسلّم تھی لوگ خانہ خدا کی زیارت کیلئے کشاں کشاں آتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جو اس گھر میں داخل ہو جاتا ہے۔ دشمن کی ایذا رسانی سے مامون ہو جاتا ہے اگر حرم کے حدود میں کسی کا بدترین دشمن سے آمنا سامنا ہو جاتا تو اسے یہ جرأت نہ ہوتی کہ تلوار نیام سے باہر نکالے' اپنی روایت کے مطابق قریش نے ٹھان لی کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے دیں گے نہ انہیں دیگر قبائل کی طرح زیارت کی سہولت دیں گے اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ ۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ

اَهۡلِهٖ مِنۡهُ اَكۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ

(سورۃ البقرہ۔ 217)

پوچھتے ہیں تم سے حرمت والے مہینے کے بارے میں کہ جنگ کرنا اس میں (کیسا ہے؟) کہو جنگ کرنا اس میں بڑا گناہ ہے لیکن روکنا اللہ کی راہ سے اور نہ ماننا اللہ کو اور (روکنا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اہل حرم کو وہاں سے اس سے بھی بڑا گناہ ہے اللہ کے نزدیک۔

اس قسم کی بہت سی آیات ہجرت کے بعد نازل ہوتی رہیں' ان کا مضمون یہ تھا کہ کعبہ مرجع عوام اور امن وسلامتی کا گہوارہ ہے' لیکن قریش کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمان بتان واصنام کعبہ سے منحرف ہو گئے ہیں اس لئے جب تک وہ دوبارہ اپنا آبائی دین قبول نہ کریں' ہم پر ان سے جنگ بھی واجب ہے اور یہ کہ انہیں زیارت کا موقع بھی نہ دیں۔

وطن کی کشش

ہجرت کا ابتدائی زمانہ مسلمانوں پر اس لئے اور بھی گراں گزرا کہ انہیں قریش کی چیرہ دستیوں کے باعث اس دینی فریضے کی ادائیگی کا موقع میسر نہ آیا۔ اس کے علاوہ مہاجرین کو یہ دکھ بھی تھا کہ ہم بے سروسامانی کی حالت میں ترک وطن پر مجبور کیے گئے اور عزیز واقارب سے بھی جدا ہونا پڑا تاہم ان کو اور انصار کو یقین کامل تھا کہ کبھی نہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کی ضرور مدد کرے گا اور مکہ معظمہ کے دروازے ان پر کھل جائیں گے اور انہیں بیت اللہ کی زیارت اور اس کے طواف کی سعادت نصیب ہوگی۔ اس دن کا انہیں بے صبری سے انتظار تھا اور وہ ذوق و شوق کے عالم میں گھڑیاں گن رہے تھے۔ یہ جذبہ شوق رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر میں بھی موجزن تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو یقین دلاتے رہتے تھے کہ وہ دن دور نہیں جب فتح ونصرت کا پرچم لہرائے گا۔ یہ امر واقع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو زیارت کعبہ اور حج وعمرہ کی ادائیگی سے باز رکھنا قریش کی زیادتی تھی کیونکہ بیت اللہ صرف قریش کا نہ تھا بلکہ تمام عرب کا مشترکہ مقام عبادت واحترام تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کعبہ میں عرب قبائل کے جدا جدا بت تھے۔ لہٰذا قریش کو یہ حق نہ تھا کہ وہ کسی عرب' کسی قبیلہ کو کعبہ کی زیارت' طواف یا اپنے معبود کی

عبادت سے روک سکے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدائے واحد کی عبادت کے داعی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظریہ کے مطابق واحدانیت عرفان کا ذریعہ اور حج بیت اللہ و عمرہ اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ اس لئے ایک سچے دین کے پرستاروں کو اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے سے روکنا نہایت نازیبا روش تھی۔ قریش کو یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ اگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء زیارت کعبہ کیلئے آئے تو مکہ کے اکثر و بیشتر لوگ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں شامل ہو جائیں گے اور ان پر ان مظالم کی حقیقت کھل جائے گی جو ان پر جلاوطنی اور عزیز و اقارب سے دوری کی شکل میں توڑے گئے تھے۔ اس کا نتیجہ خانہ جنگی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ چھ سال سے مسلمان کعبہ کی زیارت اور حج و عمرہ کی ادائیگی کیلئے بیتاب تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن علی الصباح اپنے اصحاب کو نوید جانفزا سنائی کہ ہم عنقریب انشاء اللہ سروں کے بال منڈوا کر امن و سلامتی سے بلاخوف وخطر حدودِ حرم میں داخل ہوں گے۔ مسلمانوں نے یہ بشارت سنی، سجدہ شکر ادا کیا اور یہ سوچنے لگے کہ مسجد حرام میں ان کا داخلہ کس طرح ممکن ہوگا۔ کیا انہیں اس مقصد کیلئے ہتھیار اٹھانا پڑیں گے؟ کیا وہ قریش کو مکہ سے نکالنے میں کامیاب ہوں گے؟ کیا قریش رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت قبول کریں گے اور بیت اللہ کے دروازے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھول دیں گے۔

حج بیت اللہ کیلئے اعلان عام

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان عام فرمایا کہ مسلمان ذی القعد میں سفر حج کیلئے تیار ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل عرب کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں امن و سلامتی کی نیت سے عازم سفر ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواہش فرمائی کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان شریک سفر ہوں تاکہ قبائل پر یہ حقیقت واضح ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے ارادہ سے نہیں بلکہ فریضہ حج کی نیت سے عازم مکہ ہوئے ہیں۔ اگر اس صورت میں قریش ماہ حرام میں جنگ پر آمادہ ہوئے اور فرض کی ادائیگی میں رخنہ انداز ہوئے تو مستقبل میں ہمراہ جانے والے قبائل کا تعاون انہیں حاصل نہ ہوگا۔ اس سے مسلمانوں کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ عرب قبائل دوبارہ مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم نہ کر سکیں

گے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کی اہمیت بڑھ جائے گی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہو کر مدینہ سے عازم مکہ ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک ہزار چار سو افراد تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا تھا اور قربانی کے ستر اونٹ ساتھ لئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے تو ہمراہیوں نے تلبیہ شروع کی اور قربانی کے اونٹوں کے دائیں پہلو پر قربانی کے نشان لگا دیئے۔ان اونٹوں میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی شامل تھا جو وہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔کسی کے پاس سوائے تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔

قریش کا ردِعمل

قریش کو اطلاع مل چکی تھی۔وہ خوف زدہ ہوئے۔انہوں نے خیال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ہمیں مدینہ میں داخل نہ ہونے دیا' لیکن خود کو مکے میں داخلے کی ترکیب نکال لی۔قریش کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا' مسلمانوں نے عمرہ کیلئے احرام باندھا ہے اور عرب میں اعلان عام کیا ہے کہ ان کا سفر مکہ دینی فریضہ کی بجا آوری کیلئے ہے۔اس کے باوجود یہ امر قریش کو مسلمانوں کی مزاحمت سے باز نہ رکھ سکا۔انہوں نے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کو دوسو سواروں کی سربراہی میں مسلمانوں کی مزاحمت کیلئے بھیج دیا۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہمرائیوں کے ساتھ عسفان' جو مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر ہے' پہنچ گئے۔یہاں بنی کعب کے ایک شخص نے اطلاع دی کہ قریش مزاحمت کی نیت سے لاؤلشکر لے کر مقام ذی طویٰ میں خیمہ زن ہو چکے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قریش کی روش افسوس کے قابل ہے۔جنگ نے ان کی اجتماعیت کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔اگر وہ ایسا کرتے کہ مجھے عرب قبائل کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے تو اس میں ان کا کیا نقصان تھا۔اگر عرب قبائل مجھ پر غلبہ پا لیتے تو قریش کے دل کی آرزو پوری ہو جاتی اور اگر خدا مجھے ان پر غلبہ عطا کرتا تو پھر وہ دین اسلام کے حلقے میں جوق در جوق داخل ہو جاتے۔اگر وہ یہ بات نہ کرتے تو جنگ کر سکتے تھے' کیونکہ ان کے پاس قوت ہے لیکن نہ معلوم قریش نے کیا ٹھان رکھی ہے؟ بخدا میں اس مقصد کی خاطر جس کیلئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔جدوجہد میں کوتاہی نہ کروں گا

تاآنکہ مجھے خاتمہ حاصل ہو یا میں ہی نہ رہوں۔"

(سیرت الرسول ڈاکٹر محمد حسین ہیکل صفحہ 455)

رسول رحمتؐ کا ارادہ عمرہ

(الحدیبیہ۔ یکم ذی القعدہ 6 ہجری)

حدیبیہ ایک کوئیں کا نام ہے، جس کے متصل اسی نام کا ایک گاؤں بھی آباد ہے۔ یہ گاؤں مکہ معظمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کا اکثر حصہ مورخ طبری کے مطابق حرم میں ہے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ مدینہ کا اقتصادی محاصرہ توڑنے کیلئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ پر حملہ کرنا چاہیے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ایک اور ہی حل سوچ رکھا تھا، جدھر مسلمانوں کا خیال تک نہ گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کرلیا تھا کہ تمام مسلمانوں کو لے کر حج عمرہ کیلئے مکہ تشریف لے جائیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے کچھ اصحاب مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے بعض اصحاب نے سر منڈایا اور بعض نے کترایا۔ یہ خواب سنتے ہی دلوں میں بیت اللہ کی محبت اور خفتہ شوق کی چنگاری ایک دم بھڑک اٹھی اور زیارت بیت اللہ نے سب کو بے چین و بیتاب کر دیا۔ حالانکہ مکہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنا چاہا تھا، آپ کے ساتھ بدسلوکی کی تھی اور بار بار لشکر کشی کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پختہ ارادہ کرلیا کہ مسلمانوں کے ساتھ بغرض عمرہ مکہ تشریف لے جائیں۔ یکم ذی القعدہ سنہ 6 ہجری کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا۔ تقریباً پندرہ سو مہاجر و انصار صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ مکہ معظمہ جزیرۃ العرب کے تمام باشندوں کیلئے محترم و مقدس تھا۔ اس کے علاوہ مہاجرین کا وطن تھا۔ مہاجروں نے اس شہر میں آنکھ کھولی تھی۔ ان کی تمنا تھی کہ وطن واپس آجائیں اور وہیں اپنے عزیز و اقارب کے درمیان زندگی کو الوداع کہیں۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مہاجرین رقص کناں عازم مکہ ہوئے۔ مکہ بین الملکی شہر تھا۔ یہاں ہر مذہب کے لوگ طواف کر سکتے تھے۔ باشندگانِ مکہ کے نیز اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مذہب تھا، لہٰذا مکہ کے لوگ مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی

زیارت سے روک نہیں سکتے تھے۔

قافلہ مدینہ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سربراہی میں ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا اور نسر بن سفیانؓ کو قریش کی خبر معلوم کرنے کیلئے آگے روانہ کیا۔ چونکہ جنگ کا کوئی ارادہ نہ تھا' اس لئے کسی قسم کا سامان حرب ساتھ نہیں لیا' صرف وہی ہتھیار رکھے جو ایک مسافر کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ آپ جب غدیر اشطاط کے مقام پر پہنچے تو آپ کو نسر بن سفیانؓ نے جو پیش بینی کیلئے گئے تھے یہاں اطلاع دی کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر پاتے ہی لشکر جمع کیا ہے اور مقابلہ کیلئے تل گئے ہیں اور یہ عہد کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ قریش نے چالیس سواروں کا ایک دستہ اس غرض سے روانہ کیا کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکیں۔ ان سواروں نے مسلمانوں کو دیکھتے ہی تلواریں سونت لیں لیکن یہ سب لوگ گرفتار ہو گئے اور ان سے ہتھیار چھین لئے گئے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے ہتھیار واپس کئے جائیں اور انہیں بغیر فدیہ لئے آزاد کر دیا جائے کہ ہم زائر ہیں' جنگ کرنے نہیں جا رہے۔ سوائے خانہ کعبہ کی زیارت کے ہمارے اور کوئی مقصد نہیں۔ اس واقعہ کے تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ خالد بن ولید مقدمتہ الجیش کے دو سو سواروں کو لے کر مقام عمیم میں پہنچ گیا ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر پاتے ہی وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے حدیبیہ پہنچ گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ناقہ کو مکہ کی طرف موڑنا چاہا تو وہ بیٹھ گئی اور باوجود کوشش کے اپنی جگہ سے نہ اٹھی۔ یہاں سے چل کر آپ نے حدیبیہ آ کر قیام فرمایا اور خراش بن امیہ خزاعی کو اونٹ پر سوار کر کے مکہ بھیجا کہ اہل مکہ کو خبر کر دیں کہ ہم فقط زیارت بیت اللہ کیلئے آئے ہیں۔ جنگ کرنا ہمارا مقصد نہیں۔ اہل مکہ نے خراش بن امیہ خزاعی کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ارادہ کیا کہ ان کو بھی قتل کر ڈالیں مگر بعض لوگوں نے بیچ میں پڑ کر ان کو بچا لیا۔ خراش جان بچا کر واپس آئے اور سارا ماجرا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کر دیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ مکہ سے دو سو سواروں کا ایک اور دستہ عکرمہ بن ابی جہل کی کمان میں مسلمانوں کی طرف آتا دکھائی دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مسلمان مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس پرشکوہ نظارہ کو دیکھنے پر عکرمہ کو حملہ

کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذہن نشین کرانے کیلئے ایک ایلچی بھیجا کہ ہم حملہ نہیں چاہتے۔ ہم لڑنے نہیں بلکہ زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔ عکرمہ نے ایلچی کو نہ جانے دیا اور سدراہ ہوا۔ تب آپ نے حضرت عمرؓ کو پیغام دے کر اہل مکہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے معذرت پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جانتے ہیں کہ اہل مکہ مجھ سے کس قدر برہم اور کس درجہ میرے دشمن ہیں علاوہ ازیں مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں جو میری اعانت کر سکے۔ اگر عثمان کو بھیج دیں جن کی مکہ میں قرابتیں ہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو بلا کر حکم دیا کہ ابوسفیان اور دیگر رؤسا مکہ کو ہمارا پیغام پہنچا دو۔ حضرت عثمان دنیا دار آدمی تھے اور دنیا دار لوگوں کی طرح گفتگو فرماتے تھے۔ انہوں نے سفارت کا حق ادا فرمایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام بلا کم وکاست پہنچایا۔ قریش مکہ نے بالاتفاق جواب دیا کہ اس سال تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے اور حضرت عثمانؓ کو مکہ میں ہی روک لیا۔ حدیبیہ کے مقام پر جہاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم وبیش دو ہزار صحابہ کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ حضرت عثمانؓ کو مشرکوں نے روک لیا ہے اور بعدازاں یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادت عثمان کی خبر ملی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اور فرمایا کہ جب تک میں بدلہ نہ لوں گا یہاں سے حرکت نہ کروں گا۔

بیعت رضوان

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا۔ یہ درخت حدیبیہ میں غدیر اشطاط میں تھا۔ یہ کیکر کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ سارے مسلمان اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''میں نے آپ حضرات کو یہاں اس لئے جمع کیا ہے کہ عہد کرو۔ کہ بغیر حیل وحجت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرو گے خواہ وہ حکم عقل کے خلاف کیوں نہ ہو۔ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ جب تک جان میں جان ہے کافروں سے جہاد وقتال کرو گے' مر جاؤ گے' مگر بھاگو گے نہیں۔'' سب سے پہلے حضرت ابوسنان اسدیؓ نے بیعت کی اور کہا ''یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا خواہ وہ حکم میری سمجھ میں آئے یا نہ آئے یا میری نظروں میں اچھا ہو یا برا' عقل کے موافق یا خلاف عقل۔'' اور اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے بیعت کی۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے ابوسنانؓ، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ بڑھایئے بیعت کیلئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کس چیز پر بیعت کرتا ہے۔ ابوسنانؓ نے کہا اس چیز پر جو میرے دل میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے دل میں کیا ہے؟ ابوسنانؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دل میں یہ ہے کہ اس وقت تک تلوار چلاتا رہوں گا جب تک اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلبہ نصیب فرمائے یا اس راہ میں مارا جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بیعت فرمایا اور اسی پر سب نے بیعت کی۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی۔ جب بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمانؓ کی جانب سے ہے۔ اس بیعت کو بیعت تحت الشجر بھی کہتے ہیں۔

(زرقانی' صفحہ 208-206)

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر سورۃ فتح میں اس طرح فرمایا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

(سورۃ الفتح۔ 19-18)

بلاشبہ راضی ہو گیا اللہ مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے تم سے درخت کے نیچے سو وہ جانتا تھا ان کے دلوں کی کیفیت سو نازل فرمائی اللہ نے سکینت ان پر اور انعام میں عطا فرمائی انہیں قریبی فتح ۝ اور مال غنیمت بہت سا جو (عنقریب) حاصل کریں گے وہ اور اللہ زبردست اور بڑی

حکمت والا ہے○

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط تھی۔ قریش کو جب بیعت کا علم ہوا تو وہ مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے۔ کیونکہ بیعت لینے کا مقصد یہ تھا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پر حملہ کریں گے اور جو بھی مقابلے پر آئے گا اسے قتل کر دیں گے اور جو مرد وعورت گرفتار ہوں گے اسے کنیز اور غلام بنالیں گے۔ اہل قریش کو جنگ بدر' اُحد اور خندق میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی مہارت کا علم ہو چکا تھا اور مسلمانوں کی جانثاری اور اتفاق واتحاد کا بھی ان کو پورا پورا احساس تھا لہٰذا ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حملہ کیا تو مکہ کو فتح کر لیں گے۔ اس لئے صلح کے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو فوراً واپس روانہ کر دیا اور پیغام بھیجا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو کی خواہش رکھتے ہیں اور چند افراد کو بصورت وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجنے کے متمنی ہیں۔ قبیلہ خزاعہ اگرچہ ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوا تھا تاہم ہمیشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخلصانہ حلیف اور خیر خواہ و رازدار تھا۔ مشرکین مکہ جو بھی سازشیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کرتے رہتے تھے۔ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باخبر رکھتا تھا۔ قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قریش نے لشکر عظیم جمع کیا ہے اور نواح حدیبیہ کے چشموں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے پر تیار کھڑے ہیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریش ایک طرف صلح اور گفتگو کا پیغام بھیجتے ہیں اور دوسری طرف جنگ کیلئے تیار ہیں' حالانکہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں فقط عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ لڑائی نے قریش کو کمزور کر دیا ہے۔ اس کے باوجود ہم ان سے ایک مقررہ مدت تک صلح کرنے پر تیار ہیں۔ بدیل بن ورقہ نے قریش سے کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑائی کیلئے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں۔ تم سے صلح کے خواہاں ہیں۔ قریش نے جواب دیا کہ بے شک وہ عمرہ کرنے آئے ہیں مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ عروہ بن مسعود نے قریش سے کہا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہاری بھلائی اور بہتری کی بات کی ہے اس کو قبول کر لینا

چاہیے۔ چونکہ تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں اس لئے اجازت دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرسکوں۔ لوگوں نے کہا بہتر ہے۔ عروہ بن مسعود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عروہ سے وہی فرمایا۔ جو بدیل بن ورقہ خزاعی سے فرما چکے تھے یعنی یہ کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں۔ اگر قریش چاہیں تو ایک مدت تک صلح کی جاسکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو بغیر کسی خون ریزی کے متنبہ کردیا کہ وہ اپنی روش بدلیں اور اپنے نمائندے بھیج کر گفت وشنید کریں۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بڑی کامیاب سیاسی چال تھی، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ کو مجبور کردیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست کے مطیع بنیں۔ عروہ نے مسلمانوں کے قربانی کے اونٹ دیکھے پھر بھی اسے یقین نہ آیا کہ مسلمان عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ عروہ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا جنگ شروع ہونے کی صورت میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھی آپ کو چھوڑ جائیں گے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نوک شمشیرہ سے عروہ کے ہاتھ پر خراش لگاتے ہوئے کہا، اے عروہ ادب کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے مبارک پر ہاتھ مت لگا۔ عروہ نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عروہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، اگر تو ایلچی کی حیثیت میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ پیش ہوا ہوتا، تو میں مسلمانوں کے ساتھ توہین آمیز رویہ پر تجھے قتل کردیتا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میدان جنگ میں کبھی تنہا نہ چھوڑیں گے۔ جس کا ثبوت وہ جنگ بدر اور جنگ اُحد میں دنیا کو دے چکے ہیں۔ عروہ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حسن عقیدت اور صدق واخلاص کا ایسا عجیب وغریب منظر دیکھا جو اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھا تھا اور واپس جاکر قریش سے بولا، میں نے روم کا دربار بھی دیکھا ہے۔ نجاشی شاہ حبشہ کا دربار بھی دیکھا ہے مگر جس قدر مسلمانوں کی وفاداری اپنے پیغمبر کے ساتھ میں نے دیکھی ہے، اس جیسی وفاداری میں نے قیصر روم اور نجاشی کے ساتھ بھی نہیں دیکھی۔ عروہ کی گفتگو کے بعد حلیس بن علقمہ کنانی سردار حبش رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حلیس کو آتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں۔اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو۔حبشیوں کے سردار حلیس بہت سے قربانی کے جانوروں کو دیکھ کر راستہ سے ہی واپس ہو گیا اور قریش سے کہا کہ وہ لوگ فقط عمرہ کرنے آئے ہیں۔ان کو ہرگز بیت اللہ سے نہیں روکا جا سکتا۔بعدازاں پہلے مکرر بن حفص اور پھر سہیل بن عمرو آئے۔سہیل بن عمرو کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب معاملہ کچھ سہل ہو گیا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ قریش صلح کی طرف مائل ہو گئے ہیں اس لئے سہیل کو بھیجا ہے۔سہیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔شرائط صلح پر گفتگو ہوئی۔

صلح حدیبیہ

جب شرائط صلح طے ہو گئیں تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تحریر معاہدہ اور اس میں سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھنے کا حکم دیا۔

عرب کا قدیم دستور یہ تھا کہ سرنامہ پر باسمك اللهم لکھا کرتے تھے۔سہیل نے کہا میں الرحیم الرحمان نہیں جانتا۔قدیم دستور کے مطابق باسمك اللهم لکھو۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا یہی لکھو۔پھر فرمایا کہ یہ لکھو هذا قاضی علیه مُحَمّد الرسول اللّٰه یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمدؐ اللہ کے رسول نے صلح کی ہے۔سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول سمجھتے تو پھر آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے لڑتے۔بجائے محمد رسول اللہ کے محمد بن عبداللہ لکھیے۔آپ نے فرمایا' خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم میری تکذیب کرو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا' ان کی خواہش کے مطابق خالی میرا نام لکھ دو۔آپ نے اپنے دست مبارک سے خود لفظ رسول اللہ مٹایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔

(زرقانی' ج2' صفحہ 197)

یہاں دو نکتے غور طلب ہیں۔سہیل بن عمرو نے اور کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ عہد نامہ کے اصول طے ہو چکے تھے۔شرائط صلح یہ تھیں۔

1۔ دس سال تک آپ سے لڑائی نہیں ہوگی۔

2۔ قریش کا جو آدمی مدینہ جائے گا وہ واپس کیا جائے گا چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

3۔ جو مسلمان مکہ جائے گا اس کو واپس نہ کیا جائے گا۔

4۔ درمیانی عرصہ میں کوئی ایک دوسرے پر تلوار نہ اٹھائے گا اور نہ خیانت کرے گا۔

5۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سال بغیر عمرہ واپس مدینہ جائیں گے' مکہ میں داخل ہوں گے۔ آئندہ سال صرف تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کریں گے اور واپس چلے جا گے' تلوار کے علاوہ اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں گے اور تلوار بھی نیام میں ہوگی۔

6۔ عرب کے قبائل کو اختیار ہے کہ جس کے معاہدہ اور صلح میں شریک ہونا چاہیں' شریک جائیں۔ چنانچہ بنوخزاعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور بنوبکر قریش کے ساتھ ا معاہدے میں شامل ہوگئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عہدنامہ کا متن اس طرح تحریر فرمایا

باسمك اللهم! یہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان طے پا اس عہدنامہ کے بموجب دونوں فریق عہد کرتے ہیں کہ دس سال تک مسلمانوں اور باشندگان کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ اس عرصہ میں کوئی شخص کسی فریق کے جان مال سے تعرض نہ کرے گا۔ اس دس سالہ مدت میں اگر کوئی شخص قبائل قریش میں سے اپنے سرداروں کے اذن بغیر مسلمانوں سے آکر مل جائے گا تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ اسے قریش کو واپس کردیں۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص بغیر اجازت حاصل کئے قریشیوں سے جا ملے گا تو قریش اسے واپس کرنے پر مجبور نہ ہوں گے۔ اس دس سالہ مدت میں جب تک متارکہ جنگ قائم ر طرفین میں سے کوئی کسی کے جان و مال کو کسی قسم کا قصد نہ کرے گا' نہ کوئی کسی پر حملہ آور ہوگا کے جان و مال کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے گا۔ اس دس سالہ عرصے میں جماعت قریش کو اجاز گی کہ جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں اور اتحاد کریں۔ اسی طرح مسلمان بھی آزاد ہوں۔ جس کے ساتھ چاہیں پیماں بندی کریں اور متحد ہو جائیں۔ اس سال مسلمانوں کو اجازت نہیں کہ وہ کعبۃ اللہ کی زیارت کیلئے مکہ جائیں۔ البتہ اگلے سال زیارت کعبۃ اللہ کیلئے

ہیں بشرطیکہ تین دن سے زیادہ اقامت نہ کریں اور تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔

ابھی صلح نامہ مکمل نہ ہوا تھا کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابو جندلؓ جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے' پا بہ زنجیر قریش کی قید سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سہیل نے کہا یہ پہلا شخص ہے جو عہد نامہ کے مطابق واپس ہونا چاہیے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ابھی صلح نامہ مکمل نہیں ہوا یعنی تحریر مکمل ہونے پر فریقین کے دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل ہونا چاہیے لہٰذا ابو جندل ابھی ہمارے پاس ہی رہے گا مگر سہیل نہ مانا۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندلؓ کو سہیل کے حوالے کر دیا۔ ابو جندلؓ نے حسرت بھرے الفاظ میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں کافروں کے حوالے کیا جا رہا ہوں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ابو جندلؓ کو تسلی دی اور فرمایا ''اے ابو جندل صبر کرو اور اللہ سے امید رکھو' ہم خلاف عہد کرنا پسند نہیں کرتے اور یقین رکھو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری نجات کی کوئی صورت نکالے گا'' مگر عام مسلمانوں نے ان کی واپسی کو پسند نہ کیا۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا' کیا ہم حق پر نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیشک ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا پھر ہم یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں' اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' میں نے کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وہی جواب دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ بعد میں میں اپنی گستاخی پر بہت نادم ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سن کر رنجیدہ خاطر صحابہ کی نگاہیں جھک گئیں۔ دل برداشتہ ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو آویزہ گوش بنالیا۔ صحابہ حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی سیاسی بصیرت کے حامل نہ تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دور اندیشی پر یقین کامل تھا کہ یہ صلح فتح مبین ثابت ہوگی۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہم و فراست، حسن تدبر، دور اندیشی اور سیاسی اصابت رائے کی تصدیق کر دی۔ وحی ایزدی نے اس معاہدے کو اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مصالحانہ روش نے فتح مکہ کا راستہ ہموار کر دیا۔ صلح حدیبیہ معاہدہ کر کے کفار مکہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سربراہی میں مسلمانوں کو ایک طاقت تسلیم کر لیا۔ معاہدے کی تکمیل پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے اونٹ ذبح فرمائے اور مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے مدینہ منورہ کا اقتصادی محاصرہ ٹوٹ گیا۔ ان دنوں مکہ معظمہ میں خشک سالی کی وجہ سے قحط تھا۔ مکہ کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی قبیلہ یمامہ کو حکم دیں کہ ترسیل خوراک نہ روکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوراک بھیجنے کا حکم صادر فرمایا۔

مسلمان مدینہ کی طرف جا رہے تھے کہ ایک مسلمان ابوبصیرؓ مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آ گیا۔ قریش نے نئے معاہدے کے تحت ابوبصیرؓ کو اپنی تحویل میں لینا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استدعا کی کہ ابوبصیرؓ کو کفار کے حوالے نہ کریں وہ ہماری پناہ میں آ گیا ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ ہم معاہدہ کو نہیں توڑ سکتے۔ مکہ سے جو شخص آئے اسے واپس کرنا ہی پڑے گا۔ مکہ سے آنے والے دو اشخاص نے ابوبصیرؓ کو باندھ کر مکہ کی راہ لی۔ ابوبصیرؓ طاقت ور تھے۔ انہوں نے راستے میں رسی کاٹ لی اور اونٹ سے چھلانگ لگا کر پھر مسلمانوں سے پناہ طلب کی۔ جب انہیں پھر مکہ بھیجنے کا ارادہ کیا گیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور بیابان کی راہ لی۔ وہ منطقہ ذوالمروہ جا پہنچے۔ ابوجندلؓ بھی مکہ سے فرار ہو کر ابوبصیرؓ کے پاس آ گئے۔ اسی طرح ایک اور مسلمان عتبہ بن اسیدؓ فرار ہو کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ رفتہ رفتہ جو مسلمان مکہ سے بھاگتا ذوالمروہ پہنچ جاتا۔ ذوالمروہ میں بھاگنے والے مسلمانوں کی ایک وحدت قائم ہوگئی جو صلح حدیبیہ کے پابند نہ تھے۔ ابھی صلح حدیبیہ کو ایک سال نہ گزرا تھا کہ ذوالمروہ میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہوگئی۔ وہ مکہ کے قافلوں پر حملہ کرتے اور جو مقابلہ کرتا

اسے قتل کر دیتے۔ قریشیوں کو اس سے بڑی تکلیف پہنچی۔ انہوں نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مسلمانان ذوالمروہ کو مدینہ بلا لیں، ہم ان کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں گے۔ اس طرح معاہدے کی وہ شرائط جو مسلمانوں کو ناپسند تھیں۔ رفتہ رفتہ خود ہی ختم ہو گئیں۔ قریش نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تحریری درخواست کی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ آئے گا تو مسلمان اسے واپس کرنے پر مجبور نہ ہوں گے۔ اب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ صلح نامہ حدیبیہ مسلمانوں کیلئے بہت سود مند تھا۔

معاہدہ کے بعد کچھ مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں۔ اہل مکہ نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کی واپسی سے منع فرمایا اس لئے کہ واپسی کی شرط صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ عورتیں اس شرط میں داخل نہ تھیں۔ مشرکین مکہ عورتوں کو بھی شرائط معاہدہ میں شامل کرتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا اور خاص اس کے بارے میں آیت نازل فرمائی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

(سورۃ الممتحنہ۔ ۱۰-۱۱)

اے ایمان والو! جب آئیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی خوب جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے۔ پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی ہیں

توانہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو نہ وہ عورتیں ان کافروں کیلئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر مردان عورتوں کیلئے اور ان کافروں کو جو مہر انہوں نے ادا کئے تھے دے دو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ تم ان کے مہر ان کو ادا کر دو اور مت روکے رکھو کافر بیویوں کو (اپنی زوجیت میں) اور جو (مہر) تم نے دیئے تھے وہ مانگ لو اور چاہیے کہ کافر بھی وہ مہر مانگ لیں جو انہوں نے ادا کئے تھے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جس کے مطابق وہ فیصلہ کر رہا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے ○ اور اگر تمہاری بیویوں کے مہر میں سے کافروں کی طرف کچھ رہ جائے تو موقعہ ہاتھ آنے پر ان لوگوں کو دے دو جن کی بیویاں چلی گئی تھیں۔ اتنا مہر جو انہوں نے (بیویوں کو) ادا کیا تھا اور اللہ سے ڈرو۔ وہ اللہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

متن صلح حدیبیہ

صلح حدیبیہ کو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔ اس معاہدہ کا متن عربی ماخذوں میں کہیں تو پورا پورا' کہیں جستہ جستہ ملتا ہے۔ اس معاہدہ کی تفصیل ''الوثایق السیاسیہ'' مطبوعہ مصر سنہ 1260ء ہجری میں دستاویز نمبر 11 کے تحت دی گئی ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

معاہدہ حدیبیہ

1- تیرے نام سے اے اللہ

2- یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ اور سہل بن عمرو میں طے ہوا۔

3- ان دونوں نے اس بات پر صلح کر لی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے۔ جس دوران میں لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔

4- یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرہ سے یا تجارت کیلئے مکہ آئے' تو اس کی جان و مال کا امان ہوگا اور قریش کا جو شخص تجارت کیلئے مصر و شام (بروایت ابوعبیدہ عراق یا شام) جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہوگا۔ (یہ دفعہ ابن اسحاق' ابن ہشام اور نہ ہی تاریخ طبری میں ہے' لیکن تفسیر طبری'

ابوعبیدہ کی کتاب الاموال، فتوح البلدان بلاذری اور بلری وغیرہ میں موجود ہے)

5- یہ کہ قریش کا جو شخص اپنے ولی سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ان کے سپرد کردیں گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھیوں میں جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سپرد نہیں کریں گے۔

6- یہ کہ ہم میں باہم سینے بہ طرح بند رہیں گے جن میں باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گی اور نہ تو خفیہ کسی دوسرے کو مدد دی جائے گی نہ اعلانیہ خود خلاف معاہدہ دغا کریں گے۔

7- یہ کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معاہدہ اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کرے گا۔ (اس پر قبائل خزاعہ نے اٹھ کر کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معاہدہ اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں اور بنی بکر نے کہا کہ ہم قریش کے معاہدہ اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں۔)

8- یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سال ہمارے پاس سے واپس چلے جائیں گے اور مکہ نہ آئیں گے۔ البتہ آئندہ سال ہم باہر چلے جائیں گے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ساتھی وہاں (مکے میں) داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکیں گے۔ آپ کے ساتھ سوار ہوں گے، ہتھیار ہوں گے، یعنی تلوار میان میں پڑی ہوئی۔ اس کے سوا اور کوئی ہتھیار لے کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں نہ آسکیں گے۔

9- یہ کہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں ہم نے ان کو پایا (یعنی حدیبیہ میں) اور ان کو حلال کر دیا جائے گا اور ان کو ہمارے پاس (مکہ قربانی کیلئے) نہیں لایا جائے گا اور صراحت کہ ہمارے اور تمہارے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حقوق اور واجبات برابر کے ہوں گے۔

غالباً مہر نبوی غالباً مہر سہیل بن عمرو

کاتب: علی بن ابی طالب

گواہان اسلام

ابوبکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عبداللہ بن سہیل بن عمروؓ، سعد بن وقاصؓ، محمود بن مسلمہؓ اور

ابوعبیدہ الجراحؓ وغیرہ۔

گواہانِ قریش

مکرز بن حفص وغیرہ۔

ماخذہائے متن

تفسیر طبری' صفحہ 26 تا 61

سیرۃ ابن ہشام' صفحہ 747-748

فارسی ترجمہ ابن اسحاق' صفحہ 170

مغازی واقدی' صفحہ 140؛

طبقات ابن سعد ج 2' صفحہ 70-71

تاریخ طبری' 1046-1057

تاریخ ابن کثیر' ج 4' صفحہ 168-169

دعوت اسلام

(دعوت عام)

صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں تبلیغ کے راستے کھل گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا ''میری بعثت کل دنیا کیلئے ہوئی ہے۔ پہلے نبی ومرسل کسی خاص ملک' قوم یا قبیلہ تک محدود تھے لیکن اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہان وقت کے نام خطوط اور سفیر، اسلام کی دعوت دینے کیلئے اطراف عالم میں بھیجے' جن میں فرمایا گیا تھا کہ اسلام کے دامن عاطفت میں پناہ لے لوتا کہ دارین کی سرفرازی حاصل ہو۔ اس پر شاہ حبش نے اسلام قبول کرلیا۔ مصر کا حاکم مقوقس تلطف سے پیش آیا۔ قیصر روم نے بڑے غور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی سنا۔ کجکلاہ ایران خسرو پرویز نے غرور وتعصب کا مظاہرہ کیا' خود قتل ہوا اور سلطنت پارہ پارہ ہوگئی۔ حاکم غسان نے سفیر کو شہید کرادیا۔ لیکن اسلام چار دانگ عالم میں پھیلنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا۔ عرب کی مخالفت کی وجہ سے دعوت وتبلیغ اسلام کے راستے محدود تھے۔ اس صلح نے سارے راستے کھول دیئے۔ اب مناسب وقت آ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا جائے۔ جن لوگوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا ان کی ترقی کے راستے کھل گئے۔ کفر ونجاست اور گندگی کے راستے مسدود ہو گئے۔ الغرض رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ سے واپسی پر ذی الحجہ سنہ 6 ہجری میں بادشاہان عالم کے

نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے کا قصد فرماتے ہوئے صحابہ سے فرمایا کہ تم تمام دنیا کو میرا یہ پیغام پہنچا دو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا کہ قریب بھیجنے پر راضی ہوا اور دور بھیجنے پر زمین بوجھل محسوس ہو۔ صحابہ نے ایک مناسب مشورہ پیش کیا کہ ملوک وسلاطین بغیر مہر کے خط کو قابل وثوق اعتماد نہیں سمجھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہر کندہ کرائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس مہر پر "اللہ رسول محمد" کندہ تھا۔ سب سے نیچے لفظ محمد تھا اور سب سے اوپر لفظ اللہ تھا' لفظ رسول درمیان میں تھا۔

(طبری' ج3' صفحہ 84۔ زرقانی' ج3' صفحہ 334)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت و رسالت میں نہیں پائی جاتیں۔ ان میں سے نمایاں تر خصوصیت یہ ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو واحد بین الاقوامی مذہب کے طور پر پیش نہیں کیا اس لئے نبوت کے ابتدائی دور میں ہی جب مکہ کے لوگ بھی اسلام سے پوری طرح واقف نہ ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیگر اقوام وادیان کے لوگوں میں بھی تبلیغ شروع کر دی۔ بلال حبشی صہیب رومی' سلمان فارسی' عداس نینوائی وہ بزرگان ملت ہیں جو حبش' یونان' فارس اور وسط ایشیا کے نمائندے اولین بن کر اسلام میں داخل ہوئے قرآن کریم کی آیات بینات اس بارہ میں بہت واضح ہیں۔

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا

(الاعراف۔ 158)

تم کہو لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝

اور تجھ کو ہم نے بھیجا جہاں کے لوگوں کیلئے رحمت بنا کر

(سورۃ الانبیاء۔ 107)

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا

(سورۃ سباء۔ 28)

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا' سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کیلئے

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ
(سورۃ الفتح۔28)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۙ
(سورۃ الصف۔9)

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

ان آیات بینات کے متابعت میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قوموں کے سربراہان اور مختلف مذاہب کے پیشواؤں کے پاس مراسلات بھیجے اور ہر ایک کو لکھا کہ اسلام سے انکار کرنے کا وبال آپ پر نہ صرف اس لئے پڑے گا کہ آپ نے اپنی ذات کیلئے انکار کیا ہے بلکہ آپ کے انکار کی وجہ سے آپ کی قوم ہدایت سے رکے گی۔ اس لئے ان کی ذلالت اور گمراہی کا وبال بھی آپ ہی پر پڑے گا کیونکہ اس خط میں شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ سربراہ قوم کی وجہ سے آپ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ اسلام کیلئے ایسی کارروائی فرمائی جس کی نظیر سابقہ مذاہب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ چونکہ مسلمان ہر سچے مذہب کے ہادی کی عزت دل سے کرتا ہے۔ اس لئے ان کی خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ وہ مقدس بزرگوار اپنے مذہب کو خود بھی اسی قوم سے مخصوص سمجھتے تھے، جس کیلئے وہ بھیجے گئے تھے۔ ماہ محرم سنہ 7 ہجری میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط اپنے سفیروں کے ہاتھ ارسال فرمائے۔ جو سفیر جس قوم کے طرف بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان خوب جانتا تھا تا کہ تبلیغ کا فریضہ بخوبی سرانجام دے سکے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جو خطوط عیسائی بادشاہوں کے نام روانہ فرمائے ان میں خصوصیت سے قرآن کریم کی یہ آیت درج تھی۔

قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۭ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ

دُوۡنِ اللّٰہِؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ○

(سورۃ آل عمران ۔64)

کہہ دو اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے ہاں اور تمہارے ہاں' یہ کہ نہ عبادت کریں ہم مگر اللہ کی اور نہ شرک کریں اس کے ساتھ ذرا بھی اور نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو رب' اللہ کے سوا۔ پھر اگر منہ موڑیں وہ (اس دعوت سے) تو (اے مسلمانو!) کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو (صرف اللہ ہی کے) عبادت گزار اور اطاعت شعار ہیں ○

صلح حدیبیہ کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار مدینہ واپس ہوئے کہ زیارت کعبہ کیلئے آئندہ سال پھر آئیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسے گھر کئے ہوئے تھے کہ معاہدہ حدیبیہ اسلام کے وقار کے خلاف اور مسلمانوں کی شان کے منافی ہوا ہے حتیٰ کہ اسی دوران سورۃ فتح نازل ہوئی اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اصحاب کو پڑھ کر سنائی۔ قیام حدیبیہ کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور تبلیغ اسلام کی توسیع کیلئے کیا راہِ عمل اختیار کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام کے قاصد ممالک دنیائے معلومہ کے تاجداروں کو بھیجے جائیں اور جزیرہ عرب سے یہودیوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام اس نقطہ عروج تک پہنچ چکا تھا کہ اسے عالمگیر حیثیت دی جائے۔ اسلام کی تعلیمات مذہبیات تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ اس نے اجتماعی زندگی کے مختلف گوشوں کا احاطہ بھی کر لیا تھا جو توحید کے علاوہ مسلمانوں کو بلند مقامات پر فائز کرنے کا موقع و محل فراہم کر سکے۔ چنانچہ اسی مناسبت سے خدائی احکام نازل ہونے لگے۔

حرمت شراب

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت شراب صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی۔ حرمت شراب کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حرمت کا اعلان بعثت سے تقریباً بیس سال بعد ہوا۔ علاوہ ازیں حرمت کا اعلان رفتہ رفتہ ہوا کیونکہ جو آیات اس بارے میں نازل ہوئی' ان کے زمانہ نزول میں فصل ہے۔ آخر یہ وقت بھی آ ہی گیا کہ اس سے مسلمانوں کو قطعاً نفرت ہو گئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ
لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۵
قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ○

(البقرہ۔219)

پوچھتے ہیں تم سے (حکم) شراب کا اور جوئے کا۔ کہہ دو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کیلئے مگر ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے فائدے سے۔ اور پوچھتے ہیں تم سے کہ کیا خرچ کریں (اللہ کی راہ میں) کہہ دو جو زائد ہے (ضرورت سے) اس طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے احکام تا کہ تم غور و فکر کرو ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى
تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

(سورۃ النساء۔43)

اے ایمان والو! نہ قریب جاؤ نماز کے اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو حتیٰ کہ (نشہ اتر جائے اور) معلوم ہو تمہیں کہ کیا کہہ رہے ہو تم..........

اس آیت کے نزول پر معمول ہو گیا کہ نماز کے وقت ایک منادی باضابطہ اعلان کرتا کہ کوئی شخص جو نشے میں ہو نماز کے قریب نہ آئے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دعا کی کہ اے پروردگار! شراب کے بارے میں واضح الفاظ میں حکم نازل فرما کیونکہ اس سے فقدان عقل اور نقصان مال کا اندیشہ ہے نشے اور مستی کی حالت میں مسلمان ایک دوسرے سے لڑتے تھے حتیٰ کہ کئی دفعہ نوبت قبیلوں تک اور مہاجرین وانصار کے نزاع تک جا پہنچتی۔ اس طرح مسلمانوں کے دلوں میں گرہ بیٹھ جاتی۔ اس مرحلے پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○
اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ
فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○
لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا
طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ
اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

(سورۃ المائدہ۔93-90)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے' یہ سب گندے شیطانی کام ہیں' ان سے پرہیز کرو' تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟ اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آ جاؤ لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں۔ پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور جو فرمان الٰہی ہو اسے مانیں' پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔ اللہ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے○

اسلام مسلمانوں کو نیکی اور پرہیز گاری کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں عبادات کی جانب متوجہ کرتا ہے' جن میں ریاضت نفس پائی جائے۔ نماز غرور و تکبر کا سر کچلتی ہے۔ اس بنا پر اسلام دیگر مذاہب کے مقابلے میں فطرت کے عین مطابق ہے اور تمام روئے زمین کی مخلوق کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

فرمانروایان عالم کے نام خطوط

قریش اور یہود کی شورشوں کے باوجود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام فرمانرواؤں کو دعوت اسلام پیش کرنے میں پس و پیش نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب پر یہ حقیقت واضح فرما دی کہ میں ہرقل روم' کسریٰ ایران' مقوقس مصر' شاہان حیرہ' والئی یمن

اور شاہ حبشہ نجاشی کو دعوت اسلام دینا چاہتا ہوں۔ اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتفاق کیا۔

ہرقل اعظم شاہ روم کے نام

("بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یہ خط ہے محمد اللہ کے بندہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہرقل کی جانب جو روم کا بڑا شخص ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ امابعد۔ میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس کلمہ کی جو اسلام کی طرف لانے والا ہے یعنی کلمہ طیبہ کی۔ اسلام لے آ' سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ دہرا اجر عطا کریگا۔ جیسا کہ اہل کتاب سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ پس اگر تو اسلام سے روگردانی کرے تو تمام رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ تجھ پر ہوگا کہ تیرے اتباع میں اسلام کے قبول سے باز رہے۔ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مسلم ہے' وہ یہ کہ سوائے اللہ کے کسی چیز کی عبادت نہ کریں اور نہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک گردانیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب اور معبود نہ بنائیں' پس اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں یعنی اللہ کے حکم کے تابع ہو چکے ہیں۔)

یہ والا نامہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دحیہ کلبیؓ کو دیکر قیصر روم کی طرف روانہ فرمایا۔ قیصر روم اس وقت فتح فارس کی خوشی میں حمص سے پیدل چل کر بیت المقدس میں مقیم تھا۔ امیر بصریٰ کے توسط سے دحیہ کلبی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ قیصر روم کو پیش کیا۔ والا نامہ پیش کرنے سے پہلے دحیہ کلبیؓ نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔

"اے قیصر روم! جس نے مجھے سفیر بنا کر آپ کی طرف بھیجا ہے' وہ آپ سے کہیں بہتر ہے اور جس ذات بابرکات نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وہ سب سے اعلیٰ وارفع ہے' لہٰذا جو کچھ عرض کروں اس کو تواضع کے ساتھ سنیئے اور اخلاص کا جواب دیجئے۔ اگر تواضع کے ساتھ نہ سنیں گے تو اس کو کماحقہ' سمجھ نہ سکیں گے اور جواب میں اخلاص نہ ہوگا تو وہ جواب عادلانہ اور منصفانہ نہ ہوگا۔

دحیہ کلبی: اے قیصر روم آپ کو معلوم ہے کہ حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام نماز پڑھا کرتے تھے؟

قیصر روم: ہاں! بے شک نماز پڑھتے تھے۔

وحیہ کلبی: میں آپ کو اس ذات پاک کی طرف بلاتا ہوں' جس کیلئے حضرت مسیح نمازیں پڑھتے اور جس کے سامنے جبیں نیاز ٹیکتے تھے اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بطن مادر میں بنایا اور جس نے ان تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور بعد ازاں میں آپ کو اس نبی امی کی طرف بلاتا ہوں جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ کو اس کا کافی اور شافی علم اور پوری خبر ہے۔ اگر آپ اس دعوت کو قبول کریں تو آپ کیلئے دنیا اور آخرت دونوں ہیں ورنہ آخرت تو آپ کے ہاتھ سے جاتی رہے گی اور دنیا میں دوسرے لوگ آپ کے شریک ہوں گے اور یقین جانئے کہ آپ کا ایک پروردگار ہے جو منکرین کو کچل ڈالتا ہے اور اپنی نعمتوں کو بدلتا رہتا ہے۔

قیصر روم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ وحیہ کلبیؓ سے لے کر سر اور آنکھوں پر رکھا اور بوسہ دیا۔ کھول کر اس کو پڑھا اور کہا سوچ کر کل اس کا جواب دوں گا۔

(فتح الباری' ج 1' صفحہ 35۔ روض الانف' ج 2' صفحہ 355)

قیصر روم نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ جو لوگ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کے میرے ملک میں آئے ہوں ان کو حاضر کیا جائے تا کہ ان سے احوال معلوم کروں۔ اتفاقاً ابوسفیان قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بغرض تجارت شام آیا ہوا تھا اور غزہ میں مقیم تھا۔ قیصر روم کے آدمی ان کو غزہ سے لائے اور دربار میں پیش کر دیا۔ قیصر نے بڑی شان وشوکت سے دربار منعقد کیا تھا۔ تمام عمائدین سلطنت اور رہبان اساقفہ حاضر دربار تھے۔ قیصر نے جماعت عرب سے دریافت کیا کہ تم سے اس مدعی نبوت کا سب سے قریب رشتہ دار کون ہے۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ میں۔ قیصر روم نے اسے اپنے قریب بلایا اور باقی جماعت قریش کو ان کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا اور کہا کہ میں ان سے کچھ دریافت کروں گا۔ اگر جھوٹ بولیں تو تم ان کی تکذیب کرنا۔ ابوسفیان کہتا ہے اگر مجھ کو اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میری تکذیب کریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔ بعد ازاں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

قیصر روم: تم میں ان کا حسب ونسب کیا ہے؟

ابوسفیان: وہ بڑے عالی نسب ہیں۔ان کے نسب سے بڑھ کر کسی کا نسب نہیں۔

(صحیح بخاری اور مسند بزار کا ترجمہ)

قیصر روم: کیا ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر روم: کیا تم لوگوں نے ان کو دعوت نبوت سے پہلے کبھی جھوٹ بولتے پایا؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر روم: ان کے پیرو کس قسم کے لوگ ہیں۔امراء اور دولت مند ہیں یا غرباء و کمزور؟

ابوسفیان: اکثر غرباء وضعفاء

قیصر روم: ان کے متبعین روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان: دن بدن بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر روم: کیا کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد ان کے دین سے بیزار اور متنفر ہو ہو کر مرتد یعنی دین سے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر روم: کیا وہ خلاف عہد بھی کرتے ہیں؟

ابوسفیان: کبھی نہیں۔آج تک انہوں نے کبھی عہد شکنی نہیں کی۔

قیصر روم: تم ان سے کبھی لڑے ہو؟

ابوسفیان: ہاں

قیصر روم: لڑائی کیسی رہی؟

ابوسفیان: کبھی وہ غالب ہوئے اور کبھی ہم۔

قیصر روم: وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟

ابوسفیان: وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور کفر اور شرک کے تمام مراسم جو تمہارے آباؤ اجداد کرتے تھے ان سب کو یک لخت چھوڑ دو اور نماز اور زکوٰۃ اور سچائی اور پاک دامن اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

قیصر روم: ترجمان سے مخاطب ہو کر ان سے کہہ دو میں نے اوّل تم سے ان کا نسب دریافت کیا۔ تم نے کہا وہ نہایت عالی نسب ہیں اور شریف خاندان سے ہیں۔ بیشک انبیاء ایسے خاندان سے بھیجے جاتے ہیں جو حسب و نسب میں سب سے بالا ہوں۔ پھر ہم نے دریافت کیا کہ ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ اگر ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں یہ سمجھا کہ وہ اس طریق سے اپنے باپ دادا کا گنوایا ہوا ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ تم نے ان کو جھوٹا تو نہیں پایا۔ تم نے کہا نہیں جس سے میں یہ سمجھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص بندوں پر تو جھوٹ نہ باندھے اور معاذ اللہ اللہ پر جھوٹ باندھے۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیسے لوگوں نے اتباع کیا ہے۔ تم نے کہا ضعفا اور غرباء نے بیشک حضرات انبیاء کے اتباع اور پیروکار اکثر ضعفاء اور غرباء ہی ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ ان کے پیرو بڑھتے ہیں یا گھٹتے ہیں۔ تم نے کہا بڑھتے جاتے ہیں۔ بیشک ایمان کا یہی حال ہے۔ اس کے پیرو روز بروز بڑھتے ہیں یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان کے دین سے ناراض ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے۔ تم نے کہا نہیں۔ بیشک ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی شیرینی اور حلاوت دلوں میں سما جائے تو پھر کسی طرح نہیں نکلتی۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ بدعہدی بھی کرتے ہیں۔ تم نے کہا نہیں۔ بیشک پیغمبروں کی یہی شان ہوتی ہے۔ وہ کبھی بدعہدی نہیں کرتے۔ میں نے تم سے لڑائی کے متعلق پوچھا تم نے کہا کبھی وہ غالب رہے اور کبھی ہم غالب ہوتے ہیں۔ بیشک انبیاء کے ساتھ ابتداً اللہ تعالیٰ ایسا ہی معاملہ کرتا ہے۔ کبھی غالب ہوتے ہیں کبھی مغلوب تاکہ ان کے متبعین کے صدق اور اخلاص کا امتحان ہوتا ہے لیکن انجام کار غلبہ اور فتح انہی کی ہوتی ہے۔ میں نے دریافت کیا تم سے کہ وہ تم کو کن چیزوں کا حکم دیتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اللہ عزوجل کا حکم دیتے ہیں، شرک اور بت پرستی سے منع کرتے ہیں نماز اور زکوٰۃ، سچائی اوز پاکدامنی کا حکم کرتے ہیں۔ اگر یہ تمام چیزیں صحیح ہیں تو

" بلاشبہ نبی ہیں۔ وہ عنقریب اس جگہ کے مالک ہوں گے جہاں میرے قدم ہیں۔ مجھ کو معلوم تھا کہ نبی ظاہر ہونے والے ہیں۔ لیکن یہ گمان نہ تھا کہ تم میں سے ظاہر ہوں گے۔ مجھے ان سے ملنے کی بڑی تمنا ہے۔ اگر میں ان کی خدمت میں پہنچ جاؤں تو ان کے قدم دھلایا کروں۔ بعدازاں والا نامہ تمام دربار کو سنایا۔ اراکین دربار سن کر بہت چیخے چلائے اور ہم کو دربار سے نکال دیا گیا۔ میرے دل میں اسی روز سے اپنی ذلت کا نقش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا یقین ہو گیا یہاں تک کہ اللہ نے مجھ کو اسلام کی توفیق دی۔

(بخاری' فتح الباری' حافظ عقلانی' ج1 'صفحہ 30)
(کتاب التفسیر' ج8 'صفحہ 168 'بدالوحی' ج1 'صفحہ 38-30)

قیصر نے اس دربار کے بعد رومتہ الکبرا کے بطریق اعظم ابن الناطور کو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خط لکھا یہ شخص آسمانی کتابوں سے بخوبی واقف تھا۔ بادشاہ حمص میں تھا کہ خط کا جواب آ گیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا اور جن کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کا اتباع کروں گا۔ ان کے نبی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ تم ان کی ضرور تصدیق کرو اور اتباع قبول کرو۔ بادشاہ نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا اور تمام بطارقہ روم کو جمع کیا اور تمام درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

''اے گروہ روم! تحقیق میں نے تم کو ایک عظیم الشان خبر سنانے کیلئے جمع کیا ہے۔ وہ یہ کہ میرے پاس اس شخص کا ایک خط آیا ہے جس میں اس نے مجھ کو اپنے دین کی دعوت دی ہے اور البتہ تحقیق خدا کی قسم' یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر ہیں اور جن کو اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ پس آؤ اور دوڑو' ہم سب مل کر ان کا اتباع اور ان کی تصدیق کریں کہ ہماری دنیا و آخرت دونوں سلامت رہیں۔'' درباری چلا اٹھے اور بطارقہ روم دربار سے نکل بھاگے۔ بادشاہ نے حکم دیا سب کو واپس بلاؤ اور کہا میں تم کو آزمانا چاہتا تھا۔ تمہاری دین کی پختگی دیکھ کر مجھ کو مسرت ہوئی۔ یہ سن کر سب خوش ہوئے اور بادشاہ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔

معجم طبرانی کا بیان ہے قیصر روم نے وحیہ کلبیؓ سے کہا کہ میں خوب جانتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق نبی ہیں لیکن اگر میں ظاہر کروں تو میری سلطنت جاتی رہے گی اور لوگ مجھے قتل

کر ڈالیں گے۔

بادشاہ حبش کے نام

بادشاہ حبش اصحم بن ابجر کے پاس عمرو بن امیہ الضمریؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر گئے۔ تاریخ طبری سے اس نامہ مبارک کی نقل درج ہے۔

(خدا کے نام سے جو بڑی رحمت اور دائمی رحم والا ہے۔ یہ خط اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبش کے نام ہے۔ ''سلام ہو تجھ پر۔ امابعد! میں حمد و ثنا کرتا ہوں اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے تمام عیبوں سے پاک ہے۔ امن دینے والا ہے اور سب کا نگہبان، گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) مریم کے بیٹے اللہ کی خاص روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم پاک کی طرف القاء کیا، پس حاملہ ہوئیں عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص روح اور نفخ سے پیدا کیا جیسے آدم (علیہ السلام) کو اپنے بے چون وچگوں ہاتھ سے بلا ماں باپ کے پیدا کیا۔ میں تجھ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور اسی کی اطاعت اور فرمانبرداری کی محبت کی طرف اور اپنے اتباع کی طرف اور اس بات کی طرف کہ جو اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا ہے یعنی قرآن اس پر ایمان لا، تحقیق میں اللہ کا رسول ہوں، میں تجھ کو اور تیرے تمام لشکروں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اللہ کا پیغام پہنچا چکا اور نصیحت کی۔ پس میری نصیحت قبول کرو اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔'' نجاشی اسی فرمان مبارک پر مسلمان ہو گیا اور جواب میں یہ عریضہ تحریر کیا۔

نجاشی کا جواب

''اللہ رحمان ورحیم کے نام۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نجاشی اصحم بن ابجر کی طرف سے، اے نبی اللہ کے آپ پر اللہ کی سلامتی رحمت اور برکتیں ہوں اسی خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی۔ اب عرض یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان میرے پاس پہنچا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریر فرمایا ہے۔ بخدا وہ اس سے ذرہ برابر بھی بڑھ کر نہیں۔ ان کی حیثیت اتنی ہی ہے جو آ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریر فرمائی ہے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سیکھ لی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچیرا بھائی اور مسلمان میرے پاس آرام سے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' سچے ہیں اور راستبازوں کی سچائی ظاہر کرنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر حضور کی بیعت اور اللہ کی فرمانبرداری کا اقرار کرلیا ہے اور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے فرزند ارحا کو روانہ کرتا ہوں۔ میں تو اپنے ہی نفس کا مالک ہوں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا یہ ہو کہ میں حاضر خدمت ہو جاؤں تو ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں یقین کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فرماتے ہیں وہی حق ہے۔ اے خدا کے رسول آپ پر سلام۔''

یہ وہی نجاشی ہے جس کی طرف مسلمانوں نے ہجرت کی۔ اس کا نام اصحم یا اصحمہ ہے۔ حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا اور رجب سنہ ۹ ہجری میں وفات پائی۔ جس دن اس کا انتقال ہوا اسی دن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں اس کی وفات کی خبر دی اور اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی وفات کے بعد دوسرا نجاشی اس کا جانشین ہوا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کا خط اس کے نام بھی روانہ فرمایا' جس کو امام بیہقی اور ابن اسحاق نے راویت کیا ہے۔ خط کا متن یہ ہے۔

''از جانب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطرف نجاشی عظیم حبشہ۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور شہادت دے کہ اللہ ایک ہے' کوئی اس کا شریک نہیں نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد اور گواہی دے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تحقیق میں اللہ کا رسول ہوں' اسلام لاؤ' سلامت رہو گے۔ اے اہل کتاب آؤ ایک صاف اور سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہے' وہ یہ کہ سوائے خدا کے کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پس اگر روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان اور اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اے نجاشی اگر تو نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو تیری قوم کے تمام نصاریٰ کا گناہ تجھ پر ہوگا۔''

منذر بن ساوی شاہ بحرین کے نام

منذر بن ساوی شاہ بحرین شاہ فارس کا باج گزار تھا۔ علاء بن الحضرمیؓ اس کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے۔ یہ مسلمان ہو گیا اور اس کی رعایا کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اس نے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لکھا کہ ''بعض لوگوں نے اسلام کو ناپسند کیا ہے' بعض نے کراہت کا اظہار کیا اور بعض نے مخالفت کی ہے۔ میرے علاقے میں یہودی اور مجوسی ہیں۔ ان کے متعلق جو ارشاد کیا جائے گا اس پر عمل کیا جائے گا۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں تحریر فرمایا ''جو نصیحت حاصل کرتا ہے وہ اپنے لئے۔ جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے وہ جزیہ (خراج) ادا کرے۔''

(زرقانی' ج3 صفحہ 251۔ زاد المعاد' ج3 'صفحہ 62-61)

شاہ عمان کے نام

ماہ ذیقعدہ سنہ 8 ہجری میں عمرو بن العاصؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر پسران جلندی' عبد اور جیفر کی طرف عمان گئے۔ عمرو بن العاصؓ کا قول ہے کہ جب میں عمان پہنچا تو پہلے عبداللہ کو ملا۔ یہ سردار تھا اور اپنے بھائی کی نسبت زیادہ نرم اور خوش خلق تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفیر ہوں اور تمہارے اور تمہارے بھائی کے پاس آیا ہوں۔ عبد نے کہا کہ اعلیٰ رئیس اور بادشاہ میرے بڑے بھائی جیفر ہیں۔ میں آپ کو ان کی خدمت میں پہنچا دوں گا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو۔

عمرو بن العاصؓ نے کہا' اکیلے خدا کی طرف جس کا کوئی شریک نہیں نیز اس کی شہادت کی طرف کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ عبد نے کہا عمرو تو سردار قوم کا بیٹا ہے۔ بتا تیرے باپ نے کیا کیا' کیونکہ ہم اسے نمونہ بنا سکتے ہیں۔ عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا کہ وہ مر گیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لایا تھا۔ میری تمنا تھی کہ وہ اسلام لائے ایک عرصہ تک میں ان کی رائے پر رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اسلام کی ہدایت اور توفیق سے سرفراز فرمایا۔

عبد: تم کب مسلمان ہوئے؟

عمروؓ: ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا۔

عبد: کہاں مسلمان ہوئے؟

عمروؓ: نجاشی شاہ حبشہ کے ہاتھ پر اور شاہ نجاشی بھی مسلمان ہو گیا۔

عبد: نجاشی کے اسلام لانے کے بعد اس کی قوم نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

عمروؓ: حسب سابق اس کو بادشاہت پر برقرار رکھا اور سب اس کے پیرو ہو گئے۔ اساقفہ اور راہبان سب نے اتباع کیا۔

عبد: دیکھو عمرو کیا کہہ رہے ہو انسان کیلئے جھوٹ سے بڑھ کر کوئی ذلت بری نہیں اور انسان کیلئے جھوٹ سے زیادہ رسوا کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

عمروؓ: حاشا و کلا میں نے جھوٹ نہیں کہا نہ ہمارے میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔

عبد: معلوم نہیں ہرقل قیصر روم کو نجاشی کے اسلام لانے کی خبر ہوئی یا نہیں۔

عمروؓ: ہرقل کو نجاشی کے مسلمان ہونے کا علم ہے۔

عبد: تم کیوں کر ایسا کہہ سکتے ہو۔

عمروؓ: نجاشی ہرقل کو خراج دیا کرتا تھا۔ جب سے وہ مسلمان ہوا ہے تو اس نے کہہ دیا ہے کہ اگر اب وہ ایک درہم بھی مانگے گا تو نہ دوں گا۔ ہرقل تک یہ بات پہنچ گئی تو وہ خاموش ہو گیا۔ قیصر روم کے بھائی نیاق نے نہایت غصہ سے کہا یہ نجاشی ادنیٰ غلام خراج دینے سے انکار کرتا ہے اور حضور کے دین کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ ہرقل نے کہا پھر کیا ہوا اس نے اپنے لئے ایک دین پسند کیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ بخدا اگر مجھے شہنشاہی کا خیال نہ ہوتا میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا ہے۔

عبد: دیکھو عمرو کیا کہہ رہے ہو۔

عمروؓ: خدا کی قسم سچ کہہ رہا ہوں۔

عبد: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے پیغمبر کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں۔

عمروؓ: اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی معصیت اور نافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ بھلائی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ ظلم اور تعدی کرنا اور شراب خوری، بت پرستی اور

صلیب پرستی سے منع فرماتے ہیں۔

عبد: کیسے اچھے احکام ہیں جن کی وہ دعوت دیتے ہیں۔کاش میرا بھائی میری رائے قبول کرلے ہم دونوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لائیں۔میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرے بھائی نے اس پیغام کو رد کر دیا اور دنیا ہی کا راغب رہا تو وہ اپنے ملک کیلئے بھی سراپا نقصان ہوگا۔

عمروؓ: اگر وہ اسلام قبول کرے گا تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اس ملک کا بادشاہ تسلیم فرمالیں گے۔وہ صرف اتنا کریں گے کہ یہاں کے اغنیاء سے صدقہ وصول کر کے غربا میں تقسیم کرادیں گے۔

عبد: یہ تو اچھی بات ہے۔مگر صدقہ سے کیا مراد ہے؟

عمرو بن العاص نے زکوٰۃ کے مسائل بتائے۔جب یہ بتایا کہ اونٹ میں بھی زکوٰۃ ہے تو عبد بولا کیا وہ ہمارے مویشی میں سے بھی صدقہ دینے کو کہیں گے۔وہ تو خود ہی درختوں کے پتوں سے پیٹ بھر لیتے ہیں۔

عمرو بن العاص نے کہا ہاں اونٹوں میں سے بھی صدقہ لیا جاتا ہے۔میں نے تفصیل سے بتایا کہ سونے اور چاندی میں اتنی زکوٰۃ لی جاتی ہے اور بکریوں میں اتنی۔

عبد نے مجھے اپنی بھائی جیفر کے سامنے پیش کیا۔میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سربمہر والا نامہ پیش کیا مجھ کو بیٹھنے کا حکم دیا اور والا نامہ کھول کر پڑھا۔ایک دوروز کے بعد جیفر اسلام پر آمادہ ہوگیا اور دونوں بھائیوں نے مل کر اسلام کا اعلان کیا۔بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے ان پر جزیہ لگا دیا گیا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والا نامہ کا متن یہ تھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' یہ خط ہے محمد بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جیفر اور عبد پسران جلندی کی طرف۔سلام ہے اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔امابعد! میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔اسلام لے آؤ۔سلامت رہو گے' اس لئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ ڈراؤں اللہ کے عذاب سے ان کو کہ جو زندہ ہو اور ثابت ہو اللہ کی

حجت کافروں پر۔ تم اگر اسلام کا اقرار کرو تو تم کو تمہارے ملک پر بدستور قائم رکھیں گے' ورنہ سمجھ لو کہ تمہاری سلطنت عنقریب زائل ہونے والی ہے اور میرے سوار تمہارے گھر کے صحن تک پہنچیں گے اور میری نبوت اور رسالت تمہارے ملک کے تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گی۔''
(زاد المعاد ج 3 'صفحہ 62۔ طبقات ابن سعد ج 1 'صفحہ 18)

امیر دمشق منذر بن حارث کے نام

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' محمد اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے منذر بن حارث بن ابی شمر حاکم شام کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے احکام کی تصدیق کرے۔ پس میں تجھ کو دعوت دیتا ہوں اس بات کی کہ تو ایمان لائے اس ایک خدا پر جس کا کوئی شریک نہیں۔ اگر تو ایمان لے آیا تو تیری سلطنت باقی رہے گی۔''

شجاع بن وہب اسدیؓ یہ والا نامہ لے کر دمشق پہنچے۔ یہ خط مبارک پڑھ کر منذر بہت بگڑا اور کہا میں مدینہ پر حملہ کروں گا۔ بادشاہ کا دربان روم کا باشندہ تھا' اس کا نام مری تھا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سن کر روتا رہا اور کہا میں نے انجیل پڑھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ تمام اوصاف پاتا ہوں جو انجیل میں بیان ہوئے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتا ہوں۔

گورنر دمشق نے ایک خط قیصر روم کو لکھا۔ قیصر روم کا جواب آیا کہ اپنا ارادہ ملتوی کرو۔ قیصر کے جواب پر منذر نے شجاع بن وہب اسدیؓ کو بلایا اور دریافت کیا کہ واپسی کا کیا ارادہ ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا واپس جا رہا ہوں۔ فرمانروائے دمشق نے آپ کو ایک سو مثقال سونا ہدیۃً پیش کرنے کا حکم دیا اور دربان نے بھی تحائف پیش کیے اور کہا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک میرا اسلام پہنچا دینا۔ واپسی پر تمام حالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کا ملک ہلاک ہوا اور مری کے حالات سن کر ارشاد فرمایا ''آپ نے سچ کہا وہ مسلمان ہے۔''

خسرو پرویز کسریٰ شاہ ایران کے نام

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے نام والا نامہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ بھیجا۔ کسریٰ والا نامہ دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور یہ کہتے ہوئے والا نامہ چاک کر ڈالا کہ میرا غلام ہو کر مجھے خط لکھنے کی جرأت کرتا ہے۔ خط کا مفہوم یہ تھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من جانب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجانب کسریٰ شاہ فارس۔ سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے' کوئی اس کا شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تجھ کو اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق اس دین کی دعوت دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام لوگوں کی طرف' تاکہ ڈراؤں اس شخص کو جس کا دل زندہ ہے اور پوری ہو حجت اللہ کی کافروں پر' اسلام لا' سلامت رہے گا اور اگر تو نے روگردانی کی تو تمام مجوس کا گناہ تجھ پر ہو گا۔''

عبداللہ بن حذافہؓ نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کسریٰ کا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا'' کسریٰ نے باذان گورنر یمن کو لکھا کہ فوراً دو آدمی حجاز روانہ کرو کہ وہ اس شخص کو جس نے ہم کو یہ خط لکھا ہے گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کریں۔ باذان نے دو آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام خط دیکر روانہ کئے۔ جب یہ آدمی خط لے کر بارگاہ نبوت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خط سن کر مسکرائے اور ان سے فرمایا کل آنا۔ اگلے روز یہ دونوں شخص پیش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج شب اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے اور شیرویہ نے کسریٰ کو قتل کر ڈالا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم واپس جاؤ اور باذان سے یہ سب حال بیان کرو اور باذان سے یہ بھی کہہ دینا کہ میرا دین اور میری سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک کسریٰ کی پہنچی ہے۔ باذان نے کہا یہ بات بادشاہوں کی سی نہیں' اگر یہ خبر درست ہے تو بلاشبہ نبی ہیں۔ چنانچہ جب اس خبر کی تصدیق ہو گئی تو باذان اپنے خاندان اور رفقاء کے ساتھ مشرف بہ

اسلام ہوااور اپنے مسلمان ہونے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا۔
(البدایہ والنہایہ ج 4 صفحہ 268۔زرقانی ج 3 صفحہ 342)

مقوقس شاہ مصر کے نام

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے مقوقس عظیم قبط کے نام۔سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' اسلام لا' سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے اس دعوت سے اعراض کیا تو تمام قبط کے حق نہ قبول کرنے کا گناہ تجھ پر ہوگا۔اے اہل کتاب آؤ ایسی سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین مسلم ہے وہ یہ کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم کو سوائے خدا کے رب نہ بنائیں۔ پس اگر اس سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم مسلمان اور اللہ کے فرمانبردار ہیں۔''

یہ سربمہر خط حاطب بن ابی بلتعہؓ کو دے کر شاہ مصر کے پاس بھیجا۔حاطبؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ لے کر مصر پہنچے۔معلوم ہوا کہ بادشاہ سکندریہ میں ہے۔سکندریہ پہنچے اور والا نامہ پیش کیا۔بادشاہ نے توقیر اور عزت کے ساتھ والا نامہ لیا اور پڑھا۔حضرت حاطبؓ راوی ہیں شاہ مصر نے مجھ کو ایک مکان میں ٹھہرایا۔ایک روز تمام بطارقہ اور عمائدین کو جمع کیا اور ان کے سامنے مجھ سے کہا' جن کا خط لے کر آئے ہو کیا وہ نبی ہیں؟ حاطبؓ نے جواب دیا ہاں وہ اللہ کے رسول ہیں۔مقوقس نے کہا اگر وہ اللہ کے رسول ہیں تو جس وقت ان کو ان کی قوم نے مکہ سے نکالا تو اس وقت ان کے حق میں بددعا کیوں نہ کی تاکہ وہ ہلاک ہو جاتے۔حضرت حاطبؓ نے کہا کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہ السلام اللہ کے رسول تھے۔مقوقس نے کہا۔بیشک وہ اللہ کے رسول تھے۔حاطبؓ نے کہا جب وہ اللہ کے رسول تھے تو جس وقت ان کے دشمنوں نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا تو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کے حق میں بددعا کیوں نہ کی کہ اللہ عزوجل ان کو ہلاک کر دیتا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیتا۔مقوقس نے کہا بیشک تو حکیم ہے اور حکیم کے پاس سے آیا ہے۔

حضرت حاطبؓ کے اس حکیمانہ جواب نے مقوقس کو خاموش کر دیا۔حضرت حاطبؓ نے

شاہ مصر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ایک بادشاہ مصر میں پہلے بھی گزرا ہے جو دعوی ربوبیت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عبرت ناک سزا دی کہ غرق آب کر دیا۔ تم کو چاہیے کہ اس سے عبرت پکڑو' ایسا نہ ہو کہ تم دوسروں کیلئے سامان عبرت بنو۔ دین اسلام بہتر دین ہے' جس کے متعلق خداوند ذوالجلال نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبعوث ہو کر اس دین کی دعوت دی۔ قریش سب سے زیادہ سخت' یہود سب سے زیادہ دشمن اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب ثابت ہوئے۔ ہمارا تم کو قران کی طرف بلانا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ تم اہل تورات کو انجیل کی طرف بلاتے ہو۔ جو قوم کسی نبی کو پالے وہ اس نبی کی امت ہے۔ اے بادشاہ! تو بھی ان ہی لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اس نبی کا زمانہ پایا ہے۔ ہم تم کو دین مسیحی سے روکتے نہیں' بلکہ حکم دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کرو۔

شاہ مقوقس نے کہا میں نے اس نبی کے بارے میں غور و فکر کیا تو یہ پایا کہ وہ پسندیدہ چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور ناپسندیدہ چیزوں سے منع فرماتے ہیں۔ قابل نفرت چیزوں کا حکم دیتے اور قابل رغبت چیزوں سے منع نہیں فرماتے۔ جادوگر اور گمراہ نہیں' کاہن اور جھوٹے نہیں۔ نبوت کی علامتیں ان میں پاتا ہوں۔ مثلاً ان کا غیب کی خبر دینا۔ اس بارے میں پھر غور کروں گا۔ آپ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والا نامہ کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے خازن کو حکم دیا کہ اس کو حفاظت سے رکھیں اور ایک کاتب کو بلا کر عربی زبان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والا نامہ کے جواب لکھنے کا حکم دیا۔ وہ جواب یہ تھا۔

مقوقس شاہ مصر کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مقوقس سردار قبط کی طرف سے سلام ہو آپ پر۔ امابعد میں نے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھا اور سمجھا اور اس کے مضمون کو اور اس چیز کو جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی ہے' سمجھا۔ میں یقین سے جانتا ہوں کہ ایک نبی باقی رہ گیا ہے۔ میرا گمان یہ تھا کہ شاید اس کا خروج شام سے ہو۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کا اکرام و احترام کیا۔ دو باندیاں' کچھ کپڑے اور خچر ہدیۃً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت میں بھیجتا ہوں۔ والسلام

ایک باندی کا نام ماریہ قبطیہ تھا' جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں داخل ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہی کی بطن سے پیدا ہوئے۔ دوسری باندی کا نام سیرین تھا جو حسان بن ثابت کو عطا ہوئیں۔ خچر کا نام دلدل تھا۔

(الخصائص الکبرا' ج2 'صفحہ 12۔ زرقانی' ج3 'صفحہ 348)

رئیس یمامہ ہوذۃ بن علی کے نام

حضرت سلیطؓ کو رئیس یمامہ کے نام خط دے کر روانہ فرمایا۔ ہوذۃ بن علی نے آپ کا نامہ مبارک پڑھا اور حضرت سلیطؓ کو نہایت عزت واحترام سے خوش آمدید کہا حضرت سلیطؓ نے رئیس یمامہ کو مخاطب ہو کر کہا۔

''اے رئیس یمامہ تجھ کو عمر رسیدہ لوگوں نے رئیس اور سردار بنایا ہے۔ درحقیقت سردار وہ ہے جو ایمان سے متمتع ہو اور تقویٰ کا توشہ رکھتا ہو میں تجھ کو ایک بہترین چیز کی طرف بلاتا ہوں اور ایک بدترین چیز سے روکتا ہوں۔ اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے منع کرتا ہوں۔ اگر تو قبول کرے تو تیری قوم کی امیدیں بر آئیں گی اور تو خوف سے مامون ہوگا۔ اگر انکار کرے گا تو قیامت کا ہولناک منظر تیرے سامنے ہوگا۔ ہوذۃ نے کہا مجھے مہلت دیجئے میں سوچ لوں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہوذۃ بن علی کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے' معلوم کرلو کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکتے ہیں۔ اسلام لے آؤ۔ سلامت رہو گے اور تمہارے مقبوضات پر تم کو بدستور قائم رکھیں گے۔

ہوذۃ بن علی نے نامہ مبارکہ کا جواب یہ دیا۔

''جس چیز کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاتے ہیں وہ کیا ہی خوب اور بہتر ہے۔ عرب میرے دبدبہ اور مرتبہ سے ڈرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کچھ اختیار دیجئے' میں آپ صلی اللہ عا[illegible]لہ وسلم کا اتباع کروں گا۔

(زادالمعاد' ج3 'صفحہ 63)

اس جگہ ان دوسرے والیان ریاست وحکمرانان ملک کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ جنہیں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ منادیان اسلام نے اسلام کی دعوت دی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ثمامہ نجد کا حکمران تھا۔ سنہ 6 ہجری میں مسلمان ہوا۔ مسیلمہ کذاب کے فتنہ میں اسلام کی نمایاں خدمت سرانجام دیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس اس بارہ میں فرات ابن جان کو سفیر بنا کر بھیجا تھا۔

جبلہ عرب کی مشہور وقدیم سلطنت غسان کا حکمران تھا' سنہ 7 ہجری میں مسلمان ہوا۔ فروہ بن عمرو بن خزاعی شام میں قیصر روم کی طرف سے شام کا گورنر تھا۔ سنہ 7 ہجری میں مسلمان ہوا۔ قیصر نے بلا کر کہا کہ اسلام چھوڑ دے۔ فروہ نے انکار کیا۔ قیصر نے اس کو قید کر دیا اور پھر قتل کرا دیا۔ خدا کے نیک بندے نے دولت' حکومت' عزت اور جان سب چیزیں ترک کر دیں لیکن اسلام ترک نہ کیا۔

اکیدر دومتہ الجندل کا حکمران تھا۔ سنہ 9 ہجری میں مسلمان ہوا۔

ذی الکلاح حمیری یمن وطائف کے بعض اضلاع پر حکومت کرتا تھا اور زبردست قبیلہ حمیر کا سربراہ تھا۔ اپنے آپ کو خدا کہلایا کرتا تھا۔ لوگ اسے سجدہ کرتے تھے۔ مسلمان ہو جانے کے بعد ایک دن میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں اپنی سلطنت کو خیر باد کہہ کر مدینہ میں آ رہا اور زاہدانہ زندگی بسر کی۔

شاہان عالم کے نام دعوت اسلام کے خطوط اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت عرب وعجم' جن وانس' یہود ونصاریٰ' بت پرست' مشرکین ومجوس سب کیلئے ہے۔ داعی حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

''میری بعثت تمام دنیا کیلئے ہوئی ہے۔ پہلے جتنے نبی یا مرسل مبعوث ہوئے ہیں ان کی تعلیم ملک وقوم اور قبیلوں تک محدود تھی' لیکن اسلام کا پیغام عالم گیر ہے۔''

شاہان وقت کے نام خطوط اور سفیر اسلام کی دعوت دینے کیلئے بھیجے گئے کہ اسلام کے دامن عاطفت میں پناہ لے لو تا کہ دارین کی فلاح اور سرفرازی حاصل ہو۔ قیصر روم جو مذہباً عیسائی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کا معترف ہوا لیکن اسلام نہ لایا۔ عزیز مصر یعنی

مقوقس نصرانی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اعتراف کیا مگر اسلام نہ لایا۔ شاہ حبش نجاشی نے اسلام قبول کیا۔ کجکلاہ ایران خسرو پرویز نے غرور وغضب کا مظاہرہ کیا اور حاکم غسان سے سفیر کو شہید کرادیا۔ وہ اور اس کی فرمانروائی آناً فاناً تباہ ہوئی۔ برعکس اس کے اسلام تھوڑی سی مدت میں چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔

اگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت فقط عرب کیلئے مخصوص ہوتی تو یہود و نصاریٰ مجوس و مشرکین کو دعوت اسلام کیوں دیتے۔ قرآن و حدیث سے متواتر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاعلان فرماتے قل یاایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا و یااھل الکتاب تعالوالی کلمة سواء بیناوبینکم۔ اور اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دیتے۔ اگر نصاریٰ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب ہی کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے تو بہر حال نبی تھے اور نبی اپنے اقوال اور دعاوی میں یقیناً صادق ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نبی ہو اور کسی بات کا کاذب ہو۔ پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کیلئے نبی تھے تو اس دعویٰ میں انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا میں ضرور صادق تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی مان لیا تو عمومی بعثت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقیناً صادق ماننا پڑے گا۔

اہل ہجر کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت العلاء بن الحضرمی اور حضرت ابوہریرہ کو ہجر کے مجوسیوں کے پاس دعوت اسلام دینے روانہ کیا اور ہدایت فرمائی کہ اگر وہ انکار کریں تو ان پر جزیہ عائد کیا جائے۔ ان کا ذبیحہ کھانے یا ان لوگوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا۔

فرائض صدقات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے العلا بن الحضرمی کو اونٹوں، گائیوں، بکریوں، پھلوں اور دوسرے اموال کے بارے میں (زکوٰۃ کی شرح کے) فرائض لکھ کر دیئے۔ چنانچہ العلاء نے وہ لوگوں کو پڑھ کر سنائے اور ان سے صدقات وصول کئے۔

اہل یمن کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط اہل یمن کو لکھا جس میں انہیں شرائع اسلام کی

خبر دی اور جانوروں اور اموال میں زکوٰۃ کی شرح بتائی اور یہ وصیت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور قاصدوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ اہل یمن کی طرف معاذ بن جبلؓ اور مالک بن مرارہؓ کو قاصد بنا کر بھیجا۔ اس خط میں یہ بھی اطلاع دی گئی تھی کہ اہل یمن کا قاصد پہنچا اور جو کچھ ان لوگوں کی طرف سے اس نے پہنچایا وہ بھی لکھا تھا۔ اس کے علاوہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد یمن والوں کے نام خطوط ارسال فرمائے، جن میں سے چند یہ ہیں۔

الحارث بن عبد کلال

نعمان قیل بن ذی یزن

شریح بن عبد کلال

مغاضر

نعیم بن عبد کلال

ہمدان

زرعہ ذی رعین، یہ حمیر کا پہلا اسلام لانے والا تھا۔ اس نے اہل حمیر کو حکم دیا کہ صدقہ زکوٰۃ جمع کریں اور یہ سب معاذ بن جبلؓ اور مالک بن مرارہؓ کو دے دیں اور حکم دیا کہ ان دونوں قاصدوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ مالک بن مرارہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ان کے اسلام لانے اور اطاعت کرنے کی علامت کے طور پر اہل یمن کے قاصد تھے۔ چنانچہ ان کی طرف رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحریر فرمایا کہ "مالک بن مرارہ نے خبر پہنچا دی اور خفیہ (پیغام) کی حفاظت کی۔"

(معجم البلدان، ج 5، صفحہ 417-410-153)

جبلہ بن الایہم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسان (علاقہ شام) کے بادشاہ جبلہ بن الایہم کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے ایک نامہ ارسال فرمایا۔ جبلہ نے بخوشی اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قبولیت کا پیغام بھیجنے کے علاوہ کچھ ہدایا بھیجے۔ وہ برابر مسلمان رہا۔ حتیٰ کہ خلافت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں دمشق کے بازار میں مزینہ کے ایک گنوار کا پاؤں اس

عباء پر پڑا۔ جبلہ نے اس آدمی کو مار مار کر زخمی کیا۔ معاملہ امیر دمشق حضرت ابوعبیدہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ انہوں نے جبلہ کو مزینہ سے برابر کی سزا کا مستوجب قرار دیا۔

جبلہ نے کہا میں تو ایک گنوار کے برابر ہوا جارہا ہوں۔ یہ تو بہت ہی برا مذہب ہے۔ پھر وہ نصرانی ہو گیا اور اپنی قوم میں واپس چلا گیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ چلا گیا۔ جب یہ بات حضرت عمرؓ تک پہنچی تو انہیں بہت ناگوار گزرا۔ انہوں نے حسان بن ثابت سے کہا' ابوالولید! کیا تم نے بھی سنا ہے کہ تمہارا دوست جبلہ بن الایہم مرتد ہو کر نصرانی ہو گیا ہے۔ حسانؓ نے کہا ایسا کیوں ہوا۔ کہا' کہ مزینہ کے ایک شخص نے اس کو تھپڑ مار دیا تھا' یہ سن کر حسانؓ نے کہا' تب تو اس نے ٹھیک ہی کیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ اٹھے اور اپنا کوڑا اسنبھالا اور حسانؓ کے کوڑے لگائے۔

دوسری اور زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ حج بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اس کا لباس کسی شخص کے پیروں تلے آ گیا جو بنوفزارہ کا آدمی تھا۔ جبلہ نے اس کے ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ جس سے اس کی ناک کا پانسہ ٹیڑھا ہو گیا۔ ابن الجوزی نے اس واقعہ کو "المنتظم" میں تفصیل سے لکھا ہے۔

("الطبقات الکبیر" ابن الجوزی' ج2' صفحہ 739)

ربیعہ بن ذی مرحب

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربیعہ بن ذی مرحب الحضرمی' ان کے بھائیوں اور چچاؤں کو لکھا کہ حضرموت میں ان کے اموال وعطایا' غلام' کنیزیں' درخت' پانی' سواریاں' کھیتیاں سب ان کے ہیں اور مال سب آل ذی مرحب کا ہے۔ یہ معاہدہ معاویہ بن ابی سفیان نے لکھا تھا۔

"ان کے اموال' نخلستان' غلام' کنیزیں' درخت پانی کے ذخیرے' کھیتیاں اور اونٹ جو حضرموت میں ہیں' سب ان کے پاس رہیں گے۔ یہ سب آل ذی مرحب کا مال ہوگا اور ان کی زمینیں جو گروی رکھی ہوئی ہیں اور جس کا پھل' لکڑی' گھاس وغیرہ اس کے ہیں جس کے پاس وہ ہے۔ اس میں کوئی دعویٰ نہیں کرے گا اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بری ہوں گے۔ آل ذی مرحب پر واجب ہوگا کہ مسلمانوں کی مدد کریں اور ان کا علاقہ ظلم سے پاک رہے گا اور ان کے جان و مال بھی' اسی طرح ان کے علاقے کی وہ بھاڑ جو آل قیس تک چلی گئی ہے' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے محافظ ہیں۔"

بنو لخم

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبیلہ حدس سے جو لوگ اسلام لائے' نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی' خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ادا کیا' مشرکوں سے علیحدگی اختیار کی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمی ہیں اور مامون ہیں اور جو اپنے دین سے پھر گیا تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بری الذمہ ہیں اور جن کے مسلم ہونے کی شہادت کسی مسلمان نے دی' وہ بھی مسلمان مانا جائے گا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ میں محفوظ رہے گا۔ یہ دستاویز عبداللہ بن زیدؓ نے لکھی۔ جو یوں ہے۔

''لخم کے خاندان حدس کے لوگ جو ایمان لائیں' نماز پڑھیں' زکوٰۃ دیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ادا کریں' مشرکوں سے قطع تعلق کر لیں اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ امان میں رہیں گے۔ جو اپنے دین سے پھر جائیگا اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذمہ بھی اٹھ جائے گا اور جو گواہی دے کسی مسلمان کے اسلام کی اس کو بھی امان ہے اور وہ مسلمانوں میں شمار کیا جائے گا۔''

(الطبقات الکبریٰ ج 1' صفحہ 267-266)

خالد بن ضماد الازدی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ضماد الازدی کو یہ امان نامہ لکھ دیا جو ابی بن کعبؓ نے لکھا۔

''اسلام لاتے وقت جو کچھ علاقہ ان کا تھا' ان کا رہے گا بشرطیکہ وہ اللہ پر ایمان لائیں' اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور گواہی دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور بشرطیکہ وہ نماز پڑھیں' زکوٰۃ دیں' رمضان کے روزے رکھیں' حج کریں اور کوئی بدعت نہ کریں' شک میں نہ پڑیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر خواہی کریں اور اللہ کے دوستوں کو دوست اور اللہ کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھیں اور محمد نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ لازم ہے کہ وہ جس بات سے خود کو روکتے ہیں اس سے انہیں روکیں' جس کو اپنے مال اور عیال کیلئے

نہ سمجھتے ہیں۔ اسے ان کیلئے بھی اچھا نہ سمجھیں اور خالد الازدی ان شرائط کی بجا آوری کریں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ میں رہیں گے۔

(طبقات الکبیر' ج 1 'صفحہ 267)

حصین بن اوس الاسلمی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصین بن اوس الاسلمی کو لکھا کہ انہیں الفرغین وذات اعشاش کے علاقے دیئے جاتے ہیں۔ ان پر دوسرا کوئی دعوے دار نہ ہو۔ یہ دستاویز علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے لکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی النصاب کو جو بنی الحارث بن کعب میں سے تھے کو لکھا کہ انہیں سار بہ اور اس کا اوپری علاقہ دیا جاتا ہے۔ جب تک یہ نماز پڑھتے رہیں' زکوٰۃ دیتے رہیں' اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے رہیں اور مشرکین سے علیحدہ رہیں' اس پر کوئی دعوے دار نہیں ہو سکتا۔

(طبقات' ج 1 'صفحہ 268)

بنی بکر اور وائل کے نام

قتادہ نے بنی سدوس کے ایک شخص کے حوالے سے روایت کیا کہ بنی بکر اور وائل اگر اسلام قبول کر لیں تو بچ جائیں گے۔ ان کو کوئی خط پڑھنے والا نہ ملا۔ آخر بنی ضبیعہ کا ایک شخص آیا اور اس نے خط پڑھا۔ ان لوگوں کا نام بنی الکاتب پڑ گیا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط لے کر ظبیان بن مرشد السدوسی آئے تھے۔

(طبقات' ج 1 'صفحہ 282)

الحارث کلال کے نام

ابن شہاب الزہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک سے واپسی پر عبد الکلال حمیری کے بیٹوں الحارث' مسروح اور نعیم کو لکھا۔ الزہری نے کہا کہ یہ خط دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی کو بھیجا اور ان سے فرمایا۔ جب تم ان کے علاقے میں پہنچو تو رات کو بستی میں داخل نہ ہونا' انتظار کرنا صبح ہو جائے تو خوب پاک وصاف ہو

جانا اور دو رکعتیں نماز پڑھنا۔ اللہ سے پناہ مانگنا اور قبولیت و کامیابی کی دعا مانگنا۔ پھر میرا خط دا
ہاتھ میں لینا اور اپنے ہاتھ سے ان کے داہنے ہاتھ میں دینا تو وہ اسے قبول کرلیں گے پھر وہ جو
دلیل لائیں گے باطل ہو جائے گی اور جو بھی روشن کتاب پیش کریں گے اس کا نور زائل ہو جا
گا۔ وہ تمہارے سامنے اپنی کتاب پڑھیں گے۔ اگر عجمی زبان میں کچھ پڑھیں تو کہنا اس کا تر
کرو اور کہنا میرے لئے اللہ کافی ہے۔ اس پر میں ایمان لایا ہوں جو کچھ اس نے نازل کیا ہے
مجھے اس نے حکم دیا ہے کہ تمہارے ساتھ عدل کروں۔ اللہ ہمارا رب ہے اور ہمارے تمہار
درمیان کوئی حجت نہیں اور اللہ ہمارے تمہارے درمیان اتفاق پیدا کر سکتا ہے۔

اور عیاشؓ کہتے ہیں میں گیا اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا' ویسے
میں نے کیا۔ جب میں ان کی بستی میں پہنچا تو لوگ زرق برق لباس پہنے ہوئے تھے۔ تین گھر
کے تین دروازوں پر بڑے بڑے پردے دیکھے۔ جب میں اندر گیا میں نے کہا' میں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایات دی تھیں' اس
طرح میں نے عمل کیا۔ چنانچہ وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

(طبقات' ج 1' صفحہ 34)

وائل بن حجر کے نام

وائل بن حجر جب اپنی بستی کی طرف جانے لگے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری قوم کیلئے ایک خط تحریر فرمادیں۔ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر معاویہ سے فرمایا امراء کے نام لکھ دو کہ وہ نماز قائم کریں' زکوٰۃ دیں اور
چرانے والے جانوروں پر صدقہ ادا کریں۔ اس میں خلاط (اپنے مال کو دوسرے کے مال میں
ملانا) درات (دھوکا دہی) جلب (قیمت گھٹنا) جب (کترانا) اور شقاق (گڈمڈ کرنا) نہیں ہے۔
ان پر یہ واجب ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی مدد کریں اور ہر دس پر ایک بار شتر (زکوٰۃ) ہوگی۔ جو اپنا
مال چھپائے گا' وہ سود خور کے حکم میں ہوگا۔

وائل نے کہا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جاہلیہ میں زمین میرے پاس تھی' اس کیلئے
بھی فرمان لکھ دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تحریر فرمایا' یہ خط رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی طرف سے حضر موت کے امیر وائل بن حجر کے نام ہے۔ چونکہ تم مسلمان ہو گئے ہو میں نے تمہاری زمینیں اور قلعے تمہارے لئے کر دیئے ہیں اور تم سے ہر سال دسواں حصہ لیا جائے گا اور دو اہل عدل اس کا فیصلہ کریں گے اور ایسا انتظام کیا جائے گا کہ اس تعین لگان میں تم پر ظلم نہ ہو۔ جب تک دین قائم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین ہیں' وہ تمہارے مددگار ہوں گے۔''

(طبقات' ج 1 'صفحہ 287)

اہل نجران کے نام

یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اہل نجران کیلئے ہے۔ ان پر اگرچہ نبی کا حکم ہے اور وہ سونے چاندی اور لوہے (اسلحہ) یا غلاموں میں سے اپنا حصہ لے سکتے ہیں' مگر انہوں نے سب ان کیلئے چھوڑ دیا اور خراج میں ایک اوقیہ' قیمت کے دو ہزار حلے' لباس' سالانہ مقرر کر دیئے۔ ان میں سے ایک ہزار حلے رجب کے مہینے میں اور ایک ہزار صفر کے مہینے میں دیئے جائیں گے۔ ہر حلہ ایک اوقیہ' قیمت کا ہوگا۔ اگر کوئی حلہ کم یا زیادہ قیمت کا ہوگا اس کا حساب لیا جائے گا۔ اگر وہ حلوں کے بدلے زرہ بکتر یا گھوڑے یا سواری کے جانور دیں گے تو بھی حساب میں لگا لئے جائیں گے۔ اہل نجران پر لازم ہے کہ وہ میرے کارندوں کو بیس دن یا کچھ زیادہ ٹھہرائیں اور لگان دینے کیلئے انہیں ایک مہینے سے زیادہ ٹھہرنے پر مجبور نہ کریں۔ اگر یمن سے جنگ ہو تو وہ تیس زرہ بکتر' تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریتاً دیں گے۔ اگر جنگ میں کچھ زرہیں' اونٹ یا گھوڑے ضائع ہو جائیں تو ان کے ضامن ہمارے کارندے ہوں گے یہاں تک کہ وہ انکا بدلہ ادا کر دیں۔ اہل نجران اور ان کے ساتھیوں کیلئے اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذمہ ہے۔ ان کی جانیں' ملت و مذہب' ان کی زمین' اموال' ان کے غائب افراد اور موجود افراد' ان کے کارندے' ان کی نمازیں ان کی ضمانت ہے۔ ان کے کسی پادری کو تبدیل نہیں کیا جائے گا نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے ہٹایا جائے گا نہ کسی واقف کو اس کی وقفانیت سے برطرف کیا جائے گا۔ جو کچھ جائیداد قلیل یا کثیر ان کے قبضے میں ہے' وہ ان کی رہے گی۔ کوئی سود نہ ہوگا۔ زمانہ جاہلیت کے کسی خون کا قصاص بھی نہ ہوگا۔ ان میں سے اگر کوئی اپنا حق مانگے گا تو ان کے درمیان ایسے کرنے والے مسلمان قاضی ہوں گے جو نہ ظالم ہوں اور نہ ظلم کرنے دیں اور جس نے اسلام

کے ظہور سے پہلے کچھ سود کھایا ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ تم میں سے کسی کا مواخذہ دوسرے کے ظلم کیلئے نہیں کیا جائے گا۔ اس معاہدے میں جو کچھ لکھا ہے اس کیلئے اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذمہ ہے یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم ظاہر کر دے جب تک یہ خیر خواہ رہیں آپس میں امن و سلامتی سے رہیں اور ظلم سے مجبور نہ کر دیئے جائیں۔

اس معاہدے پر ابوسفیان بن حرب' غیلان بن عمرو مالک بن عوف النصری الاقرع بن حابس اور المستور بن عمرو اخویلی اور المغیرہ بن شعبہ و عامر مولیٰ ابوبکر نے گواہی ثبت کی۔

(طبقات' ج 1' صفحہ 288-287)

اکیدر کے نام

اہل دومہ کے ایک شیخ نے محمد بن عمر الاسلمی الواقدی سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیدر کو یہ خط لکھا تھا۔ راوی نے وہ خط بھی دکھایا اور الواقدی نے اس کی نقل حاصل کی۔

اکیدر دومتہ الجندل کا امیر تھا اور عیسائی تھا۔ اس نے خط میں مندرج شرائط پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کی تھی' لیکن بعد میں اس نے عہد شکنی کی تو اسے فاروق اعظمؓ نے جلاوطن کر دیا تھا۔ مندرجہ ذیل خط کی تشریح یاقوت حموی نے کی ہے۔ خط کا متن درج ذیل ہے۔

"یہ تحریر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اکیدر کے نام ہے جب کہ اس نے خالد بن ولید سیف اللہ کے سامنے دومتہ الجندل میں اسلام قبول کیا اور بتوں کی پوجا چھوڑ دی۔ ہمارے لئے تالاب کے اطراف کی زمینیں' غیر مزروعہ اور افتادہ زمینیں' ہتھیار کے ذخیرے اور قلعے چوپائے اور تمہارے لئے نخلستان اور چشمے ہیں' خمس کے بعد تمہارے مویشیوں پر ٹیکس نہیں ہوگا اور زکوٰۃ کا حساب کرنے کیلئے اکا دکا جانوروں کو دوسرے ریوڑ میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ تمہارے لئے چراگاہوں میں باڑھ نہیں لگائی جائے گی اور تم سے پرانے درختوں کی پیداوار کے دسویں حصے کے علاوہ کچھ نہیں لیا جائے گا بشرطیکہ تم نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو' اس پر تم سے یہ عہد میثاق ہوا ہے اور تمہارے لئے اس کی پابندی صدق دل سے کرنا واجب ہے۔

(طبقات' ج 1' صفحہ 289-288)

غزوہ خیبر

(محرم الحرام سنہ 7 ہجری)

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○

(سورۃ الفتح۔20)

وعدہ فرمایا تھا تم سے اللہ نے ڈھیروں مال غنیمت کا جو تم حاصل کرو گے۔ فوری طور پر تو یہ فتح اس نے تمہیں عطا کر دی اور لوگوں کے ہاتھ تمہارے خلاف اٹھنے سے روک دیئے۔ تا کہ یہ مومنوں کیلئے ایک نشانی بن جائے اور اللہ سیدھے راستے کی طرف تمہیں ہدایت بخشے ○

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حدیبیہ سے واپس ہوئے تو سورۃ فتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے عموماً اور اصحاب بیعۃ الرضوان سے خصوصاً یہ وعدہ فرمایا کہ تم کو بہت سی فتوحات ہوں گی اور بہت سی غنیمتیں ملیں گی چنانچہ آیت مذکورہ میں خیبر کی فتح مراد ہے۔ خیبر مدینہ سے شمال کی طرف تین منزل پر واقع ہے۔ یہودیوں کی خالص آبادی کا قصبہ تھا۔ آبادی کے گرد مستحکم قلعے بنائے ہوئے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیبیہ سے واپس آئے

ہوئے مشکل سے ایک ماہ گزرا تھا کہ اطلاعات ملنے لگیں کہ خیبر کے یہودی مدینہ منورہ پر حملہ کیلئے پر تول رہے ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مطابق جنگ کی وجہ سابقہ جنگوں میں ناکامی کا بدلہ لینا اور کھوئی ہوئی جنگی عزت وقوت بحال کرنے کیلئے ایک خونریز جنگ کی تیاری کرنا تھا۔

حدیبیہ سے واپسی پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش اور کوشش تھی کہ مسلمانوں اور اہل مکہ کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ مکہ قحط سالی کا شکار تھا۔ یمامہ کا قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا۔ یہ قبیلہ سرزمین مکہ کو غذائی سامان مہیا کرتا تھا۔ اہل مکہ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی اہل یمامہ کو حکم دیں کہ غلہ اور دیگر خوردنی اشیاء کی ترسیل جاری رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رئیس یمامہ کو حکم دیا کہ مکہ کو غلہ کی فروخت جاری رکھیں اور تالیف قلوب کی خاطر ابوسفیان کو پانچ سو طلائی سکے مکی فقراء میں تقسیم کرنے کی خاطر بھیج دیئے۔ ان کے علاوہ بہت سی کھجوریں بھی مدینہ سے بھجوادیں۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ خرما پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجی ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوش ہوئے۔ ایک سچا نبی خدا کی راہ میں ہر چیز قربان کر دیتا ہے تاکہ دین میں ترقی ہو۔ یہودیوں کی کتاب تالمود میں لکھا ہے کہ ”خدا اپنے پیغمبر سے چاہتا ہے کہ وہ دل و جان سے اس سے محبت کرے۔ اپنے جسم و جان اور آبرو کو اس کی راہ میں قربان کردے“ نبی محتشم دین کی ترقی کیلئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرتے تھے۔ اسی دوران اُم حبیبہؓ ابوسفیان کا شوہر حبشہ میں نصرانی ہوگیا۔ اُم حبیبہؓ نے علیحدگی اختیار کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کا عزم فرمایا تاکہ ابوسفیان اور بنوامیہ کا خاندان کچھ نرم ہو جائے اور ان کی خصومت میں کمی آئے۔ ام حبیبہؓ کا نکاح حبشہ میں نجاشی نے کیا اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ بھیج دیا۔ یہ عقد اسلام کی ترقی کیلئے بہت مددگار ثابت ہوا۔

خیبر کے باشندوں نے مسلمانوں اور مکہ کے لوگوں میں صلح ہونے کے باوجود اپنی روش نہ بدلی۔ وہ مدینہ کے کسی قافلے کو خیبر کی طرف سے جانے نہ دیتے تاکہ وہ شام سے اپنے تعلقات جاری نہ رکھ سکیں۔ یہودیان خیبر کسی طرح بھی صلح پر راضی نہ ہوئے کیونکہ ان میں اکثریت ان کی تھی جن کو مدینہ سے بدر کردیا گیا تھا۔ عربی میں خیبر قلعے کو کہتے ہیں۔ اس شہر میں آٹھ جنگی قلعے تھے اور ان میں بیس ہزار سپاہی رہتے تھے۔ خیبر کے یہودیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول رحمت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان ترک جنگ کا معاہدہ ہو گیا ہے۔ تو وہ چوکنے ہو گئے۔ انہوں نے مدافعت کی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنی بیس ہزار فوج کے علاوہ قبیلہ بنو غطفان کے چار ہزار جنگ جو بہادروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور معاہدہ یہ ہوا کہ اگر مدینہ فتح ہو گیا تو پیداوار خیبر کا نصف حصہ ہمیشہ بنو غطفان کو دیتے رہیں گے۔ غدار یہود سب کے سب خیبر میں جمع تھے اور جنہوں نے بدعہدی کر کے جنگ احزاب میں کفار کو مدینہ پر چڑھائی کی ترغیب دی تھی اب خوف کے مارے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں ہرگز شریک نہ ہوں اور اس بارے میں اللہ نے فرمایا۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(سورۃ الفتح۔15)

جب تم مال غنیمت حاصل کرنے کیلئے جانے لگو گے تو یہ پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ تم سے ضرور کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں۔ ان سے صاف کہہ دینا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ پہلے ہی تمہارے بارے میں یہ فرما چکا ہے۔ یہ کہیں گے کہ نہیں تم لوگ ہم سے حسد کر رہے ہو (حالانکہ یہ بات حسد کی نہیں) بلکہ یہ لوگ صحیح بات کو کم ہی سمجھتے ہیں ۝

یعنی جو لوگ سفر حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم خیبر کی غنیمتیں لینے چلو گے تو یہ طامع لوگ تم سے یہ کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ تمہارے ساتھ خیبر چلیں۔ حق تعالیٰ ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم اور اس کے وعدہ کو بدل ڈالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے یہ حکم دے دیا ہے۔ پھر یہ اہل طمع یہ اعتراض کریں گے کہ تم ہم پر حسد کرتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ غنیمت میں ہم تمہارے شریک نہ ہوں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین کے قلوب حسد اور حرص سے پاک و منزہ ہیں۔ بلکہ یہی لوگ بات کو بہت ہی کم سمجھتے ہیں جن حضرات کی نظر میں پوری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی ہو ان کے متعلق حسد کا تصور ہی کمال ابلہی و نادانی ہے۔

مسلمان محاصرہ کی سختی کو جو جنگ احزاب میں انہیں اٹھانی پڑی تھی۔ ہنوز نہیں بھولے تھے۔ اس لئے اخیر ماہ محرم الحرام سنہ 7 ہجری میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ خیبر کی طرف چل پڑے۔ ازواج مطہرات میں سے ام المومنین ام سلمہؓ تھیں۔ سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق تھا کہ حملہ آور دشمن کو آگے بڑھ کر لینا چاہیے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ میں صرف انہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہمرکاب چلنے کی اجازت دی جو لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُومِنِیْنَ اِذْیُبَا یِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا کی بشارت سے ممتاز تھے اور جن کو وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مغانم کثیرۃ تاخذونها کی خوشخبری مل چکی تھی۔

مقدمہ لشکر کے سردار عکاشہ بن محصن اسدیؓ اور میمنہ کے سردار حضرت عمر ابن الخطابؓ تھے۔ سردار میسرہ کوئی اور صحابی تھے۔ بیس صحابیہ مستورات شامل تھیں تا کہ بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری اور خبر گیری کر سکیں۔ لشکر اسلام رات کے وقت خیبر کے نواح میں پہنچ گیا اور میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ حباب بن المنذرؓ نے میدان جنگ کا انتخاب کیا۔ تاریخ طبری کے مطابق یہ میدان خیبر اور بنو غطفان کے درمیان پڑتا تھا' اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بنو غطفان یہودیوں کی مدد کیلئے نہ نکل سکے۔ بنو غطفان اور بنو فزارہ اہل خیبر کے حلیف تھے۔ لشکر اسلام کے پہنچنے پر دونوں قبیلے اپنے اپنے بہادروں کو اہل خیبر کی مدد پر بھیجنا چاہتے تھے لیکن مسلمانوں سے ڈر گئے اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہم اس جنگ میں غیر جانب دار ہیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا کیمپ اسی جگہ کو مقرر فرمایا۔ اس جگہ ایک مسجد تیار کی گئی اور جنگ کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کا سلسلہ بھی جاری فرما دیا۔ حضرت عثمان بن عطفانؓ کو کیمپ افسر مقرر فرمایا۔ خیبر کے قلعے آبادی کے دائیں بائیں واقع تھے اور شمار میں دس تھے۔ بعض کے نزدیک ان قلعوں کی تعداد چھ' سات اور آٹھ تھی۔ ہر قلعہ میں دس ہزار جنگی جوان رہا کرتے تھے۔

مسلمانوں نے ان کی تقسیم اس طرح کی۔

قلعہ ناعم

قلعہ نطاہ

حصن صعب بن معاذ

حصن از بیر

یہ چاروں حصون نطاہ کہلاتے تھے

حصن النزار

حصن ابی

یہ تین حصون شن کے نام سے مشہور تھے

حصن قموص طبری

حصن وطیح

حصن سالم

(جسے بنی الحقیق بھی کہتے ہیں)

یہ تینوں حصون کتیبہ کہلاتے تھے

جنگ خیبر میں ابتدا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس لشکر اسلام کی کمان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمارے پاس ایسے وسائل نہیں کہ ان مضبوط قلعوں کو تسخیر کر سکیں۔ صرف تیر وکمان اور تلوار سے ایسے مستحکم قلعوں کو فتح کرنا مشکل ہے البتہ ان کا محاصرہ کر لیا جائے۔ نہروں کا پانی بند کر دیا جائے اور غذائی اشیاء قلعوں میں نہ جانے دی جائیں تو مجبور ہو کر بہت جلد مسخر ہو جائیں گے۔ نیز یہ کہ خیبر کے قلعوں کو باری باری فتح کیا جائے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ لڑھکنے والے برج (منجنیق) بنائے جائیں۔ ان برجوں میں چھپ کر مسلمان قلعہ کی دیوار تک چلے جائیں تا کہ منجنیق کے گولوں سے محفوظ ہو جائیں۔ آب و ہوا کی

ناسازگاری سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت خراب ہوگئی اس لئے کمان حضرت ابوبکرؓ کو سونپ دی۔ حضرت ابوبکر کو بخار آنے لگا تو انہوں نے لشکر اسلام کی سربراہی حضرت عمرؓ کے سپرد کردی۔ وہ بیمار ہو گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کے مشورہ سے کمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے کی حالانکہ اس وقت وہ بھی بخار میں مبتلا تھے۔ بخار کی حالت میں بھی انہوں نے پہلا قلعہ حصن نطاۃ پر چڑھائی کردی۔ بقول بغوی اور ابن ابی حدید حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی علالت کا سن کر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو طلب فرمایا۔ وہ آشوب زدہ آنکھوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعاب دہن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھوں پر لگایا۔ آپ ٹھیک ہو گئے۔ مرحب قلعہ دار نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مبازرت کیلئے طلب کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک ہی وار میں قتل کردیا۔ اس کے بعد مرحب کا بھائی یاسر نکلا۔ حضرت زبیر بن العوامؓ نے اس کو خاک میں ملا دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے بعد عام حملے کا حکم دیا اور قلعہ ناعم فتح ہو گیا۔

قلعہ قموص خیبر کے قلعوں میں سب سے زیادہ مستحکم تھا۔ اس قلعہ کے محاصرے پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درد شقیقہ میں مبتلا تھے' اس لئے نشان دے کر حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ دوسرے دن حضرت عمر فاروق کرم اللہ وجہہ کو نشان دے کر روانہ فرمایا لیکن باوجود سخت جدوجہد کے قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج نشان اس شخص کو عطا ہوگا جو قلعہ قموص فتح کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلوایا۔ ان کی آنکھیں آشوب زدہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعب دہن ان کی آنکھوں پر لگایا اور دعا فرمائی۔ نشان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نشان لے کر روانہ ہو گئے اور قلعہ ان کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

(فتح الباری' ج 1' صفحہ 365)

اسی روز قلعہ صعب کو حضرت خباب بن المنذرؓ نے فتح کرلیا۔ یہاں سے مسلمانوں کو اشیائے خوردونوش کی وافر مقدار ملی اور لشکر اسلام میں قلت رسد کی تکلیف دور ہوئی اس قلعہ سے آلات قلعہ شکنی اور دیگر اسلحہ بھی برآمد ہوا۔

(عیون الاثر' ج 2' صفحہ 134)

قلعہ حصن پہاڑ کی چوٹی پر تھا اسی وجہ سے اس کو حصن قلعہ کہتے تھے۔ یہ بعد میں قلعہ زبیر کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ تقسیم غنائم میں یہ حضرت زبیر بن العوامؓ کے حصہ میں آیا محاصرہ سے یہ قلعہ فتح ہوتا نظر نہ آیا۔ اتفاق سے ایک یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا اور عرض کی کہ قلعہ داروں کو زیر زمین پانی ملتا ہے اس لئے قلعہ فتح نہ ہوگا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا زیر زمین پانی بند کر دیا۔ یہودی قلعہ سے باہر نکلے اور قلعہ فتح ہوگیا۔

(البدایہ والنہایہ ج 4 صفحہ 198۔ زاد المعاد ج 2 صفحہ 136)

حصن ابی

حصن ابی پر حملہ شروع ہوا تو قلعہ والوں نے سخت مدافعت کی۔ ایک شخص جس کا نام غزوان تھا۔ مبازرت کیلئے قلعہ سے باہر نکلا۔ حضرت خباب بن المنذرؓ مقابلہ کیلئے نکلے اور اس کا دایاں بازو کاٹ دیا۔ وہ قلعہ کی طرف بھاگا۔ حضرت خبابؓ نے تعاقب کیا وہ گر پڑا۔ حضرت خبابؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ یہود پر رعب طاری ہوگیا اور باہر نہ نکل سکے۔ حضرت ابودجانہؓ آگے بڑھے اور تکبیر کہتے ہوئے قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے اور قلعہ فتح کر لیا۔ اہل قلعہ بھاگ نکلے۔ یہاں سے بھیڑ، بکری، پارچات اور بہت سا اسلحہ مال غنیمت میں ملا۔ یہاں سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے حصن النزار پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے قلعہ نشینوں نے سخت مزاحمت کی اور اس قدر تیر و پتھر برسائے کہ مسلمان پسپا ہونے لگے۔ لیکن پھر سنبھل کر منجنیق کا استعمال کرنا پڑا جو انہیں حصن صعب سے غنیمت میں ملے تھے۔ منجنیقوں سے قلعے کی دیواریں گرائی گئیں اور قلعہ فتح ہوگیا۔

فتح خیبر بلاشبہ اسلام کے درخشندہ کارناموں سے ہے کیونکہ اسلامی افواج کے پاس کوئی سامان قلعہ گیری نہ تھا۔ اس کے باوجود عساکر اسلام بیس ہزار ہتھیار بند یہودیوں پر غالب آگئے جو سب کے سب قلعہ بند تھے۔ جب خیبر کا آخری قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں کی موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گلے لگایا اور بوسہ دے کر فرمایا علی اسد اللہ یعنی شیر خدا ہیں چنانچہ یہ لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے چسپاں ہوگیا۔ غزوہ خیبر کی فتح سے مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ملا بالخصوص خورد و نوش کا سامان وافر مقدار میں ہاتھ آیا۔ فتح خیبر پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ بہت نرم سلوک روا رکھا۔ یہودیوں کو اجازت تھی کہ

خیبر سے جاتے وقت جو چاہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ البتہ خرما' بھیڑ بکری اور غلہ لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ جو یہودی خیبر سے نہ جانا چاہتے تھے انہیں وہاں رہنے کی اجازت تھی اور حسب سابق اپنا کاروبار بھی کرنے کی اجازت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ مسلمانوں کو یہودی عورتوں پر قبضہ کی اجازت نہ دی نیز یہ کہ کسی یہودی کے باغ کو نقصان نہ پہنچائیں' نہ نخلستان میں جائیں اور نہ ہی درختوں کو ہاتھ لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے تالیف قلوب کی خاطر قلعہ قموص سے قید ہوئے سردار بنی نضیر حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ سے نکاح فرمایا۔ تفصیل ازواج مطہرات کے ضمن میں بیان کی جائے گی۔ یہاں صرف یہ بیان مقصود ہے کہ حضرت صفیہ اور ان کی دو چچازاد بہنیں قلعہ قموص سے قید ہو کر آ گئیں۔ حضرت صفیہؓ کے پہلے شوہر کا نام کنانہ بن ربیع تھا جو اس غزوہ میں مارا گیا۔ فتح خیبر کے بعد یہودیوں کے دو قبیلے جو وادی القریٰ میں رہتے تھے اور دوسرے دو قبیلے جو فدک میں رہتے تھے' مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ صلح کیلئے حاضر ہوئے اور جزیہ دینا قبول کیا۔
(فتح الباری' ج 7' صفحہ 36)

فتح فدک

جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے فدک کے دو قبیلوں نے بھی یہود خیبر کی طرح صلح کر لی تا کہ ان سے جان و مال کا امان مل جائے۔ ان لوگوں نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہماری جانوں کو امان دی جائے' ہم تمام مال و اسباب چھوڑ کر یہاں سے جلاوطن ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منظور فرمایا۔ حضرت محیصد بن مسعودؓ کے واسطہ سے گفتگو ہوئی۔ چونکہ فدک بغیر حملہ اور فوج کشی کے فتح ہوا اور اس لئے فدک خالص رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ اس غزوہ میں حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ زوجہ کنانہ بن ربیع گرفتار ہو کر آئی۔ حی بن اخطب کا دعویٰ تھا کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی ذریت میں سے ہے۔ حضرت وحیہ کلبیؓ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی کہ مجھے ایک جاریہ عطا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم کو اختیار ہے جس جاریہ کو چاہو لے لو۔ حضرت وحیہ کلبیؓ نے حضرت صفیہؓ کو پسند کیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یہ ان کے سردار کی بیٹی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کیلئے مناسب ہے۔ آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو واپس لے لیا اور ان کے بدلے میں حضرت صفیہؓ کی چچازاد بہن حضرت دحیہ کلبی کو عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا۔ جس طرح غزوہ بنی مصطلق میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہؓ کے ساتھ ان کی خاندانی وجاہت وعزت کے موافق معاملہ فرمایا' اسی طرح اس موقعہ پر بھی حضرت صفیہؓ کے ساتھ ان کی خاندانی مرتبت اور حضرت ہارون علیہ السلام کی ذریت سے ہونے کے شرف سے ان کو آزاد فرما کر اپنی زوجیت میں لے لیا۔

زہر خورانی کا واقعہ

فتح خیبر کے بعد مسلمانوں نے یہودیوں کی عبادت گاہیں کھولیں اور یہودی حسب سابق ان میں عبادت کرنے لگے' یہودیوں کی جتنی مقدس کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں' سب واپس کر دی گئیں اس طرح دونوں قوموں کے تعلقات بہت اچھے ہو گئے۔ ایک یہودی عورت زینب بن حارث زوجہ سلام بن مشکم یہودی نے سن رکھا تھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دست گوسفند بہت پسند ہے۔ اس نے ایک بکری بھونی اور اس کے دست زہر آلود کر کے خدمت اقدس میں ہبہ کر دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک صحابی بشیر بن معرورؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دست ان کو دے دیا اور دوسرے دست سے لقمہ لے کر دہان مبارک میں رکھا ہی تھا کہ نکال کر پھینک دیا اور بشیر سے کہا یہ زہر آلود ہے لیکن بشیر بن معرور گوشت کھا گئے تھے۔ چنانچہ وہ ہلاک ہو گئے اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت رہے۔ گرفتاری پر زینت بنت حارث نے اقرار جرم کر لیا اور کہا کہ اس نے دست گوسفند کو اس لئے زہر آلود کیا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے نبی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی کھانے سے پرہیز کریں گے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ گوشت نہیں کھایا اس لئے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں۔ رسول رحمت نے وفات سے پہلے فرمایا تھا زہر آلود گوشت منہ میں رکھنے سے زہر کا اثر حلقوم سے نیچے اتر گیا تھا' جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے اور یہ بیماری باعث وصال بنی۔

(فتح الباری' ج7' صفحہ 38)

عمرۃ القضاء

صلح حدیبیہ کی رو سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے ساتھ دس سالہ معاہدہ عدم جنگ فرمایا تھا۔ اس صلح نامہ کی رو سے ایک سال بعد مسلمانوں کو زیارت خانہ کعبہ کی اجازت تھی۔ مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کر سکیں گے۔ اس بناء پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذیقعدہ سنہ 7 ہجری کا چاند دیکھ کر صحابہ کو حکم دیا کہ عمرہ کیلئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ہزار صحابہ کرام کو ہمراہ لے کر عازم مکہ ہوئے۔ چونکہ زیارت کی نیت سے روانہ ہوئے تھے۔ اس لئے سبؓ کے پاس سوائے تلوار کے کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ہدی کے ستر اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہیوں نے احرام باندھا اور لبیک کہتے ہوئے روانہ ہوئے' قریش ڈر گئے اور مکہ سے باہر جا کر خانہ کعبہ کے نزدیک پہاڑوں میں چھپ گئے تا کہ وہاں سے خانہ کعبہ کے طواف کا منظر دیکھ سکیں۔ قریش ڈر کے مارے اس لئے چھپے تھے کہ کہیں مسلمان ان پر حملہ نہ کر دیں۔ البتہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ احتیاط ضرور فرمائی تھی کہ ایک سو یا بعض سیرت نگاروں کے مطابق دو سو سواروں کا ایک دستہ محمد بن مسلمہؓ کی زیر قیادت ایک نشیبی علاقے میں مقام مرالظہر ان میں مقرر فرما دیا جو پہاڑ کے عقب سے دیکھ سکتا تھا کہ مسلمانوں پر کوئی حملہ آور نہ ہو سکے اور بوقت ضرورت مدد کیلئے جا سکے۔ مشرکین مکہ مسلمانوں کے نظم وضبط اور خلوص نیت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو رہے تھے۔ رسول رحمت کے حکم پر حضرت بلالؓ موذن رسول کعبہ کی چھت پر چڑھے اور اذان دی اور مکہ کی فضا میں پہلی بار اللہ اکبر کی صدا گونجی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ قصویٰ کی مہار تھام کر آگے آگے تھے اور رجز پڑھتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابن رواحہ سے کہا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اللہ کے حرم میں شعر پڑھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے عمر یہ شعر کافروں کے حق میں تیر بازی سے سخت ہیں۔ اے عمر میں سن رہا ہوں۔ اے عبداللہ بن رواحہ رجز جاری رکھو۔ عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ صحابہ بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ نَصَرَ عَبْدَہٗ اَعَزَّ جُنْدَہٗ وَ ھَزَمَ الْاَحْزَابَ ان کلمات کو پڑھتے جاتے۔ اس شان سے بیت اللہ کا طواف کیا اور سعی بین الصفا

والمروہ کر کے حکم دیا کہ جو لوگ اسلحہ کی حفاظت کیلئے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ وہ آ کر طواف اور سعی کر لیں۔ آپ کعبۃ کے اندر تشریف لے گئے اور ظہر تک اندر ہی رہے۔

(فتح الباری' ج 7' صفحہ 383۔ الطبقات الکبریٰ' ج 2' صفحہ 88)

جس وقت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحالت احرام طواف فرما رہے تھے تو فرط شوق و مسرت اور خلوص نیت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمان مبارک سے آنسو جاری تھے۔ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتیٰ کہ حضرت عمرؓ بھی زار و قطار رو رہے تھے کیونکہ عرصہ دراز کے بعد مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی زیارت کا موقع ملا تھا اور کبھی تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ کعبہ کی زیارت کر سکیں گے۔ مراسم عمرہ پورے کرنے کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے عقد فرمایا جو حضرت عباسؓ عم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سالی تھیں۔ حضرت میمونہؓ کے آٹھ بھائی تھے اور سب کے سب اشراف مکہ کے داماد تھے۔ حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ معززین مکہ سے ہو گیا۔ حضرت میمونہؓ سے نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ خالد بن ولید سردار مکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریبی رشتہ ہو جائے۔ خالد بن ولید حضرت میمونہؓ کے بھتیجے تھے اور انہوں نے خالد بن ولید کو اپنے بچے کی طرح پالا تھا۔ اس رشتہ سے خالد بن ولید رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کے مانند ہو گئے۔ ان باتوں کا اتنا اثر ہوا کہ خالد بن ولید نے کہا ''یہ شخص جو ایسا دین لایا ہے اور اتنے لوگ ان کے پیرو ہو گئے ہیں' دھوکہ باز اور جھوٹے نہیں ہو سکتے' کیونکہ جو لوگ ان کے گرد ہیں سب ان پر سچا ایمان رکھتے ہیں۔ اگر وہ دھوکے باز ہوتے تو لوگ اتنی تعداد میں خلوص نیت سے ان پر ایمان نہ لاتے۔''

تیسرے دن صبح قریش نے چند آدمی آپ کی خدمت میں بھیجے کہ مدت گزر گئی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چلے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا اور اپنے غلام حضرت ابو رافعؓ کو حضرت میمونہؓ کے پاس چھوڑ گئے۔ وہ ان کو لے کر مقام سرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے۔ ماہ ذی الحجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزول جلال فرمایا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ط فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○

(سورۃ الفتح۔27)

فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا' جو ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے۔ اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ وہ اس بات کو جانتا ہے' جسے تم نہیں جانتے تھے۔ اس لئے وہ خوب پورا ہونے سے پہلے اس نے تمہیں یہ قریبی فتح عطا فرما دی۔

عمرۃ القضا سے فارغ ہو کر جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہؓ کی چھوٹی صاحبزادی چچا چچا پکارتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو گود میں اٹھالیا۔ حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ یہ لڑکی میری پرورش میں رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ حضرت زیدؓ نے کہا میرے اسلامی اور دینی بھائی کی لڑکی ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ لڑکی اپنی خالہ کے پاس رہے گی۔ کیونکہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔

(ابن ہشام' ج2' ص202' زرقانی' ص12)

غزوہ موتہ

خالد بن ولیدؓ
عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ کا اسلام

قریش مکہ نے حضرت میمونہؓ کی دعوت ولیمہ میں شرکت سے انکار کیا تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف چلے۔ اس دوران اسلام کے مشہور سپہ سالار خالد بن ولید' عرب کے مشہور عاقل عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے کے زمانے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فتح خیبر کے بعد سنہ 7ہجری میں مسلمان ہوئے اور بعض کے نزدیک صفر سنہ 8ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوہ حدیبیہ کے وقت خالد بن ولید کفار کی فوج میں شامل تھے اور آخر میں یہی امیر ہوئے اور انہی کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ معلوم ہوا کہ صلح حدیبیہ اور غزوہ موتہ کے درمیانی مدت میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ زواج ام المومنین حضرت میمونہؓ کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی عزیز ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے نظم وضبط اور ایمان خالص نے ان پر گہرا اثر کیا تھا۔ مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ خود بیان کرتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی تو یکایک مجھے خیال

آیا کہ میں جس لڑائی میں بھی قریش کی طرف سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں جاتا ہوں تو میرا دل کہتا ہے کہ تیری تمام کوشش اور جدوجہد لاحاصل اور بے سود ہے اور تحقیق رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور غالب ہوں گے۔ چنانچہ حدیبیہ کے موقع پر میں مشرکین کے ساتھ تھا تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب کو صلوٰۃ الخوف پڑھا رہے تھے۔ میں نے ارادہ کیا کہ نماز کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کروں، مگر حضور میر ارادے سے باخبر ہو گئے اور میں حملہ نہ کر سکا۔ اس وقت میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ منجانب اللہ مامون ہیں، غیب سے ان کی حفاظت ہو رہی ہے اور میں ناکام واپس لوٹ آیا۔

جب حضرت خالد بن ولید مشرف بہ اسلام ہونے جا رہے تھے، تو انہیں راستہ میں حبشہ آنے والے عمرو بن العاص ملے۔ یہ بھی مسلمانوں کی طرف اسلام لانے کی غرض سے جار تھے۔ اسی دوران خالد بن ولید کو اپنے بھائی حضرت ولید بن ولیدؓ کا جو اصحاب رسول میں شا تھے، خط ملا جس کا مضمون یہ تھا ’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘ اما بعد، میں نے اس سے زیادہ کوئی تعجب خیز نہیں دیکھا کہ تیری رائے اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کے قبول کرنے سے منحرف ہے، حالانکہ تیر عقل مشہور و معروف ہے اور اسلام جیسے پاکیزہ مذہب سے کسی کا بے خبر رہنا نہایت تعجب خیز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے تمہارا حال دریافت کیا اور فرمایا کہ خالد کہاں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو لے آئے گا۔ آپ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تعجب ہے کہ اس جیسا عاقل اسلام جیسے پاکیزہ مذہب سے بے خبر نادان ہو جائے اور فرمایا کہ اگر خالد مسلمانوں کے ساتھ مل کر دین حق کی مدد کرتا اور اہل باط مقابلہ کرتا تو یہ اس کیلئے بہتر ہوتا، اس کو دوسروں پر مقدم رکھتے۔ پس اے بھائی تجھ سے جو مقامات فوت ہو گئے ہیں، تو ان کی تلافی اور تدارک کر لے ابھی تدارک کا وقت ہے۔“

حضرت خالد بن ولید کہتے ہیں کہ اس خط نے میری رغبت اسلام میں زیادہ کر دی۔ ا نے صفوان بن امیہ سے ملاقات کی اور کہا کہ اگر ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جائیں اور ان کا اتباع کریں تو یہ ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ صفوان نے نہایت سختی سے انکار کیا نے دل میں سوچ لیا کہ اس شخص کا باپ اور بھائی بدر میں مارے گئے ہیں۔ اس لئے اس

توقع نہیں کی جا سکتی' بعد ازاں میں عکرمہ بن ابو جہل سے ملا۔ عکرمہ نے بھی مجھے وہی جواب دیا۔ جو صفوان نے دیا تھا۔ میں گھر گیا اور اونٹنی پر سوار ہو کر حضرت عثمان بن طلحہ سے ملاقات کی۔ حضرت عثمان بن طلحہ نے میرا مشورہ قبول کیا اور کہا کہ میں بھی مدینہ چلتا ہوں۔ حضرت خالد بن ولید کہتے ہیں کہ ہم دونوں عازم مدینہ ہوئے تو راستے میں عمرو بن العاص ملے وہ بھی اسلام کے ارادہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ اس طرح ہم تینوں مدینہ میں داخل ہوئے۔ کسی نے ہماری خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی۔ آپ ہماری آمد کی خبر سن کر مسرور ہوئے اور فرمایا کہ "مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہماری طرف پھینک دیا ہے" ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔ ہم نے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ حمد ہے اس ذات پاک کی جس نے ہم کو اسلام کی توفیق دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم میں عقل ہے اور امید کرتا تھا کہ وہ عقل تم کو خیر اور بھلائی کی طرف راہنمائی کرے گی۔

(خصائص الکبریٰ' ج 1 'صفحہ 248 وجلد 4 'صفحہ 240-238۔ البدایہ والنہایہ' ج 4 'صفحہ 338)

اسلام لانے کے بعد یہ تینوں حضرات اسلام کے بڑے بڑے سرداروں میں سے ہوئے۔

غزوہ موتہ

(لشکر روم سے جنگ' جمادی الاوّل سنہ 8ھ)

موتہ ایک مقام کا نام ہے' جو ملک شام میں بلقاء کے علاقے میں واقع ہے۔ موتہ کا محل وقوع موجودہ دور کے مطابق بحیرہ لوط کے قریب جنوب مشرق میں سلطنت اردن کے اندر ہے۔ ارباب حدیث جنگ موتہ کو غزوہ موتہ ہی کے نام سے پکارتے ہیں۔ میدان جنگ کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ موتہ میں مسلمانوں نے دوسری جنگ لڑی۔ پہلی جنگ میں مسلمان رومیوں کے مقابلے میں شکست کھا گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے دوسری جنگ موتہ کے مقام پر لڑی۔

فتح خیبر کے بعد مسلمان بہت طاقتور ہو گئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلاطین وقت اور امرائے زمانہ کو خطوط ارسال کر کے دعوت دین اسلام دینا مناسب خیال فرمایا۔

عربستان میں حارث بن ابی شمر شاہ بیزانس (رومتہ الکبریٰ) کا نمائندہ تھا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط اس کے نام حارث بن عمیر کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ حارث بن عمیر جب ابی شمر کی مملکت میں داخل ہوئے تو وہاں کے گورنر شرجیل بن عمرو نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا کیونکہ دنیا بھر میں سفیر کا خون بھی محفوظ ہوتا ہے اور اسے کسی صورت میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث بن ابی شمر کو پیغام بھیجا کہ تمہارے حاکم شرجیل بن عمرو نے ہمارے سفیر کو جو میرا چٹھی لے کر آپ کی طرف جا رہا تھا راستہ میں بے گناہ قتل کر دیا۔ کسی سفیر کا قتل کرنا، کسی مذہب کسی قوم میں جائز نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کیا ہمارے سفر کا قتل تمہارے حکم سے ہوا ہے۔ اگر تمہارے حکم کے بغیر حارث بن عمیر کا قتل ہوا ہے تو قاتل ہمارے سپرد کر دو اگر تمہارے حکم سے ایسا ہوا ہے تو تم بھی برابر کے ذمہ دار ہو اور تمہیں بھی اپنے کیے کی سزا ملنی چاہیے۔ حارث بن ابی شمر نے جواب دیا کہ میں خود مختار ہوں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مجھ سے باز پرس کا کوئی حق نہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نمائندہ میرے حکم سے قتل کیا گیا ہے۔

(فتح الباری، ج7، صفحہ 392، الطبقات الکبریٰ، ج2 صفحہ 92)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پختہ ارادہ فرمالیا کہ حارث بن ابی شمر کی مملکت پر چڑھائی کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار منتخب صحابہ کرام کا لشکر جرار ماہ جمادی الاولیٰ میں حضرت حارث بن عمیرؓ کے بدلہ لینے کیلئے سوئے موتہ روانہ فرمایا۔ زید بن حارثؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر عبداللہ بن رواحہ شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں باہمی مشورہ سے امیر مقرر کرلیں۔ اسی وجہ سے اس کو غزوہ جیش الامراء بھی کہتے ہیں۔

(مسند احمد اور نسائی، زرقانی، ج2، صفحہ 268)

ایک سفید جھنڈا زید بن حارثہؓ کو دیا اور ارشاد فرمایا کہ اوّل اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر شہید ہوئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ دعوت قبول کرلیں تو بہتر ورنہ خداوند ذوالجلال سے اعانت اور امداد کی درخواست کر کے جہاد و قتال کرنا۔ لشکر کو وصیت فرمائی کہ ہر

حال میں تقویٰ اور پرہیز گاری کو ملحوظ رکھنا۔ اپنے رفقاء کی خیر خواہی کرنا۔ اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر اللہ سے کفر کرنے والوں سے جہاد و قتال کرنا' خیانت نہ کرنا' کسی بچہ عورت اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔

اس زمانہ میں روم اور ایران جنگ کی حالت میں تھے۔ حارث بن ابی شمر نے شاہ روم سے کمک کی درخواست کی اور جب اسے لشکر اسلام کی روانگی کا علم ہوا تو اپنی ایک لاکھ فوج جمع کی۔ کہا جاتا ہے ہرقل شاہ روم نے بھی ایک لاکھ فوج روانہ کر دی۔ بلقاء میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ہماری تین ہزار فوج کے مقابلہ میں دو لاکھ فوج عمال میں جمع ہے۔ مسلمان مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے۔ رائے یہ ٹھہری کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی جائے تاکہ وہ کمک کا انتظام فرمائیں۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا۔

''اے قوم! خدا کی قسم جس بات کو تم مکروہ سمجھ رہے ہو وہی شہادت ہے' جس کی تلاش میں تم نکلے ہو' ہم کافروں سے کسی قوت اور کثرت کی وجہ سے نہیں لڑتے۔ ہمارا لڑنا محض دین اسلام کی وجہ سے ہے' جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو عزت بخشی ہے۔ پس اٹھو اور چلو' دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور حاصل ہوگی' یا تو کفار پر غلبہ حاصل ہوگا یا شہادت کی نعمت نصیب ہوگی۔''

دو لاکھ رومیوں اور غسانی عیسائیوں کے مقابلے میں تین ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر چل پڑا اور مقام موتہ میں جا ٹھہرا۔ موتہ غسانیوں کی کشور کا ایک مقام تھا' جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ رومی فوج پورے ہتھیاروں سے لیس تھی۔ جب مسلمان کا چھوٹا سا لشکر رومیوں کے عظیم لشکر کے سامنے پہنچا تو زید بن حارثہؓ اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلمانوں نے مقابلہ کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں نے وہی طرز جنگ اختیار کیا' جو سابقہ لڑائیوں میں کر چکے تھے۔ اس طرز جنگ سے انہیں بڑا فائدہ ہوا۔ ابتدائے جنگ میں زید بن حارثہؓ سپہ سالار اسلام شہید ہو گئے اور جعفر بن ابی طالبؓ نے ان کی جگہ لشکر کی کمان سنبھالی۔ انہوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ پیچھے ہٹتے چلے جائیں۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تاہم وہ برابر مدافعت کرتے رہے حتیٰ کہ گر پڑے اور شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت جعفرؓ کی لاش کو تلاش کیا گیا تو نوے سے زیادہ زخم تیر و تلوار کے گنے گئے جو سب کے سب سامنے سے تھے۔ جعفر بن ابی طالبؓ کی شہادت پر عبداللہ بن رواحہ

انصاریؓ سپہ سالار فوج بنے۔ انہوں نے دلنواز انداز میں قرآن کریم کی آیات متعلقہ جہاد و فداکاری تلاوت کیں حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے جنگ موتہ میں صف بندی اس طرح کی تھی جیسی جنگ بدر میں کی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ عصر تک مقابلہ کرتے رہے ورنہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ عصر کے وقت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت پر خالد بن ولید نے فوج کی کمان سنبھالی اور پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ مسلمان سلامتی سے پیچھے ہٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ کامیابی خالد بن ولیدؓ کی جنگی مہارت اور رات کی تاریکی کی مرہون منت تھی۔ اس دن حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں اور اسی زخم آئے تھے۔ خالد بن ولیدؓ نے دوسرے دن نئی صف بندی کی۔ اس وقت تک ڈیڑھ ہزار تک مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ ان حالات کے باوجود خالد بن ولیدؓ نے اس زور کا حملہ کیا اور پیش قدمی کی کہ حارث بن ابی شمر کی فوج کے سپہ سالار ملک بن البادی تک پہنچ گئے اور اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا۔ رومیوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو نئی کمک آ گئی ہے، جس کی وجہ سے ان کی پیش قدمی رک گئی۔ اس جنگ میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اس جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانے پر رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالد بن ولیدؓ کو سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا۔

ابن اسحاق اور بیہقی بیان کرتے ہیں کہ جب موتہ میں غازیان اسلام شہادت کے یہ واقعات پیش آ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سرزمین شام کو اپنی قدرت کاملہ سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کر دیا کہ میدان کارزار آپ کی نظروں میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو جمع کرنے کیلئے الصلوٰۃ جامعۃ کی منادی کرادی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ زید نے علم اسلام ہاتھ میں لیا اور خوب قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہو گئے۔ اب جعفر نے علم اسلام ہاتھ میں لیا اور خوب لڑا یہاں تک کہ شہید ہوا اور جنت میں داخل ہوا اور دو بازوؤں کے ساتھ فرشتوں کے ہمراہ اڑ رہا ہے۔ اب عبداللہ بن رواحہ نے علم اسلام سنبھالا۔ کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ نے بھی کافروں سے خوب جہاد و قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور تینوں جنت میں اٹھا لئے گئے اور تخت زریں پر متمکن ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ پھر فرمایا اب سیف من سیوف اللہ یعنی۔

خالد بن ولید نے اسلام کا جھنڈا سنبھالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ اس روز سے خالد بن ولید صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیف اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ' ج4' صفحہ 345۔ فتح الباری' ج7' صفحہ 396۔ الخصائص الکبریٰ' ج1' صفحہ 260)

سریہ ذات السلاسل

ماہ جمادی الثانی سنہ 8 ہجری میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سرکوبی کیلئے عمرو بن العاصؓ کو ذات السلاسل کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے دس منزل پر ہے۔ تین سو جوان اور دس گھوڑے سوار آپؓ کے ساتھ گئے۔ جب اس مقام کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ کفار بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے توقف کیا گیا اور رافع بن مکیثؓ کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ مدد کیلئے مجاہد بھیجیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو دو سو آدمی دے کر عمرو بن العاصؓ کی مدد کیلئے روانہ فرمایا۔ جب وہاں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے امامت کرنا چاہی۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا میں امیر لشکر ہوں اس لئے امامت میں کروں گا۔ ابوعبیدہؓ نے کہا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق میں تمہاری اطاعت کروں گا۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ نے امامت کی۔ بالآخر قبیلہ بنی خزاعہ میں پہنچے اور ان پر حملہ کیا۔ کفار مرعوب ہو کر بھاگ اٹھے اور منتشر ہو گئے۔ عمر بن العاصؓ نے وہاں کچھ روز قیام کیا اور عوف بن مالک اشجعیؓ کو خبر دے کر مدینہ روانہ کیا۔ اطراف و جوار سے مجاہدین بھیڑ بکریاں پکڑ لاتے اور ان کو پکا کر کھا جاتے۔ خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ ایک ساتھ اسلام لائے۔ خالد بن ولیدؓ موتہ میں امیر لشکر بنے اور عمرو بن العاصؓ غزوہ ذات السلاسل میں امیر مقرر ہوئے۔

سریہ سیف البحر

ماہ رجب سنہ 8 ہجری میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو تین سو آدمیوں کے ساتھ سیف البحر (ساحل بحر) کی طرف قبیلہ جہینیہ پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ اس

لشکر میں عمر ابن الخطابؓ اور جابر بن عبداللہ بھی شامل تھے۔ چلتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توشہ کیلئے ایک تھیلا کھجوروں کا مرحمت فرمایا۔ جب کھجوریں ختم ہوگئیں تو گٹھلیوں کو چوس چوس کر اور پانی پی پی کر جہاد کرتے رہے۔ جب یہ بھی نہ رہا تو درختوں کے پتے ابال ابال کر کھانے لگے۔ اس وجہ سے اس سریہ کو سریۃ الخبط بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ خبط کے لغوی معنی درخت کے پتے جھاڑنے کے ہیں۔ بالآخر ساحل سمندر پر ایک بڑی مچھلی ملی، جس کو لشکر نے اٹھارہ دن تک استعمال کیا۔ ابو عبیدہؓ کہتے ہیں جب ہم مدینہ واپس آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق تھا۔ اس کا کچھ گوشت باقی تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا۔ اس سفر میں قتال جدال کی نوبت نہ آئی۔

(البدویہ والنہایہ، ج 4، صفحہ 276)

فتح مکہ مکرمہ

ابوسفیان کی رسول رحمتؐ سے ملاقات

معاہدہ حدیبیہ کے تحت اگر کوئی مکی باشندہ مسلمانوں کے پاس آ جاتا تو مسلمان مجبور تھے کہ اسے واپس کر دیں۔ لیکن خالد بن ولید' عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسلام لانے پر اہل مکہ کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ اس خوش کن واقعہ کے ساتھ ساتھ ہی ایک اور نہایت خوشگوار واقعہ پیش آیا' جو ان حضرات کے اسلام لانے سے بھی زیادہ مفید تھا' وہ یہ کہ سردار مکہ ابوسفیان رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے آیا۔ ابوسفیان جانتا تھا کہ معاہدہ ترک جنگ (صلح حدیبیہ) کی رو سے مسلمان اس کو کوئی زک نہ پہنچائیں گے کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امین اور اصول پرستی میں معروف ہیں۔ ابوسفیان کا بغیر کسی حفاظت یا فوج کے مدینہ آنا ایک قسم کی طلب پناہ تھی۔ ابوسفیان کا مدینہ جانا بوجوہ تھا وہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے تحت دونوں فریق اس بات کے مجاز تھے کہ جس کسی سے متحد ہونا چاہیں' اتحاد کر سکتے ہیں۔ اگر مسلمان یا باشندگانِ مکہ کسی کے ساتھ لڑنا چاہیں تو دوسرے فریق کو غیر جانبدار رہنا پڑے گا۔ ان دنوں قبیلہ بنی خزاعہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیف تھا۔ بنو بکر نے ان پر حملہ کر دیا

اور اشراف مکہ نے ان کو ہتھیار فراہم کیئے۔ بنوبکر نے مکہ والوں کی مدد سے خزاعہ کو زچ کیا۔ مکہ کا یہ اقدام متارکہ جنگ کے خلاف تھا۔ جب مسلمانوں نے خیبر فتح کیا تو مکہ کے لوگ متارکہ جنگ کی خلاف ورزی پر گھبرائے اور بہت پچھتائے' اس لئے ابوسفیان مدینہ آیا تاکہ اپنی خلاف ورزی کا کوئی حل تلاش کرے۔ وہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے پاس گیا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے حجرے میں موجود فرش کو تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ ابوسفیان نے بیٹی کے اس رویہ پر تعجب کا اظہار کیا اور پوچھا کہ فرش کیوں تہہ کر کے رکھدیا۔ آپؓ نے جواب دیا ''اس فرش پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے' بیٹھتے اور سوتے ہیں۔ آپ بت پرست ہیں اس لئے اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ آپ اس پر بیٹھیں۔ اس پر ابوسفیان نے بیٹی سے درخواست کی کہ میرے اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان وسیلہ بن جاؤ تاکہ بنوخزاعہ اور بنوبکر کے درمیان جو اختلاف پیدا ہوا ہے' وہ بخوبی حل ہو جائے۔ حضرت ام حبیبہؓ نے کہا ''میں اس بارے میں وسیلہ نہیں بن سکتی۔ آپ خود مسجد نبوی میں جائیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفت وشنید کریں۔ ابوسفیان مسجد میں گیا' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشگوار حیرت کا اظہار فرماتے ہوئے اسے بیٹھنے کو کہا۔ پھر دریافت فرمایا کس کام سے آئے ہو۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ قبیلہ بنوبکر اور بنوخزاعہ کے اختلافات دور فرمادیں۔ اہل مکہ نے بنوبکر اور بنوخزاعہ کی جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خیال ہے کہ اہل مکہ نے بنوبکر کی مدد کی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اہل مکہ تاوان دینے کیلئے تیار ہیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر تم لوگوں نے ان کی مدد نہیں کی تو ہم تم سے کوئی تاوان نہیں لے سکتے۔ ابوسفیان رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب سن کر مدینہ سے روانہ ہوگیا۔

بعض تذکرہ نویسوں نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ ابوسفیان تجدید صلح کیلئے مدینہ گیا۔ مقام عسفان میں پہنچ کر بدیل بن ورقا خزاعی سے ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ بدیل کہاں سے آرہا ہے۔ بدیل نے صحیح جواب نہ دیا۔ ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم بدیل مدینہ سے آرہا ہے۔ ابوسفیان مدینہ پہنچ کر اوّل اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے پاس گیا۔ وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص التفات نہ فرمایا۔ ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

پاس گیا۔ ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کے بعد عمر ابن الخطابؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ اکبر میں تیری سفارش کیلئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاؤں۔ دنیا میں اگر مجھے کوئی ساتھی میسر نہ آئے تو میں تنہا جہاد کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سن کر خاموشی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گیا۔ ابوسفیان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا اے ابوالحسن آپ ہم سے قرابت میں سب سے قریب ہیں لٰہذا آپ میری سفارش کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں کچھ قصد فرمایا ہے لٰہذا اب کسی کی مجال نہیں کہ اس بارے میں کچھ کہہ سکے۔ پھر حضرت فاطمہ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اے بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ حسن (علیہ السلام) کو حکم دیں کہ وہ قریش کو پناہ دیں تو ہمیشہ کیلئے ان کو عرب کا سردار مان لیا جائے گا۔ حضرت فاطمہ علیہ السلام نے جواب دیا کہ کمسن کی پناہ درست نہیں۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ اگر معاملہ اتنا سنگین ہو گیا ہے تو کوئی تدبیر بتائیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا' صرف اتنا خیال میں آتا ہے کہ مسجد میں جا کر یہ پکار دے کہ میں معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور استحکام اور مدت صلح کو بڑھانے کیلئے آیا ہوں اور یہ کہہ کر تو واپس مکہ چلا جا۔ چنانچہ ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا اور بہ آواز بلند پکارا کہ میں عہد کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر مکہ کو چل دیا۔ ابوسفیان نے سارا واقعہ قریش کو سنا دیا۔ انہوں نے کہا تمہارے اس اعلان کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی جائز رکھا۔ ابوسفیان نے جواب دیا نہیں۔ پھر ان کی مرضی کے بغیر تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گئے۔ یہ محض لغو اور بیکار ہے۔ ابوسفیان کی واپسی کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوشیدہ طور پر مکہ کی تیاری سامان سفر اور آلات حرب درست کرنے کا حکم دیا اور یہ تاکید فرمائی کہ اس کو پوشیدہ رکھا جائے اس کا اظہار اور اعلان نہ کیا جائے اور آس پاس کے قبائل میں بھی کہلا بھیجا کہ تیار ہو جائیں۔

(زرقانی' ج2' صفحہ 293)

حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ

دریں اثناء حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا اور مخفی طور مکہ بھیجا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی تیاریاں فرما رہے ہیں اور اس خط کو مخفی طور پر ایک عورت کے ہاتھ مکہ ارسال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو عورت کا تعاقب کرنے کا کہا۔ روضہ خاخ پہنچ کر وہ عورت ملی، اس کی تلاشی لی، لیکن خط نہ ملا، پھر اس عورت سے کہا کہ خط ہمیں دے دو ورنہ تجھے برہنہ کر کے تلاشی لیں گے۔ اس عورت نے اپنے بالوں کے جوڑے میں خط نکال کر دے دیا۔ جب وہ خط حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر سے گزرا تو حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حاطب نے عرض کیا، آپ مواخذہ میں عجلت نہ فرمائیں، قریش سے میری کوئی قرابت نہیں، فقط حلیفانہ تعلقات ہیں۔ میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں، جن کا کوئی حامی اور مددگار نہیں اس لئے میں نے چاہا کہ قریش پر کوئی احسان کروں جس کے صلہ میں وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ خدا کی قسم میں نے مرتد ہو کر یہ کام ہرگز نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تحقیق حاطب بدر میں حاضر ہوا ہے اور اے عمر تجھ کو معلوم ہے شاید اللہ تعالیٰ نے نظر رحمت سے اہل بدر کو یہ فرما دیا ہو کہ جو چاہے کرو، بلاشبہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔'' رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاطبؓ کو بلا کر یہ دریافت حال فرمانا ہی اس عارضی شکایت کیلئے کافی تھا۔ اس کا ایسا اثر ہوا کہ مرتے دم تک حاطب کی پھر کبھی کوئی شکایت پیش نہ آئی۔ چنانچہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ سکندریہ (مصر) کے نام دعوت اسلام کا خط حاطبؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

(البدایہ والنہایہ، ج4، صفحہ 284)

کچھ سیرت نگاروں کا بیان ہے، جنگی سفر کی تیاری کا حکم دینے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہر مدینہ کا رابطہ بیرونی دنیا سے منقطع کر دیا جائے۔ باہر سے کوئی شخص اندر داخل نہ ہو اور اندر سے کوئی شخص باہر نہ جائے۔ کیونکہ اگر کوئی شہر سے باہر گیا تو آس پاس کے لوگوں کو مسلمانوں کی تیاری کا حال معلوم ہو جائے گا۔ اس طرح قریش مکہ تک یہ اطلاع پہنچ جائے گی کہ مسلمانان مدینہ جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اگر کوئی قافلہ باہر سے آتا تو شہر کے باہر ہی مال تجارت تحویل میں لے لیا جاتا۔ مدینہ کے ایک دانا باشندے حاطب بن بلتعہ نے بھانپ لیا

کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ مکہ پر چڑھائی کرنے کا ہے۔ ان کے قریبی عزیز مکہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے ایک چٹھی لکھ کر ایک عورت سارہ کو دی تا کہ ان کے عزیزوں کے سپرد کردے۔ سارہ مدینہ کے ایک تاجر صیفی بن عمرو کی باندی تھی' وہ شہر سے باہر نکلی اور مکہ کی راہ لی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہر کا کنٹرول کر رہے تھے۔ انہیں پتہ چل گیا کہ سارہ مکہ کی طرف روانہ ہوئی ہے تو تلاش میں اس کے پیچھے آدمی روانہ کیے کہ اس کو واپس لاؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے اپنے عزیزان مکہ کے نام لکھا ہے۔ آپ نے تحقیقات کی کہ آیا سارہ اس چٹھی کے مضمون سے واقف ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ سارہ کو کچھ علم نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سارے معاملہ کی رپورٹ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب کو بلایا اور خط کے بارے میں پوچھ گچھ کی کہ آیا انہوں نے وہ نامہ صیفی بن عمرو کی کنیز کے ہاتھ بھیجا تھا۔ حاطب نے اعتراف کیا۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ حاطب کا مقصد گھر والوں کو اطلاع دینا تھا کہ وہ لشکر اسلام کے پہنچنے سے پہلے مکہ سے باہر چلے جائیں تو انہیں معاف کر دیا۔ حق تعالیٰ نے حاطب کے اس واقعہ میں یوں ارشاد فرمایا:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ

(سورة الممتحنة-1)

اے ایمان والو! اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کیلئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو' حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔

فتح مکہ مکرمہ

(وجوہات)

حجاز جزیرۃ العرب کا ایک قطعہ زمین ہے جو بحیرہ احمر کے کنارے واقع ہے اور اس کا طول شمالاً جنوباً تقریباً ایک ہزار کلومیٹر ہے۔ پرانے زمانوں میں جس کا قبضہ حجاز پر ہوتا تھا' وہی پورے

عرب کا فرمانروا تسلیم کیا جاتا تھا۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ آہستہ اکثر و پیشتر قبائل کو حلقہ بگوش اسلام کرلیا تھا۔اس لئے پورے حجاز کے مالک تسلیم کئے جانے لگے تھے۔مکہ کافروں کا مرکز تھا' اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ مکہ کو تسخیر کیا جائے تاکہ اہالیان مکہ دائرہ اسلام میں داخل ہوں۔بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے اور بنوبکر کے ساتھ ان کی دیرینہ دشمنی چلی آرہی تھی۔باشندگان مکہ نے بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کی حالانکہ بنوخزاعہ مسلمانوں کے اتحادی تھے اور مکہ اور مسلمانوں کے درمیان متارکہ جنگ کا معاہدہ ہوچکا تھا۔ مکہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔لہٰذا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ پر حملہ کرنے کا حق پہنچتا تھا اور کوئی یہ اعتراض نہ کرسکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلاف عہد کیا ہے۔قریش کی طرف سے بلاشبہ نقض عہد ہوا تھا۔چنانچہ ابوسفیان مذاکرات کیلئے مدینہ آیا اور گزارش کی کہ اہل مکہ کی وجہ سے جو نقصان بنوخزاعہ کو پہنچا ہے' اہل مکہ اس کی تلافی کرنے پر تیار ہیں۔صاف ظاہر تھا کہ قریش نے عہدنامہ متارکہ جنگ کی خلاف ورزی کی ہے۔

بنوخزاعہ مسلمان نہ تھے۔البتہ چند افراد مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ان کی سکونت مکہ کے قریب بمقام وتیر تھی۔اگرچہ یہ مدینہ منورہ سے دور تھے تاہم مسلمانوں کے حلیف ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی حمایت میں تھے۔دور جاہلیت میں بنوخزاعہ اور بنوبکر میں خصومت چلی آرہی تھی۔ بنوبکر کا سردار نوفل بن معاویہ تھا۔اس کی انگیخت پر بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کردیا۔بنوخزاعہ دور ہونے کی وجہ سے مسلمان حلیفوں سے مدد نہ لے سکے یا مدد پہنچنے سے پہلے ہی قتل ہوگئے۔جان بچانے کیلئے انہوں نے مکہ کا رخ کیا اور خانہ کعبہ میں پناہ لی تاکہ احترام حرم کی وجہ سے بنوبکر ان پر ہاتھ نہ اٹھاسکیں۔قریش نے بنوبکر کو نہ صرف ہتھیار مہیا کئے بلکہ کچھ جنگ باز بھی ان کی مدد کیلئے بھیجے۔قریش کے سرداروں میں سے سہیل بن عمرو' صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل بنوبکر کی امداد میں پیش پیش تھے۔نوفل بن معاویہ سردار بنوبکر نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ بنوخزاعہ کا خون حلال ہے اس لئے سب کو قتل کیا جائے۔بنوخزاعہ خانہ کعبہ سے نکل بھاگے لیکن قتل کردیئے گئے اور ان کے اموال لوٹ لئے گئے۔بدیل بن ورقاء اور عمرو بن سالم سرداران بنوخزاعہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور دہائی دیتے ہوئے مدینہ پہنچے اور فریاد کی کہ قریش کے اکسانے پر بنوبکر

نے ہم پر حملہ کیا۔ ہم نے حرم میں پناہ لی' انہوں نے قومی روایات کو بلائے طاق رکھ کر ہمارے معصوم بچوں' کمزور اور ضعیف افراد کو قتل کر دیا' ہم صرف چالیس افراد بہ مشکل جانیں بچا کر آپ کے حضور فریادی ہیں۔ آپ نے ماجرا سن کر قریش کو پیغام بھیجا۔ روز بروز معاہدہ کی خلاف ورزیاں مناسب نہیں۔ بہتر ہے کہ مقتولوں کا خون بہا ادا کرو' یا بنو بکر کی حمایت سے دست کش ہو جاؤ۔ قریش نے آپ کی سرزنش سنی ان سنی کر دی۔ اظہار افسوس کے بجائے معاہدہ صلح کالعدم کرنے اور جنگ کی دھمکی دی۔ آپ نے حلیف قبائل کو لام بندی کا حکم بھیجا اور مجاہدین اسلام کو تیاری کا حکم صادر فرمایا۔ اسی خطرہ کے احساس نے ابوسفیان کو مدینہ آنے پر مجبور کیا۔

غزوہ موتہ کے نتائج

غزوہ موتہ کے بعد لشکر اسلام اس حال میں مدینہ پہنچا کہ اسے شکست ہوئی تھی نہ فتح۔ مجاہدین اپنی جگہ مطمئن تھے کہ وہ بہ سلامت لوٹ آئے ہیں۔ زید بن حارثہ' جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادت کے بعد خالد بن ولیدؓ کی سربراہی میں ان کی واپسی سے رومی بہت خوش تھے کہ مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کے بغیر ہی بلا سر سے ٹل گئی حالانکہ رومیوں کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ اور دوسری روایت کے مطابق دو لاکھ تھی اور مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ خالد بن ولید نے سپہ سالار بنتے ہی رومیوں پر جو حملہ کیا تھا اس میں ان کے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹیں۔ ممکن ہے کہ اگلے روز رومیوں پر لشکر اسلام کی دھاک بیٹھی ہو اور وہ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ مسلمانوں کو تازہ دم فوج کی کمک پہنچی ہو کیونکہ خالد بن ولید نے اس طرح صف بندی کی تھی کہ رومی اس سے گھبرا اٹھے۔ بہرحال شام کے عرب قبائل مسلمانوں کے بہادرانہ کارناموں پر حیران و ششدر رہ گئے۔ ایک سردار فروہ بن عمرو جو رومیوں کی فوج کا سپہ سالار تھا' اسلام سے مشرف ہوا۔ ہرقل کے حکم سے گرفتار ہوا اور اس شرط پر رہا کرنے کا وعدہ کیا گیا کہ وہ دوبارہ عیسائی ہو جائے لیکن فروہ نے یہ شرط قبول نہ کی اور اسلام پر قائم رہا۔ اس جرم میں اسے شہید کر دیا گیا۔ مشرقی روم کی بدنظمی کو بھی اسلام کی توسیع میں بڑا دخل ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر عباس بن مرداس کی سربراہی میں بنی سلیم' بنی اشجع اور بنی غطفان نیز بنی عبس' بنی ذبیان اور بنی فزارہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ گویا غزوہ موتہ مدینہ کے شمال میں حدود شام تک مسلمانوں کا اثر قائم کرنے اور

اسلام کی عزت وقوت میں اضافے کا سبب بنا۔ان حقائق کے برعکس غزوہ موتہ کا قریش نے یہ اثر لیا کہ اب کوئی شخص مسلمانوں پر اعتماد نہ کرے گا اور نہ ہی ان سے عہدوپیمان باندھے گا لہٰذا معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دینا چاہیے اور قریش کو مسلمانوں اور ان کے حلیف قبائل کے خلاف جنگ آزماہونا چاہیے۔

معاہدہ حدیبیہ کی تنسیخ

معاہدہ حدیبیہ کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ جو شخص رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہدوپیماں کرنا چاہے اسے آزادی ہے اور جو شخص قریش کی طرف داری کرنا چاہیے' اسے بھی ایسا کرنے کا اختیار ہوگا۔ چنانچہ بنی خزاعہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور بنی بکر نے قریش سے دوستی کا معاہدہ کیا۔ بنی خزاعہ اور بنی بکر میں پرانی عداوت چلی آرہی تھی۔غزوہ موتہ کے نتیجہ میں قریش نے کہا کہ بنی خزاعہ سے انتقام لیا جائے۔ عکرمہ بن ابی جہل نے قریش کی طرف سے ان کا ساتھ دیا اور بنی بکر کو اسلحہ بھی فراہم کیا چنانچہ جب ایک رات بنی خزاعہ وتیر نامی چشمہ پر چین کی نیند سو رہے تھے بنی بکر ناگہاں ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے بہت سے آدمی تہہ تیغ کر دیئے۔ بنی خزاعہ نے رسول خدا سے امداد کی درخواست کی۔

فتح مکہ مکرمہ
(الفتح الاعظم)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قصد جنگ کے بارے میں مدینہ منورہ میں دوافواہیں پھیل رہی تھیں۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ جنگ روم' رومتہ الصغرا کا ہے تاکہ جنگ موتہ کی شکست کا بدلہ لیا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو سلیم سے جنگ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں کیلئے باعث زحمت بنے ہوئے ہیں۔ مگر اس بات کا کسی کو خیال نہ آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ مکہ پر چڑھائی کرنے کا ہے۔ ادھر مسلمانان مدینہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے ادھر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام آس پاس کے حلیف قبائل کو حکم دیا کہ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ فتح الباری' جلد 2' صفحہ 8

مطابق رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 10 رمضان المبارک سنہ 8 ہجری کو 10,000 ہزار قدسیوں کی جماعت کے ہمراہ بعد از نماز عصر مدینہ منورہ سے عازم مکہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ اور اُم المومنین حضرت میمونہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ اس دن مسلمانوں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ جب مرالظہران پہنچے جو مکہ سے ایک منزل دور ہے تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ الاؤ روشن کریں تاکہ اہل مکہ کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان بڑا بھاری لشکر لے کر آئے ہیں۔ بمقام ذی الحلیفہ حضرت عباس عم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معہ اہل وعیال مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے ملے۔ حضرت عباسؓ تاجر تھے۔ انہوں نے بھانپ لیا تھا اہل مکہ لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے انہوں نے شہر مکہ چھوڑنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ ان کے پاس جو کچھ تھا فروخت کر دیا تھا انہیں خطرہ تھا کہ مکہ میں میرا مال محفوظ نہیں۔ وہ اپنا مال فروخت کر کے مکہ سے چلے اور مرالظہران پہنچے تھے۔ یہاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اپنا سامان مدینہ بھیج دیا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لشکر اسلام میں شریک ہو کر بغرض جہاد پھر مکہ کی طرف چل پڑے۔ حضرت عباسؓ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ مگر قریش سے مخفی رکھتے تھے۔ حضرت عباسؓ کا قیام مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تھا تاکہ قریش کی خبریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچاتے رہیں۔ قیام مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب لکھوایا "آپ اپنی ہی جگہ قیام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو ختم کرے گا' جیسا کہ مجھ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نبوت کو ختم کیا"

(مسند ابی یعلی' معجم طبرانی' زرقانی' ج 2' صفحہ 310)

مقام ابواء میں' قریہ بین المکہ والمدینہ میں ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن امیہ اور عبداللہ بن ابی امتہ بغرض اسلام مدینہ آتے ہوئے ملے۔ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی تھے کیونکہ مائی حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست تھے۔ کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہ ہوتے تھے۔ نبوت اور بعثت کے بعد محبت عداوت

میں بدل گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو بھی کہی جن کا حسان بن ثابتؓ نے جواب دیا۔
ابوسفیان بن حارث کے ساتھ ان کا بیٹا جعفر بھی تھا۔ عبداللہ بن ابی امیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ دونوں نے بارگاہ نبوت میں حاضری کی اجازت چاہی۔ چونکہ
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بہت تکلیف پہنچی تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے حاضری کی اجازت نہ دی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے سفارش کی کہ آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ملنے سے انکار
کر دیا۔ اُم سلمہؓ نے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارم اخلاق سے یہ امید ہے کہ
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوان نعمت سے آپ کا چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی محروم نہ
رہے۔ ابوسفیان بن حارث نے کہا اگر حاضری کی اجازت نہ ملی تو میں اپنے بیٹے جعفر کے ساتھ
صحرا میں نکل جاؤں گا اور وہیں مر جاؤں گا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین
کی سفارش اور ان دونوں کی خجالت اور ندامت کو سن کر حاضری کی اجازت دی۔ حاضر ہوتے
ہی دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور مسلمانوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے۔ حافظ ابن عبدالبر اور
مورخ طبری راوی ہیں کہ ابوسفیان بن حارث نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
سامنے کھڑے ہو کر وہی کہا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام
سے کہا تھا۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝

(سورۃ یوسف۔91)

قسم اللہ! البتہ تجھ کو برتری دی اللہ نے ہم پر اور ہم واقعی خطا کار تھے ۝

اور رحمت عالم وحیاء مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

(سورۃ یوسف۔92)

کہا، آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔ وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے
والا ہے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین روزہ سے تھے۔ جب لشکر اسلام مقام کدید پر جو مکہ مکرمہ سے 72 میل کے فاصلے پر ہے' پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ افطار فرمایا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتدا میں روزہ توڑ دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگلے روز روزہ نہ رکھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حالت سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے۔ دوسرے دن مقام مرالظہر ان پہنچے تو حضرت عباسؓ لشکر اسلام سے ملے۔ جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت عباسؓ مسلمان ہو چکے تھے اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پر مکہ میں رہ رہے تھے۔ ان کا بیان ہے مرالظہر ان میں قیام کے دوران میں لشکر اسلام کے بیرونی حصہ سے گزر رہا تھا' میں نے دو آدمیوں کو آپس میں باتیں کرتے سنا کہ یہ آگ جو جگہ جگہ دور تک روشن ہے بنو خزاعہ کی ہے۔ دوسرے نے کہا بنو خزاعہ اتنے کہاں سے آ گئے۔ میں نے دوسری آواز پہچان لی کہ یہ ابوسفیان ہے۔ میں نے کہا اے ابوحنظلہ کیا تم ہو؟ ابوسفیان بھی میری آواز پہچان گیا' کہنے لگا اے ابوالفضل کیا تم ہو؟ میں نے کہا ہاں میں ہی ہوں' اس نے دریافت کیا' کیا خبریں ہیں؟ میں نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار جانثاروں کا لشکر لائے ہیں تاکہ مکہ پر قبضہ کر لیں کیونکہ قریشیوں نے پیمان متارکہ جنگ توڑ دیا ہے۔ بنو خزاعہ پر حملہ کر کے بہت سے افراد کو قتل کر دیا ہے اور ان کے مال متاع کو لوٹ لیا ہے حالانکہ وہ مسلمان کے حلیف تھے۔ جب مسلمان مکہ تسخیر کر لیں گے تو سب سے پہلے تجھے قتل کر دیں گے کیونکہ تو ہی مکیوں کا سردار ہے اور نقض معاہدہ کی ذمہ داری تجھ پر ہی عائد ہوتی ہے۔

حضرت عباسؓ نے کہا اے ابوسفیان اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ تیرا مال محفوظ رہے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو جا۔ تو مسلمان تیرے خون سے درگزر کریں گے۔ چنانچہ وہ ابوسفیان کو ساتھ لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پیش ہونے جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت عمرؓ نے پہچان کر تلوار سونت لی لیکن حضرت عباسؓ آڑے آئے اور کہا کہ یہ میری پناہ میں ہے اس کے بعد حضرت عباس کے ساتھ

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ابوسفیان نے اسلام کا اعلان کر دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احتیاطاً ابوسفیان کو گھاٹی پر کھڑا کر دیا تا کہ مجاہدین اسلام کی فوج اس کے سامنے سے گزرے جس میں بنو سلیم' مزینہ' تمیم' قصی اور اسد کے قبائل شامل تھے۔ مسلح افواج مکہ مکرمہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش و کوشش تھی کہ بغیر ایک قطرہ خون بہائے مکہ میں داخل ہو جائیں۔ اسلامی فوج کا سب سے پہلا دستہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سپہ سالاری میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرچم لئے حرم کے بڑے دروازے میں داخل ہوا اور سیدھے خانہ کعبہ میں پہنچا۔ دوسرے دستہ کے سپہ سالار زبیر بن العوامؓ کو مغربی جانب سے شہر میں داخل ہونے کا حکم ملا۔ سعد بن عبادہ کو حکم ملا کہ وہ مشرق کی جانب سے داخل ہوں۔ چوتھے دستہ کے سالار خالد بن ولید کو جنوبی راستے سے داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاروں سرداروں کو حکم دیا کہ تلواریں نیام سے مت نکالنا اور کسی کے ساتھ جنگ نہ کرنا الا یہ کہ تم پر حملہ کیا جائے۔ یاد رہے کہ باشندگان مکہ' خانہ کعبہ' خانہ ابوسفیان اور اپنے گھروں میں مامون رہیں'' لشکر اسلام کے کسی دستے کو مقابلہ و مقاتلہ نہ کرنا پڑا لیکن دشمن کی شرارت سے حضرت خالد بن ولیدؓ کے دستے پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ کچھ مسلمان زخمی اور دو شہید ہوئے۔ سیف اللہ کے حملے سے تیرہ قریشی قتل ہوئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بھی عام حملے کی اجازت نہ دی۔ رفتہ رفتہ اسلامی فوج پھریرے اڑاتی ہوئی شہر میں داخل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی جو ہتھیار رکھ دے اس سے تعرض نہ کیا جائے' بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے' جو حرم میں' ابوسفیان اور حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے' اسے امان میں سمجھا جائے۔ فاتح مکہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار سراپا عجز و انکسار' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کجاوے کو چھو رہی تھی اسامہ بن زید ہمراہ تھے۔ کبار صحابہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور دیگر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جلو میں قدم بہ قدم چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت المعلیٰ کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے۔ نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دمکتی ہوئی پیشانی شاہانہ جلال سے چمک رہی تھی۔ راستہ میں ایک ضعیفہ سراسیمگی کی حالت میں کھڑی کانپ رہی تھی۔ اسے د

کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھ سے نہ ڈرو' میں تو اس عفیفہ کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔'' سرداران قریش جو ہمیشہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے' شرمندہ و خجل حضور میں کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آپ لوگوں سے کیا سلوک کیا جائے'' قریش نے جواب دیا ''آپ شریف' کریم ابن کریم ہیں' بردبار' صلہ رحمی کرنے والے شریف زادے اور ہمارے برادر ہیں۔ آپ کا دل کدورتوں اور مخاصمتوں سے پاک ہے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریبی عزیزوں' برادرزادوں کی عاجزی اور مسکینی دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ''آج کے دن تم سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا'' اور پھر فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور پھر یہ سورۃ تلاوت فرمائی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا ○

(سورۃ النصر)

جب پہنچ چکی مدد اللہ کی' اور تو نے دیکھے لوگ' (داخل ہوتے) اللہ کے دین میں فوج در فوج۔ اب اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی تسبیح کر اور گناہ بخشوا اس سے بے شک وہ معاف کرنے والا ہے ○

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدا سے گزرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ کدا وہ جگہ ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر لوگوں کو پکارا تھا۔ اس لئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں اس مقام میں داخل ہوئے جہاں اس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی۔

(روضۃ الانف ج 2 'صفحہ 27)

جب لشکر اسلام کی فوجیں مکہ کی چاروں سمت سے آ کر خانہ کعبہ کے سامنے جمع ہوئیں تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ پر سوار بیت اللہ کے پاس آئے اور سات مرتبہ طواف فرمایا۔

پھر عثمان بن طلحہ کنجی بردار خانہ کعبہ کو بلوایا اور درِ کعبہ کھولنے کا حکم دیا۔ عثمان کی ماں نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا۔ لیکن عثمان نے اسے خاموش کر دیا اور دروازہ کھول دیا۔ فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں بیٹھے۔ عثمان بن طلحہ سے خانہ کعبہ کی کنجی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنجی ہم کو عطا فرما دیجئے تاکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت حضرت عباسؓ اور بنو ہاشم کر سکیں۔ نیز بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہم کو حاصل ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

(سورۃ النساء۔58)

اللہ تم کو فرماتا ہے پہنچاؤ امانتیں امانت والوں کو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی مرحمت کی اور فرمایا کہ یہ کنجی ہمیشہ کیلئے تمہارے پاس رہے گی یعنی تمہارے ہی خاندان میں رہے گی۔ میں نے خود نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دلوائی ہے۔ سوائے ظالم اور غاصب کے کوئی تم سے نہ چھین سکے گا۔

(فتح الباری' ج8' صفحہ 15۔ زرقانی' ج2' صفحہ 340-337)

اس روز پانچ مسلمان خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ

دوسرے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

تیسرے عثمان بن زیدؓ مشہور صحابی

چوتھے حضرت بلالؓ موذن صدر اسلام

پانچویں عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبۃ اللہ

جو اہل مکہ جان بچانے کی خاطر کعبۃ اللہ میں پناہ لئے ہوئے تھے ڈرے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں قتل کر دیں گے اور ان کے مال سلب کر لیں گے۔ اہل مکہ کافر تھے انہوں نے متارکہ جنگ کی خلاف ورزی کی تھی۔ وہ حربی کافر تھے اور مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ فتح کیا۔ قریش مکہ اور ان کے حلیف احابیش

ان کے ساتھ جنگ کی تھی اور دو مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔لہٰذا جنگی قانون کے مطابق رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق پہنچتا تھا کہ وہ سارے مکہ کو تہ تیغ کر دیں اور ان کے آل و اولاد کو غلام و کنیز بنالیں۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو بخش دیا۔زیارت کعبۃ اللہ سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آستانہ کعبہ پر کھڑے ہو کر اہل مکہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''تم لوگ قانون جنگ سے واقف ہو۔تم نے پیمان شکنی کی اور مغلوب ہوئے۔اس لئے مسلمانوں کا حق ہے کہ تمہیں قتل کریں یا غلام بنائیں اور تمہاری عورتوں کو کنیز بنالیں۔مگر میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج کے دن تم سے وہی بات کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے قدرت پانے کے بعد اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔وہ یہ کہ خدا تمہیں بخشے' تم لوگ آزاد ہو' کوئی شخص تمہارے جان و مال سے تعرض نہیں کرے گا۔

باب کعبہ پر خطبہ

خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو مسجد الحرام کھچا کھچ لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔سب منتظر تھے کہ مجرموں اور دشمنوں کے متعلق کیا حکم دیا جاتا ہے۔یہ رمضان المبارک کی 20 تاریخ تھی۔باب کعبہ پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کی تمام جماعتوں کو تنہا شکست دی۔آگاہ ہو جاؤ' جو خصلت و عادت خواہ جانی ہو یا مالی ہو جس کا دعویٰ کیا جا سکے' وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں' سب لغو اور باطل ہیں۔مگر بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو زم زم کا پانی پلانا یہ خصلتیں حسب دستور برقرار رہیں گی۔آگاہ ہو جاؤ جو شخص خطاء قتل کیا جائے گا۔کوڑے سے یا لاٹھی سے اس کی دیت (خون بہا) واجب الادا ہے۔سو اونٹ ہوں گے جس میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آبا و اجداد پر فخر کرنے کو باطل کر دیا۔سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔(ترجمہ) اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور شاخوں اور خاندانوں پر تقسیم کیا تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اور حقیقت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو' اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔پھر

یہ ارشاد فرمایا' اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے۔ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا بھلائی کا۔ (یہ کہنے والے سہیل بن عمرو تھے۔ جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں شرائط طے فرمائی تھیں۔ بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ اے گروہ قریش میری نسبت تمہارا کیا گمان ہے' تو سہیل بن عمرو نے فی البدیہہ یہ کہا۔

خیر ہی خیر کہتے ہیں اور خیر ہی خیر کا گمان رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا' تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (اصابہ' ترجمہ سہیل بن عمرو' البدایہ والنہایہ' ج4' صفحہ 302۔ زرقانی' ج2' صفحہ 336)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مکہ سے خطاب کر چکے تو اپنے دست مبارک سے خانہ کعبہ کے ایک بت کو توڑ دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تمام بتوں کو توڑ ڈالیں اور باہر پھینک دیں۔ جس وقت مسلمان بتوں کو توڑ رہے تھے' قریش بے بسی کے عالم میں منہ چھپائے پھر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا ویران ہو جائے گی' مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ میں موجود لوگوں سے فرمایا "جہاں چاہے چلے جاؤ اور جہاں چاہیں آئیں جائیں اور جو کام چاہیں کریں۔ مسلمان کے مکہ میں داخلہ کے وقت مکہ کا حاکم عتاب بن اسید تھا۔ حضرت بلالؓ کعبہ کی چھت پر اذان دے رہے تھے۔ حاکم مکہ عتاب بن اسید اپنے دو ساتھیوں ابوسفیان بن حرب اور حارث بن ہشام صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان پر ناگواری کا اظہار کیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی ان تینوں کی گفتگو کی اطلاع ملی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس جا کر ان کی تمام گفتگو کو دھرا دیا۔ جس سے یہ حیران ہو گئے اور فوراً کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب کو اس کے عہدہ پر برقرار رکھا۔ فتح کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف کر دیا۔ ان میں عکرمہ بن ابوجہل بھی تھے۔ ان کی بیوی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

ہوئیں اور اپنے شوہر کیلئے امن کی طالب ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں امان دے دی۔ اسلام کی بڑی دشمن ہندہ زوجہ ابوسفیان جس نے حضرت حمزہؓ کا جگر چبایا تھا اور اسی لئے ہندہ جگر خوار کہلاتی تھی اور دیگر مسلمان شہیدوں کا ناک کان کاٹ کر اپنا ہار بنایا تھا' وہ بری طرح خائف تھی' مگر اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف کر دیا۔ صفوان بن امیہ جو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے مدینہ گیا تھا' اسے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف کر دیا۔ معافی سے سرفراز ہونے کے بعد وہ مشرف بہ اسلام ہوا اور مجاہدین کیلئے ایک سو زرہیں اور پانچ سو درہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کئے۔

خانہ کعبہ سے فراغت پا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لوگ بیعت کیلئے پیش ہوئے اور اسلام اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر بیعت کرنے لگے۔ مردوں سے فقط اسلام پر' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر اور جہاد پر بیعت لیتے۔ عورت سے ان امور پر بیعت لی جاتی جو بیعت النسا کی آیت میں مذکور ہیں یعنی

يَاَ اَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآئَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِىْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

(سورة الممتحنة-12)

اے نبیؐ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کیلئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا نہ کریں گی' اپنی اولاد نہ قتل کریں گی' اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی' تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں سے جو بیعت فرماتے وہ زبانی ہوتی تھی۔ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک نے کبھی بھی کسی نامحرم عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا اور نہ کسی عورت سے کبھی مصافحہ فرمایا۔ بلکہ کپڑے کے ذریعہ بیعت فرماتے۔ کپڑے کا ایک کونہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں ہوتا اور دوسرا کونہ عورت کے ہاتھ میں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ پانی کے پیالے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ ڈالتے اور پھر عورتوں کو حکم فرماتے کہ اس پیالہ میں اپنا ہاتھ ڈال لو۔ اس طرح بیعت پختہ ہو جاتی۔ مورخ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ قریش کی جو عورتیں خانہ کعبہ میں بیعت کیلئے حاضر ہوئیں ان میں سے چند ایک کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1- ام ہانی بنت ابی طالب
2- ام حبیب بنت عاص بن امیہ زوجہ عمر بن عبدود عامری
3- اروی بنت ابی العیص یعنی عتاب بن اسید کی پھوپھی
4- عاتکہ بنت ابی العیص اروی کی بہن
5- ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان' والدہ امیر معاویہ

ہندہ نے مشرف بہ اسلام ہونے پر عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے مبارک سے زیادہ کوئی چہرہ مجھ کو مبغوض نہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کو دشمن نہ رکھتی تھی اور اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی چہرہ مجھے محبوب نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ابھی محبت میں اور اضافہ ہوگا۔
(ابن الاثیر' ج2' صفحہ 16)

عفو عام اور مجرمان خاص

فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفو عام کا اعلان فرمایا۔ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے' جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسائے تھے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برسرپیکار رہے تھے۔ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک کو لہولہان کر دیا تھا' سب کو معافی دے گئی۔ چند اشخاص نہایت درجہ گستاخ اور دریدہ دہن تھے' ان کے متعلق حکم ہوا کہ جہاں کہیں بھی ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق خداوند ذوالجلال کا حکم ہے۔

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○
(سورۃ الاحزاب۔62-61)

لعنت بھیجی جائے گی ان پر (ہر طرف سے) جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے بری طرح ○ یہی سنت ہے اللہ کی ایسے لوگوں کے معاملے میں جو پہلے گزر چکے ہیں اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے ○

پیغمبر خدا کی توقیر و تعظیم اور ان کی نصرت و حمایت تمام امت پر فرض ہے۔ان کی بے حرمتی دین الٰہی کی بے حرمتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○

تمہارا دشمن ہی ابتر (بے نام و نشان) رہا

نیز اللہ نے بڑی وضاحت سے فرمایا

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○
(سورۃ توبہ۔13-12)

اور اگر عہد کے بعد یہ پھر اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملے شروع کر دیں تو کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔شائد کہ (پھر تلوار ہی کے زور سے) وہ باز آ ئیں گے۔کیا تم نہ لڑو گے ایسے لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے رہے ہیں اور جنہوں نے رسول کو ملک سے نکال دینے کا قصد کیا تھا اور زیادتی کی ابتدا کرنے والے وہی تھے۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔اگر تم مومن ہو تو اللہ اسکا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو ○

یعنی جن لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکالنے کا فقط ارادہ اور قصد ہی کیا۔ان

کے قتال میں اہل ایمان کو ذرہ برابر تامل نہ ہونا چاہیے۔ان کی ظاہری قوت' شان وشوکت اور مادی سازوسامان سے خائف نہ ہوں۔صرف اللہ سے ڈریں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمایت میں مال اور جان قربان کرنے سے دریغ نہ کریں۔یہ امر واضح ہے کہ سب وشتم' استہزا اور تمسخر' گستاخی اور دریدہ دہنی کا جرم کہیں زیادہ سخت ہے۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ساری امت کی توہین ہے۔لہٰذا ہر امتی کا فرض ہے کہ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی سنے تو فوراً اس کو قتل کر دے یا اپنی جان دیدے۔جن لوگوں کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واجب القتل قرار دیا تھا کہ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عبداللہ بن خطل

یہ پہلے مسلمان ہوا۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عامل مقرر فرما کر صدقات وصول کرنے کیلئے بھیجا۔ایک غلام اور ایک انصاری ساتھ تھے۔ایک منزل پر پہنچ کر غلام کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔غلام کسی وجہ سے سو گیا۔ابن خطل نے دیکھا کہ غلام سو رہا ہے اور کھانا تیار نہیں کیا۔غصہ میں آ کر غلام کو قتل کر دیا۔پھر خیال آیا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے قصاص میں قتل کر دیں گے۔لہٰذا مرتد ہو کر مکہ چلا گیا اور صدقات کے اونٹ بھی لے گیا۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کرتا اور باندیوں کو یہ اشعار گانے کا حکم دیتا۔پس اس کے تین جرم تھے۔ ایک خون ناحق' دوسرا مرتد ہونا' تیسرا ہجو کہنا۔ابن خطل فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے پردوں سے جالپٹا۔آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ وہیں قتل کر ڈالو چنانچہ ابو برزہ اور اسلمی اور سعد بن حریثؓ نے وہیں قتل کر دیا۔

(زرقانی' ج 2' صفحہ 314)

قرتنی وقرنیہ

یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں۔شب و روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گاتی رہیں۔ایک ان میں سے ماری گئی۔دوسری امن کی طالب ہو کر مسلمان ہو گئی۔

سارہ

سارہ بنی المطلب کی لونڈی تھی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گانے کی مشتاق تھی۔ یہ بھی قتل کی گئی۔ یہ وہی عورت ہے جو حاطب بن بلتعہ کا خط لیکر مکہ جا رہی تھی۔ بعض تذکرہ نگار کہتے ہیں اسلام لے آئی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔

حویرث بن نقید

یہ شاعر تھا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو قتل کیا۔

(زرقانی' ج2' صفحہ 315)

مقیس بن صبانہ

یہ پہلے مسلمان ہوا۔ غزوہ ذیقعدہ میں ایک انصاری نے اس کے بھائی ہشام کو دشمن سمجھ کر قتل کر دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیت کا حکم دیا۔ قیس نے دیت لینے کے باوجود انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون مباح فرمایا۔ نمیلہ بن عبداللہ لیثی نے سر بازار اسے قتل کر دیا۔

حارث بن طلاطل

یہ شخص رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو قتل کر دیا۔

ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی

یہ بھی ہجو گو شعراء میں سے تھا۔ فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ نکلا اور وہیں کفر کی حالت میں مر گیا۔

ان کے علاوہ جو واجب القتل قرار دیئے گئے تھے لیکن صدق دل سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس لئے ان کو معاف کر دیا گیا۔ ان میں سے بعض حضرات آگے چل کر مشاہیر اسلام میں

شمار ہوئے۔ان کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

یہ پہلے کاتب وحی تھے۔مرتد ہو کر مکہ چلے گئے۔حضرت عثمانؓ کے رضائی بھائی تھے۔فتح مکہ کے دن جان بچانے کی خاطر روپوش ہو گئے۔حضرت عثمانؓ ڈھونڈ لائے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔حضرت عثمانؓ نے عرض کیا عبداللہ حاضر ہے۔اس سے بھی بیعت لیجئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی سرح سے بیعت لے لی' بعد میں صحابہ سے فرمایا تم میں کوئی سمجھ دار نہ تھا کہ ابی سرح کو قتل کر ڈالتا۔کسی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اشارہ کیوں نہ کیا۔آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نبی کیلئے اشارہ بازی زیبا نہیں۔

عکرمہ بن ابی جہل

یہ ان لوگوں میں شامل تھا جن کا خون فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباح کیا تھا۔ابو جہل کے فرزند تھے اور ابو جہل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے۔فتح مکہ کے دن بھاگ کر یمن چلے گئے۔عکرمہ کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام آئیں اور بارگاہ نبوی میں اپنے شوہر کیلئے امن کی درخواست کی۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرزند ابی جہل کیلئے امن کی درخواست قبول فرمائی۔عکرمہ ام حکیم کے ساتھ دربار رسالت میں پیش ہوئے اور سچے دل سے اسلام قبول کر لیا اور مشاہیر اسلام سے ہوئے۔

ہبار بن الاسود

یہ مسلمانوں کو بہت ایذا پہنچاتا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب زوجہ ابو العاص بن ربیعؓ ہجرت کر کے مدینہ جا رہی تھیں۔ہبار بن اسود نے راستہ میں حضرت زینبؓ کے نیزہ مارا جس سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ اسی عارضہ میں انتقال کر گئیں۔فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہبار کا خون مباح فرمایا۔ہبار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ہبار نے عرض کیا ''سلام ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر' اے اللہ

کے نبی اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگزر فرمایا۔ سبحان اللہ۔

وحشی بن حرب

قاتل حضرت حمزہؓ بھاگ کر طائف پہنچا۔ وہاں سے مدینہ منورہ حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کیا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا۔ خود کہا کرتا تھا کہ جس حربہ نے خیر الناس کو شہید کیا اسی حربہ نے شر الناس کو قتل کیا۔

(استیعاب ابن عبد البر ترجمہ وحشی بن حرب۔ زرقانی' ج 3' صفحہ 216)

عبداللہ بن زبعریٰ

بہت بڑے شاعر تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو اور مذمت میں شعر کہا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن زبعریٰ کے قتل کا حکم دیا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے۔ بعد میں تائب ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور اسلام قبول کیا اور معذرت میں اشعار کہے۔

''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری زبان اس نقصان کا بدلہ دے گی جو میں نے اپنی ہلاکت اور گمراہی کے زمانہ میں پہنچایا ہے۔ میرا گوشت اور میری ہڈیاں پروردگار پر ایمان لے آئیں۔ پھر میرا دل شہادت دیتا ہے کہ آپ خدا کے بشیر و نذیر ہیں۔''

(سیرۃ ابن ہشام)

ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابی سفیان

ہندہ نے معرکہ اُحد میں حضرت حمزہؓ کا جگر چبایا تھا۔ ہندہ انہی عورتوں میں شامل تھی جن کیلئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ ہندہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ایذا دیتی تھی۔ فتح مکہ کے دن حاضر خدمت ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کر لیا۔ گھر جا کر تمام بت توڑ ڈالے اور کہا کہ خدا کی قسم تمہاری ہی وجہ سے ہم دھوکہ میں تھے۔

(سیرۃ ابن ہشام۔ اصابہ ج 4' صفحہ 425)

مندرجہ بالا اشخاص ناقابل عفو مجرم تھے۔ ان کے جرائم نہایت سنگین تھے۔ جس نے اپنے

قصور کا اعتراف کیا اور تائب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ اس کو امن ملا اور جو بغاوت اور سرکشی پر قائم رہا وہ قتل ہوا۔ اب ان چند معززین قریش کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔

مکہ حرم قرار پایا

فتح مکہ کے بعد اگلے دن بنی خزاعہ نے بنی ہذیل کے ایک مشرک کو قتل کر دیا۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے اور لوگوں سے خطاب فرمایا۔

''اے لوگو! جس روز خدا نے زمین و آسمان کی تخلیق کی' اسی روز مکہ کو حرم قرار دے دیا اور قیامت تک اس کی یہی حیثیت رہے گی۔ کسی شخص کیلئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو جائز نہیں کہ اس میں خون ریزی کرے یا کسی درخت کو کاٹے۔ یہ مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کیلئے حلال ہوگا اور میرے لئے صرف اسی وقت یہاں کے لوگوں پر اللہ کی غضب آلودگی کے سبب حلال ہوا' اس کے بعد پھر اس کی حرمت بدستور برقرار رہے گی۔ تم میں سے جو لوگ حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں۔ جو شخص تم میں سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ میں جنگ کی ہے' اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے حلال کر دیا تھا۔ لیکن اے بنی خزاعہ! تمہارے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ خون ریزی سے دست بردار ہو جاؤ۔ اگرچہ یہ سود مند ہے لیکن اب اس کی ضرورت نہیں۔ تم نے اس شخص کو قتل کیا ہے۔ جس کا خون بہا میں ادا کئے دیتا ہوں۔ میرے اس اعلان کے بعد جو شخص مقتول ہو اس کے وارث دو باتوں میں سے ایک اختیار کر سکتے ہیں۔ وہ چاہیں تو قاتل کو قتل کر سکتے ہیں اور چاہیں تو اس کا خون بہا قبول کر سکتے ہیں۔''

بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتول کا خون بہا ادا کر دیا جسے بنی خزاعہ نے قتل کیا تھا۔ اس سلوک اور اس رویے سے جو عفو عام کے اعلان سے بھی بڑھ کر تھا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کے دل موہ لئے اور وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی خزاعہ کو ان ستونوں کی مرمت کیلئے بھیجا جو مکہ کے اردگرد تھے۔ اس سے

اہل مکہ کو یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کا دل ہ جان سے احترام فرماتے ہیں اور ان کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جڑ پکڑ گئی۔

قریش کے مرد وزن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور سب نے حق وصداقت کی راہ اختیار کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں پندرہ دن قیام فرمایا اور مکہ کی داخلی حالت درست فرمائی۔ اہل مکہ کو دینی احکام کی تلقین فرمائی۔ فوج کے کچھ دستے اطراف مکہ میں دعوت وتبلیغ کیلئے روانہ فرمائے اور انہیں ہدایت کی کہ تلوار ہرگز نہ اٹھائیں۔

بنو جزیمہ کی طرف

حضرت خالد بن ولیدؓ کو نخلہ کی جانب روانہ فرمایا تا کہ بنی شیبان کے بت ''عزیٰ'' کو توڑ دیں۔ اس بت کے انہدام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی جزیمہ کی طرف توجہ فرمائی۔ انہوں نے خالد بن ولیدؓ کو دیکھتے ہی ہتھیار اٹھا لئے اور مقابلے کیلئے تیار ہو گئے۔ عام لوگ ایمان لا چکے تھے اس لئے لڑائی ختم ہو گئی اور لوگوں کو امان مل گئی لیکن کچھ لوگوں کو حضرت خالد بن ولیدؓ نے گرفتار کیا اور بعض کو تہہ تیغ کر دیا۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا ''اے اللہ! جو کچھ خالد نے کیا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔'' پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بنی جزیمہ کی طرف بھیجا اور ہدایت کی کہ ان کا جائزہ لو اور جاہلی رسوم ختم کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کچھ مال جو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا' مقتولین کے خون بہا کے طور پر ادا کیا اور بقیہ مال انہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ دو ہفتے تک مکہ میں قیام کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت پرستی کے تمام آثار محو کرائے۔ کعبہ کے قدیم مناصب میں سے سدانت کعبہ اور سقایت کے سوا اور کوئی منصب باقی نہ رہنے دیا۔ سدانت کا عہدہ حسب سابق عثمان بن طلحہ اور ان کے خاندان کیلئے وقف فرما دیا اور ان سے یہ منصب چھیننے والے کو ظالم قرار دیا۔ سقایت کا عہدہ حضرت عباس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عم محترم کے سپرد کر دیا۔ مکہ کے تمام لوگ ایمان لے آئے اور توحید کا نور ہر طرف پھیل گیا' مرور ایام کے ساتھ تمام اطراف عالم منور ہو گئے۔

ابو قحافہ کا مشرف بہ اسلام ہونا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عمر رسیدہ والد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے ابو بکر تو نے اس بوڑھے کو گھر میں ہی کیوں نہ رہنے دیا۔ میں خود ہی ان کے پاس آ جاتا" ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چل کر میرے باپ کے پاس جاتے، بہتر یہی ہے کہ میرا باپ پا پیادہ خود چل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو قحافہ کے سینے پر دست مبارک پھیرا اور اسلام کی تلقین فرمائی۔ ابو قحافہ نے اسلام قبول کر لیا۔ جب ابو قحافہ اسلام لے آئے تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مبارک باد دی۔

(روض الانف، ج 7، صفحہ 270۔ سیرت حلبیہ، ج 2، صفحہ 212)

صفوان بن امیہ کا قبول اسلام

صفوان بن امیہ سرداران قریش میں سے تھے، جود و سخا اور مہمان نوازی میں ان کا گھرانہ ممتاز تھا۔ صفوان کا باپ امیہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ فتح مکہ کے دن صفوان بھاگ گیا۔ ان کے چچا زاد بھائی عمیر بن وہبؓ نے بارگاہ نبوت میں صفوان کیلئے امن کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امان دے دی اور اپنا عمامہ یا بعض کے نزدیک اپنی چادر بطور علامت عنایت فرمائی۔ عمیرؓ ان کو لے آئے۔ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا اگرچہ مجھے امان ملی ہے تاہم مجھے سوچنے کی مہلت دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار ماہ کی مہلت عطا فرمائی۔ غزوہ حنین میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے اور کچھ زرہیں ہدیۃً پیش کیں۔ حنین سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو بہت سی بکریاں عطا فرمائیں۔ صفوان کے منہ سے بے ساختہ نکلا خدا کی قسم اتنی سخاوت نبی کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا اور مسلمان ہو گئے۔

(استیعاب و اصابہ، ترجمہ صفوان بن امیہ)

سہیل بن عمرو کا قبول اسلام

سہیل اشراف مکہ میں سے تھے۔ خطیب قریش کے نام سے مشہور تھے۔ صلح حدیبیہ میں انہیں دیکھ کر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا "اب تمہارا معاملہ کچھ سہل ہو گیا ہے۔" فتح مکہ کے دن سہیل نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بارگاہ نبوت میں بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے باپ کیلئے امن حاصل کرے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو امن دے دیا اور صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا "جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے۔ تحقیق سہیل بڑا شریف اور عاقل ہے۔ اس جیسا شخص اسلام سے جاہل اور بے خبر نہیں رہ سکتا۔" غزوہ حنین میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے اور جعرانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور قسم کھائی کہ جس قدر مشرکین کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ہے اس سے زیادہ اب مسلمانوں کے ساتھ ہو کر کافروں سے جنگ کروں گا اور جتنا مال مشرکین پر خرچ کیا ہے اتنا ہی مسلمانوں پر کروں گا۔

(سیر الحلبیہ، ج2، صفحہ 226۔ الاصابہ، ج2، صفحہ 94)

عتبہ و معتب پسران ابی لہب کا قبول اسلام

فتح مکہ کے دن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میرے چچازاد بھائی عتبہ و معتب کہاں ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ مشرکین کے ساتھ روپوش ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں عرفہ سے ان دونوں کو لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ دونوں نے اسلام قبول کیا۔

(الخصائص الکبریٰ، ج1، صفحہ 264)

معاویہ کا قبول اسلام

معاویہ کاتب وحی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے، مگر صحیح یہ ہے کہ آپ صلح حدیبیہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اُم المومنین حضرت ام حبیبہ دختر نیک اختر ابوسفیان بن حرب امیر معاویہ کی بہن تھیں۔ ان سے محبت رکھنا فرض ہے۔ ان سے کینہ رکھنا حرام

ہے۔ اسلام سے پہلے جو ہو چکا سب معاف ہے۔ اسلام سے پہلی باتوں کا تذکرہ از روئے قرآن وحدیث قطعاً ممنوع ہے۔

فتح مکہ کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پندرہ روز کے قریب مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران تقریباً تمام اہل مکہ مسلمان ہو گئے۔ اہل مدینہ یعنی انصار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ میں قیام کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حب وطن کی وجہ سے مکہ ہی میں نہ ٹھہر جائیں۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خدشہ کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار مدینہ سے فرمایا ''میرا مرنا جینا آپ کے ساتھ ہے' جب تک زندہ ہوں آپ کے ساتھ زندگی گزاروں گا اور جہاں میں دفن ہوں گا' وہیں آپ لوگ بھی دفن ہوں گے۔ پندرہ روزہ قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مراجعت فرمائی اور عازم مدینہ منورہ ہوئے۔ اہل مدینہ کو جو فکر لاحق ہوئی تھی وہ زائل ہو گئی۔

غزوہ حنین

تسخیر مکہ سے اسلام کی کامیابی پر مہر ثبت ہو گئی کیونکہ جزیرۃ العرب میں مکہ ایک سیاسی مذہبی اور تجارتی مرکز کی حیثیت کا مالک تھا۔ جب مسلمانوں نے اسے تسخیر کر لیا تو وہ عرب کے سیاسی' مذہبی اور تجارتی مرکز پر متصرف ہو گئے۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے جہاں قبائل ہوازن وثقیف آباد تھے ان کے چند قبائل تھے جو یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ بنو ہوازن نے کئی بار حرام مہینوں میں مکہ پر حملہ کیا۔ حرام مہینوں کی اس جنگ کو عرب حرب الفجار کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہوازن ہوزان کی جمع ہے۔ ہوازن بہت سے قبیلے تھے۔ ان کا ایک گروہ عرب کے درمیانی صحرا میں آباد تھا' یعنی حجاز میں اور ایک حصہ یعنی بنی ثقیف طائف میں سکونت پذیر تھا۔ ہوازن مکیوں کے جدی دشمن تھے۔ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد اہل مکہ اور ہوازن کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دایہ حلیمہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا تھا' بنو ہوازن کی شاخ بنو سعد سے تھیں۔ بنو بکر بنو سلیم اور سارے قبائل ہوازن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ قبائل ہوازن بڑے جنگجو اور قادر تیر انداز تھے۔ فتح مکہ پر انہیں خیال گزرا کہ مسلمان کہیں ہم پر حملہ

نہ کردیں کیونکہ فتح مکہ کے تیسرے دن ہی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اطراف واکناف مکہ کے تمام بتوں کو توڑ دیا جائے۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ بتوں کو توڑنے کیلئے نخلہ روانہ ہو گئے' جہاں عرب کا مشہور وعظیم بت عزا یا عزیٰ تھا۔

ہوازن نے جب دیکھا کہ مسلمان ہمارے بت توڑنے کا عزم کئے ہوئے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ بجائے آپ کے حملہ کرنے کے ہمیں چل کر مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہیے۔ انہوں نے تمام قبائل کو اطلاع دے دی کہ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ ان کا سردار مالک بن عوف نصری بیس ہزار کی جمعیت لے کر حملہ کرنے کی نیت سے چل پڑا۔ درید بن صمہ سردار بنی جشم اگرچہ پیرانہ سالی کی وجہ سے حس وحرکت سے معذور تھا' لیکن بوڑھے تجربہ کار' جہاں دیدہ اور جنگ آزمودہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی ساتھ لے لیا تاکہ بوقت ضرورت اس کے مشورہ سے استفادہ کیا جا سکے۔ سردار بنو ہوازن مالک بن عوف نے سرداران افواج کو تاکید کر دی کہ ہر شخص اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے چلے تاکہ جم کر مقابلہ کر سکیں اور کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے' ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ بنو ہوازن اتنی بڑی فوج میدان جنگ میں لائے ہوں۔ جب اہل قریش کو معلوم ہوا تو وہ مسلمانوں سے مل کر بنو ہوازن سے جنگ کرنے پر تیار ہو گئے۔

صفوان بن امیہؓ نے مسلمانوں کو ہتھیار و درہم دیئے تاکہ مسلمان خوب تیاری کر سکیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار مجاہدوں کا لشکر لے کر ہوازن کے مقابلہ میں نکلے۔ لشکر اسلام مکہ اور طائف کے درمیان وادی حنین میں رات گزارنے کیلئے ٹھہرا۔ صبح کے وقت لشکر اسلام کوہستانی درے تنگ نائے حنین سے گزرنے لگا۔ ہراول دستہ اطمینان سے گزر گیا لیکن سپاہ سالار نے غفلت سے کام لیا کیونکہ دشمن کی دیکھ بھال کو نظر انداز کر گیا اور یہ غفلت اس لئے ہوئی کہ مسلمانوں کو اپنی طاقت پر بھروسہ تھا۔ بہر حال ہراول دستہ درے کو عبور کر گیا۔ مالک بن عوف نصری نے ثابت کر دکھایا کہ وہ ایک قابل سپہ سالار ہے' وہ اس طرح کہ اس نے اپنی فوج کو درے کے دونوں طرف پہاڑوں میں چھپا دیا۔ بنو ہوازن نے حملہ کرنے میں جلدی نہ کی تاکہ لشکر اسلام درے کے درمیان میں آ جائے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درے کے لشکر اسلام کے آخری حصہ میں تھے۔ جب پورا لشکر اسلام درے میں سے گزرنے لگا تو مالک بن

عوف سالار افواج ہوازن نے حملے کا حکم دیا۔ اس کے جان باز گھات سے نکلے اور سنگ باری شروع کر دی۔ مسلمان راہ پیمائی میں مصروف تھے۔ جنگ کیلئے تیار نہ تھے' اس لئے اس اچانک حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پہلے ہی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس واقعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○

(سورۃ التوبہ۔ 26-25)

اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ابھی غزوہ حنین کے روز (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرّہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کیلئے جو حق کا انکار کریں ○

شوال سنہ 8 ہجری میں بارہ ہزار جان بازوں کے لشکر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سربراہی میں حنین کا قصد فرمایا جس میں دس ہزار وہی تھے جو مدینہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور دو ہزار غیر مسلم قریشی تھے۔ بارہ ہزار کا ایک لشکر جرار جب حنین کی طرف بڑھا تو ایک شخص کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے"۔ جس میں شائبہ فخر اور خود پسندی کا تھا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ چونکہ قلت باعث ہزیمت ہوتی ہے اس لئے کثرت کو دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان پر یہ لفظ آ گئے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ کلام ناپسند ہوا۔ اس لئے کہ اس میں ابہام تھا کہ فتح و نصرت غلبہ اور فتح یابی کا سبب کثرت ہے۔ عجب نہیں جو لوگ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے اور ان کے دل میں اسلام

راسخ نہ ہوا تھا۔ یہ الفاظ ان کے منہ سے نکلے ہوں۔ الغرض یہ جملہ بارگاہ خداوندی میں پسند نہ آیا اور بجائے فتح کے پہلے ریلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لشکر اسلام وادی حنین میں پہنچا تو قبائل ہوازن وثقیف دونوں جانب کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مسلمان سراسیمہ ہو کر منتشر ہو گئے۔ صرف دس بارہ شیدایان نبوت اور اور جان بازان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عباسؓ، فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور چند دیگر صحابہ تھے۔ حضرت عباسؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور ابوسفیان بن حارثؓ رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ شیبہ بن عثمان بدنیتی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھا کیونکہ اس کا باپ بدر میں مارا گیا تھا۔ الغرض جب ہوازن اور ثقیف نے کمین گاہوں سے نکل کر ایک دم ہلہ بول دیا اور مسلمانوں پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صرف رفقاء خاص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار پکارا اے لوگوں ادھر آؤ' میں اللہ کا رسول اور محمد بن عبداللہ ہوں۔ میں سچا نبی ہوں۔ اللہ نے مجھ سے فتح ونصرت اور میری عصمت وحمایت کا وعدہ کیا ہے۔ وہ بالکل حق ہے۔ اس میں کذب کا امکان نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

(تاریخ ابن الاثیر۔ بخاری ومسلم)

حضرت عباسؓ بلند آواز تھے۔ انہوں نے با آواز بلند نعرہ لگایا 'اے گروہ انصار' اے وہ لوگو جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی تھی' آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ ایک دم سب پلٹ پڑے اور صفوں میں پروانہ وار شمع نبوت کے گرد جمع ہو گئے۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مشت خاک کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ''برے ہوئے یہ چہرے اور انہوں نے شکست کھائی'' اور ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے۔ بہت سے بھاگ گئے اور بہت سے اسیر ہو گئے۔ شکست کے بعد مالک بن عوف بھاگا اور طائف جا کر دم لیا۔ درید بن صمہ نے بھاگ کر اوطاس میں پناہ لی اور کچھ لوگ نخلہ پہنچے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری کے چچا ابو عامر اشعری کو اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ مقابلہ ہوا' درید بن صمہ ربیعہ بن رفیع کے ہاتھوں مارا گیا۔ مسلمہ بن درید نے ابو عامر اشعریؓ

کے گھٹنے میں تیر مارا تھا جس سے وہ شہید ہو گئے تھے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ آگے بڑھے‘ رایت اسلام سنبھالا اور اپنے چچا کے قاتل کو قتل کر ڈالا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔

(عیون الاثر‘ ج2‘ صفحہ 192۔ فتح الباری‘ ج8‘ صفحہ 34)

محاصرہ طائف

جنگ حنین کے اختتام پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت اور قیدیوں کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ میں جمع کیا جائے اور خود طائف پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ فرمایا۔ طائف روانہ ہونے سے پہلے طفیل بن عمرو دوسیؓ کو ایک چوبی بت ذوالکفل کے جلانے کا حکم دیا۔ طفیل بن عمرو دوسیؓ تعمیل ارشاد کے بعد واپسی پر ایک منجنیق اور ایک دبابہ ساتھ لائے۔ طائف والوں کو جب معلوم ہوا کہ مسلمان حملہ کرنے والے ہیں تو وہ قلعہ بند ہو گئے اور مدافعت کا مصمم ارادہ کر لیا اور کئی سال کا غلہ اور خورد و نوش کا سامان فراہم کر لیا۔ حصار شہر توڑنے کیلئے مسلمانوں نے منجنیق کا سہارا لیا۔ اس کے علاوہ حضرت سلمان فارسیؓ کی ہدایت پر ایک جنگی گاڑی تیار کی جو ایک کچھوے کی مانند تھی۔ اس میں مسلمان فوجی قلعہ کے دروازوں تک پہنچ گئے۔ حنین کی فتح نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کیے تھے اس لئے وہ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے مالک بن عوف سردار بنو ہوازن کے گھر کو برباد کر دیا لیکن طائف کو فتح نہ کر سکے۔ جب قلعہ کی دیواروں کو شگاف نہ ڈال سکے تو مسلمانوں نے طائف والوں کے باغات کٹوانے شروع کر دیئے۔ قلعہ والوں نے واسطے دے کر باغات کو بچایا لیکن حصار قلعہ سے باہر نہ آئے۔ اس پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ کیا کہ اگر اہل طائف سر تسلیم خم کریں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا اور قلعہ سے اتر کو جو ہمارے پاس آئے گا وہ آزاد ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی آدمی حاضر ہو کر اسلام لائے۔ طائف چالیس دن زیر محاصرہ رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ کی ذمہ داری ایک دوسرے شخص کے سپرد کر دی اور خود جعرانہ تشریف لے گئے تاکہ مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ مال غنیمت کے علاوہ چھ ہزار قیدی مسلمانوں میں تقسیم ہوئے۔ تقسیم غنائم کے بعد بنو ہوازن کا ایک وفد حاضر ہوا جس میں نو آدمی شامل تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور بعد ازاں اپنے اموال و اہل و عیال کی واپسی کی درخواست کی۔ شیمہ نام کی ایک عورت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش

ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیتے تھے' میں بھی پیتی تھی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ کا پرانا زخم دکھایا اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلطی سے میرا ہاتھ کھیلتے ہوئے زخمی کر دیا تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو مسلمانوں کی کنیز نہ بنائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہچانا اور فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت عزت و احترام سے رکھوں گا اور اگر اپنے قبیلے میں جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے شمہ نے کہا میں اپنے قبیلے میں جانا چاہتی ہوں اور مسلمان ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کچھ اونٹ' بکریاں' تین غلام اور ایک باندی عطا فرمائی۔

(اصابہ' ترجمہ شمہ' ج 4' صفحہ 344)

جب قیدیوں اور اموال بنو ہوازن کی تقسیم ہو چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کی طرف لوٹے کہ دیکھیں محاصرے کی حالت کیا ہے۔ محاصرے میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی تھی مگر چونکہ قبائل ہوازن اسلام لا چکے تھے اس لئے طائف مسلمانوں کے لئے باعث خطرہ نہ رہا تھا کیونکہ اس کے ہر طرف اسلام احاطہ کئے ہوئے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ اگر چھوٹا سا لشکر بھی طائف کا محاصرہ کئے رہا تو طائف بھوک و پیاس کی وجہ سے سر تسلیم خم کر دے گا۔ لہٰذا ایک چھوٹا سا لشکر ابو سفیان کو دے کر بغرض عمرہ براستہ جعرانہ روانہ ہوئے۔

(تاریخ ابن الاثیر' ج 2' صفحہ 131۔ زرقانی' ج 3' صفحہ 41)

انصار کا ایثار

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مال غنیمت کی تقسیم میں دریا دلی اور دور اندیشی سے انصار تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کی جھولیاں بھر دیں۔ حتیٰ کہ ان کو بھی نوازا جو کل تک آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے انصار کی طرف سے یہ بات نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گزار کی۔ آپ نے فرمایا۔ انصار کو جمع کرو۔ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے اس طرح گفتگو شروع فرمائی۔

"اے گروہ انصار! کیا یہ بات سچ ہے جو میں نے سنی ہے؟ شاید تمہارے دلوں میں گرہ پڑ

گئی ہے۔ کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا اور اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور کیا تم مفلس نہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تونگر بنایا؟ کیا تم آپس میں دشمن نہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دوسرے کا دوست بنایا؟''

انصار نے جواباً عرض کیا کیوں نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر بہت احسانات فرمائے ہیں۔

رسول خداؐ: اے گروہ انصار! کیا تم مجھے جواب نہ دو گے؟

انصار: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہم سے کیا جواب چاہتے ہیں؟ اللہ اور اس کے رسول نے ہم پر واقعی احسانات کیے ہیں۔

رسول خداؐ: بخدا اگر تم چاہتے تو جواب دے سکتے تھے اور جواب درست ہوتا اور اس کی تصدیق بھی ہو جاتی۔ مثلاً تم یہ کہہ سکتے تھے کہ ''تو اس حالت میں آیا تھا لوگ تیری تکذیب کرتے تھے' مگر ہم نے تیری تصدیق کی۔ تجھ سے سب نے منہ موڑ لیا تھا مگر ہم نے تیری نصرت کی۔ تجھے وطن سے بے وطن کر دیا گیا تھا' لیکن ہم نے تجھے پناہ دی۔ تو مفلس تھا مگر ہم نے تجھ سے ہمدردی کی۔''

اے گروہ انصار! کیا تم دنیا کے اس مختصر سے مال پر جو میں نے نومسلموں کی دل جوئی اور تالیف قلب کی خاطر انہیں دیا تھا' دل پر میل لاتے ہو؟ حالانکہ میں نے تمہاری ایمانی پختگی پر پورا پورا اعتماد کیا ہے۔ اے گروہ انصار! کیا تم اس بات سے مسرور و مطمئن نہیں ہو کہ لوگ اپنے ہمراہ اونٹ' بکریاں اور بھیڑیں لے جائیں گے اور تمہارے ہمراہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اگر ہجرت نہ ہوتی میں بھی انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔ اگر باقی لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ پر تو میں بھی انصار کی راہ پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر' انصار کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باتیں کچھ ایسی دل سوزی سے کہیں کہ انصار چیخ اٹھے کہ ہم خوش ہیں کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے حصے میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ حنین کے مال غنیمت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے کوئی کشش نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مال غنیمت سے تالیف قلوب کا کام لیا تا کہ نومسلموں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اسلام میں دنیا کی سعادت بھی ہے اور آخرت کی فلاح بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن تدبر سے سب خوش تھے اور خدا کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے تیار تھے۔

تقرر عمال

فتح مکہ کے بعد تقریباً تمام جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگیں تھا لہٰذا ضرورت ہوئی کہ نظم و ضبط کی طرف توجہ دی جائے۔ چنانچہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی سطوت اور حکومت قائم رکھنے کیلئے مختلف علاقوں میں الگ الگ والی اور حاکم مقرر فرمائے۔ بازان بن ساسانؓ کو یمن کا والی مقرر فرمایا جو کسریٰ ایران کی طرف سے یمن کا والی تھا۔ کسریٰ کی ہلاکت پر بازان مسلمان ہو گیا تھا اس لئے بازان کو بدستور یمن کی ولایت اور حکومت پر قائم رکھا گیا۔ بازان کے انتقال پر اس کے بیٹے شہر بن بازانؓ کو صنعا کا والی مقرر کیا گیا۔ شہر بن بازان کی وفات پر خالد بن سعید بن العاصی امویؓ کو صنعا حاکم مقرر کیا گیا۔ زیاد بن عبید انصاری کو حضر موت کا اور ابو موسیٰ اشعری کو زبید اور عدن کا' معاذ بن جبل کو علاقہ یمن اور جند کا اور ابو سفیان بن حرب کو نجران کا اور ان کے بیٹے یزید بن ابو سفیان کو تمامہ اور عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن کے قاضی مقرر ہوئے۔ محرم سنہ ۱۰ ہجری میں عاملین زکوٰۃ' صدقات کی وصولی کیلئے مندرجہ ذیل حضرات مقرر فرمائے۔

عینیہ انصاری	بنی تمیم
عباد بن بشیر اشاہی	بنو سلیم و مذنیہ
بریدہ بن المصیب	بنو اسلم و غفاء
رافعہ بن مکیث	بنو جہینہ
عمرو بن العاص	بنی فزارہ
ضحاک بن سفیان کلاتی	بنی کلاب

بسر بن سفیان کعبی	بنی کعب
ابن المتبیہ ازدی	زبیان
علاء بن الحضرمی	بحرین
حضرت علی کرم اللہ وجہہ	نجران
عدی بن حاتم	بنو طے و بنو اسد
مالک بن نویرہ	بنی حنظلہ

(زاد المعاد ج 1 صفحہ 31۔ طبقات ابن سعد ج 2 صفحہ 115)

غزوہ تبوک

غزوہ موتہ میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ یہاں تک کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین غلام زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تھے۔ جب اسلامی لشکر واپس آیا تو مدینہ منورہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ اس بناء پر عرب شام سرحد پر جو عرب قبائل آباد تھے اور قیصر روم کے زیر اثر تھے ان کا حوصلہ بڑھا۔ قیصر روم نے مزید حوصلہ افزائی کر کے ان میں جرأت پیدا کر دی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاعات پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج گراں ترتیب دی اور اس کو لے کر ماہ رجب سنہ 9 ہجری میں بذات خود تبوک پہنچے جو مدینہ سے چودہ منزل پر مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مشہور مقام ہے۔ ادھر شاہ روم ہرقل کو غلط اطلاع ملی کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے اور عرب کے لوگ قحط سالی کی وجہ سے فاقوں مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کیلئے یہ موقعہ نہایت مناسب ہے۔ ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دیا۔ مجمع الزوائد ج 6 صفحہ 191 کے مطابق چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ کیلئے تیار ہو گیا۔ شام کے نبطی سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے۔ ان کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ہرقل نے ایک عظیم لشکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے کیلئے تیار کیا ہے جس کا مقدمتہ الجیش شام میں بلقاء کے مقام تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو ایک سال کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیاری

کا حکم دیا تا کہ دشمن کی سرحد پر تبوک پہنچ کر مقابلہ کیا جائے۔طویل مسافت' موسم گرما' قحط سالی' فقرو فاقہ اور بے سروسامانی ایسے نازک حالات میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین گھبرا اٹھے کہ ان کا پردہ فاش ہو جائے گا۔خود بھی جی چرانے لگے اور دوسروں کو بھی بہکانے لگے۔مخلصین سمعاً وطاعۃً کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سارا مال اور گھر کا سامان لاکر پیش کر دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل وعیال کیلئے کچھ چھوڑا ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ ان کیلئے خدا اور خدا کا رسول بس۔حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے نصف مال پیش کیا۔عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دوسو اوقیہ چاندی' عاصم بن عدیؓ نے ستر وسق کھجوریں اور عثمان غنیؓ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار پیش کیے۔اکثر صحابہ نے اپنی حیثیت کے مطابق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زاد راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا۔چند صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے پاس سواری نہیں ہم سعادت سے محروم رہیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں' اس پر وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ؕ

(سورۃ التوبہ۔92)

اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گرفت ہے) جنہوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے سواریاں بہم پہنچائی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا رنج تھا کہ وہ شریک جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے ۝

عبداللہ ومغفل ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعبؓ جب روتے ہوئے واپس جارہے تھے تو راستے میں یامین بن عمروؓ مل گئے۔رونے کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا' نہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں۔

افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ میں شرکت سے محروم رہ جائیں گے۔ یہ سن کر یامینؓ کا دل بھر آیا۔ اسی وقت ایک اونٹ خرید ا اور زادراہ کا انتظام کر دیا۔ جب صحابہ چلنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو مدینہ کا والی اور اپنا قائم مقام فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اہل وعیال کی دیکھ بھال اور خبر گیری کیلئے مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جارہے ہیں۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی۔ الغرض تیس ہزار فوج کے ساتھ آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا مگر کوئی مقابلہ پر نہ آیا۔ آپ کی آمد سے دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر خدمت ہو کر سر تسلیم خم کر لیا۔ شام کے علاقہ جات' جزبا' اذرخ اور ایلہ کے فرمانرواؤں نے حاضر ہو کر جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ نے ان کو صلح نامے لکھوا کر عطا فرمائے یہاں سے خالد بن ولیدؓ کو فوج کا ایک دستہ دیکر اکیدر والئی دومتہ الجندل کی طرف روانہ فرمایا۔ خالد بن ولیدؓ سے فرمایا۔ اکیدر تمہیں شکار کھیلتا ہوا ملے گا۔ اس کو پکڑ کر میرے پاس لانا۔ اس کو قتل نہ کرنا۔ جس وقت خالد بن ولیدؓ پہنچے اکیدر نیل گائے کے شکار میں مصروف تھا۔ اکیدر کا بھائی مقابلے میں مارا گیا اور اکیدر خود خالد بن ولیدؓ کا شکار ہو گیا۔ خالد بن ولیدؓ اکیدر کو لیکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ اکیدر نے دو ہزار اونٹ' آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہیں دے کر صلح کر لی۔

(زرقانی' ج3' صفحہ 66۔ عیون الاثر' ج2' صفحہ 216۔ بخاری شریف)

مسجد ضرار

مسجد ضرار منافقین مدینہ نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول رحمت کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کیا کریں۔ جس وقت آپ تبوک تشریف لے جارہے تھے' منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کیلئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تا کہ وہ مقبول ومتبرک ہو جائے۔ آپ نے فرمایا تبوک سے واپسی پر دیکھیں گے۔ واپسی پر آپ نے مالک بن خشمؓ اور معن بن عدیؓ کو اس مسجد ضرار کے منہدم کرنے

اور جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ اس بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

(سورۃ التوبہ۔107-108)

کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس غرض کیلئے بنائی کہ (دعوت حق کو) نقصان پہنچائیں اور (خدا کی عبادت کرنے کی بجائے) کفر کریں اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کیلئے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسرِ پیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اوّل روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کیلئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کیلئے) کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں ۝

غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبوک روانہ ہوئے تو مومنین و مخلصین بھی آپ کے ہمرکاب تھے۔ ایک گروہ شرکت سے رہ گیا۔ لیکن چند مومنین کسی عذر یا متقضائے بشریت پیچھے رہ گئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا اونٹ لاغر تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ چار روز میں چلنے کے قابل ہو جائے گا۔ جب اونٹ سے ناامید ہوئے تو زادِ راہ پشت پر لاد کر روانہ ہو گئے۔ تبوک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ ابوذر پر رحم فرمائے۔ اکیلا چلا آ رہا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ربذہ میں اکیلے وفات پائی، کوئی

تجہیز و تکفین کرنے والا نہ تھا' اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ سے آ رہے تھے کہ انہوں نے تجہیز و تکفین کی۔

ابو خیثمہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن دوپہر میرے اہل خانہ نے چھپر سے چھڑکاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی لا کر کھانا سامنے رکھا۔ میرے دل پر چوٹ لگی کہ رسول رحمت تو گرمی اور لو میں ہوں گے اور میں سایہ میں بیٹھا ہوں۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ کھجوریں ساتھ لیں اور اونٹ پر سوار ہوا۔ جب لشکر سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا ''ابو خیثمہ آ رہا ہے'' میں نے حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے دعا فرمائی۔

کعب بن مالکؓ کا بیان ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روانہ ہوئے اس وقت میں سفر کی تیاری میں تھا۔ میرا خیال تھا کہ سامان سفر حاصل کر کے ایک دو روز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملوں گا۔ قافلہ دور نکل گیا۔ مدینہ میں معذوروں اور منافقین کے سوائے کوئی باقی نہ رہا۔ جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذر بیان کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے عذر قبول کر لئے اور دلوں کا حال اللہ کے سپرد کر دیا۔ کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے عزم کر لیا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھوٹ بھی بولوں؟ چنانچہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اعراض فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے اعراض کیوں۔ نہ میں منافق ہوں اور مجھے کوئی شک لاحق ہے اور خدا کی قسم نہ دین حق سے پھرا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''پھر پیچھے کیوں رہے'' میں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقتاً میرے پاس کوئی عذر نہیں میں قصور وار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت جاؤ یہاں تک اللہ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ نازل فرمائے۔ اس طرح مرارۃ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ پچاس دن تک ان تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے۔ چنانچہ خویش و اقارب تک ہمارے بیگانے ہو گئے۔ غرض یہ پچاس دن سخت پریشانی میں گزرے حتیٰ کہ زمین ہم پر تنگ ہو گئی۔ زیادہ فکر یہ تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آ گئی تو رسول رحمت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے۔

پچاس دن کے بعد یکایک جبل سلع سے مژدہ جانفزا سنائی دیا۔"اے کعب تم کو بشارت ہو" یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا' ان کی توبہ قبول ہوئی۔ ہر طرف سے مبارک باد دینے لوگ دوڑے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسجد میں قدم رکھا ہی تھا کہ طلحہ بن عبیداللہؓ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مبارک ہو تجھ کو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے" اس دن بارگاہ خداوندی میں ان کی توبہ قبول ہوئی اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

(سورۃ التوبہ۔117-118)

بے شک اللہ مہربان ہوا نبیؐ پر اور ان مہاجرین و انصار پر جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبی کا ساتھ دیا تو) اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کیلئے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے ۝

ذیقعدہ 9 ہجری میں راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کا انتقال ہوا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی جلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روکنے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کیلئے دعائے مغفرت کی بعد میں حضرت عمرؓ کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی جس سے کافر کے جنازہ میں شرکت اور اس کی قبر پر جا کر کھڑا ہونا قطعاً ناجائز قرار پایا خواہ جنازہ اہل کتاب کا ہو یا مشرک کافر کا کیونکہ کفر میں دونوں برابر کے شریک ہیں بلکہ مشرک اور بت پرست کا کفر اہل کتاب کے کفر سے اشد ہے چنانچہ اس بارے میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

(سورۃ التوبہ۔84)

اور نہ نماز (جنازہ) پڑھنا تم کسی کی ان میں سے جو مر جائے، کبھی بھی اور نہ کھڑے ہو (دعا کیلئے) اس کی قبر پر بے شک انہوں نے کفر کیا اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اور وہ مرے ہیں اس حالت میں کہ وہ فاسق تھے ○

اسی سال نجاشی شاہ حبش کا انتقال ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ اسی سال عورت سے لعان کا حکم نازل ہوا۔

جو لوگ اسلام میں داخل نہ ہوئے بلکہ اسلام کے زیر سایہ رہنا منظور کیا تو ان کے حق میں اسی سال جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○

(سورۃ التوبہ۔29)

جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے' اسے حرام نہیں مانتے' اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں O

جزیہ ہر بالغ عاقل مرد سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ سے مقصد یہ ہے کہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام کی برتری قائم ہو جائے۔ ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں ذمی کہتے ہیں۔ یعنی جن کے مال و آبرو اور حقوق کا اللہ اور اس کا رسول ذمہ دار ہو۔ جزیہ صرف ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جو عاقل و بالغ ہوں ان کو معاہدہ بھی کہتے ہیں۔ جزیہ لینے کے بعد اسلامی حکومت ان لوگوں کی مکمل حفاظت کرتی ہے۔

سنہ 9 ہجری کے اختتام پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف مکہ مکرمہ تسخیر کر لیا بلکہ سارے جزیرۃ العرب کو تابع فرمان کر لیا تھا۔ بالالفاظ دیگر سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا یا اسلام کے زیر نگیں آ گیا تھا۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان غریب تھے۔ پہلی لڑائیوں میں دو مسلمانوں کے پاس ایک اونٹ ہوتا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور صرف دو گھوڑے تھے لیکن رفتہ رفتہ مسلمان اتنے طاقتور ہو گئے کہ جنگ حنین میں مسلمانوں کے پاس ایک ہزار گھوڑے تھے اور جنگ تبوک میں دس ہزار سب سے پہلے مسلمان نخلہ میں چار آدمیوں سے لڑے۔ دوسری بار جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی' جنگ اُحد میں سات سو مگر جنگ تبوک میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کا بہت کم نقصان ہوا اگرچہ غزوات میں زیادہ ہوا لیکن اگر اس وسعت کو دیکھا جائے جو مسلمان کے قبضہ میں آ گئی تو یہ نقصان کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں۔

اوّل تشہد یعنی اس بات کی شہادت کہ اللہ ایک ہے یعنی یہ کہ سوائے خدا کے اور کوئی خدا نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول (فرستادہ) ہیں۔

دوم نماز یعنی ہر روز پانچ وقت کی نماز اوقات معینہ پر ادا کرنا۔

سوم روزہ یعنی ہر سال ایک مخصوص مہینے میں روزے رکھنا۔

چہارم زکوٰۃ یعنی ہر سال اپنے مال سے ایک مخصوص رقم حکومت کو ادا کرنا۔

پنجم حج یعنی زیارت کعبہ بشرطیکہ مسلمان مرد اور عورت اس سفر کی طاقت رکھتا ہو۔

غزوہ تبوک کے نتائج

غزوہ تبوک کے بعد تمام عرب میں دین حق کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخالفین کی شرانگیزیوں سے اطمینان نصیب ہوا۔ تبوک سے واپسی پر مسلمان خوش نہ تھے کیونکہ نہ کوئی لڑائی اور نہ کوئی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ رومی پناہ گاہوں میں روپوش ہو گئے تھے۔ لیکن رومیوں کی پسپائی نے قبائل عرب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ یمن، حضر موت اور عمان وغیرہ میں جنوبی قبائل پر اثرات اور بھی گہرے تھے۔ رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ پا کر اپنی صلیب واپس لے لی تھی اور اسے بڑی شان و شوکت سے لا کر بیت المقدس میں نصب کر دیا۔ حالانکہ ایرانی مدت سے یمن اور گردونواح پر قابض تھے۔ مسلمانوں نے یمن اور عرب کے دیگر علاقوں پر اپنی عظمت کا پرچم لہرا دیا تھا' یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اسلامی وحدت میں مدغم نہ ہوتے جس کی طرح رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈالی تھی' اس میں ان کا فائدہ تھا کہ رومیوں اور ایرانیوں کے جبر و استبداد سے نجات کی یہی ایک سبیل تھی کیونکہ ان پر واضح ہو چکا تھا کہ جس نے اسلام کی اطاعت قبول کر لی اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قبیلے کی سرداری کے منصب پر برقرار رکھا۔ غزوہ تبوک میں رومیوں کی پسپائی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں فتح مکہ' فتح حنین اور محاصرہ طائف سے زیادہ نتیجہ خیز تھی۔

عروہ بن مسعود کا قبول اسلام

غزوہ تبوک بعد اہل طائف نے اظہار اطاعت میں پہل کی۔ یاد رہے اس سے کچھ عرصہ پہلے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے بعد طائف پر چڑھائی فرمائی تھی۔ اس وقت عروہ بن مسعود ثقفی بنو ثقیف کا سردار تھا۔ عروہ بن مسعودؓ یمن گیا ہوا تھا۔ واپسی پر اسے معلوم ہوا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک فتح کرنے کے بعد مدینہ تشریف لے گئے ہیں تو وہ خود فوراً اسلام لے آیا اور اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

عروہ بن مسعود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصی عظمت اور کارہائے نمایاں سے

بخوبی واقف تھا۔ انہوں نے صلح حدیبیہ میں قریش کی جانب سے آپ سے مذاکرات کئے تھے۔ بنی ثقیف اپنے بت "لات" کی پرستش کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عروہ بن مسعودؓ کو ڈرایا لیکن اس نے اپنی قوم کے اعتماد پر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری قوم مجھ پر پورا اعتماد کرتی ہے اور آنکھوں پر بٹھاتی ہے اور دل میں جگہ دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توقف فرمایا۔ عروہ بن مسعودؓ نے اپنی قوم کو دعوت دی۔ قوم نے آپس میں مشورہ کیا۔ صبح ہوئی عروہ بن مسعودؓ نے بالا خانے سے لوگوں کو نماز کیلئے پکارا۔ قوم نے غضب ناک ہو کر چاروں طرف سے ان پر تیروں کی بارش کی اور حضرت عروہ بن مسعودؓ جانبر نہ ہو سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیاس درست نکلا۔ حضرت عروہ بن مسعودؓ دم توڑ رہے تھے لیکن ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

"یہ عظمت اور یہ سعادت مجھے خدا نے عطا کی ہے۔ مجھے شہادت کا مقام حاصل ہوا ہے۔ میری حالت ان ہی شہداء کی سی ہے جنہوں نے آپ کے ہمراہ پہلے جام شہادت نوش کیا" عروہ کی وصیت کے مطابق انہیں انہی شہیدوں کے مزار میں دفن کیا گیا۔ عروہ بن مسعود کا خون رائیگان نہ گیا۔ طائف کے اردگرد رہنے والے تمام قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بنی ثقیف نے اپنے سردار عبد یالیل ثقفی کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ بنی ثقیف سے مصالحت کی جائے۔ عبد یالیل پانچ ارکان کا وفد لے کر مدینہ پہنچا اور مغیرہ بن شعبہ سے ملاقات کی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ جاہلیت کے طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا۔ وفد کے اراکین نے زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا اور مسجد نبوی کے ایک کونے میں ان کیلئے خیمہ نصب کیا گیا۔ خالد بن سعدی بن عاص ان کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ایلچی کے فرائض انجام دینے پر مقرر ہوئے۔ خالد بن سعید نے آپ کو اطلاع دی کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے پر راضی ہیں، لیکن ان کا مطالبہ ہے کہ ان کے بت "لات" کو تین سال کیلئے باقی رہنے دیا جائے۔ نیز نماز بھی معاف کی جائے۔ آپ نے ان کے مطالبے کو سختی سے رد کر دیا۔ آخر میں انہوں نے ایک ماہ کی رعایت طلب کی لیکن آپ کا انکار اتنا شدید تھا کہ اس میں کوئی رعایت کا امکان ہی

نہ تھا۔ایک نبی بت کے معاملے میں سہل انگاری کیسے کر سکتا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور کفر دو راہیں ہیں۔شک اور ایمان ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔بنی ثقیف کا کہنا کہ ان کا بت ''لات'' باقی رہے اس امر کی دلیل تھا کہ خدا کے ساتھ ساتھ بت کی بھی عبادت ہو۔یہ دراصل شرک ہے جسے خدا ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔آپ نے عثمان بن ابی العاصؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر صحابہ کرام کے قول کے مطابق نو عمری کے باوجود ان کا پیشوا بنا دیا۔نو جوانی کے زمانے سے ہی وہ اسلام کی تعلیمات اور قرآن فہمی کا سب سے زیادہ شعور رکھتے تھے۔جب یہ وفد اپنی قوم کے پاس واپس جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن ابی العاصؓ کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی ''نماز میں اختصار ملحوظ خاطر رکھو اور یہ خیال رہے کہ ان میں بوڑھے اور بچے کمزور اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ امیر حج

ذی القعدہ الحرام سنہ 9 ہجری میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج مقرر کر کے مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔ان کے ہمراہ تین سو آدمی اور بیس اونٹ قربانی کے تھے تاکہ لوگوں کو ٹھیک شریعت کے مطابق حج کرائیں اور سورۃ برات کی چالیس آیات مبارکہ جو نقض عہد کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں۔ان کا اعلان کریں' جن میں یہ تھا کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں۔سنہ 9 ہجری تک بت پرست بھی مسلمانوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے جاتے تھے' مگر یہ آخری سال تھا کہ بت پرستوں نے مسلمانوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کی۔سنہ 9 ہجری میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے روک دیا۔سورۃ توبہ کی اٹھائیسویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کے بارے میں صاف صاف فرما دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۤءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

(سورۃ التوبہ۔28)

اے ایمان والو! مشرکین ناپاک ہیں' لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں اور اگر تم کو تنگدستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے O

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روانگی کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ سورۃ برات کی آیات کا اعلان ایسے آدمی کی زبانی چاہیے جو عہد کرنے والے کے خاندان اور اہل بیت سے ہو۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی ناقہ عضباء پر حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے روانہ فرمایا تاکہ آیات برات کا اعلان فرمائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حج کرایا اور حج کے خطبے بھی دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کچھ لوگ مقرر کئے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی امداد کریں تاکہ باری باری سے منادی کر دیں۔

سنہ 10 ہجری میں جب کہ مشرکوں اور کافروں کیلئے زیارت کعبہ ممنوع ہو چکی تھی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لاکھ چودہ ہزار مسلمان لے کر زیارت کعبہ کیلئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور کامل تمام مناسک حج پورے فرمائے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا' سنت قرار پایا اور آج تک اسی طرح حج کرتے ہیں۔

عام الوفو د سنہ 10 ہجری

سنہ 10 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفیروں سے ملاقات کرنے میں مشغول رہے۔ عربی میں وفد نمائندوں یا سفیروں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع وفود ہے۔ دسواں سال ہجری چونکہ سفیروں کی آمد کا سال تھا' لہٰذا عام الوفود کہلایا۔ عرب میں سب سے بڑا قبیلہ قریش کا تھا جس کی سرداری مسلم تھی۔ فہم و فراست اور سخاوت و شجاعت میں مشہور تھے۔ بیت اللہ اور بلد الحرام کے مجاور تھے' مگر اسلام کی مخالفت و عداوت میں متفقہ کمر بستہ تھے۔ قریش کے نوجوانوں نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا اور کرتے رہے مگر بوڑھے باقی رہے۔ جب مکہ فتح ہو گیا اور بوڑھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تو عرب کو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام تمام عالم میں پھیل کر رہے گا۔ اس لئے ہر طرف سے سفارتیں آنے لگیں اور ہر قبیلے کے وفود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے۔ اسلام کی حقیقت معلوم کرتے' خود بھی مشرف بہ اسلام

ہوتے اور اپنی قوم کو مسلمان بنانے کا وعدہ کر کے واپس ہوتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿﴾ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿﴾

(سورۃ النصر)

جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبی) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو بے شک وہ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے ○

وفود کی کل تعداد ساٹھ (60) سے کچھ زیادہ ہی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن علامہ قسطلانی نے پینتیس (35) وفود کا ذکر کیا ہے۔

(زرقانی' ج 4' صفحہ 2)

گو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے عرب کے رئیس نظامی' سیاسی اور مذہبی تھے' تاہم سفیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھتے کہ کھجور کے پتوں کے بوریئے پر تشریف فرما ہیں اور گھر کا اثاثہ بھی وہی ہے۔ جب کوئی سفیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہونا چاہتا تو بلالؓ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے۔ رملۃ بنت حارث کا مکان جو محلہ نجار میں واقع تھا' سفیروں کی ملاقات کیلئے وقف تھا۔ سفیر عام طور پر یہیں ٹھہرائے جاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بہت سے سفیر آ جاتے جو اس مکان میں نہ ٹھہر سکتے تو مسجد نبوی میں خیمہ لگا دیا جاتا جہاں یہ لوگ قیام پذیر ہوتے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔ یہ بات اس خط سے صاف ظاہر ہوتی ہے' جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے لاٹ پادری ابوالحارث کو لکھا تھا۔ اس نامہ مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغمبر اسلام کی طرف سے ابوالحارث نجران کے بڑے پادری اور وہاں کے تمام چھوٹے

بڑے پادریوں کے نام۔

اما بعد' نجران کے بڑے پادری اور دوسرے چھوٹے بڑے پادریوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے کلیسا' عبادت خانے اور خانقاہیں' جو ان کی زیر نگرانی ہیں' سب کے سب ان ہی کی نگہداشت میں رہیں گے۔ خدا کا پیغمبر انہیں اپنی نگرانی میں لیتا ہے' اس لئے پیغمبر خدا کہتا ہے کہ کوئی چھوٹا بڑا پادری اپنی جگہ سے برطرف نہیں کیا جائے گا۔ ان کے حقوق و منزلت کا احترام کیا جائے گا۔ کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا۔ کسی مذہبی رسم کو نہیں بدلا جائے گا' جب تک کہ وہ خلوص نیت کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دیتے رہیں گے۔ ان کے حقوق کا احترام کیا جائے گا۔ ان کی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ انہیں بھی چاہیے کہ کسی کے ساتھ مزاحمت نہ کریں۔''

نجران عرب کے جنوب میں یمن کی سرزمین میں تھا۔ یہاں کے اکثر و بیشتر باشندے عیسائی تھے۔ اسلام کے پیشتر شاہ یمن ذونواس نے یہاں کے عیسائیوں کو زندہ جلایا تھا۔ اس کے برعکس رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ مبارک سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی اور اسی طرح یہودی تمام جزیرۃ العرب میں اپنے مذہبی وظائف کی انجام دہی میں بالکل آزاد تھے۔ کوئی مسلمان ان سے تعرض نہ کرتا تھا۔ سنہ ۹ ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔

اب وفود پے در پے آنے لگے یہاں تک کہ حج کا زمانہ قریب آ گیا۔ اس وقت تک رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فریضۂ حج ادا نہیں کیا تھا۔ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روم پر فتح عطا کی تھی اور طائف کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے دور دراز سے وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ عرب میں باقی تھے جو ابھی ایمان نہ لائے تھے کفار کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے' کفار بھی مقدس اور محترم مہینوں میں حج بیت اللہ کی رسوم ادا کرتے تھے۔ ان حالات کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب خیال فرمایا کہ ابھی مدینہ میں قیام فرمائیں حتیٰ کہ خدا کی بات پوری ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج کی اجازت دے اس سال امارت حج حضرت ابوبکرؓ نے انجام دیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسائیوں کا احترام کرتے تھے کہ

قرآن کریم کے الفاظ میں عیسائی محترم تھے۔قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی آیات 82 تا85 عیسائیوں کو قابل احترام قرار دیتی ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

(سورۃ المائدہ۔82)

تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور ایمان لانے والوں کیلئے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں تکبر نہیں ہے ○

اور اسی سورت کی آیت 83 میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کی تعریف کرتا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار ہم ایمان لائے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے ○

اور آیت نمبر 84 میں پھر اللہ تعالیٰ عیسائیون کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ○

اور وہ کہتے ہیں کہ آخر کیوں نہ ہم ایمان لائیں اللہ پر اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اسے کیوں نہ مان لیں جبکہ ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں میں

نا مل کرے ○
اور اسی سورت کی آیت نمبر 85 میں ہے کہ

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ○

ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ نے ان کو ایسی جنتیں عطا کیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے نیک رویہ اختیار کرنے والوں کیلئے ○

جب کافروں نے مکہ میں مسلمانوں پر ظلم کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذن دیا کہ کسی اور ملک میں نکل جاؤ۔ قریب اسی مسلمان بعضے تنہا' بعضے گھر سمیت ملک حبش میں جا رہے' وہاں کا بادشاہ بڑا منصف مزاج تھا۔ پھر مکے کے کافروں نے اس کو بہکایا کہ اس قوم کو رہنے نہ دو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غلام کہتے ہیں۔ تب بادشاہ نے مسلمانوں کو بلا کر پوچھا اور قرآن پڑھوا کر سنا۔ وہ اور اس کے علماء بہت روئے اور کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ہم کو اسی کے موافق پہنچا ہے اور ہم کو خبر دی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے' کہ میرے بعد پیش از قیامت ایک اور نبی آئے گا' وہ بیشک یہی نبی ہے۔ وہ بادشاہ خفیہ مسلمان ہوا۔ ان کے حق میں آیتیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری لحات حیات تک عیسائیوں سے خوش رہے۔

وفد ہوازن

قبیلہ بنو ہوازن کا پہلا وفد ہے جو فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ ہوازن کا چودہ آدمیوں پر مشتمل وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جعرانہ میں ملا اور اپنے مال اور قیدیوں کو رہا کرنے کی درخواست کی۔ اس وفد میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضائی چچا بھی تھے۔ زبیر بن صرد سعدی اس وفد کے رئیس تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان قیدیوں میں آپ کی رضائی خالائیں اور پھوپھیاں اور پالنے والیاں بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا' میں نے تمہارا انتظار کیا۔ جب تم نہ آئے تب مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا' جو حصہ خاندان بنی مطلب میں ہے وہ میں نے تم کو دے دیا۔ باقی کیلئے میں سفارش کروں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش پر سب نے تمام قیدی

آزاد کردیے۔ اس طرح یہ وفد اپنے چھ ہزار قیدیوں کو لے کر واپس ہوا۔

وفد ثقیف

رمضان المبارک سنہ 9 ہجری میں ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے اور بیعت کرنے حاضر ہوا۔ بنو ثقیف کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ طائف میں شدید تکلیف اٹھائی تھی، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا محاصرہ چھوڑ دیا تو کسی نے کہا ان کیلئے بدعا کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے اللہ قبیلہ ثقیف کو ہدایت دے اور مسلمان کر کے ان کو میرے پاس بھیج'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا قبول ہوئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے تو یہ مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے۔ اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی۔

وفد بنی عامر بن صعصعہ

تبوک سے واپسی پر بنو عامر بن صعصعہ کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، عامر بن طفیل اور لدبر بن قیس اس وفد کے رئیس تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا 'انت سید نا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی بات کرو تاکہ شیطان تمہارے ساتھ مسخرہ پن نہ کرے۔ سردار صرف اللہ ہے۔ درپردہ عامر نے اربد کو سمجھا دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باتوں میں لگاؤں گا تم فوراً تلوار سے (معاذ اللہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کر دینا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی ''اے اللہ! عامر اور اربد سے مجھ کو محفوظ رکھ اور ان کی قوم کو ہدایت دے۔'' عامر اور اربد دونوں بدنصیب دولت اسلام سے محروم رہے باقی قوم کے اکثر افراد دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔

(زاد المعاد، ج 3، صفحہ 29)

وفد عبد القیس

یہ بحرین کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا وفد سنہ 5 ہجری میں بھی حاضر ہوا تھا۔ اس وفد میں تیرہ چودہ آدمی شامل تھے۔ آپ نے فرمایا ''مرحبا ہے اس قوم کو، جو نہ رسوا ہوئے اور نہ شرمندہ

ہوئے یعنی خوشی سے مسلمان ہوئے' لڑ کر مسلمان نہیں ہوئے' جس سے ان کو ندامت یا ذلت ہوتی'' وفد نے عرض کیا یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ مضر ہم میں اور آپ میں حائل ہیں۔ ہم صرف اشہر حرم میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہمیں کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے ہم نجات اخروی حاصل کر سکیں۔ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لاؤ اور گواہی دو کہ اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔ نماز قائم کرو زکوٰۃ دو مال غنیمت سے پانچواں حصہ اللہ کیلئے ادا کرو۔ اور نبید پینے سے منع فرمایا۔

(فتح الباری' ج 8' صفحہ 67۔ زرقانی' ج 4' صفحہ 13)

وفد بنی حنیفہ

بنی حنیفہ کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' جس میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا مگر بوجہ غرور و تکبر خدمت اقدس میں حاضر نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود ثابت بن قیس بن شماس کی ہمراہی میں اس کے پاس تشریف لے گئے۔ مسیلمہ نے کہا اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھ کو اپنی خلافت اور اپنا قائم مقام مقرر فرمالیں تو میں بیعت کرنے پر تیار ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اگر تو یہ چھڑی بھی مانگے تو نہ دوں گا اور اللہ تعالیٰ نے جو تیرے لئے مقدر فرمایا ہے اس سے سرمو بھی تجاوز نہ کر سکے گا اور غالباً تو وہی ہے جو مجھ کو خواب میں دکھلایا گیا ہے۔ یہ ثابت بن قیس تجھ کو جواب دیں گے۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

(البن الاثیر' ج 2' صفحہ 145)

وفد طے

قبیلہ طے کا وفد جس میں پندرہ آدمی تھے حاضر خدمت ہوا۔ ان کا سردار زید بن الخیل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام پیش کیا۔ سب نے بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا اور زید الخیل کا نام زید الخیر رکھا اور فرمایا کہ عرب میں جس شخص کی میں نے تعریف سنی اس کو اس سے کم ہی پایا سوائے تیرے۔

(عیون الاثر' ج 2' صفحہ 236)

وفد کندہ

کندہ یمن کے قبیلہ کا نام ہے۔ سنہ 10 ہجری میں اسی سواروں کا ایک وفد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کا سردار اشعث بن قیس تھا۔ جب یہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو جبے پہنے ہوئے تھے' جن پر نجاف ریشم کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تم مسلمان نہیں؟ انہوں نے عرض کیا' کیوں نہیں' ہم بلاشبہ مسلمان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' پھر تمہاری گردنوں میں ریشم کیسا۔ انہوں نے اسی وقت ان کپڑوں کو پھاڑ کر پھینک دیا۔

(زادالمعاد' ج3' صفحہ 34)

وفد اشعرئین

اشعرئین یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے جو اپنے اپنے جد امجد اشعر کی طرف منسوب ہے۔ اشعران کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب اشعر پیدا ہوئے تو ان کے بدن پر بکثرت بال تھے جس کے معنی کثیر الشعر کے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اسی قبیلہ سے تھے۔ جب اشعرئین کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا' اہل یمن آ گئے ہیں۔ ان کے دل نہایت نرم ہیں۔ فوراً حق کو قبول کرتے ہیں۔ ان کے رقتِ قلب اور نرم دلی کا ثمرہ ہے کہ ان کے قلوب ایمان وعرفان کے معدن اور علم وحکمت کے سرچشمہ ہیں۔ رقت قلب ہی تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔ چونکہ اہل یمن اکثر بکریاں پالتے ہیں اس لئے سکون اور اطمینان' وقار اور تواضع ان میں زیادہ ہے۔ فخر اور بڑائی اونٹ والوں میں ہے۔ وفد نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ تفقہ فی الدین حاصل کریں اور تکوین عالم کی ابتداء اور آغاز کو دریافت کریں۔

(فتح الباری' ج8' صفحہ 75)

وفد ازد

قبیلہ ازد کے پندرہ آدمیوں کا وفد جس میں صرد بن عبداللہ ازدی بھی تھے حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرد بن عبداللہ کو امیر مقرر فرمایا اور اردگرد کے مشرکین سے جہاد کا حکم دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر شہر جرش کا محاصرہ کرلیا۔ ایک مہینہ گزر گیا لیکن شہر فتح نہ ہوا۔ صرد بن عبداللہ نے محاصرہ چھوڑ کر واپس آنے کا قصد کیا۔ اہل جرش نے واپسی کو شکست سمجھ کر تعاقب کیا۔ جب جبل شکر پر پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا جس سے اہل جرش شکست کھا گئے۔ اہل جرش کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور اسلام قبول کرلیا۔

وفد بنی الحارث

بنی الحارث نجران کا ایک معزز خاندان تھا۔ ربیع الاخر سنہ 10 ہجری میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے فوراً اسلام قبول کیا اور اطراف وجوانب کے لوگ بھی اسلام لے آئے۔ ان کا ایک وفد خالد بن ولیدؓ کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوا۔ قیس بن حصین اور یزید بن محجل اور شداد بن عبداللہ وفد میں شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد سے فرمایا' یہ کون لوگ ہیں؟ اراکینِ وفد نے عرض کیا ہم بنو الحراث ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ وفد ماہ شوال یا ذیقعدہ میں واپس ہوا۔

(زرقانی' ج 4' صفحہ 33)

وفد ہمدان

ہمدان بھی یمن کا بڑا قبیلہ ہے۔ حضرت خالد بن ولید دعوت اسلام دینے کیلئے ان کے پاس گئے مگر کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ بعدازاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک نامہ دے کر روانہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک سنایا اور اسلام کی دعوت دی' ایک ہی دن میں سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے تو اسی زمانہ میں ہمدان کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا۔ یہ لوگ منقش چادریں اوڑھے ہوئے اور عدن کے عمامے باندھے ہوئے تھے نہایت فصاحت و بلاغت سے گفتگو کی اور درخواست کی کہ ہمیں امن دیا جائے۔ آپ نے درخواست منظور کر کے ایک تحریر اس مقصد کی عطا فرمائی اور مالک بن النمط کو ان کا سردار مقرر فرمایا۔

(زرقانی، ج4، صفحہ 37-34)

وفد مذینہ

قبیلہ مذینہ کے چار سو آدمی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور چلتے وقت عرض کی کہ ہمارے پاس کھانے کا سامان نہیں۔ ہمیں کچھ زاد راہ مرحمت فرمائیں۔ آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ان کو زادراہ دے دو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ ان کیلئے کافی نہیں ہو سکتیں آپ نے فرمایا جاؤ ان کو توشہ دے دو۔ حضرت عمرؓ اپنے گھر لے گئے۔ سب نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں لے لیں اور ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی۔ سب سے پہلا وفد جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مذینہ کا وفد تھا۔

(زرقانی، ج4، صفحہ 37-34)

وفد دوس

سنہ 2 ہجری میں قبیلہ دوس کے ستر آدمی فتح خیبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کا مفصل تذکرہ طفیل بن عمرو دوسی کے قبول اسلام کے سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے۔

(زرقانی، ج4، صفحہ …)

وفد نصارائے نجران

نجران میں ایک بڑا شہر ہے۔ مکہ مکرمہ سے سات منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سب سے پہلے نجران بن زید بن یشجب بن یعرب بن قحطان یہاں آباد ہوئے۔ اسی نام سے یہ شہر آباد ہوا تھا

9 ہجری میں نصارانِ نجران کا وفد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا' جس میں ساٹھ آدمی تھے۔ رئیس الوفد عبدالمسیح عاقب تھا۔ ان کا اسقف ابوحارثہ بن علقمہ تھا' جو گرجا کا امام تھا۔ یہ وفد بڑی شان سے مدینہ پہنچا۔ رسول رحمت نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ کچھ دیر ان کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے مسجد نبوی ہی میں ان کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ نصارائے نجران پر حق واضح ہوا' جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

الٓمٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

(سورۃ آل عمران۔ 6-1)

الف' لام' میم ۝ اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ حقیقت میں اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو حق لیکر آئی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کیلئے تورات اور انجیل نازل کر چکا ہے اور اس نے وہ کسوٹی اتاری ہے (جو حق اور باطل کا فرق دکھانے والی ہے) اب جو لوگ اللہ کے فرامین کو قبول کرنے سے انکار کریں۔ ان کو یقیناً سخت سزا ملے گی۔ اللہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے اور برائی کا بدلہ دینے والا ہے۔ بے شک اللہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں' جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس زبردست حکمت والے کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے ۝

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصاریٰ پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا اسلام کیسے صحیح ہو سکتا ہے' جب کہ تم خدا

کیلئے بیٹا تجویز کرتے ہو صلیب کی پرستش کرتے اور خنزیر کھاتے ہو۔ نصاریٰ نجران نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بتاتے ہیں۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مسیح جیسا کسی کو دیکھا یا سنا ہے۔ آپ نے اس پر یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

(سورۃ آل عمران۔ 61-59)

بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔ یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے اور تم لوگ ان میں شامل نہ ہو جانا جو اس میں شک کرتے ہیں۔ یہ علم آ جانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ پر تم سے جھگڑا کرے تو اے محمدؐ اس سے کہو" کہ آؤ ہم اور تم خود بھی آ جائیں اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

نجرانی وفد کے سرداروں عاقب عبدالمسیح اور سید ایہم نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ کہا' وہ بالکل قول فیصل ہے۔ خدا کی قسم ہم نے ان کی نبوت کو پہچان لیا ہے۔ اگر ہم لوگ اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو صلح کر کے واپس جاتے ہیں۔ انہوں نے مباہلہ سے گریز کیا اور سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔ دوسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عہد نامہ تحریر فرمایا جس کا حاصل یہ تھا۔

1۔ اہل نجران کو سالانہ دو ہزار حلے ادا کرنا ہوں گے۔ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار صفر میں۔ ہر حلہ کی قیمت چالیس درہم ہوگی۔

2۔ اہل نجران پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کی ایک مہینہ تک کی مہمانی لازم ہوگی۔

3- یمن میں اگر کوئی شورش آئے تو اہل یمن کو تیس زرہیں' تیس گھوڑے اور تیس اونٹ دینا ہوں گے۔

4- اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمن والوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ ان کا جان و مال ان کے مذہبی فرائض' ان کے خاندان اور ان کے متبعین میں کوئی تغیر وتبدل نہ ہوگا اور ان کی سرزمین میں کوئی لشکر داخل نہ ہوگا۔

5- ان کے ظالم ومظلوم کے درمیان انصاف کیا جائے گا۔

6- جو شخص سود کھائے گا' ہم اس سے بری ہوں گے۔

7- اگر کوئی شخص ظلم یا زیادتی کرے گا تو اس کے بدلہ میں دوسرا شخص ماخوذ نہ ہوگا۔

یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذمہ ہے۔ جب تک وہ اس پر قائم رہیں۔ ابوسفیان بن حرب' غیلان بن عمرو' مالک بن عوف' اقرع بن حابس اور مغیرہ بن شعبہ نے اس عہدنامے پر دستخط کیے۔

(زادالمعاد' ج3' صفحہ 40۔اصابہ' ج3' صفحہ 292۔شرح مواہب' ج4' صفحہ 43)

قدوم ضمام بن ثعلبہ

بنو سعد کی طرف سے سنہ 9 ہجری میں ضمام بن ثعلبہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اونٹ کو باندھ کر مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ آپ تکیہ سے ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ ضمام نے کہا ''اے عبدالمطلب کے بیٹے! میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا بیشک اے اللہ تو گواہ ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا' کیا اللہ نے پانچ نمازوں کا' ایک مہینے کے روزوں کا' زکوٰۃ کا اور صدقہ کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں بیشک اے اللہ تو گواہ ہے۔ اس شخص نے کہا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں میں اس پر ایمان لایا۔ میں اپنی قوم کا قاصد اور فرستادہ ہوں' میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔ میں اس میں کوئی کمی بیشی نہ کروں گا۔ ضمام کی واپسی پر شام ہونے سے پہلے پہلے بنوسعد کے تمام مرد و عورتوں نے اسلام قبول کر لیا۔

(شرح مواہب' ج4' صفحہ 47)

وفد طارق بن عبداللہ محاربی و بنی حارب

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں بازار ذی المجاز میں تھا کہ ایک شخص سامنے سے یہ کہتا ہوا آیا' اے لوگوں لا الہ کہو فلاح پاؤ گے' اور ایک شخص اس کے پیچھے پتھر مارتا ہوا جا رہا تھا اور کہتا تھا اے لوگو یہ جھوٹا ہے۔ اس کی تصدیق نہ کرنا' میں نے دریافت کیا یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا "یہ بنی ہاشم کا ایک شخص ہے اور کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور پتھر مارنے والا ان کا چچا ابولہب ہے۔"

طارق بن عبداللہ کہتے ہیں جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور آپ نے ہجرت فرمائی تو ہم کھجوریں خریدنے مدینہ گئے۔ ایک شخص پرانی چادر اوڑھے سامنے سے آیا اور ہم کو سلام کیا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم کھجوریں خریدنے آئے ہیں۔ ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا۔ اس شخص نے کہا کیا اس اونٹ کو اتنی کھجوروں کے عوض بیچتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں وہ شخص اونٹ لے کر چلا گیا۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا یہ شخص بغیر قیمت کے اونٹ لے کر چلا گیا ہے' ہم اسے جانتے نہیں۔ ہم میں ایک ہودج نشیں عورت تھی۔ وہ کہنے لگی' میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا ہے۔ خدا کی قسم یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں۔ آپ نے یہ کھجوریں بھیجی ہیں۔ ان کو کھا لو اور پھر ماپ لو۔" میں نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں اور پھر ماپا تو کھجوریں پوری نکلیں۔ اگلے روز ہم مدینہ میں داخل ہوئے۔ غالباً جمعہ کا دن تھا۔ وہی شخص منبر پر خطبہ دے رہا تھا "صدقہ اور خیرات کرو' اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے ماں باپ اور بہن بھائی اور قریبی رشتہ داروں کا خاص خیال رکھو" ہم سب ایمان لے آئے۔

(زاد المعاد' ج 3' صفحہ 46)

وفد تجیت

تجیت یمن میں قبیلہ کندہ کی ایک شاخ ہے۔ اس قبیلہ کے تیرہ آدمی صدقات کا مال لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "یہ مال واپس لے جاؤ اور وہاں کے فقراء اور مساکین پر تقسیم کر دو۔" انہوں نے جواب دیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی مال لائے ہیں جو وہاں کے فقراء پر تقسیم کرنے کے بعد بچا

ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اوران کے حق میں دعافرمائی اورانعام واکرام سے نوازا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھاتم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہا۔انہوں نے کہا ایک نوجوان ہے جو ہمارے مال کی حفاظت کیلئے پیچھے رہ گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایااس کو بلاؤ۔وہ حاضر ہوااور عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے دعافرمائیں اللہ میری مغفرت کرےاور مجھ پر رحم کرے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعافرمائی ''اے اللہ اس کوبخش دے'اس پر رحم فرمااوراس کے دل کوغنی بنا'' سنہ 10 ہجری میں اس قبیلہ کےلوگ حج کیلئے آئے۔منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نوجوان کا حال پوچھا۔لوگوں نے عرض کیااس کے زہد وقناعت کا عجب حال ہے۔جب اہل یمن اسلام سے پھر گئے تو وہی نوجوان لوگوں میں وعظ کرتا پھرتا تھا جس سے سب پھر اسلام پر قائم ہو گئے۔حضرت صدیق اکبرؓ آنے جانے والوں سے اس کا حال دریافت کرتے' یہاں تک کہ زیاد بن ولید کولکھ کر بھیجا کہ اس نوجوان کا خاص طور پرخیال رکھا کریں۔

(عیون الاثر' ج2' صفحہ 246)

وفد ہزیم

قبیلہ ہزیم کا وفد مسجد نبوی میں اس وقت پہنچا جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ میں مشغول تھے۔اراکین وفد ایک طرف بیٹھ گئے۔نماز سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلاکر پوچھا' تم مسلمان نہیں؟ انہوں نے جواب دیا' ہاں مسلمان ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' پھر اپنے بھائی کے جنازہ میں کیوں شریک نہ ہوئے۔انہوں نے عرض کیا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں گمان تھا کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت نہ کرلیں' ہمارے لئے جنازہ وغیرہ میں شمولیت جائز نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' تم مسلمان ہو جہاں بھی ہو۔انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ایک نوجوان کوسامان کی حفاظت کیلئے چھوڑا ہوا تھا۔وہ نوجوان پیش ہوااور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' قوم کا چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے۔اللہ تجھ پر اپنی برکتیں نازل فرمائے'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

دعا سے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قرآن کا عالم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو امیر امام مقرر فرمایا۔ یہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

وفد بنی فزارہ

غزوہ تبوک کی واپسی پر بنی فزارہ کے تقریباً چودہ آدمیوں کا ایک وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے علاقے کا حال دریافت فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قحط کی وجہ سے تباہ حال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باران رحمت کیلئے دعا فرمائی۔

(زاد المعاد' ج 3' صفحہ 47۔ زرقانی' ج 4' صفحہ 52)

وفد بنی اسد

قبیلہ بنی اسد کا دس آدمیوں پر مشتمل وفد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ قائد وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ ہم خود بخود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بن بلائے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے۔ تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنی مسلمان کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو راہ دی ایمان کی اگر تم سچے ہو۝

وفد بہراء

یمن سے قبیلہ بہراء کے تیرہ آدمی حاضر خدمت ہوئے۔ مقداد بن اسودؓ کے مکان پر ٹھہرے حضرت مقدادؓ نے کھجوریں اور پنیر ملا کر حیس بنایا تھا۔ مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حضرت مقداد نے ایک پیالہ اپنی کنیز سدرہ کے ہاتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے بھی تناول فرمایا اور اہل بیت کو بھی کھلایا۔ جب تک مہمان رہے برابر دو وقت کا کھانا سیر ہو کر کھاتے۔ ایک دن مہمانوں نے کہا' اے مقداد! ہم نے سنا ہے کہ اہل مدینہ کی خوارک نہایت معمولی ہے مگر تم ہم کو روزانہ اس قدر لذیذ اور عمدہ کھانا کھلاتے ہو جو ہم کو اپنے گھروں میں بھی میسر نہیں آتا۔ مقدادؓ نے جواب دیا یہ سب کچھ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کی برکت ہے۔ ان لوگوں کے ایمان ایقان میں اور اضافہ ہو گیا۔ کچھ دن مدینہ منورہ میں رہے' احکام و مسائل سے آگاہی پائی اور اپنے گھروں کو واپس لوٹے۔ چلتے وقت ان کو زاد راہ اور انعام دیا۔

(زادالمعاد ج3 'صفحہ 49-48)

وفد عزرہ

عزرہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ ماہ صفر سنہ 9 ہجری میں ان کا ایک وفد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو اور اس امر کی شہادت دو کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے بعد لوگوں نے فرائض اسلام دریافت کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فرائض اسلام سمجھائے۔ ان لوگوں نے کہا' ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیشک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو دعوت دی' ہم نے قبول کر لی۔ ان لوگوں نے کہا ہم شام کے ساتھ تجارت کرنے جاتے ہیں۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اس بارے میں کوئی ہدایات دینا فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' ہرقل جلد ہی شام سے بھاگ جائے گا' شام مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو گا۔

(زادالمعاد ج3 'صفحہ 49)

وفد بلی

ماہ ربیع الاوّل سنہ 9 ہجری میں وفد بلی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ رئیس وفد ابوالضبیب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو مہمانی کا شوق ہے' کیا اس میں میرے لئے کوئی اجر ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اس میں بھی اجر ہے۔ غنی ہو یا فقیر' جس پر بھی تو احسان کرے وہ صدقہ ہے۔ ابوالضبیب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہمانی مدت کتنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' تین دن اس کے بعد صدقہ ہے۔ مہمان کیلئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگی میں ڈالے۔ تین روز ٹھہر کر یہ لوگ واپس ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلتے وقت ان کو زادراہ عطا فرمایا۔

(عیون الاثر' ج2' صفحہ 252-251)

وفد بنی مرہّ

تبوک سے واپسی پر سنہ 9 ہجری میں بنی مرہ کے تیرہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے۔ حارث بن عوف ان کے سردار وفد تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی قوم کے افراد ہیں اور لوئی بن غالب کی اولاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرما کر پوچھا آپ کس علاقے سے آئے ہیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم قحط سالی کے شکار ہیں۔ ہم تباہ حال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باران رحمت کیلئے دعا فرمائی۔ جب یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس ہوئے تو معلوم ہوا جس روز رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باران رحمت کیلئے دعا فرمائی تھی۔ اسی روز پانی برسا اور ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ چلتے وقت آپ نے ہر ایک کو دس اوقیہ چاندی اور رئیس وفد حارث کو بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

(عیون الاثر' ج2' صفحہ 252-251)

وفد خولان

ماہ شعبان سنہ 10 ہجری میں یمن سے قبیلہ خولان کے دس آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کی واحدنیت پر ایمان رکھتے ہیں اور دور دراز سے سفر طے کر کے زیارت کے شوق میں حاضر ہوئے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' تمہارا یہ سفر ضائع نہیں ہوا۔ ہر قدم پر تمہارے لئے نیکی ہے جو شخص میری زیارت کیلئے مدینہ حاضر ہوا' قیامت کے دن وہ میری پناہ میں اور امان میں ہوگا۔ بعدازاں خولان کے بت ''انس'' کے متعلق دریافت فرمایا۔ وفد نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحمدللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت وتعلیم اس بت پرستی کا نعم البدل ہوگئی اور انشاءاللہ تعالیٰ اب واپسی کے بعد اس کا نام ونشان مٹادیں گے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد کے ارکان کو دین کے فرائض سمجھائے اور نصیحت فرمائی کہ عہد کو پورا کرنا' امانت کو ادا کرنا' پڑوسیوں کا خیال رکھنا' کسی پر ظلم نہ کرنا اور بوقت رخصت بارہ اوقیہ چاندی ان میں سے ہر ایک کو عطا فرمائی۔ واپسی پر ان لوگوں نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ اس بت کو منہدم کر دیا۔

(زادالمعاد' ج2' صفحہ 50۔ عیون الاثر' ج2' صفحہ 203)

وفد محارب

اس قبیلہ کے لوگ نہایت تندخو اور درشت مزاج تھے۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام حج میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے تو یہ لوگ نہایت سختی سے پیش آتے۔ اس قوم کے دس آدمی وکیل بن کر سنہ 10 ہجری میں حاضر خدمت ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے مقابلہ میرے ساتھیوں میں سے مجھ سے زیادہ کوئی سخت اور اسلام سے دور نہ تھا۔ میرے ساتھی مر گئے اور صرف میں زندہ ہوں۔ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے زندہ رکھا تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دل اللہ کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ میں عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حق میں دعا فرمائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں میں نے جو آج تک گستاخی کی ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام کفر کو اور جو کچھ کفر کی حالت میں ہوا ہے۔ سب

کوڈھا دیتا ہے۔ بعدازاں یہ لوگ واپس ہوئے۔

(زادالمعاد ج 3 'صفحہ 5۔ عیون الاثر' ج 2 'صفحہ 253)

وفد صدآء

سنہ 8 ہجری میں جعرانہ سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجر بن ابی امیہؓ کو صنعا کی طرف' زیاد لبیدؓ کو حضر موت کی جانب اور قیس بن سعدؓ کو چار سو سواروں کے ہمراہ قناۃ کی جانب روانہ فرمایا۔ قیس بن سعدؓ کو یہ بھی حکم دیا کہ یمن کے علاقہ صدآء پر بھی گزریں۔ زیاد بن حارثؓ کو جب اس کا علم ہوا تو خود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کو واپس بلا لیں۔ میں اپنی قوم کے اسلام کا کفیل اور ذمہ دار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیس بن سعدؓ کو واپس بلا لیا۔ زیاد بن حارثؓ پندرہ آدمیوں کا وفد لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سب نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیاد سے ارشاد فرمایا' تیری قوم تیری بہت مطیع اور فرمانبردار ہے۔ زیاد نے عرض کیا یہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ہدایت دی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اس قبیلہ کے ایک سو آدمی حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔

(عیون الاثر' ج 2 'صفحہ 254)

وفد غسان

ماہ رمضان المبارک سنہ 10 ہجری میں غسان کے تین آدمیوں کا ایک وفد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا اور عرض کیا ہمیں معلوم نہیں ہماری قوم ہمارا اتباع کرے گی یا نہیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلتے وقت ان کو زاد راہ عطا فرمایا۔ چونکہ اس قوم نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ دو آدمی اسی حالت میں وفات پا گئے۔ تیسرے شخص جنگ یرموک میں حضرت ابوعبیدہؓ سے جا ملے۔ ان کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ ان کا ہمیشہ بہت

احترام واکرام کرتے تھے۔

(زرقانی' ج4' صفحہ 61)

وفد سلامان

ماہ شوال سنہ 10 ہجری میں قبیلہ سلامان کے ساتھ آدمیوں کا وفد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش اور اسلام سے مشرف ہوا۔ قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک اٹھا کر دعا فرمائی۔ زاں بعد زادراہ دیکر رخصت فرمایا گھر پہنچ کر معلوم ہوا جس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تھی اسی روز یہاں پانی برسا۔

(زرقانی' ج4' صفحہ 61)

وفد بنی عبس

بنی عبس کے تین آدمی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اسلام بغیر ہجرت مقبول ومحترم نہیں۔ ہمارے پاس کچھ مال اور مویشی ہیں جن پر ہمارا گزارا ہے۔ اگر اسلام بغیر ہجرت قبول نہیں تو ایسے مال میں کیا خیر و برکت ہوگی۔ ہم سب مال فروخت کر دیں گے اور ہجرت کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ سے ڈرو۔ جہاں کہیں بھی رہو' اللہ تمہارے اعمال کے اجر میں کمی نہ کرے گا۔"

(زادالمعاد' ج3' صفحہ 53)

وفد غامد

غامد یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ دس آدمیوں کا ایک وفد سنہ ہجری میں آیا اور بقیع میں اترا۔ سامان کی حفاظت کیلئے ایک لڑکے کو چھوڑا اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ سامان پر کس کو چھوڑا ہے۔ وفد نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کم عمر لڑکے کو چھوڑ آئے ہیں۔ فرمایا کہ ایک تھیلہ چوری ہو گیا ہے۔ ان میں سے ایک شخص بولا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیلہ میرا تھا۔ آپ نے فرمایا' گھبراؤ نہیں' وہ مل گیا

ہے۔لوگ اپنے سامان کے پاس پہنچے' معلوم ہوا کہ لڑکا سو گیا تھا' جب بیدار ہوا اور دیکھا کہ تھیلہ نہیں ہے تو اس کی تلاش میں نکلا' دور ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا۔جب لڑکا اس کی طرف بڑھا تو وہ شخص بھاگا۔لڑکے نے دیکھا کہ زمین کھدی ہوئی ہے۔اس میں سے تھیلہ برآمد ہوا۔ہم نے کہا بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ابی بن کعبؓ کو حکم دیا ان کو قرآن سکھلاؤ اور چلتے وقت شرائع اسلام لکھوا کر ان کو عطا فرمائے اور حسب معمول زادراہ دیا۔

(زادالمعاد' ج 3' صفحہ 53۔زرقانی' ج 4' صفحہ 93)

وفد ازد

قبیلہ ازد کے سات آدمیوں کا ایک اور وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی وضع قطع اور ان کا سکون و وقار پسند آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا' تم کون ہو۔وفد والوں نے عرض کیا ہم مومن ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔وفد نے کہا پندرہ خصلتیں ہیں' جن میں سے پانچ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبلغین نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ یہ ہیں کہ ایمان لائیں اللہ پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام اتاری ہوئی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یعنی قیامت اور یوم آخرت پر' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' وہ پانچ باتیں کون سی ہیں جن پر میرے قاصد نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

1- لا الہ الا اللہ کہتے رہیں۔
2- نماز قائم رکھیں۔
3- زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔
4- رمضان المبارک کے روزے رکھیں۔
5- اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' پانچ خصلتیں کون سی ہے جن پر تم زمانہ جاہلیت سے کاربند ہو۔وفد نے عرض کیا وہ یہ ہیں۔

1- راحت اور فراوانی کے وقت شکر

-2 مصیبت کے وقت صبر
-3 تلخ قضاء پر راضی رہنا
-4 مقابلہ کے وقت ثابت قدمی
-5 دشمنوں کی مصیبت پر خوش نہ ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم کو پانچ خصلتیں اور بتاتا ہوں کہ بیس پوری ہو جائیں۔

-1 جس چیز کو کھانا نہ ہو اس کو جمع نہ رکھیں۔
-2 جس میں رہنا نہ ہو اس کو بناؤ نہیں۔
-3 جس چیز کو کل چھوڑ کر جانے والے ہو اس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔
-4 اس خدا سے ڈرو جس کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔
-5 اس چیز میں رغبت کرو جس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔

یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت لے کر واپس ہوئے۔

(زاد المعاد ج3 صفحہ 54)

وفد بنی المنتفق

یہ وفد بارگاہ نبوی میں صبح کی نماز کے بعد حاضر ہوا۔ اتفاق سے اس روز رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے ایک طویل خطبہ دیا جس میں حشر و نشر، جنت و جہنم کے احوال بیان فرمائے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور واپس ہوئے۔ مفصل خطبہ کو حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں نقل کیا۔

وفد نخع

نخع یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ محرام الحرام سنہ 11 ہجری میں اس قبیلے کے دو سو آدمی بارگاہ نبوی میں ایک شخص زرارہ بن عمرو کی سربراہی میں حاضر ہوئے۔ اس نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک خواب بیان کیا کہ زمین سے ایک آگ نمودار ہوئی جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل تھی اور وہ آگ پکار رہی تھی "میں آگ ہوں آگ ہوں کوئی بینا اور کوئی نابینا

مجھو کو کھانے کو دو۔ میں تم کو کھاؤں گی تم کو کھاؤں گی تمہارے اہل و عیال کو اور تمہارے مال کو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ ایک فتنہ ہوگا جس میں لوگ اپنے امام اور خلیفہ کو قتل کر دیں گے۔ بدکار اپنے کو نیک کار سمجھے گا۔ مومن کا قتل پانی پینے سے زیادہ لذیذ ہوگا۔ اگر تیرا بیٹا پہلے مر گیا تو تو اس فتنہ کو پائے گا اور تو پہلے مر گیا تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا۔ زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کیجئے کہ میں اس فتنہ کو نہ پاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ زرارہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا فتنہ پیش آیا۔ زرارہ کا بیٹا باغیوں میں شامل تھا۔ (واللہ اعلم)

(زادالمعاد ج 4 'صفحہ 59۔ زرقانی 'ج 4 'صفحہ 67)

یمن میں تعلیم اسلام

سنہ 9 ہجری کے آخر میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دینے کی غرض سے روانہ فرمایا۔ ابو موسیٰ اشعری کو مشرقی سمت اور معاذ بن جبل کو مغربی سمت یعنی عدن اور جند کے اطراف واکناف میں تعلیم تبلیغ کا حکم دیا۔

(معارج النبوۃ 'ج 2 'صفحہ 501)

حجتہ الوداع

(سنہ 10 ہجری)

اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے مکہ فتح ہو گیا۔ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو گئے۔ کفر اور شرک کی بیخ کنی ہو گئی۔ وفود اور قبائل کے نمائندے جزیرۃ العرب کے اطراف واکناف سے آ کر کفر و شرک سے تائب اور توحید و رسالت کا صدق دل سے اقرار کر چکے فرائض نبوت مکمل ہو گئے احکام اسلام کی تعلیم قولاً اور عملاً مکمل ہو گئی۔ سنہ 9 ہجری میں حضرت ابوبکرؓ کو بھیج کر خانہ کعبہ کو مراسم جاہلیت سے بالکل پاک و صاف کرا دیا گیا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے فریضہ کو بذات خود عملی طور پر انجام دیں تا کہ امت کو ہمیشہ کیلئے معلوم ہو جائے کہ حج کس شان و شوکت اور آن بان سے ہونا چاہیے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کیا طریقہ تھا۔ مناسک حج اوّل سے آخر تک کلمات شرکیہ اور رسوم جاہلیت سے بالکل پاک و منزہ تھے اس لئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلبیہ اور لاشریک لک کے لفظ خاص طور پر اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے تا کہ شرک کا ابہام باقی نہ رہے۔ تلبیہ اس طرح کہتے۔

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ ○ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ○ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ ○

اسی سال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور کامل تمام مناسک حج پورے کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حج میں جو کچھ کیا سنت قرار پایا اور آج تک مسلمان حج اسی طرح کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس سے پیشتر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسک حج پورے نہیں فرمائے تھے بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے پہلے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیارت کعبہ کیلئے تشریف نہ لے گئے تھے۔ ہجرت کے آٹھویں سال بھی بحالت جنگ مکہ تشریف لے گئے۔ اس سے پہلے بھی ایک بار کچھ مسلمانوں کے ساتھ زیارت کعبہ کیلئے گئے لیکن تمام مناسک حج پورے طور پر ادا نہ فرما سکے۔ اس سے پہلے سات سال کی مدنی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف نہ لے جا سکے۔ بہر حال اس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مناسک حج پورے فرما سکے۔ احرام باندھا' طواف کعبہ کیا اور صفا و مروہ کے درمیان حضرت حاجرہ مادر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تکمیل سنت میں سعی فرمائی۔ جبل رحمت پر مسلمانوں کو جمع فرمایا اور خطبہ دیا۔ جامع ترمذی میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج فرمائے۔ ابن اثیر کا قول ہے کہ ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال حج فرمایا کرتے تھے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس امر کا صحیح علم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے حج فرمائے۔ بہر حال یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا جو حجۃ الوداع کہلایا۔

سنہ 9 ہجری میں حج فرض قرار پایا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ اس سال مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق کی زیر امارت حج ادا کیا۔ ماہ ذی القعدہ الحرام سنہ 10 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس خود حج کا ارادہ فرمایا۔ اطراف و اکناف میں اعلان کرایا گیا کہ امسال رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ چنانچہ 25 ذی القعد الحرام یوم شنبہ سنہ 10 ہجری ظہر اور عصر کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مہاجرین اور انصار اور اصحاب جانثار گروہ در گروہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ شمع نبوت کے ہمراہ نوے ہزار سے ایک لاکھ چودہ ہزار سے زائد پروانوں کا مجموع تھا جو 4 ذی الحجہ الحرام بروز یک شنبہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ نو ازواج مطہرات اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزاہرا علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن سے واپس آ کر مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسک اور ارکان حج ادا کیے۔ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حج کیلئے گئے تھے جبل رحمت پر جمع ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے خطاب فرمایا جو تاریخ اسلام میں خطبہ الوداع کہلایا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول رحمت کی آواز سب تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ کچھ فاصلے پر ایسے لوگ مقرر فرمائے جن کی آوازیں بلند تھیں۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام بلاغت نظام کو دہرائیں اور تمام مجمع تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ پہنچا سکیں۔ آواز اٹھانے والوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موذن بلالؓ اور ربیع بن امیہؓ کی آواز بہت بلند تھی' شامل تھے۔ اس سے پیشتر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرمائیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے دریافت فرمایا کیا جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا' یہ ماہ ذی الحجہ و ماہ حرام ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے دریافت فرمایا' یہ سرزمین کون سی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا یہ سرزمین عرفات ہے۔ ان میں سے بعض لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ پکار رہے تھے اور بعض اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کا ورد کر رہے تھے۔

زوال شمس کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہو کر میدان عرفات کے وسط میں تشریف لائے اور بلند آواز سے خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک فقرہ ارشاد فرما کر خاموش ہو جاتے۔ ربیعہ بن امیہ اور بلالؓ اسی فقرہ کو باآواز بلند فرماتے۔ پھر دوسرا فقرہ ارشاد فرماتے اور یہ ہر دو اصحاب اسے دہراتے۔ اس طرح تمام مجمع نے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام خطبہ اچھی طرح سن لیا بلکہ اسے ذہن نشین بھی کر لیا۔ تفصیل مندرجہ ذیل روایت میں مذکور ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع

اِذْ کَانَ یَوْمُ الْحَجِّ اَتٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَفَةَ فَنَزَلَ بِمَاحَتّٰی اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرَحِلَتْ

لَهٗ فَاَتٰی بَطْنَ الْوَادِیْ فَخَطَبَ النَّاسَ خُطْبَةً الَّتِیْ بَیَّنَ فِیْهَا مَابَیَّنَ

حج کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وآلہ وسلم عرفہ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصوا (اپنی اونٹنی) کو لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کر کے حاضر کی گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اس پر سوار ہو کر) بطن وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا' جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَيْهِ قَائِلًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد و ثناء کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی! خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں' خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا' اس نے اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

ایھا الناس! اسمعو اقولی فانی لا ارانی وایاکم ان نجتمع فی ھذا المجلس ابدا بعد عامی ھذا

لوگو میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی اس طرح کسی مجلس میں یک جا ہو سکیں گے اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا۔

ایھا الناس ان اللہ یقول یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعو باوقبائل لتعارفواء ان اکرمکم عند اللہ اتقکم فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی ولا سود علی ابیض والا بیض علی اسود فضل الابالتقوی

لوگو! اللہ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے" چنانچہ اس آیت

روشنی میں نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ اَلَا کُلُّ مَاثِرَةٍ اَوْدَمٍ اَوْمَالٍ یُدَّعٰی بِہٖ فَھُوَتَحْتَ قَدَمَیَّ ھَاتَیْنِ اِلَّاسَدَانَةُ الْبَیْتِ وَسِقَایَةِ الْحَاجِ ثُمَّ قَالَ یَا مَعْشَرَقُرَیْشٍ لَا تجیو با لدُّنیا تَحْمِلُوْنَ نَھَا عَلٰی رِقَابِکُمْ وَیَجِیُٔ النَّاسُ بِالْاٰخِرَةِ فَلَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہ باقی رہیں گی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا' قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامانِ آخرت لے کر پہنچیں' اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔

معشر قریشٍ! اِنَّ اللّٰہَ قد اَذھَبَ عَنکم نَخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاٰباء ایھا الناس اِنَّ دِمَائکم واموالکم واعراضکم علیکم حرامٌ الیٰ اَنْ تلقوا ربَّکم کحرمۃ یومِکم ھٰذا فی بَلَدِکُم ھٰذا۔ وانکم ستلقون ربکم فیسئَلکم عَن اعمالکم

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا۔ اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کیلئے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔

الا فلا ترجعو ابعدی ضُلَّالًا یَضْرِبُ بعضُکم رقاب بعضٍ

فمن كانت عِندَهٗ امانةٌ فليؤَ دِهااِلیٰ مَن ائتمنهٗ عَلَيهَا

امانت | اگر کسی کے پاس امانت رکھوادی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچادے۔

اَيُّهَا النَّاس كُلُّ مُسلِمٍ اَخو المُسلِمِ وَاِنَّ الْمُسلِمِينَ اِخوَةٌ اَرِقاءَ كُم اَرِقاكُم اَطعِمُوهُم مِمَّا تَاكُلُونَ وَالسُوهُم مِمَّا تَلبَسُونَ ○

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو

6

اَلاَ كُلُّ شَيءٍ مِنْ اَمرِ الْجَاهِلِيَةِ تَحتَ قَدَمِي مُوضُوعٌ وَدِمَا الجَاهِلِيَّةِ مُوضُوعةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ الرَّبِيعَةِ بِنْ الْحَارِثِ وَكَانَ مُستَرضِعًا فِي بَنِي سَعدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوضُوعٌ وَاوّلُ رِبًا اضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَاسِ بْنُ عبدالمطلب فَاِنَّهُ مَوضُوعٌ كُلُّهُ

دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں۔ میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعۃ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مارڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے اب یہ ختم ہو گیا۔

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَداَعطیٰ كُلَّ ذِي حَقٍ حَقَّهٗ فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا اب کوئی کسی وارث کے حق کیلئے وصیت نہ کرے۔

حق دار کو اس کا حق

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰه مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غير ابيه اَوْتُوَلّٰى اِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَۃُ اللّٰهِ

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا' جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہواس کی سزا پتھر ہے' حساب و کتاب خدا کے ہاں ہوگا۔ جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا' اس پر خدا کی لعنت۔

اَلدَّيْنُ مَقْضِىٌّ وَالْعَارِيَۃُ مَرْدَاۃٌ وَالْمِنْحَۃُ مَرْدُوْدَۃٌ وَالزَّعِيْمُ غارِمٌ

قرض قابل ادائی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

وَلَا يَحِلُّ لِاِمْرِئٍ مِنْ اَخِيْهِ اِلَّا مَا اَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَلاَ تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ

کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے' سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

اَلَا لَا يَحِلُّ لِاِمْرَاۃٍ اَنْ تُعْطِىَ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِهٖ

عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلاَّ يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ وَعَلَيْهِنَّ اَنْ لَّايَاْتِيْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُبَيِّنَۃٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْ هُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاَنْ تَضْرِبُوا ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنْ اَنْتَهَيْنَ

فَلَهُنَّ اِرْزِقُهُنَّ وَكِسوتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْف

دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں' کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور اگر وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔

وَاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْيَئِسَ مِنْ اِنْ يُعْبَدَ فِي اَرْضِكُمْ هٰذِهٖ اَبَدًا وَلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْمَا تُحَقِّرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهٖ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰى دِيْنِكُمْ

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی' لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے۔ اس لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

اَلَا فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَ اَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُم طَيِّبَةً بِهَا اَنْفُسَكُمْ وَتَحُجُّوْا بَيْتَ رَبِّكُمْ وَاَطِيْعُوْا وَلَاةَ اَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔ اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ اِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ اَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا' نہ ہی بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

اَلا فَلیُبلغ الشاھدُ الغائبَ فربُ مُبلّغ اَوعیٰ مِن سامِع

سنو جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

وأنتم تُسألونَ عَنی فما ذا أنتُم قائِلون

اور لوگو! تم سے مرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے۔

قالوا نَشھَدُ انکَ قد اَدّیتَ الأمَانة وَبَلغتَ الرسَالَة وَنصحتَ

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے آپ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپ نے حق رسالت ادا فرمادیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بأصبعہ المَسَّابة یَرفَعُھا الی السماء وَینکتھا الی الناس اللّٰھم اشھد اللّٰھم اشھد اللّٰھم اشھد

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا خدایا گواہ رہنا' خدایا گواہ رہنا' خدایا گواہ رہنا!

نزول آیت

خطبہ ختم کرنے کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی سے اترے اور ظہر وعصر کی نمازیں ادا فرمائیں۔ یہ دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کی گئیں۔ بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند ذوالجلال کی حمد وثناء ذکر وشکر' استغفار ودعا میں مشغول ہوگئے۔ اس کے بعد پھر سوار ہوئے اور مقام صخرات میں جا کر اترے۔ وہاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت لوگوں کو سنا دیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دیا ور تمہارے

لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آیت سنی تو آپ رو پڑے کیونکہ انہوں نے مومنانہ فراست سے سمجھ لیا کہ اب جبکہ رسالت اپنا فرض ادا کر چکی ہے تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات بھی نزدیک ہے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات سے مزدلفہ روانہ ہوئے اور رات مزدلفہ میں گزار دی۔ نماز فجر کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے اور راستے میں جمرہ پر رمی فرماتے ہوئے منیٰ میں اپنے خیمہ میں فروکش ہوئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے ایک سو اونٹ قربانی کیلئے لائے تھے۔ تریسٹھ اونٹ تو آپ نے اپنی طرف سے اپنی عمر کے ہر سال کے عوض میں ایک کے حساب سے قربانی میں ذبح فرمائے اور باقی اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذبح کئے۔ اس کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موئے شریف منڈائے اور پھر احرام کھول کر حج کی جملہ رسومات سے فارغ ہو گئے۔

اس حج کو بعض لوگ حجتہ الوداع کہتے ہیں۔ بعض اسے حجتہ الاسلام کے نام سے پکارتے ہیں اور بعض حجتہ البلاغ کا نام دیتے ہیں۔ درحقیقت اس حج پر یہ تینوں نام چسپاں ہوتے ہیں۔ یہ حجتہ الوداع ان معنوں میں تھا کہ یہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد آپ کو مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہونے کا موقع نہ ملا۔ حجتہ الاسلام اس طرح تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تکمیل اور لوگوں پر اتمام حجت کا اعلان اسی حج کے دوران میں فرمایا اور حجتہ البلاغ اس لحاظ سے تھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہدین پر احکام دین غائبین تک پہنچانے کی ذمہ داری عائد فرمائی۔

ازواج مطہرات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”نبی کو اہل ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے اور پیغمبر کی بیبیاں مومنین کی محترم مائیں ہیں۔“ اس لئے مومنین کیلئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمنزلہ روحانی باپ کے ہیں جیسا کہ ان کی بیویاں عزت واحترام میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں۔ سورہ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاۚ ○ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًاۚ ○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًاۧ ○

(سورة الاحزاب۔33-32)

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی سے گندگی کو دور کردے اور تمہیں پوری طرح پاک کردے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے ○

سورۃ الاحزاب کی آیات بالا سے متعلق امور قابل غور ہیں۔ ہجرت کے نویں سال رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ایلاء کیا۔ اس وقت ازواج مطہرات نو تھیں۔ ان سب نے زینت دنیا پر اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ نہ دنیا چاہتی تھیں اور نہ ان کے دلوں میں زینت دنیا کی ہوس تھی۔ ازواج مطہرات رضائے خدا اور رسول کی طلب گار تھیں اور حسن آخرت کی متمنی تھیں۔ اس عمل نیک پر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہیں نو پر قانع کر دیا اور فرما دیا۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ط

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ رَّقِيبًا ۝

(سورۃ الاحزاب۔52)

اس کے بعد تمہارے لئے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ' خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند کیوں نہ ہو۔ البتہ تمہیں لونڈیوں کی اجازت ہے اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔

یعنی چونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کیا ہے اس لئے آپ بھی ان پر دوسری عورتوں کو اختیار نہ کریں۔ اسی عملِ نیک پر اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ شرف بخشا کہ خود ان سے خطاب فرمایا اور ان کے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت دے کر فرمایا' اے نبی کی بیویوں تم میں سے اگر کوئی ناشائستہ حرکت کرے گی تو اسے دگنا عذاب ہوگا اور اگر نیک عمل کرے گی تو اسے دگنا ثواب ملے گا۔ یہ بڑے درجے کا ذمہ ہے۔ نیز ان کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے تم گھروں میں رہا کرو۔ تمہارا تبرج یعنی کھلا پھرنا بھی نامناسب ہے۔ نماز وزکوۃ قائم رکھو اور تمام امور میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ یہ بھی ثابت ہے کہ ازواج مطہرات رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت ہیں اسی لئے' اہل بیت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

ازواج مطہرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ گیارہ پر سب کا اتفاق ہے جن میں سے چھ یعنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت سودا قبیلہ قریش سے اور چار حضرت زینب بنت جحش، حضرت میمونہ، حضرت زینب بنت خدیمہ، حضرت جویریہؓ عربیات غیر قریش سے ہیں اور ایک حضرت صفیہؓ غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہیں۔

رسول رحمتؐ کی ازواج مطہرات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے متعلق قرآن کریم میں مندرجہ ذیل خاص احکام ہیں۔ چنانچہ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَافَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا۝

(سورۃ الاحزاب۔28)

اے نبیؐ! کہو اپنی بیویوں سے کہ اگر ہو تم طلب گار دنیاوی زندگی کی اور اس کی زیب و زینت کی تو آؤ میں دے دلا دوں تم کو کچھ اور رخصت کر دوں بھلے طریقے سے۝

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۝

(سورۃ الاحزاب۔29)

اور اگر ہو تم طالب اللہ اور اس کے رسول کی اور آخرت کے گھر کی تو بے شک اللہ نے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے ان کیلئے جو نیکو کار ہیں۝

يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۝

(سورۃ الاحزاب۔30)

اے نبیؐ کی بیویو! تم میں سے جو کسی صریح فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی۔ اسے دہرا عذاب دیا جائے گا اور اللہ کیلئے یہ بات بہت آسان ہے۝

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا۝

(سورۃ الاحزاب۔30)

اور جو فرمانبردار بن کر رہے گی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی اور نیک اعمال کرے گی۔ ہم اس کو دہرا اجر دیں گے اور ہم نے اس کیلئے رزق کریم مہیا کر رکھا ہے۝

يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ

قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۚ

(سورۃ الاحزاب۔32)

اے نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔(لہٰذا) اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ اس طرح کوئی ایسا شخص جس کے دل میں خرابی ہو لالچ میں پڑ جائے بلکہ بات کیا کرو صاف اور سیدھے طریقے سے O

وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَاَطِعۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۚ

(سورۃ الاحزاب۔33)

اور ٹک کر رہو اپنے گھروں میں اور نہ دکھاتی پھرو (اپنی سج دھج) سابق دورِ جاہلیت کی طرح اور قائم کرتی رہو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی' اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ دور کر دے تم سے گندگی' اے نبیؐ کے گھر والوں اور پاک کر دے تمہیں پوری طرح O

ازواج مطہرات کی تعداد و ترتیب

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں۔ دو نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں انتقال فرمایا۔ ایک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ نو ازواج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر بقید حیات تھیں۔

ذیل میں بہ ترتیب تزوج ان کا حال اختصار میں پیش ہے۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بنت خولید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں' پہلی مسلمان عورت ہیں۔ حضرت خدیجہؓ قریش سے تھیں۔ والد کا نام خویلد اور والدہ کا نام فاطمہ

بنت زائدہ تھا۔ قریش تک سلسلہ اس طرح پہنچتا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچ کر سلسلۂ نسب رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ چونکہ حضرت خدیجہ زمانہ جاہلیت میں بھی پاک وصاف تھیں اس لئے بعثت نبوی سے پہلے ہی وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔ آپ کا نکاح ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے تھے۔ یہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دونوں صحابی ہیں' ہند بڑے فصیح اور بلیغ تھے۔ حلیہ نبوی کے متعلق روایت انہی سے مروی ہے۔

(عیون الاثر' ج2' صفحہ 300۔ الاصابہ' ج4' صفحہ 281)

ابوہالہ کے انتقال پر حضرت خدیجہ عتیق بن عائذ مخزومی کے نکاح میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی ہندہ پیدا ہوئی۔ یہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں اور صحابیات کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ کچھ عرصہ بعد عتیق کا انتقال ہوگیا۔ حضرت خدیجہؓ بڑی شریف اور مالدار خاتون تھیں۔ بیوہ ہونے کی وجہ سے قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا۔ اتفاقاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر شام گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے۔

(زرقانی' ج3' صفحہ 22۔ الاصابہ' ج4' صفحہ 282)

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم عیالدار تھے۔ ان کی زندگی عسرت سے گزرتی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ بھتیجے کیلئے کوئی ایسا روزگار مہیا کریں جو منفعت بخش ہو۔ انہیں پتہ چلا کہ حضرت خدیجہ بنت خویلد قریش کے چند اشخاص سے اجرت و معاوضہ پر اپنے کاروبار میں خدمت لینا چاہتی ہیں۔ وہ دولتمند اور شریف النفس خاتون تھیں۔ ابوطالب نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا میرے پاس سرمایہ نہیں اور زندگی معاشی بدحالی میں گزر رہی ہے۔ اگر تم چاہو تو میں خدیجہ سے تمہارے لئے بات کروں۔ آپ نے جواب دیا آپ میرے لئے جو بہتر سمجھتے ہیں ضرور کریں۔ غرض ابوطالب نے خدیجہ سے کہا میں نے سنا ہے تم فلاں شخص کو اجیر مقرر کیا ہے۔ محمد کو چار اونٹوں پر اجیر مقرر کرو۔ خدیجہ نے کہا مجھے منظور ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ہمراہ عازم سفر ہوئے قافلہ تجارت وادی للقریٰ مدین' دیار نور اور ان مقامات سے جہاں آپ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ کئی سال پیشتر گزرے تھے۔ شام کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ کو اس سفر میں اپنی امانت اور سابقہ

تجربہ کی بنا پر دوسروں کی نسبت کاروبار میں بہت زیادہ نفع ہوا۔میسرہ پر بھی آپ کے اخلاق حمیدہ کا اچھا اثر پڑا اور وہ بڑھ چڑھ کر آپ کی عزت واحترام کرنے لگا۔واپسی پر آپ نے جو چیز پسند کی حضرت خدیجہؓ کیلئے خرید مکہ پہنچے پر میسرہ نے آپ سے کہا کہ اپنی پہلی فرصت میں حضرت خدیجہؓ سے اپنی خدمات اور منافع کا تذکرہ کریں۔آپ ظہر کے وقت حضرت خدیجہؓ کے مکان پر پہنچے تو وہ فوراً آپ کا خیر مقدم کرنے آ گئیں۔میسرہ نے آپ کے اخلاق اور عادات کی بہت تعریف کی اور یہ عرض کیا کہ مکہ کے نوجوانوں میں سے کوئی ان کی برابری نہیں کرسکتا۔

چند روز بعد حضرت خدیجہؓ کی خوشنودی محبت میں بدل گئی اور اس چالیس سالہ خاتون نے ایک ایسے نوجوان سے عقد کی خواہش کی جس کا کردار اس کے دل میں گھر کر چکا تھا۔حضرت خدیجہؓ کے والد کا انتقال حرب الفجار سے پہلے ہو چکا تھا۔لہٰذا شادی کی رسم ان کے چچا عمر بن اسد کی موجودگی میں سرانجام پائی۔ابو طالب مع خاندان کے حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپ کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

(زرقانی' ج3' صفحہ 220)

حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں' زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ اور دو لڑکے پیدا ہوئے۔اولاد ذکور صغر سنی ہی میں انتقال کر گئی۔البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔سنہ 10 نبوی میں یعنی ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں انتقال فرمایا اور حجون میں دفن ہوئیں۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود قبر میں اتارا پچیس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہیں۔پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ام المومنین حضرت سودہؓ

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے انتقال کے کچھ دنوں بعد حضرت سودہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔یہ بھی اشراف قریش میں سے تھیں۔سلسلہ نسب یوں ہے۔سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبدالشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن جسل بن عامر بن لوئی۔لوئی بن غالب پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے۔والدہ کا نام شموس بنت قیس

ابن عمرو بن زید انصاریہ ہے۔ انصار میں بنونجار کی تھیں۔ ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ پہلا نکاح چچا زاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا۔ سکران اور سودہ نے ہجرت حبشہ کی۔ واپسی پر سکران کا انتقال راستے میں ہوا۔ ایک بیٹا عبدالرحمٰن نامی یادگار چھوڑا جو مشرف بہ اسلام ہوئے اور جنگ جلولا میں شہید ہوئے۔

(سیرۃ ابن ہشام)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو محض اس لئے شرف ازواج بخشا کہ ان کی بقیہ زندگی راحت وآرام سے گزرے ورنہ حضرت سودہ کے حسن وجمال یا مال سے متعلق کسی مورخ نے کوئی شہادت نہیں دی۔ آپ خدیجہؓ کے انتقال سے رنجیدہ خاطر اور پریشان تھے۔ بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام سب تلپٹ ہو گیا تھا۔ آپ نے خولہ بنت حکیم کے ذریعہ پیغام بھیجا۔ حضرت سودہؓ نے کہا مجھ کو کوئی عذر نہیں مگر میرے باپ سے تذکرہ کرلو۔ چونکہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ کا نکاح قریب قریب ایک ہی وقت میں ہوا' اس لئے علماء سیر میں اختلاف ہے کہ کون سا نکاح پہلے ہوا۔ راجح قول یہی ہے کہ حضرت سودہؓ کا نکاح پہلے ہوا۔ حضرت سودہؓ کا قد لمبا تھا' مزاج میں ظرافت تھی' کبھی کبھار آپ کو ہنسایا کرتیں۔ ماہ ذی الحجہ سنہ 23 ہجری میں بعد حضرت عمرؓ مدینہ میں انتقال فرمایا۔

(الاصابہ' ج2' صفحہ 339)

ام المومنین حضرت عائشہؓ

حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام زینب اور کنیت ام رومان تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ مگر اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر سے ام عبداللہ کنیت رکھی۔ حضرت سودہؓ کے بعد سنہ 10 نبوی میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا۔ خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے پیغام دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خولہ سے کہا جس وقت چاہیں' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا۔ چار سو درہم مہر مقرر رہا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے آپ جو کو تعلق خاطر تھا اس کا وجود عقد سے قبل نہ تھا بلکہ بعد میں رفاقت سے یہ چیز ظہور میں آئی۔ حضرت

صدیقہ کا عقد آپ سے چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ یہ عقد تعلق خاطر کی بنا پر نہیں کیا تھا بلکہ اس سے مقصد یہ تھا کہ اصحاب سے آپ کے تعلقات زیادہ سے زیادہ استوار ہو جائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ازواج مطہرات میں سے ایسی تھیں جن کا نکاح دوشیزگی کی حالت میں ہوا۔ ان کے علاوہ تمام ازواج مطہرات بیوہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ ام المومنین حضرت حفصہؓ سے بہت محبت کرتی تھیں اور اکثر ان کے پاس بیٹھ کر ان سے قرآن سنتیں اور ان سے خوشخطی سیکھتیں۔ جس وقت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اڑتالیس سال آپؐ کے بعد زندہ رہیں اور سنہ 57 ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

ام المومنین حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ حضرت عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے۔ حضرت حفصہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح خنیس بن حزافہ سہی کے ساتھ ہوا۔ اپنے شوہر خنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ بدر کے بعد خنیس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا۔ نکاح سنہ 3 ہجری میں ہوا۔ حضرت حفصہؓ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانہ مبارک میں تین چیزیں لائیں۔

1- شعر

2- لکھنا پڑھنا

3- خوش نویسی

ام المومنین حضرت حفصہؓ نے قرآن کریم کا اکثر حصہ بڑی خوش خطی سے ضبط تحریر میں لایا تھا یعنی جمع قرآن سے پہلے جبکہ قرآن کریم متفرق حالت میں تھا۔ انہوں نے جو حصہ قرآن کریم کا اپنے پڑھنے کیلئے خوش خط لکھا تھا اسے قرآن حفصہ کہتے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور خلافت میں بہت سے حافظ قرآن مختلف لڑائیوں میں شہید ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران یہ اندیشہ ہوا کہیں سارے حفاظ شہید نہ ہو جائیں، اس طرح قرآن کا کچھ حصہ ضائع نہ

جائے یا تحریف نہ ہو جائے۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کو جمع کرا کر اس کو از سر نو تحریر کرایا اور باقی تحریریں ضائع کرا دیں جس میں مصحف حفصہ بھی شامل تھا۔

حضرت حفصہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح کسی تعلق خاطر کی بنا پر نہ تھا جیسا کہ خود حضرت عمر الفاروقؓ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی مگر بعد میں رجوع فرمایا۔ جب یہ بات فاروق اعظمؓ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا۔

''خدا کی قسم! ہم عہد جاہلیت میں عورتوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے' یہاں تک کہ خدا نے آیات نازل کیں اور عورتوں کیلئے ایک حصہ مقرر کر دیا۔ میں ایک دفعہ کسی کام سے متعلق کسی سے مشورہ کر رہا تھا' میری بیوی کہنے لگی ایسا اور ایسا کرو۔ میں نے کہا تمہیں اس بات سے کیا واسطہ؟ بیوی نے کہا تعجب ہے کہ آپ اپنے کام میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتے حالانکہ آپ کی بیٹی بھی تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑتی رہتی ہے یہاں تک کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن بھر خفگی کے عالم میں رہتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اپنی چادر سنبھالی اور گھر سے سیدھا حفصہ کے پاس پہنچا اور اس سے کہا بیٹی! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑتی ہے یہاں تک کہ وہ سارا دن ناخوشی کے عالم میں بسر کرتے ہیں؟ حضرت حفصہ! نے کہا ہاں! میں ان سے جھگڑتی ہوں۔ میں نے کہا تو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غضب سے نہیں ڈرتی۔ بیٹی تو اس عورت (حضرت عائشہ صدیقہ) کی ریس نہ کر جو اپنے جمال اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر نازاں ہے۔ خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھ سے محبت نہیں اور اگر میرا پاس خاطر نہ ہوتا تو تجھے طلاق دے دیتے۔''

(الاصابہ' ج4' صفحہ 253۔ زرقانی' ج3' صفحہ 235)

شعبان سنہ 45 ہجری میں بعہد امیر معاویہ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وفات کے وقت عمر ساٹھ سال تھی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ مشہور قول یہی ہے کہ ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(زرقانی' ج4' صفحہ 253-238)

ام المومنین حضرت زینب بنت خذیمہؓ

زینب آپؓ کا نام تھا۔ چونکہ آپ بہت زیادہ سخی اور فیاض تھیں اس لئے ام المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں۔ آپؓ کے باپ کا نام خزیمہ بن الحارث تھا۔ پہلا نکاح عبداللہ بن جحشؓ سے ہوا۔ عبداللہ بن جحش سنہ 3 ہجری میں غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ عدت گزرنے پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے دو تین ماہ بعد انتقال ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ بوقت انتقال عمر تیس برس تھی۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ بنتؓ ابی امیہ

آپ کا نام ہندہ اور کنیت ام سلمہ تھی۔ ابوامیہ مخزومی کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ پہلا نکاح چچازاد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا تھا۔ ان کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ابوسلمہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں بازو پر زخم آیا اور ایک ماہ تک علاج کرنے پر اچھا ہو گیا۔ سنہ 4 ہجری میں ایک سریہ کی قیادت کی اور ایک ماہ بعد واپس ہوئے۔ بازو کا زخم عود کر آیا اور اسی زخم سے 8 جمادی الاول سنہ 4 ہجری میں انتقال ہوا۔ ابوسلمہ کے انتقال کے بعد عدت گزرنے پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے نکاح کا پیغام دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام دیا تو ام سلمہ نے چند عذر پیش کئے۔

1- میرا سن زیادہ ہے۔
2- میں عیالدار ہوں، یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔
3- میں بہت غیور ہوں، مبادا میری وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی دشواری پیش آئے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا

میرا سن تم سے زیادہ ہے، تمہارا عیال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیال ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت یعنی نازک مزاجی اور رشک کا مادہ جس کا

اندیشہ ہے تم سے جاتا رہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔

ماہ شوال سنہ 4 ہجری میں نکاح ہوا۔ مہر میں کچھ سامان دیا جس کی قیمت دس درہم تھی ایک بستر بھی دیا' جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' ایک پیالہ اور ایک رکابی اور ایک چکی بھی دی۔

تاریخ کبیر کے مطابق آپؓ کا سال وفات سنہ 58 ہجری ہے۔ واقدی نے سال وفات سنہ 59 بھی لکھا ہے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں سنہ 61 ہجری میں انتقال کیا' جب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر ملی۔ ابونعیم کہتے ہیں سنہ 63 ہجری میں انتقال ہوا۔ راجح یہی قول ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ انتقال کے وقت عمر چوراسی سال تھی۔ آپؓ کا فضل و کمال' حسن و جمال' فراست و عقل ضرب المثل تھی۔ صلح حدیبیہ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئی اپنی ہدی کو ذبح کر لیا اور حلق کرا لیا۔

حضرت زینب بنت خزیمہ اور ام سلمہؓ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ ازدواج اس امر کا ثبوت ہے کہ اصحاب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات استوار ہوں اور بیوگان کے عیال محروم نہ رہیں۔ جب حضرت زینبؓ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا تو آپؓ کا شباب ڈھل چکا تھا اور نکاح کے بعد ایک یا دو سال زندہ رہیں۔ حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بچوں کی تربیت میں خصوصیت سے توجہ فرمائی۔ ظاہر ہے یہ رشتہ ازدواج حسن و جمال کی بناء پر نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان رشتوں کی بنا پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسلمانوں کا رابطہ بہت زیادہ استوار ہو گیا' وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول خدا بھی مانتے تھے اور یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت ہمارے مہربان باپ کی سی ہے۔ ہر نادار و مجبور بیوہ اور یتیم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمدردی تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا سمجھتے تھے۔

واقعات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کیلئے مثال قائم کی تھی کہ عام حالات میں ایک بیوی پر اکتفا کریں۔ حضرت خدیجہؓ کے زمانہ زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل یہی رہا اور قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ

مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ۝

(سورۃ النساء۔3)

اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو' تین تین' چار چار سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا پھر ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آتی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کیلئے یہ زیادہ قرین صواب ہے

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَۃِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

(سورۃ النساء۔129)

بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا (قانون الٰہی کا منشا پورا کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے ۝

ہجرت کے آٹھویں سال یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ ازدواج پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اس سے یہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کو اپنے لئے بہتر سمجھا دوسروں کیلئے ناجائز ٹھہرایا۔ ان آیات میں ایک بیوی پر اکتفا کو مستحسن قرار دیا گیا اور یہ بھی وضاحت کردی گئی کہ اگر تم عدل نہ کرسکو تو صرف ایک ہی بیوی پر قناعت کرو' لیکن اس خیال سے کہ اجتماعی زندگی میں ایسے حالات و واقعات پیش آسکتے ہیں کہ تعداد ازدواج پر زبان طعن دراز کرنے والے ان ہلاکت خیز لڑائیوں اور وبائی بیماریوں کے بعد جن میں لاکھوں انسان ہلاک ہو جاتے اور لاتعداد عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں' یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت پر اکتفا کرنا چاہیے؟ کوئی شک نہیں کہ عام زندگی میں ایک بیوی پر

اکتفا خاندان اور معاشرہ کی خوش بختی اور خوشحالی کا موجب ہوتا ہے اور محولہ بالا آیات مباہلہ کا مدعا ومنشا پورا ہوتا ہے۔

ام المومنین حضرت زینب بن جحشؓ

حضرت زینب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی اضیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں' یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ کے متبنی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کے عقد میں تھیں۔ باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید بن حارثہ نے طلاق دے دی۔ حضرت زیدؓ چونکہ موالی تھے اور زینب شریف اور معزز خان سے تھیں' اس لئے آزاد کردہ غلام سے مناکحت کو باعث ننگ و عار سمجھتی تھیں۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور اس کے بھائی عبداللہ بن جحش نے صاف انکار کر دیا۔ اس عہد کے رسم و رواج کے مطابق اشراف کی بیٹیاں آزاد شدہ غلاموں سے عقد میں توہین سمجھتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ ایسے بے بنیاد تصورات کا خاتمہ ہو جائے۔ آپ تعصب و عصبیت کے پردے چاک فرمانا چاہتے تھے تاکہ عرب اور غیر عرب یہ سمجھ لیں کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں اگر ہے تو وہ محض بر بنائے تقویٰ ہو سکتا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ

تم میں سے اللہ کے نزدیک مکرم و معظم وہی ہیں جو زیادہ پرہیزگار ہیں۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رسم کو مٹانے کیلئے اپنے خاندان عالی سے پہل فرمانا چاہی۔ اس لئے خود اپنی پھوپھی زاد بہن کا رشتہ حضرت زیدؓ کیلئے مانگا۔ حضرت زیدؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنی ہونے کے ناطے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کے وارث تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصرار پر حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے یہ رشتہ منظور کر لیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں ارشاد فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ

اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ○

(سورۃ الاحزاب ۔36)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ فرما دے تو ان کے پاس اپنے معاملات میں فیصلہ کرنے کا خود اختیار حاصل رہے۔ اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اسکے رسول کی تو درحقیقت وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا ○

''حضرت زینب رسول خدا کی پھوپھی کی بیٹی اور قوم میں اشراف' حضرت نے چاہا کہ ان کا نکاح کر دیں زید بن حارث سے۔ یہ زید اصل عرب تھے۔ ظالم پکڑ لے گیا لڑکپن میں' شہر مے میں بکے' حضرت نے مول لیا دس برس کی عمر میں' ان کے باپ بھائی خبر پا کر آئے مانگنے کو' حضرت دینے پر راضی ہو گئے' یہ گھر جانے پر راضی نہ ہوئے حضرت کی محبت سے' پھر حضرت نے ان کو بیٹا کر لیا اسلام سے پہلے اس وقت کے رواج کے موافق۔ حضرت زینب اور ان کا بھائی راضی نہ ہوئے' اس پر یہ آیت اتری پھر راضی ہوئے اور نکاح کر دیا۔''

اس آیت میں مومن سے عبداللہ بن جحشؓ یعنی حضرت زینبؓ کے بھائی اور مومنہ سے حضرت زینبؓ مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ کسی مومن اور مومنہ کیلئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول پر یہ دونوں راضی ہو گئے اور حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زید سے ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود مہر ادا فرمایا۔ عقد کے بعد زوجیت میں ناخوش گواری آ گئی۔ حضرت زینبؓ کو اپنے حسب و نسب اور اس بات پر فخر تھا کہ میں کبھی غلامی کی حالت میں نہیں رہی۔ اس کشیدگی اور تلخی نے طول کھینچا تو حضرت زیدؓ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت زینبؓ کی شکایت کی' حضرت زینبؓ کو طلاق دینے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اپنی بیوی کا خیال کرو اور خدا سے ڈرو۔ لیکن حضرت زیدؓ روز روز کی کِل کِل برداشت نہ کر سکے اور آخر انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔

ایام جاہلیت میں دستور تھا کہ متبنی کو بھی ترکے میں سے بیٹوں اور دوسرے عزیزوں کی طرح حصہ دیتے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رسم کو بھی مٹانا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ○

(سورۃ الاحزاب ۔4)

اور نہ اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ سے نکال دیتے ہو۔ مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے ○

اس قرآنی حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص ایسی عورت سے عقد کر سکتا ہے جو اس کے متبنٰی کی بیوی رہ چکی ہو لیکن کون تھا جو اس زمانے میں اتنی جرأت کر سکتا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس رسم کو مٹانے کا فیصلہ فرمالیا اور حضرت زینبؓ سے طلاق کے بعد خود عقد کرلیا لیکن رہ رہ کر خیال آتا کہ لوگ اس قدیم رسم کے متعلق کیا کہیں گے۔ بہر حال نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمان الٰہی کے تحت اس رسم کہن کو ختم کر دیا اور حضرت زینبؓ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرلیا۔ ذیل کی آیت میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○

(سورۃ الاحزاب ۔ 37)

پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون ۔ زینب بنت جحش) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر رہنے والا ہے ○

ان حقائق اور واقعات کی روشنی میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو حکم دیا کہ جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو۔ حضرت زید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لے کر حضرت زینب کے گھر گئے اور کہا اے زینب مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ اس کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب کے گھر گئے

اور بلا ازن داخل ہو گئے۔ حضرت زینبؓ کا اصل نام برہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بجائے برہ کے زینب کا نام تجویز فرمایا اس واقعہ کے بعد منافقین نے زبان طعن دراز کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان بد باطنوں کے میں ارشاد فرمایا۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین وکان اَاللّٰہُ بِکُلِ شَیءٍ علیما

(الاحزاب۔40)

محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہے اللہ کا۔ اور مہر سب نبیوں پر اور اللہ سب چیز جانتا ہے۔

(زرقانی' ج3' صفحہ 245۔ الاصابہ' ج4' صفحہ 313)

ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث بن ضرار

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار بن مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا جو غزوہ مریسع میں مارا گیا۔ اس غزوہ میں بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئیں' ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور چار سو درہم مہر مقرر فرمایا۔ سنہ 5 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ ربیع الاول سنہ 50 ہجری میں انتقال فرمایا' امیر مدینہ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ عبادت سے خاص ذوق تھا۔ عبادت کیلئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مروی ہیں کہ حضرت جویریہؓ نے فرمایا "میں ایک روز اپنی مسجد میں مشغول عبادت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور واپس چلے گئے۔ فرمایا کہ کیا تم اس وقت سے اس وقت تک اس حالت میں ہو؟ میں نے جواب دیا' ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتائے دیتا ہوں جو تیری عبادت کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اب تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَا نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ

عرشہ و مَدَادَ کلماتہ
(زرقانی' ج 3' صفحہ 255۔ اصابہ' ترجمہ ام المومنین جویریہؓ۔ الاصابہ' ج 4' صفحہ 265)

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ

حضرت ام حبیبہؓ ابو سفیان کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نام رملہ تھا۔ ام حبیبہ کنیت تھی۔ والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا جو حضرت عثمانؓ کی پھوپھی تھیں۔ پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا۔ دونوں ابتداء ہی میں مسلمان ہوئے اور ہجرت حبشہ اختیار کی۔ وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی' نام حبیبہ رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہ کنیت رکھی۔ عبیداللہ بن جحش حبشہ جا کر عیسائی بن گیا لیکن ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں' عبیداللہ عیسائیت پر قائم رہا اور شراب و کباب میں منہمک رہا اور اسی حالت میں انتقال کر گیا۔ کچھ عرصہ بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو شاہ نجاشی کے پاس ام حبیبہؓ سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا اور بصورت اقرار انہیں اپنا وکیل مقرر فرمایا۔ نجاشی شاہ حبشہ نے اپنی باندی ابرہ کو ام حبیبہؓ کے پاس رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام دے کر بھیجا۔ ام حبیبہ نے اس پیغام کو منظور کر لیا اور خالد بن سعید بن العاصؓ کو اپنا وکیل مقرر کیا اور ابرہ کو بہت انعام واکرام سے نوازا۔ اسی روز شام کو شاہ حبشہ نے حضرت جعفرؓ اور دیگر مسلمانوں کو جمع کیا اور بذات خود خطبہ نکاح پڑھا جو یہ ہے۔

''حمد ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب' عزیز اور جبار کی' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہی نبی ہیں جن کی عیسٰی بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ امابعد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کر دوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا۔''

اور اسی وقت چار سو دینار خالد بن سعید امویؓ کے حوالے کر دیئے۔ اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

''الحمد للہ' میں اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں

کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ایک ہے' کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرے' اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

اما بعد' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیام کو قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ام حبیبہؓ کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔''

لوگ اٹھنے والے تھے کہ نجاشی نے کہا حضرات انبیاء کی سنت ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہیے' چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئی۔ مہر کی رقم ام حبیبہؓ تک پہنچائی گئی۔ انہوں نے ابرہ کو بلا کر پچاس دینار دیئے جو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ مجھے بادشاہ نے تاکید کی ہے کہ آپؓ سے کچھ نہ لوں۔ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو ہو چکی ہوں اور دین اسلام قبول کر چکی ہوں۔ میری ایک درخواست ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرا اسلام کہہ دیجئے۔ چنانچہ ام المومنین ام حبیبہؓ مدینہ پہنچیں تو تمام حالات وواقعات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کئے اور آخر میں ابرہ کا سلام پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وَعَلَيْهَا السلام وَرحمت اللهِ وبَرکاتُهٗ

(صفۃ الصفوۃ' ج2' صفحہ 22۔ زرقانی' ج3' صفحہ 243)

ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حُیی بن اخطب

حضرت صفیہؓ بنت حُیی اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ ماں کا نام ضرہ تھا۔ پہلا نکاح سلام بن مشکم سے ہوا تھا۔ سلام کے طلاق دینے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے حبالہ عقد میں آئیں۔ کنانہ غزوہ خیبر میں مارا گیا اور یہ گرفتار ہو کر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ خیبر سے چل کر مقام صہبا میں دعوت ولیمہ فرمائی۔ ولیمہ کیلئے اعلان ہوا جس کے پاس جو کچھ موجود ہو وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا' کوئی پنیر' کوئی ستو لایا تو کوئی گھی۔ جب سارا سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر تناول فرمایا۔ مقام صہبا میں تین دن قیام رہا۔ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خو

حضرت صفیہؓ کو اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔
(عیون الاثر' ج 2' صفحہ 307۔ زرقانی' ج 3' صفحہ 257)

اُم المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث

میمونہؓ آپ کا نام ہے' باپ کا حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ ماہ ذیقعد سنہ 7 ہجری میں جناب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صلح نامہ حدیبیہ کے مطابق عمرہ کی غرض سے دو ہزار مسلمانوں کو لے کر زیارت کعبہ کی غرض سے مکہ تشریف لائے۔ قریش مکہ سے باہر چلے گئے اور پہاڑوں کی اوٹ میں خانہ کعبہ کے طواف کا منظر دیکھتے رہے کہ مسلمان کس طرح طواف کرتے ہیں۔ حضرت بلالؓ موذن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور باآواز بلند اذان دی۔ کافر منتظر تھے کہ بت مسلمان پر آسمان گرا دیں گے' مگر کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جملہ مسلمان فرطِ شوق سے آنسو بہا رہے تھے اور حضرت عمر ابن الخطابؓ زاروقطار رو رہے تھے کیونکہ ایک عرصہ دراز تک مسلمان خانہ کعبہ سے دور رہے تھے۔ جب مراسم عمرہ پورے ہوئے تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اہل قریش سے قریبی تعلقات قائم کریں اور کسی مشہور و معروف' شریف قریشی عورت سے عقد نکاح کر لیں۔ اس لئے حضرت میمونہ بنت حارثؓ سے جو حضرت عباسؓ کی سالی تھیں' سے نکاح کر لیا۔ حضرت میمونہؓ سے نکاح ایک عمدہ سیاسی اقدام تھا کیونکہ حضرت میمونہؓ کے آٹھ بھائی تھے جو مکہ کے اشراف کے داماد تھے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ معزز آٹھ خاندانوں سے ہو گیا۔ ابن ہشام زمخشری اور ابن حبیب مستند تذکرہ نویسان اسلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت میمونہؓ سے نکاح گویا تمام اہل مکہ سے رشتہ داری قائم کرنا تھا۔ ہند مادر میمونہ زنان عرب اور خصوصاً زنان مکہ میں اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔ خالد بن ولیدؓ کے ساتھ حضرت میمونہؓ کا رشتہ تھا' وہ آپؐ کے بھتیجے تھے اور انہوں نے خالد بن ولیدؓ کو بیٹے کی طرح پالا تھا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت میمونہؓ سے نکاح کے بعد خالد بن ولیدؓ فرزند رسول کی مانند ہو گئے۔ ان باتوں کا یہ اثر ہوا کہ خالد بن ولید سردار مکہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا' "یہ شخص جو ایسا دین لایا ہے اور اتنے سادے پیروکار رکھتا ہے' دھوکے باز نہیں ہو سکتا' کیونکہ جو لوگ ان کے اردگرد جمع ہیں' وہ آپ پر سچا ایمان رکھتے ہیں۔ اگر وہ

دھو کے باز یا جھوٹے ہوتے تو لوگ اتنی تعداد میں خلوص نیت کے ساتھ ان پر ایمان نہ لاتے۔''

حضرت میمونہؓ کے نکاح پر آپ نے قریش مکہ کو ولیمہ کی دعوت دینا چاہی لیکن انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً بلا توقف آپ نے مسلمانوں کو لے کر مکہ سے کوچ کیا۔ جونہی مسلمانوں نے مدینہ کی راہ لی۔ خالد بن ولید جو ازدواج حضرت میمونہ کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے نظم وضبط اور ایمان واخلاص سے بہت متاثر تھے' مکہ سے روانہ ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچے اور بطیّب خاطر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میمونہؓ نے حضرت عباسؓ کو اپنا وکیل مقرر کیا اور انہوں نے ان کا نکاح آپ سے کر دیا۔ مکہ سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام سرف میں ٹھہرے اور یہاں عروسی فرمائی۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ سنہ 51 ہجری میں اسی جگہ ام المومنین حضرت میمونہؓ نے انتقال فرمایا اور یہیں دفن ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہیں اور امہات المومنین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ آپ کی چار کنیزیں بھی تھیں۔ جن میں سے دو نے شہرت پائی۔ اوّل حضرت ماریہ قبطیہ ہیں جو آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ماریہ قبطیہ کو شاہ مقوقس والئے مصر نے بطور نذرانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہ نے بعہد حضرت عمرؓ سنہ 16 ہجری میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ دوئم ریحانہ بنت شمعونؓ تھیں۔ یہ خاندان بنوقریظہ یا بنونضیر سے تھیں۔ اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں رہیں۔ تیسری نفیسہؓ ہیں۔ نفیسہ دراصل ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی جاریہ تھیں۔ ایک مرتبہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے دو تین مہینے تک آپ ناراض رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی ہوئے تو اس خوشی میں ام المومنین حضرت زینبؓ نے اپنی باندی نفیسہ آپ کو ہبہ کر دی۔ ان کے علاوہ ایک اور کنیز تھی' جن کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

(زرقانی' ج3' صفحہ 274-271)

تعداد ازدواج

تاریخ عالم کے مسلمات میں ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا میں رواج تھا کہ ایک شخص کی کئی کئی بیویاں ہوتی تھیں حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی متعدد بیویاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کئی بیویاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیسیوں بیویاں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک کی سو بیویاں بتلائی جاتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ایسے دو نبی گزرے ہیں جنہوں نے شادی نہیں کی۔ غرض علمائے یہود و نصاریٰ کو تعداد ازدواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اسلام نے تعداد ازدواج کو جائز قرار دیا لیکن حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے اس لئے کہ نکاح مقصود عفت ہے یعنی پاک دامنی۔ شریعت اسلامیہ نے نہایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا نہ غیر محدود کثرت کی اجازت دی' جس سے شہوت رانی عام ہو جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت نہ دی جائے۔ نکاح کی غرض و غایت عفت اور حفاظت نظر ہے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی' تندرست اور خوشحال بنایا ہے کہ ان کیلئے ایک عورت کافی نہیں ہوتی اور چار تک بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو تعداد ازدواج سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ پرہیز گاری اور پاک دامنی کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ وہ یقیناً بدکاری کے مرتکب ہوں گے۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ امیر آدمی چار غریب عورتوں سے نکاح کر کے ان کی تنگدستی بفراخی کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو ایسا نکاح اسلامی نقطہ نظر سے بلاشبہ عین عبادت ہوگا اور قومی نقطہ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔

تعداد ازدواج پر زبان طعن دراز کرنے والے ان ہلاکت خیز لڑائیوں اور وبائی بیماریوں کے بعد جن میں لاکھوں انسان ہلاک ہو جاتے ہیں اور کثیر تعداد میں عورتیں بے شوہر ہو جاتیں ہیں' یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک عورت پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ کیا اہل مغرب دعویٰ کر سکتے ہیں کہ عالمگیر جنگوں کے بعد ایک عورت پر اکتفاء عملاً بھی ممکن رہا تھا۔ مغربی ممالک میں جو اجتماعی اور اقتصادی بحران رونما ہوا تھا' کیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان قانونی تعاون موجود نہ تھا اور

اگر ہوتا تو تمام بے شوہر عورتیں مردوں کی سرپرستی میں آسکتی تھیں اور اقتصادی توازن برقرار رہ سکتا تھا۔ اس کا فیصلہ مفکرین اور اقتصادی ماہرین ہی کر سکتے ہیں یہاں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ عام زندگی میں ایک بیوی پر اکتفاء خاندان اور معاشرہ کی خوش بختی اور خوشحالی کا موجب ہوتا ہے۔

افسوس اس بات پر ہے کہ اہل مغرب اسلام کے جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعداد ازدواج پر حرف گیری کریں اور اس کو عیش پسندی کہیں اور لامحدود ناجائز تعلقات اور غیر محدود ناجائز آشنائی کو تہذیب اور تمدن کہیں۔ ناجائز تعلقات کو تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں اور تمام حکماء کی حکمتوں میں حرام' قبیح اور شرمناک فعل قرار دیا گیا ہے' لیکن مغرب کے مدعیان تہذیب کو یہ برا نظر نہیں آتا' لیکن تعداد ازدواج کو قبیح قرار دیا جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ ان خود ساختہ مہذب قوموں میں تعداد ازدواج کا قانون تو موجود ہے لیکن ناجائز تعلقات اور بدکاری کا کوئی قانون نہیں۔ فطرت میں تعداد ازدواج اور تنوع کی رعایت موجود ہے' ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون میں انسانوں کی خواہشوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا جو مختلف جذبات والی طباع کو بھی عفت' تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے۔

Hasni

مدنی دور کے اہم واقعات پر نظر ثانی

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت جب مدینہ منورہ پہنچے تو اطمینان سے قیام پذیر بھی نہ ہونے پائے تھے کہ دشمنان مکہ نے متواتر سازشوں' حملوں اور لڑائیوں سے آپ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو پریشان کرنا شروع کردیا۔ یہاں ان اہم واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو قیام مدینہ کے دوران پیش آئے۔ ان واقعات پر غور کرنے سے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوں گی جو مسلمانوں کے کردار کو درست کرنے کیلئے مشعل راہ ثابت ہوں گی۔

تعمیر مسجد نبوی

مسجد نبوی اس جگہ بنائی گئی جہاں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ناقہ خود بخود بیٹھ گیا۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی تھی جنہوں نے قیمت لینے سے انکار کردیا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات منظور نہ فرمائی اور دس دینار قیمت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ پھر زمین کو ہموار کرکے مسجد بنائی' جس کا طول سو گز تھا۔ مسجد کی تعمیر کیلئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اینٹ پتھر خود بھی اٹھا کر لاتے تھے اور زبان مبارک سے فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْآخِرَہ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَہ

الٰہی زندگی تو آخرت ہی کی ہے زندگی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

صحابہ بھی اینٹ گارا لاتے تھے اور یہ رجز یہ شعر پڑھتے تھے۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالرَّسُوْلُ یَعْمَلُ لَذَالِکَ مِنَّا لَعَمَلُ مُضَلَّلُ

رسول خدا کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں۔ یہ بڑی گمراہی کا کام ہے۔
مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔ دیواریں تین گز بلند تھیں۔ ستون کھجور کے تنوں کے اور شہتیر کی جگہ کھجور کے پتھے استعمال کیے گئے۔

صحابہ نے عرض کیا چھت ڈالیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' نہیں! موسیٰ علیہ السلام جیسا عریش ہی خوب ہے۔ یہ مسجد ایسی تھی جس کی چھت بارش میں ٹپکتی رہتی' مٹی گرتی' فرش کیچڑ سا ہو جاتا اور مومنین اسی جگہ سجدہ کیا کرتے تھے۔

(زادالمعاد' ج 1' صفحہ 328)

عبداللہ بن سلام کا اسلام

حضرت عبداللہ بن سلامؓ یہود کے بڑے فاضلوں میں سے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کا سلسلہ نسب ملتا تھا۔ سنہ 1 ہجری میں عبداللہ نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وعظ فرماتے ہوئے سن لیا اور ذیل کے الفاظ یاد کر لئے۔

اَیُّھَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِالسَّلَامِ۔

لوگو! اپنے بیگانے کو سب کو سلام کیا کرو۔ کھانا کھلایا کرو۔ قرابت داروں سے اچھا برتاؤ رکھو۔ رات کو جب لوگ سو رہے ہوں' تم خدا کی عبادت کیا کرو۔ سلامتی کیساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

یہ دلنشین کلمات سن کر عبداللہ بن سلام کا دل نور ایمان سے منور ہو گیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات پر غور کرتا رہا۔ پہلے نبیوں کی پشین گوئیوں کو ذات مبارک پر پوری طرح

منطبق پایا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند حل طلب مسائل، جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ نبی اللہ ہی جواب دے سکتا ہے، دریافت کیے۔ جواب باصواب سن کر عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں، لیکن چاہتا ہوں میری قوم سے میرے متعلق دریافت فرمایا جائے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکابرین یہود کو طلب فرمایا۔ عبداللہ بن سلام اوجھل ہو گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکابر یہود سے دریافت فرمایا کہ عبداللہ بن سلام تمہاری قوم میں کیسے ہیں۔ سب نے جواب دیا کہ وہ عالم بن عالم اور سید ابن سید ہیں اور ہم سب سے بہتر ہیں۔ یہود یہ کہہ ہی رہے تھے کہ عبداللہ بن سلام اوجھل سے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے سامنے آ گئے۔ یہود نے دیکھا تو کہنے لگے کہ تو جاہل بن جاہل اور ذلیل بن ذلیل شخص ہے۔ خداوند کریم نے اس بزرگ کے اسلام سے جملہ یہود پر اپنی حجت ختم فرما دی۔

(زادالمعاد ج1 صفحہ 308۔ صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی عن انس بن مالک)

فاضل راہب کا اسلام سنہ 1 ہجری

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بعد ابوقیس بن صرمہ بن ابی انسؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ عیسائی المذہب راہب نہایت فصیح البیان شاعر و واعظ اور الٰہیات کے فاضل تھے۔ اس بزرگ کے اسلام سے خداوند رحیم نے جملہ نصاریٰ پر حجت ختم کر دی۔

نماز

سنہ 1 ہجری میں فرض نماز میں دو رکعتوں کا اضافہ ہوا۔ دو رکعتیں سفر کیلئے مقرر ہوئیں اور حضر میں نماز ظہر اور عشاء کیلئے چار رکعتیں کر دی گئیں۔

نماز اسلام کا دو رکن ہے جو مسلمان پر سب سے پہلے فرض ہوتا ہے۔ سات برس کے بچہ کو نماز پڑھنا مستحب اور دس برس کے بچہ کو پڑھنا فرض ہے اور سب سے آخر تک یعنی تادم مرگ نماز کی فرضیت صحت و بیماری، خوشی و غمی، سفر و حضر اور خوف و خطر، غرض کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتی، کہی جگہ، کوئی موسم اور کوئی عارضہ ایسا نہیں جو نماز کی معافی دیتا ہو۔

مدت العمر عبادت الٰہی کی مداوت رکھنا کمال استقلال کا مظہر ہے۔ پنجگانہ نماز کے اوقات کی حفاظت پابندی اوقات کی عملی تعلیم ہے۔ جسم' لباس اور مکان کو پاک وصاف رکھنے کا اہتمام صحت جسمانی کی بہترین تدبیر ہے۔ دل ودماغ' زبان واعضاء کو عظمت الٰہی اور جلال کبریائی کے سامنے مودب مہذب رکھنا نورانیت وروحانیت کیلئے عجیب روشنی ہے۔

نماز میں جس قدر پابندی ہے وہ جلد سونے اور جلد جاگنے کی تعلیم دیتی ہے۔ ہر ٹائم ٹیبل کو منظم کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام شہوانی اور نفسانی جذبات وخیالات کو نماز کے ذریعہ سے ملیامیٹ کر دیتا ہے۔

نماز کیلئے مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی تمدن وترقی کی جان ہے۔ اتحاد ویگانگی اور مبادلہ خیالات کا پاک ونیک ذریعہ ہے۔ جاہل نظر ونمونہ سے بہت سی باتیں سیکھ سکتا ہے اور عالم باآسانی تبلیغ کر سکتا ہے۔ امیر وغریب دوش بدوش کھڑا ہو کر مساوات کا سبق سیکھتا ہے اور سچے دین کے انصاف سے اپنی روح کو تسکین دے سکتا ہے جو لوگ ترک صلوٰۃ کے مرتکب ہوتے ہیں یا مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی میں کوتاہی کرتے ہیں وہ ان اخلاقی فضائل سے محروم رہ جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے اخلاق عالیہ سے محروم لوگ قوم کیلئے باعث فخر واحترام نہیں ہوتے۔

اذان

اذان کا طریق سنہ 2 ہجری میں جاری ہوا۔ اذان کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ سب مسلمان مل کر ایک وقت پر نماز ادا کر سکیں۔ مشورہ طلب امر یہ تھا کہ جمع کرنے کا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ مجوس کے طریقے پر کسی بلند جگہ آگ روشن کی جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ یہود کے طور طریق پر سینگ (بگل) بجایا جائے۔ کوئی کہتا کہ نصاریٰ کے طریقہ پر گھنٹیاں بجائی جائیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے کسی طریقہ کو پسند نہ فرمایا۔ پھر عبداللہ بن زید انصاریؓ اور عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ انہوں نے خواب میں ان الفاظ کو سنا ہے جو اذان میں کہے جاتے ہیں۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ کو باآواز بلند پکارنے کا حکم دیا۔ یہ الفاظ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشاء عالی کو پورا کرتے تھے' جو تشریع احکام میں ہمیشہ منظور خاطر رہے ہیں۔ اذان اطلاع دہی کا سادہ وآسان طریق ہے جو عالمگیر مذہب کے

ضروری تھا۔ اذان دراصل اصول اسلام کی اشاعت اور اعلان ہے۔ مسلمان اس ذریعہ سے ہر آبادی کے جملہ باشندوں کو اپنے اصول پہنچا دیتے ہیں اور انہیں راہ نجات سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ اذان ثابت کرتی ہے کہ اسلام نے یہ طریقہ بت پرستی کے انسداد اور توحید کی تائید کیلئے جاری کیا تھا۔

حضرت سلمان فارسی کا اسلام

سنہ 2 ہجری میں حضرت سلمان فارسیؓ مسلمان ہوئے۔ وہ اصفہان کے باشندے تھے۔ ان کے قدیم مذہب میں ابلق گھوڑے کی پرستش کی جاتی تھی۔ دین حق کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ عرب میں کسی نے ان کو پکڑ کر غلام بنایا اور بیچ دیا۔ یہ یہودی مذہب کے پیرو کار ہو گئے تھے جس یہودی کے پاس تھے وہ اکثر انہیں ایک پیدا ہونے والے نبی کے اوصاف بیان کرتا رہتا تھا۔ حضرت سلمان نے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علامات و آثار اور اخبار جو اپنے آقا سے سنے تھے پا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا اور مسلمان ہو گئے اور ملک فارس کا پہلا پھل کہلائے۔

تحویل قبلہ

نماز آغاز نبوت میں ہی فرض ہو چکی تھی' مگر قبلہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اس لئے مکہ کی اقامت کے عرصہ میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس کو ہی قبلہ بنائے رکھا اور مدینہ منورہ پہنچ کر بھی یہی عمل جاری رہا' مگر ہجرت کے دوسرے سال یا بعض روایات کے مطابق سترہ ماہ بعد خدا نے اس بارے میں حکم نازل فرمایا۔ یہ حکم رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلی منشاء کے مطابق تھا کیونکہ نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل سے چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ وہ مسجد ہو جس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے' جسے مکعب شکل کی عمارت ہونے کی وجہ سے کعبہ اور صرف عبادت الٰہی کیلئے بنائے جانے کی وجہ سے بیت اللہ اور عظمت و حرمت کی وجہ سے مسجد الحرام کہا جاتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں رہے اس وقت تک بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ رہا کیونکہ مشرکین مکہ بیت المقدس کے احترام کے قائل نہ تھے اور کعبہ

انہوں نے خود ہی اپنا معبد بنا رکھا تھا اس لئے شرک چھوڑنے اور اسلام قبول کرنے کی بین علامت مکہ میں یہی رہی کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرے۔

جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے وہاں زیادہ تر یہودی اور عیسائی آباد تھے وہ مکہ کی مسجد الحرام کے قائل نہ تھے اور بیت المقدس کو وہ بیت ایلیا ہیکل تسلیم کرتے تھے اس لئے مدینہ میں اسلام قبول کرنے اور آبائی مذہب چھوڑنے کی علامت یہ ٹھہری کہ مکہ کی مسجد الحرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ حکم الٰہی کے مطابق یہی مسجد ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کا قبلہ قرار دی گئی۔ اس مسجد کو قبلہ قرار دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دی۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ

یہ مسجد دنیا کی سب سے پہلی مبارک عمارت ہے جو عبادت الٰہی کی غرض سے مکہ میں بنائی گئی اور تمام عالموں کیلئے ہدایت ہے۔

پس اسے چونکہ تقدیم زمان اور تاریخی عظمت حاصل ہے۔ اس لئے اس کو قبلہ قرار دیا جانا مناسب ہے اور یہ کہ مسجد کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور حضرت ابراہیم ہی یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں کے جد اعلیٰ ہیں۔ اس لئے ان شاندار قوموں کے پدر بزرگوار کی مسجد کو قبلہ قرار دینا ایک الہامی حقیقت کو اجاگر کرتا ہے۔

زکوٰۃ سنہ 2 ہجری

علم اقتصادیات تمدن کا سب سے مشکل مسئلہ ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۚ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○

(سورۃ النحل۔71)

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے۔ پھر جن لوگوں کو یہ فضیلت

دی گئی ہے۔ وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دیا کرتے ہوں تا کہ دونوں اس رزق میں برابر کے حصہ دار بن جائیں۔ تو کیا اللہ ہی کا احسان ماننے سے ان لوگوں کو انکار ہے O

اسلام مسلمانوں کو دنیا کی برتر متمدن قوم بنانا چاہتا ہے' اس لئے ابتدا ہی میں اس مسئلہ پر بھرپور توجہ کی اور اسے ہمیشہ کیلئے طے کر دیا۔ اسی کا نام فرضیت زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ سنہ 2 ہجری میں مسلمانوں پر فرض ہوئی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیک اور دردمند دل پہلے ہی مسکینوں اور غریبوں کا ہمدرد' رحم کرنے والا اور غمگسار تھا۔ مسلمان کو شروع ہی سے مساکین وغرباء کی دستگیری پر خصوصیت سے توجہ دلائی جاتی تھی۔ مسلمان اس نیک و پاک تعلیم کی بدولت غرباء و مساکین کیلئے بہت کچھ کیا کرتے تھے تاہم کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہ تھا جس پر بطور آئین وضابطہ عمل کیا جا سکے۔ اس لئے دولت مند جو کچھ کرتے تھے اپنی فیاضی اور نیک دلی سے کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض اور اسلام کا تیسرا رکن' کلمہ شہادت اور نماز کے بعد قرار دیا۔ زکوٰۃ دراصل اس ہمدردی اور رحم کے باقاعدہ استعمال کا نام ہے جو انسان کے دل میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ فطرتاً موجود ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت اخلاق انسانی کو مغلوب نہیں کرتی اور بخل و امساک کے عیوب سے انسان کو پاک وصاف کر دیتی ہے اور غرباء مساکین کو قوم کا جزو سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے بے حد دولت کا جمع ہونا بھی تکبر و غرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔ زکوٰۃ کا قومی فائدہ یہ ہے کہ بھیک مانگنے کی رسم قوم سے بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ وصدقات کے مستحقین کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ O

(سورۃ التوبہ۔60)

حقیقت یہ ہے کہ صدقات تو دراصل فقراء و مساکین کیلئے ہیں اور (ان کیلئے ہیں) جو مامور ہیں صدقات کے کام پر اور (ان کیلئے) جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو۔ نیز گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر نوازی میں (خرچ کرنے کیلئے ہیں)۔ یہ

فریضہ ہے' اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا' بڑی حکمت والا ہے O

فرضیت رمضان سنہ 2 ہجری

رمضان المبارک کے روزے بھی سنہ 2 ہجری میں فرض ہوئے اور سال میں ایک روزے رکھنا اسلام کا چوتھا رکن قرار پایا۔ روزے صحت کیلئے مفید ہیں۔ امراء غرباء کی حالت باخبر رہتے ہیں۔ شکم سیروں اور فاقہ مستوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کرنے سے قوم میں مساوات اصولوں کو تقویت دیتے ہیں۔ قوت ملکیہ کو قوی اور قوت حیوانیہ کو کمزور بناتے ہیں۔ روزے ترسی کی طاقت انسان کی اندر محکم کرتے ہیں۔

ثمامہ بن اثال کا اسلام سنہ 5 ہجری

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ 5 ہجری میں کچھ سوار جانب نجد روانہ فرمائے وہ واپس ہوئے ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لائے۔ انہیں مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دریافت فرمایا ''ثمامہ کیا حال ہے'' ثمامہ نے جواب دیا ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حال اچھا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے قتل کا حکم دیں تو یہ حکم ایک خونی کے حق میں ہوگا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انعام فرمائیں گے تو ایک شکرگزار پر رحمت کریں گے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہیے دیجئے' دوسرے روز نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ سے پھر وہی سوال کیا۔ اس جواب دیا' میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احسان فرمائیں گے تو ایک شکرگزار شخص پر فرمائیں گے۔ تیسرے روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ثمامہ سے وہی سوال کیا۔ اس نے کہا' میں اپنا جواب دے چکا ہوں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ثمامہ کو کر دو۔ ثمامہ رہائی پاتے ہی ایک کھجور کے باغ میں گیا' غسل کیا اور پھر مسجد نبوی میں لوٹ آیا کلمہ پڑھا۔ ثمامہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماضی میں آپ سے زیادہ اور کسی مجھے نفرت نہ تھی لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مجھے دنیا میں سب سے بڑھ کر پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مکہ عمرہ کی غرض سے جا رہا

کہ راستہ میں گرفتار کرلیا گیا۔اب عمرہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اسلام قبول کرنے کی مبارک دی اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت دی۔ثمامہؓ مکہ پہنچے تو ایک شخص نے کہا سنا ہے تم صابی ہو گئے ہو۔ثمامہ نے جواب دیا نہیں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں اور اسلام قبول کرلیا ہے۔اب یادرکھنا کہ ملک یمامہ سے تمہارے پاس ایک دانہ گندم نہ آئے گا جب تک کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت نہ ہوگی۔ثمامہؓ نے اپنے ملک پہنچتے ہی مکہ جانے والا اناج بند کردیا۔غلہ رک جانے سے مکہ والے بلبلا اٹھے۔آخر انہیں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجا کرنی پڑی۔نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ کو لکھ بھیجا کہ غلہ بدستور جانے دیا جائے۔نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کی جان بخشی فرمائی اور وہ تین روز بعد رضا کارانہ مسلمان فدائی بن گیا۔

(بخاری۔کتاب المغازی عن ابی ہریرہ)

عدی بن حاتم طائی کا اسلام سنہ 9 ہجری

سنہ 9 ہجری میں یمن کے قبیلہ بنی طے نے اس وقت بغاوت کی جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ وہاں کے حاکم اعلیٰ تھے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے باغیوں کو گرفتار کرکے مدینہ بھیج دیا۔ان میں عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔اس نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا

''میں سردار قوم کی بیٹی ہوں' میرا باپ رحم وکرم میں مشہور تھا۔بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا' غریبوں پر رحم کی کرتا تھا' وہ مر گیا۔بھائی شکست کھا کر بھاگ گیا۔اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر رحم فرمائیں۔''

یہ سن کر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں۔'' اس کے بعد اسے اس کے متعلقین کے ساتھ آزاد فرمادیا اور زادراہ اور لباس عنایت فرمایا۔

عدی سردار قوم تھا اور مال غنیمت سے ایک چوتھائی حصہ اپنی قوم سے وصول کرتا تھا۔عیسائی المذہب ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے کا بادشاہ بھی کہلاتا تھا۔ان کا کہنا ہے کہ میری بہن رسول رحمت سے آزادی حاصل کرنے کے بعد میرے پاس آئی۔وہ بہت عقل مند تھی۔اس نے

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت تعریف کی اور کہا کہ تو ان کے پاس چلا جا۔ اگر وہ نبی ہیں تب تو سابقین کی فضیلت کیوں ضائع کر رہا ہے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تب بھی ان کے پاس جانے سے ذلیل نہ ہوگا۔ بہن کے مشورہ پر میں مدینہ آیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تھے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر آئے۔ راستے میں ایک بڑھیا نے آپ کو دیر تک ٹھہرائے رکھا۔ میں نے دل میں کہا "یہ شخص ہرگز بادشاہ نہیں ہوسکتا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر پہنچے تو مجھے ایک چمڑے کے گدے پر بیٹھنے کو کہا میں نے کہا نہیں، اس پر آپ بیٹھیں۔ فرمایا نہیں تم بیٹھ جاؤ اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میرے دل نے پھر گواہی دی، یہ ہرگز بادشاہ نہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم عیسائیت کے قدیم فرقہ 'رکوسی' سے تعلق رکھتے ہو" میں نے جواب دیا ہاں فرمایا "تم اپنی قوم سے غنیمت اور پیداوار سے چہارم لیا کرتے ہو" میں نے کہا ہاں۔ "فرمایا "ایسا کرنا میرے دین میں جائز نہیں" میں نے کہا سچ ہے اور میں نے دل میں کہا کہ یہ ضرور نبی ہیں۔ سب کچھ جانتے ہیں۔ ان سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا "عدی اسلام میں داخل ہونے سے تم کو کیا چیز مانع ہے۔ بخدا مسلمانوں میں اس قدر مال ہونے والا ہے کہ کوئی شخص مال لینے والا نہ رہے گا۔ بخدا وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور حج کرے گی۔ اسے کسی کا ڈر یا خوف نہ ہوگا۔ واللہ وہ وقت قریب آ رہا ہے۔ جب ارض بابل کا سفید محل' نوشیروان کا دربار' دیوان خانہ مسلمانوں کے ہاتھ پر مفتوح ہوگا' عدی کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہوسکتا ہے' اللہ سے بھی کوئی بڑا ہے" عدی کہتا ہے اس تقریر کے بعد میں مسلمان ہوگیا۔ میرے اسلام لانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بشاشت اور فرحت کے آثار نمایاں ہوگئے۔

(تاریخ طبری)

حج سنہ 9 ہجری

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے اور سنہ 9 ہجری میں فرض ہوا اور اسی سال رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحاج بنا کر تین سو اصحاب کے ہمراہ حج کا فریضہ

ادا کرنے کیلئے مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔ اسلام محبت کا پیغام ہے' بچھڑے ہوؤں کو ملاتا ہے' بیگانوں کو یگانہ اور آشناؤں کو صدیق بنا دیتا ہے۔ احکام اسلام کا منشا بھی یہی ہے کہ مختلف افراد کو ملت واحدہ بنا کر کلمہ توحید پر جمع کرے۔

1- اہل محلہ میں محبت واتحاد پیدا کرنے قائم رکھنے اور پنجگانہ نمازوں کے اوقات میں محلہ کی مسجد میں اہل محلہ کا جمع ہونا واجب کیا گیا ہے۔

2- اہل شہر میں محبت وتعلقات بڑھانے اور قائم رکھنے کیلئے ہفتہ میں ایک بار مسجد میں جمع ہو کر نماز جمعہ ادا کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔

3- اہل شہر' قصبات' دیہات اور قرب و جوار میں رہنے والوں کے تعارف وتعلق' محبت و یگانگت اور شناسائی قائم کرنے اور مستحکم کرنے کیلئے سال میں عیدین کی نماز کو سنن ہدیٰ قرار دیا گیا ہے۔

4- عالم اسلام میں رابطہ دین کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے مختلف قوموں' نسلوں' زبانوں' رنگتوں اور مختلف ممالک کے باشندوں کو وحدت اسلامی میں مربوط کرنے کیلئے عمر میں ایک دفعہ حج حسب استطاعت فرض قرار دیا گیا۔

5- حج میں سب کیلئے سادہ بن سلایا لباس جو نسل انسانی کے پدر حضرت آدم علیہ السلام کا تھا' تجویز کیا گیا ہے تا کہ ایک خدا' ایک رسول' ایک قرآن' ایک قبلہ اور ایک کلمہ پر ایمان رکھنے والے ایک ہی صورت اور ایک ہی لباس میں ایک سطح پر نظر آئیں اور چشم ظاہر بین کو اتحاد معنوی رکھنے والوں کے درمیان کوئی ظاہری اختلاف محسوس نہ ہو۔

6- حج کیلئے وہ مقام مقرر فرمایا جہاں صابی' یہودی' عیسائی اور مسلمانوں کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کی اولین عبادت گاہ تعمیر فرمائی اور جس کی تائید زمان و مکان کے اعتبار سے کثرت رائے سے ہوتی ہے۔

7- حج سے مقصود شوکت اسلام کا اظہار بھی ہے اور مسلمانوں کو سفر بحر و بر سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں ان سے استفادہ کیا جا سکے۔

سنہ 9 ہجری کے حج میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سورۃ توبہ کی پہلی چالیس آیات بلند

آواز سے تلاوت کیں اور اعلان کیا اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پائے گا اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کعبہ کر سکے گا۔

اولاد کرام

حضرت قاسم

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔ قاسم، عبداللہ (کو طیب و طاہر بھی کہا جاتا ہے) اور ابراہیم زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما صاحبزادیاں تھیں۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے دو فرزند قاسم اور عبداللہ اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ قاسم اور عبداللہ بزمانہ طفلی بعثت سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ اگرچہ صفحۂ ہستی سے ان کے نقوش ناپید ہو گئے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ والدین کو ان کی موت سے بے حد قلق ہوا، خصوصاً ام المومنین حضرت خدیجہؓ کو ان بچوں کی وفات کا صدمہ بہت زیادہ ہوا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنے فرزندوں کی وفات کا کافی غم تھا اور کبھی ان کی یاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل سے فراموش نہ ہوئی۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے چہرہ پر آثار حزن و ملال دیکھ کر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داغ بھی تازہ ہو جاتے تھے۔ اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر کہ اس زمانہ میں عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے یہ بات باآسانی سمجھ آ سکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ پر قاسم اور عبداللہ کی موت کتنی شاق گزری ہوگی اور یہ واقعہ اس غم کی روشن دلیل ہے کہ جب زید بن حارثہ ایک غلام کی حیثیت سے فروخت ہونے کیلئے آئے تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے اصرار کیا کہ اسے خرید لو۔ جب سودا ہو گیا تو زید کو آزاد کر کے متبنیٰ بنا لیا۔ بعد میں ان کا نام زید بن حارثہ کی بجائے زید بن محمد مشہور ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین صحابہ میں شمار ہونے لگا۔ ظہور اسلام کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنی احکام کی روشنی میں بیٹیوں کے زندہ درگور کرنے

حکم امتناعی صادر کیا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے تو اس ارشاد سے اسلام میں عورت کا درجہ اور بھی زیادہ بلند ہو گیا۔

حضرت ابراہیم

کچھ ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا جس کا نام ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر جو فطرتاً حنیف تھے ابراہیم رکھا۔ حضرت ماریہ قبطی کیلئے مسجد نبوی سے متصل کوئی علیحدہ مکان نہ تھا۔ بلکہ مدینہ کے اطراف میں جواب مشربہ ام ابراہیم کہلاتا ہے۔ حضرت ماریہ قبطیہ کو ایسا مکان ملا تھا جس کے اردگرد انگور کی بیلیں تھیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد آپ کی تمام ازدواج مطہرات سے کسی کے ہاں پورے دس سال میں کسی بچے یا بچی کی ولادت نہ ہوئی۔ جب ماریہ قبطیہ کے ہاں ابراہیم تولد ہوئے تو آپ کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس لئے آپ کا دل مسرت سے لبریز ہو گیا۔ آپ نے ابورافع کی بیوی کو ابراہیم کی دایہ مقرر فرمایا اور اس کی بہت آؤ بھگت فرماتے تھے۔ آپ نے ابراہیم کی ولادت پر ہر مسکین کو ان کے سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ ابراہیم کی دودھ پلانے والی کو ان کے سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ ابراہیم کی دودھ پلانے والی ام سیف کو سات بکریاں بھی دیں تاکہ روزانہ ان کا دودھ ابراہیم کو پلایا کرے۔

آپ کی یہ مسرت چند ماہ تک ہی قائم رہی کیونکہ ابراہیم بیمار ہو گئے اور ان کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین ان کی تیمار داری کرتیں، غرض جب ابراہیم کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو آپ غم سے اس قدر نڈھال ہوئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سہارے ابراہیم کو دیکھنے آئے۔ ابراہیم اپنی والدہ کی گود میں دم توڑ رہے تھے۔ آپ نے انہیں اپنی گود میں لیا۔ آپ پر شدت غم کا غلبہ تھا آپ نے ابراہیم سے فرمایا ''اے ابراہیم ہم تیرے لئے غمگین ہیں'' پھر شدت غم سے آپ پر سکوت طاری ہو گیا اور چشمان مبارک سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ نکلے۔ ابراہیم کی والدہ اور خالہ رو رہی تھیں۔ آپ نے ان کو اس فعل سے روکا۔ ابراہیم کی موت سے آپ کی امید کا چراغ گل ہو گیا۔ اس سانحے سے آپ پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا۔

''اے ابراہیم اگر موت ایک برحق اور سچا وعدہ نہ ہوتا اور ہم میں پیچھے رہ جانے والے آگے والوں سے نہ جاملا کرتے تو ہم تجھ پر اس سے زیادہ اظہار غم کرتے۔ آنکھ روتی ہے اور دل غم زدہ ہے لیکن ہم اس بات کے سواء جو خدا کو خوش کرنے والی ہے کوئی بات منہ سے نہیں نکالتے۔ اے ابراہیم ہم غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں''

(زرقانی' ج3' صفحہ 202-199-195-193- سیرۃ الرسول' محمد حسین ہیکل' صفحہ 575)

اُم بردہ یا فضل بن عباس نے غسل دیا اور میت کو ایک چھوٹے سے تختے پر اٹھا کر لے گئے۔ نماز جنازہ آپ نے خود پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ نے قبر کے شگافوں اور دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا اور اپنے دست مبارک سے قبر کی مٹی ہموار کی' اس پر پانی چھڑکا اور شناخت کیلئے قبر پر کوئی چیز نصیب فرمائی۔ اتفاق سے اس دن سورج گرہن تھا۔ لوگ کہنے لگے کہ سورج کو ابراہیم کی موت کے سبب گہن لگا ہے۔ آپ نے ان لوگوں کی طرف دیکھا اور فرمایا ''چاند سورج خدائی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ وہ کسی کی موت یا زندگی سے نہیں گہنائے جاتے۔ جب تم سورج یا چاند گرہن دیکھو تو نماز پڑھ کر خدا کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔''

حضرت زینبؓ

حضرت زینبؓ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور جنگ بدر کے بعد ہجرت کی۔ اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ سنہ 8 ہجری میں انتقال ہوا ایک لڑکا اور لڑکی اپنی یاد چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔

حضرت رقیہؓ

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے منسوب تھیں اور صرف نکاح ہوا تھا۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ابولہب کے مجبور کرنے پر دونوں بیٹوں نے رخصتی سے پہلے ہی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت اختیار کی۔

حبشہ میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا لیکن وہ چھ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کیلئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بیمار تھیں۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ جس دن زید بن حارث اسلام کی فتح اور مشرکین کی شکست کی خبر لے کر مدینہ پہنچے اسی دن حضرت رقیہ نے انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔

(الاصابہ، ج4، صفحہ 304)

حضرت ام کلثومؓ

اُم کلثوم اسی کنیت سے مشہور ہیں غالباً یہی آپ کا نام تھا۔ حضرت رقیہ کی وفات کے بعد ماہ ربیع الاوّل سنہ 3 ہجری میں حضرت عثمان سے نکاح ہوا۔ چھ سال حضرت عثمان کی زوجیت میں رہیں لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ شعبان سنہ 9 ہجری میں انتقال فرمایا۔ رسول رحمتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر کے کنارے بیٹھے رہے اور آپ کی چشمان مبارک سے آنسو جاری تھے۔

(زرقانی، ج3، صفحہ 199)

حضرت فاطمۃ الزہراؑ

فاطمہ آپ کا نام، زہرا اور بتول آپ کے لقب تھے۔ ابن عبدالبر کے مطابق بعثت کے پہلے سال پیدا ہوئیں۔ کچھ تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں جب کعبہ کی تعمیر نو ہو رہی تھی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ سنہ 2 ہجری میں آپ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ بوقت نکاح آپ کی عمر پندرہ سولہ سال تھی اور حضرت علی اکیس یا چوبیس برس کے تھے۔ حضرت فاطمہ کی پانچ اولادیں تھیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں، لڑکے حضرت حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور حضرت محسن اور لڑکیاں ام کلثوم اور حضرت زینبؑ۔

حلیہ مبارک رسول کریمؐ

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے نہ پست قد' میانہ قد تھے۔ سر مبارک بڑا تھا' ریش مبارک گھنی تھی۔ آپ کے سر اور ریش مبارک میں چند بال سفید تھے۔ چہرہ نورانی اور نہایت خوبصورت تھا۔ جس نے بھی آپ کا چہرہ مبارک دیکھا نہایت مدزان' متوازن اور منور بیان کیا۔ آپ عطر بہت استعمال فرماتے تھے۔ بسا اوقات پینے کے پانی کو بھی معطر فرماتے اس لئے آپ کا بدن مشک اور عنبر کی مانند معطر رہتا۔ دونوں شانوں کے درمیان دائیں شانہ کے قریب مہر نبوت تھی۔ دو شانوں کے درمیان سرخ گوشت کا ٹکڑا کبوتر کے انڈے کے مانند تھا۔ یہ مہر نبوت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا خاص نشان تھی۔ سر کے بال اکثر کندھوں تک اور کبھی نرمہ گوش تک لٹکتے رہتے تھے۔ بالوں میں کنگھی اور آنکھوں میں سرمہ استعمال فرماتے تھے۔ لباس نہایت سادہ تھا' فقیرانہ اور درویشانہ زندگی تھی۔ عام طور پر آپ تہہ' چادر' کرتہ اور جبہ استعمال فرماتے تھے۔ کمبل جس میں پیوند لگا ہوتا تھا اوڑھا کرتے۔ چادر یمنی' سبز اور سرخ دھاری دار بہت مرغوب تھی خالص سرخ لباس سے منع فرماتے۔ ٹوپی سر سے چمٹی ہوتی تھی اور اوپر عمامہ باندھتے۔ فرمایا کرتے ہم اور مشرکین میں یہی فرق ہے کہ ہم ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں۔ جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکاتے۔

(خصائص کبریٰ' ج 1' صفحہ 60۔ زرقانی' ج 5' صفحہ 45)

روم پر چڑھائی کا ارادہ

حجۃ الوداع بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا اور انسانوں کا جم غفیر جنہیں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشایعیت میں حج کی ادائیگی کا شرف حاصل ہوا تھا' اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہو گئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ دریں اثناء عرب میں اسلام کی ترقی اوج کمال کو پہنچ گئی۔ قبائل عرب پے در پے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے سر تسلیم خم کر رہے تھے۔ وہ سرزمین جو پہلے فتنہ وفساد کا گڑھ تھی' اب اسلام کی برکت سے امن وسلامتی کی سرزمین میں تبدیل ہو چکی تھی۔ قبائل کے سردار اور مختلف علاقوں کے رؤسا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر متفق ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا سربراہ تسلیم کر چکے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبول اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مراتب کو قائم رکھا اور کسی کو اس کے منصب سے محروم نہ فرمایا۔ یمن میں سلطنت فارس نے ایک شخص باذان کو عامل مقرر کیا تھا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے

منصب پر برقرار رکھا اور وہ یمن میں اسلام کا پرجوش داعی ثابت ہوا۔ چند لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام کی ترقی دیکھ کر آتش حسد میں جل بھن رہے تھے۔ لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مخالفت کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ عرب پر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ اکثریت بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر خدائے حی وقیوم کے آگے سر تسلیم خم کر چکی تھی اور جلوہ حق سے منور ہو کر خدائے واحد وقہار کے آگے سجدہ ریز ہو چکی تھی۔

جھوٹے نبیوں کا خروج

اس بناء پر جب عرب کے بعض علاقوں میں نبوت کے مدعیوں نے سر اٹھانا شروع کیا تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہ فرمائی۔ دور دراز علاقوں کے باشندوں نے اپنے اپنے قبیلوں کے مدعیان نبوت کی پیروی شروع کر دی لیکن اسلام کو عرب میں اس قدر نفوذ حاصل ہو چکا تھا کہ اب اس کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین حق کی اشاعت کی خاطر جس قدر مصائب وآلام برداشت فرمائے تھے ان کا پرچار دور دور تک پھیل چکا تھا اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کسی کی طاقت نہ تھی کہ ان کا عشر عشیر بھی برداشت کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لئے کامیاب ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق وصداقت کی خاطر کھڑے ہوئے تھے لیکن ان مدعیان کا سارا کاروبار جھوٹ اور افترا پر مبنی تھا۔ انہیں کس طرح کامیابی نصیب ہو سکتی تھی۔ ان مدعیان میں سے طلحہ بنو اسد کا سردار تھا اور عرب کے بہادروں میں شمار ہوتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے قافلے کو صحرا میں پانی نہ ملا اور اتفاقاً اس کے منہ سے نکل گیا کہ تمہیں بہت جلد پانی مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑی دیر سفر کے بعد قافلہ ایک چشمہ پر پہنچ گیا۔ طلحہ نے اس ''معجزہ'' کو اپنی نبوت کی صداقت کے ثبوت پر پیش کرنا شروع کر دیا تاہم وہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں علم بغاوت بلند

کرنے کی جرأت نہ کرسکا اس کی بغاوت کا آغاز حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے ابتدائی دور میں ہوا لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کو شکست دی اور وہ دوبارہ اسلام کی صفوں میں شامل ہو گیا اور استقامت سے اسلام پر قائم رہا۔

طلحہ کے علاوہ نبوت کے مدعی مسیلمہ اور اسود عنسی تھے۔ مسیلمہ بنو حنیفہ کا سردار تھا۔ اس نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خط لکھا کہ جس طرح خدا نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اسی طرح مجھے بھی خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ عرب کا نصف علاقہ میرا ہے اور نصف قریش کا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خط ملاحظہ فرما کر مسیلمہ کے ایلچیوں کو فرمایا ''اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا' تو میں تمہیں قتل کرا دیتا'' مسیلمہ کو یہ جواب ارسال فرمایا کہ ''میں نے تمہارا خط سنا' یہ سرتاپا خرافات ہے۔ تم نے عرب کے نصف حصے پر اپنا حق جتایا ہے' لیکن ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہ اپنے نیک بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے''

رومی سلطنت پر چڑھائی کا ارادہ

جنوبی عرب کے لوگ اسلام قبول کر کے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی دل و جان میں داخل ہو چکے تھے لیکن شمال کی جانب سے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر خطرہ محسوس فرما رہے تھے۔ کیونکہ رومی سلطنت مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خطرہ سے عہدہ برآ ہونے کا ارادہ فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ غزوہ موتہ کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رومی خطرہ کا شدت سے احساس تھا۔ اس غزوہ میں رومیوں کے لشکر جرار کے ہاتھوں اسلامی فوج کو سخت زک پہنچی تھی اور اگر حضرت خالد بن ولید کی جنگی مہارت کام نہ دیتی تو لشکر اسلام کا ایک ایک آدمی شہید ہو جاتا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ شمالی سرحدوں کی سختی سے نگرانی کی جائے اور سرحدی

علاقہ میں اسلامی سلطنت کی حدود کو مضبوط بنایا جائے۔ اس طرح ایک طرف رومیوں کی جارحانہ کارروائیوں کا سد باب ہو جاتا اور دوسری طرف جلاوطن عیسائی جو فلسطین میں جابسے تھے اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ جوں ہی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ رومی' عرب سرحدوں پر حملہ کی فکر کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بھاری لشکر تیار فرمایا اور بنفس نفیس اسے لیکر تبوک پہنچ گئے۔ اب رومیوں کو معلوم ہوا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود تپتے ہوئے صحراؤں کو عبور کر کے ان کے مقابلے پر تشریف لا رہے ہیں تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے اپنی فوجوں کو سرحدوں سے پیچھے ہٹا لیا۔ اس کے باوجود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شمالی جانب سے بے پرواہ نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر آن خدشہ رہتا کہ نجران اور عرب کے دیگر علاقوں کے جلاوطن عیسائی رومی سلطنت کے ذریعہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے واپسی پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام بھیجنے کیلئے ایک لشکر کی تیاری شروع فرما دی۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر اور اوّلین صحابی بھی شامل تھے۔ لشکر کا سردار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو منتخب فرمایا۔

اسود عنسی کی بغاوت

اسود عنسی جس کا نام عبہلہ بن کعب اور لقب ذوالحمار تھا' ایک شعبدہ باز کاہن تھا اور اپنی شیریں کلامی سے لوگوں کے دل موہ لیتا تھا۔ رہنے والا نہف خبان کا تھا۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور قبیلہ مذحج نے اس کے دعویٰ کو قبول کر لیا۔ اہل نجران نے بھی اس کی ہمنوائی کی اور بغاوت کر کے عمرو بن حزم اور خالد بن سعید بن العاصی کو وہاں سے نکال دیا اور اسود کو وہاں کی علمداری دے دی۔ اسی طرح قیس بن مسیک کو قبیلہ مراد کے علاقہ سے نکال دیا۔ پھر اس

نے سات سو سواروں کے ساتھ شہر بن بازان حاکم صنعا کو شکست دیکر قتل کر دیا اور صنعا اور حضرموت کے تمام علاقہ پر عدن تک غالب آ گیا۔ اس کا اثر نفوذ آگ کی طرح پھیلتا گیا جس سے یمن کے اکثر لوگ دین اسلام سے پھر گئے۔ عمرو بن معدی کرب پہلے خالد بن سعید کے ساتھ تھا لیکن بعد ازاں اس نے بھی اسود کے دعوے کو قبول کیا اور قبیلہ مذحج کا حاکم بنا دیا گیا۔ معاذ بن جبل یمن سے بھاگ نکلے اور جب ان کا گزر ابوموسیٰ اشعری پر ہوا جو مارب میں تھے تو وہ بھی معاذ کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ معاذ حضرموت میں قبیلہ سکون میں جا اترے اور ابوموسیٰ اشعری کا سک قبیلہ میں۔ عمرو بن حزم اور خالد بن سعید مدینہ جا پہنچے اور طاہر بن ابی ہالہ قبیلہ عک کے علاقہ میں مقیم ہو گئے۔

جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان حالات کی خبر ملی تو آپ نے وبر بن یحنس کے ہاتھ ابوموسیٰ، معاذ اور طاہر کو لکھ بھیجا کہ یا تو اسود کا خاتمہ کر دیں یا علی الاعلان اس سے جنگ کریں اور جو لوگ صاحب ہمت، صاحب عزیمت اور صاحب ایمان ہوں انہیں بھی یہ پیغام پہنچا دیں۔ معاذ اور ایرانی اس مہم کیلئے کمربستہ ہو گئے اور قیس بن عبدیغوث بھی ان میں شریک ہو گئے۔ فیروز کے ساتھ اسود کی زوجہ جو فیروز کی چچا زاد بہن بھی تھی اسود کے قتل کی سازش میں ان کے ساتھ ہو گئی۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عامر بن شہر ہمدانی کو لکھا اور جریر بن عبداللہ کو ذوالکلاع، ذومران اور ذوظلیم کی طرف بھیجا اور وادی نجران کے عربوں اور نصاریٰ کی طرف بھیج دیا کہ سب لوگ اسود کے مقابلہ کیلئے ایک جگہ ہو کر مقابلہ کریں۔ اسود کو خبر ملی کہ قیس، فیروز اور دداویہ غداری کرنے والے ہیں، چنانچہ اس نے ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن وہ بھاگ کر اس کی بیوی کے پاس پہنچ گئے، جو سازش میں میں شریک تھی۔ چنانچہ قیس نے رات کو اس کی گردن مروڑ ڈالی اور اسے ذبح کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو دداویہ نے اذان دی اور وبر بن یحنس نے نماز پڑھائی۔ آخر کار صنعا اور جند کے مقامات نے اسود کے ساتھیوں سے خلاصی پائی اور نبی رحمت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اپنی اپنی عملداری کی طرف واپس آئے۔ حضرت معاذ اتفاق رائے سے صنعا کے گورنر مقرر ہوئے۔ صحابہ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام حالات کی اطلاع دی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے ہی اطلاع ہو چکی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد فرمایا کہ اسود عنسی مارا گیا' اس کو ایک مبارک شخص فیروز نے قتل کیا ہے۔ بعد میں یمن کے قاصد آئے مگر اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا چکے تھے۔

(تاریخ ابن خلدون' ج 1' صفحہ 423-420)

اسلام کی عالمی حیثیت

اسلام کی عالمی حیثیت کے قیام کے سلسلہ میں دو بڑی جنگیں عالمی طاقتوں کے درمیان ہو چکی تھیں اور تیسری مہم کی تیاری کا حکم دربار نبوت سے نافذ ہو چکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اوّل نے اس حکم کی تعمیل کی اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ سنت رسول کی پیروی بے چوں وچرا کتنی ضروری ہے اور کس قدر رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوتی ہے یہ جنگیں حسب ذیل تھیں۔

1۔ جنگ موتہ۔ اس میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل نہ تھے۔

2۔ غزوہ تبوک جو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت وقیادت میں ہوا۔

3۔ لشکر اسامہ بن زید کی روانگی کا حکم

ان واقعات کی اہمیت کا اندازہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پس منظر کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں عرب میں سیاسی طور پر قریب ترین ہمسائیہ دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایک ایران اور دوسری روما۔ سرسری نظر سے بنیادی طور پر یہ دونوں سلطنتیں جاگیردارانہ نظام میں جکڑی ہوئی تھیں اور مطلق العنان حکومتیں سیاہ سفید کی مالک تھیں۔ سربراہ مملکت کا لفظ قانون تھا اور اس کی ذات قانون سے بالاتر تھی۔ اس صورت حال میں اگر حاکم

اخلاقی اقدار کا حامل اور انسانی ہمدردی کا حامل ہوتا تو رعایا خوش حال اور مطمئن ہوتی اور اگر حاکم جبلی کمزوریوں کا شکار ہوتا تو رعایا بدحال اور قانون و انصاف سے محروم رہتی' ایران اور روم کی سلطنتوں کا یہی نقشہ دکھائی دیتا تھا۔ ان کی شان و شوکت اور سطوت اور عظمتیں محلات شاہی میں مرتکز تھیں اور اس کے باہر نا قابل بیان گراں خوابی چھائی ہوئی تھی۔

اسلام اس تصور کی ضد ہے' اسلام میں آئین کا حساس ادارہ قرآن حکیم ہے جو نا قابل تغیر ہے۔ اس آئین میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت ہے اور وہ مالک حقیقی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے' اس کا وارث بناتا ہے۔ دنیا کی کوئی شخصیت کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتی جو آئین قرآن سے متصادم ہو اور نہ ہی ایسا قانون نافذ کر سکتی ہے۔ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ بھی اس ابدی آئین سے ماورئی نہیں۔ اس لئے اسلام میں قوت حاکمہ کسی ذات میں مرتکز نہیں ہوتی' بلکہ اس قانون کیلئے وقف رہتی ہے جو نظام آئین کا پابند ہو۔ اس نظام میں کسی حاکم' محکوم' چھوٹے بڑے' ادنیٰ و اعلیٰ' غلام اور آقا میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سب یکساں اور برابر ہیں۔ ان دونوں نظام ہائے حیات یا نظریات میں کوئی مماثلت نہیں البتہ اختلافات بہت ہیں جن میں کبھی اور کسی حالت میں سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ✓

دعوت اسلام

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد اپنی اولین فرصت میں ان دونوں عالمی طاقتوں کے فرماں رواؤں اور ان کے زیر اثر عرب کے رؤسا قبائل کو مکتوب لکھے اور ان سب کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام قبول کرنے کی صورت میں یہ لازم ہو جاتا تھا کہ وہ قدیمی نظریہ ہائے حیات کو ترک کر دیں جن کی بنیاد پر ان کی مافوق البشر عظمت قائم تھی ان مطلق العنان فرماں رواؤں سے کیسے توقع کی جا سکتی تھی کہ اپنے حقوق ترک کر دیں جن کے تحت ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون بن جاتا ہے اور وہ خود قانون سے ماورئی ہیں اور ان کی بجائے ایک ایسے آئین اور قانون کے تحت آ جائیں جس میں کوئی لچک نہیں جو کسی سے رو رعایت نہیں رکھتا خواہ وہ خود پیغمبر کیوں نہ ہوں۔ سچائی یہ ہے کہ زمین اللہ کی ہے اور تلوار صرف اس وقت اٹھ سکتی ہے جب حقوق اللہ اور حقوق العباد کا تحفظ نہ ہو' اس کی بقا کیلئے تلوار کے سوا کوئی دوسرا طریقہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ

ردِعمل توقع کے مطابق ہوا۔ کسریٰ ایران نے غیظ وغضب کی حالت میں نامہ مبارک چاک کر دیا اور یمن میں اپنے گورنر کو لکھا: ''حجاز سے اس شخص کا سر منگوا کر (معاذ اللہ) مابدولت کے پاس بھیج دو جس نے عرب میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور یہ جرأت کی ہے کہ مجھے خط لکھا ہے۔''

اس وقت یمن میں باذان ایران کی طرف سے گورنر تھا۔ اس نے یہ حکم مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جب گورنر کے ایلچی دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس بھیجتے ہوئے فرمایا ''میرے اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہارے بادشاہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے ہلاک کر دیا ہے اور اس کی جگہ خود بادشاہ بن بیٹھا ہے'' اس کے ساتھ ہی باذان کو اسلام کی دعوت دی اور کہلا بھیجا کہ اگر وہ اسلام قبول کرے تو یمن کی گورنری پر بدستور قائم رہے گا۔ باذان پیغام سنتے ہی مشرف بہ اسلام ہوا اور یمن کی سلطنت ایران سے کٹ گئی اور اسلام کی سیادت میں آ گئی۔

مغرور کسریٰ کے قتل کے بعد ایران میں بغاوت ہوگئی اور خانہ جنگی سے درو افتادہ سرحدیں غیر محفوظ ہوگئیں۔ رومی سلطنت اس وقت کے انتظار میں تھی۔ روم نے ایران پر حملہ کر دیا اور ایران کے اکثر علاقے رومیوں کے قبضہ میں آ گئے۔ ایران کے پاس یمن پر دعویٰ کرنے کا نہ موقع تھا نہ طاقت۔ اس بات نے یمنیوں کو مضطرب کر دیا۔ انہیں اسلام کی سیادت سے انکار نہ تھا۔ باذان اور حضرت معاذ بن جبلؓ جو مرکز مدینہ سے معلم بن کر آئے تھے، کے اثر سے اسلام بڑی سرعت کے ساتھ یمن کے قبائل میں پھیلا لیکن وطنیت کی عصبیت کی بنا پر یہ قبائل حجاز کی قیادت اور حکومت کو برداشت نہ کر سکے چنانچہ اندر ہی اندر لاوا پکتا رہا۔ انہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے کی ہمت نہ تھی اور اسلام کی قوت حرب سے خائف تھے تاہم جب اسود عنسی نے دعویٰ نبوت کیا اور یمن پر ''رحمٰن الیمینی'' کی حکومت کا نعرہ لگا تو پورا یمن محض وطنیت کی عصبیت کی بنا پر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا اور یمن سے لے کر طائف کی سرحدوں تک کا علاقہ اس کی لپیٹ میں آیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں اس فتنہ پر قابو پا لیا گیا اور یمن مرکز اسلام کا احترام کرنے پر مجبور ہو گیا۔

عراق وشام کی سرحدات

شمالی عرب میں عراق وشام کے خطے تھے۔ عراق ایرانی سلطنت کا صوبہ تھا۔ یہاں کی زرخیز زمینوں کے مالک ایرانی اور مزارع عرب تھے۔ ایرانی ان مزارعوں کے ساتھ وہی روایتی سلوک کرتے تھے جو اس نظام کے تحت دنیا میں ہر جگہ مزارعوں سے ہوتا تھا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں شام کی سرحدوں پر آباد قبائل عرب کا مسئلہ پیش آیا۔ ان عرب قبائل کو رومی حکومت نے اپنی اوّلین دفاعی لائن کی حیثیت دے رکھی تھی۔ یمن میں بند مارب کی شکست وریخت کے موقع پر کچھ یمنی قبائل عراق کے سرحدی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ یہاں تک کہ عراق اور شام کے سرحدی علاقے عرب کا حصہ بن گئے۔ ان نو آباد قبائل میں بنو غسان سب سے زیادہ طاقتور ثابت ہوئے جنہوں نے شام کے سرحدی علاقوں پر اپنی سلطنت قائم کر لی۔ اسی طرح بنو لخم نے مملکت حیرہ کے نام سے عراق پر اپنی سلطنت قائم کر لی۔ شام اور عراق کی عرب ریاستوں میں واضح فرق یہ تھا کہ رومی سلطنت کی ریشہ دوانیوں نے عرب قبائل کو ایک دوسرے کا مخالف بنایا تھا اس لئے وہ ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکے اور چار مختلف حکومتیں وجود میں آ گئیں۔ اس کے مقابلے میں حیرہ کی مرکزی ریاست کا اثر ورسوخ عین التمر تک وسیع تھا۔ ایران روما کشمکش میں بنو غسان میں اتحاد پیدا ہوا اور حارث بن جبلہ تمام عرب قبائل کا بادشاہ بن گیا۔ شام کا آخری حاکم جبلہ بن ایہم تھا، جس کی حکومت کا خاتمہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ہوا۔

شام کے علاقے بلقاء کا جو آج کل سلطنت اردن کا حصہ ہے، رئیس شرحبیل بن عمرو تھا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد اس وقت کی معلومہ دنیا کی سپر طاقتوں ایران وروما کے سلاطین کے ساتھ ساتھ رؤسا عرب کو بھی خطوط لکھے تھے۔ شرحبیل بن عمرو رئیس بلقاء کے نام رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک حضرت حارث بن عمیرؓ لے گئے۔ شرحبیل بن عمرو نے کسریٰ ایران کی طرح تمام سفارتی آداب واخلاق کو پس پشت ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر کو قتل کر ڈالا۔ جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث بن عمیرؓ کے خون کا قصاص لینے کیلئے لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ تین ہزار جانبازوں پر مشتمل لشکر حدود شام کی طرف روانہ ہوا۔ اس لشکر کا سالار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ ان کے نائب حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا نمبر تھا۔ مہاجرین وانصار میں حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت پر بڑے بڑے صحابہ میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہی تعلیم دینا تھی کہ درجہ بندی خاندانی نسبت سے نہیں بلکہ اہلیت کار اور تقویٰ کی نسبت سے ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کی سیادت پر اصرار فرمایا اور حضرت زید بن حارثہؓ امیر لشکر کی حیثیت سے عازم شام ہوئے۔ آئندہ ہر دور میں مسلمانوں نے جب بھی اہلیت کار کو خاندانی مصلحتوں پر ترجیح دینے کی سنت پر عمل کیا۔ کامیابی نے ان کے قدم چومے اور جب اس سنت سے انحراف کیا' اس کے منطقی نتائج سے مفر ممکن نہ ہوسکا۔

لشکر اسلام کی روانگی پر شرحبیل نے شام کے سرحدی قبائل پر مشتمل ایک فوج گراں تیار کی جس کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ قیصر روم نے ''حجاز کے بدویوں'' کو سبق سکھانے کیلئے ایک لاکھ سے زائد فوج شرحبیل کی مدد کیلئے بحیرہ لوط کے مشرقی کنارے مقام مآب میں جمع کردی۔ جنگ موتہ میں فریقین کی تعداد کی نسبت تاریخ عالم کی کسی جنگ میں اپنی مثال نہیں رکھتی۔ تین ہزار مسلمانوں کی فوج دو لاکھ سے نبرد آزما ہونے کی سیاسی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے سفیر کو رومی حکومت کے زیر اثر امیر نے سفارتی آداب کے برعکس ایک خود مختار سلطنت کے سفیر کو قتل کیا تھا' اس لئے سلطنت روما کو اپنے زیر اثر امیر کے اس قبیح فعل کی تلافی کرنی چاہیے تھی اس کے برعکس سلطنت روما نے قوت کا مظاہرہ کر کے مدینہ منورہ کی آزادی اور خود مختاری کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ تین ہزار کا ایک معمولی لشکر اس نکتے کی وضاحت کیلئے بھیجا گیا تھا کہ کمزوری اور کم تعداد کے باوجود مسلمان اپنی آزادی اور خود مختاری کی نفی کو ہرگز برداشت نہ کریں گے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ تین ہزار (3,000) مسلمانوں کا یہ مختصر لشکر جب معان پہنچا تو لشکر شرحبیل کو اطلاع ہوئی۔ مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تازہ صورت حال سے مطلع کرنے کا ارادہ کیا مگر عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا فتح ہمارا مقصد نہیں بلکہ شہادت مقصود ہے۔ اس لئے جنگ سے گریز مناسب نہیں چنانچہ تین ہزار شہادت کیلئے بیتاب مسلمان ایک لاکھ کے کوہ گراں سے ٹکرا جانے کیلئے میدان میں اتر آئے۔ دونوں لشکر موتہ کے مقام پر آمنے سامنے ہوئے۔ مسلمانوں نے حیرت

انگیز کارنامہ دکھایا کہ تین ہزار کی تعداد بے دھڑک دشمن پر ٹوٹ پڑی اور دشمن پر واضح کر دیا کہ مسلمان رومیوں کی عددی برتری سے مرعوب نہیں ہے۔ اسلامی ریاست مدینہ منورہ کے جانباز اپنی آزادی اور خودمختاری پر کامل یقین رکھتے ہیں اور بڑی سے بڑی طاقت کو مجبور کر دیں گے کہ وہ اس کا احترام کرے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغمبرانہ بصیرت سے لشکر کو روانگی کے وقت آگاہ کر دیا تھا کہ جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا' چنانچہ حکم دیا تھا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو کمان حضرت جعفر طیار کریں گے۔ اگر وہ بھی جام شہادت نوش کریں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ کمانڈر ہوں گے' ان کے بعد مسلمان جس کو چاہیں اپنا سربراہ بنالیں۔ جنگ میں تینوں کمانڈر یکے بعد دیگر دولت شہادت سے بہرہ ور ہوئے اور فوج کی کمان حضرت خالد بن ولیدؓ نے سنبھالی۔ وہ جی توڑ کر لڑے۔ اس جنگ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ نو تلواریں ٹوٹیں۔ وہ بقیہ مسلمان کو بچا کر مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ علامہ شبلی نعمانی کا خیال ہے کہ فتح مکہ میں خالد بن ولیدؓ کو سیف اللہ کا خطاب زبان فیض ترجمان نبوت سے عطا ہوا تھا لیکن مصر کے مشہور مورخ جناب محمد حسین ہیکل فرماتے ہیں کہ یہ خطاب جنگ موتہ کے بعد حضرت خالدؓ کو اس وقت عطا ہوا تھا جب وہ باقی ماندہ لشکر کو بحفاظت واپس لانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ فتح مکہ جنگ موتہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

غزوہ تبوک

اس سلسلے کا دوسرا غزوہ جو فتح مکہ کے بعد ہوا۔ اسے غزوہ تبوک اس لئے کہا جاتا ہے کہ لشکر اسلام مدینہ منورہ سے تبوک کی طرف کوچ کیا جو مدینہ اور دمشق کے نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل پر واقع ہے۔ مسلمانوں کو اطلاعات ملتی رہیں کہ شام میں رومیوں کا بہت بڑا لشکر جمع ہو رہا ہے اور ان کا مقدمہ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کی تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ تیاری بہت بڑے پیمانے پر کی گئی۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعاون کیلئے اپیل کی۔ مسلمانوں نے والہانہ انداز میں جہاد بالمال میں حصہ لیا اور تیس ہزار کا لشکر تیار ہوا۔ تفاصیل پہلے گزر چکی ہیں۔ یہ لشکر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت بابرکات

میں تبوک کی طرف روانہ ہوا۔ مومنین کے پہلو بہ پہلو منافقین بھی تھے اور اپنی بزدلی کی وجہ سے قدم قدم پر بددلی پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراحت کے ساتھ فرمایا تھا کہ رومیوں کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ طویل سفر اور خطرناک راستوں میں سے گزرنا ہوگا اس لئے مسلمانوں کو محنت ومشقت اور مقابلے کی سختی کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ مسلمان خلیج عقبہ کے کنارے ایلات تک جسے اب ایلا کہا جاتا ہے' پہنچ گئے اور یہ علاقہ اسلامی ریاست کا باج گزار بن گیا۔ اسی طرح جرجاء اذرخ اور دومۃ الجندل کے عیسائی قبائل نے جزیہ دینا قبول کرلیا۔ یہ رومی سلطنت کے حلقہ اثر میں ایسی دراڑیں تھیں جو اسلام کے اثر ونفوذ اور توسیع و اشاعت کیلئے زمین ہموار کرنے میں بڑی مفید وموثر ثابت ہوئیں۔ خارجہ تعلقات کے نقطہ نظر سے اس غزوہ کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اسلام مستقبل قریب کی بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے محسوس کیا جانے لگا۔

عرب روایتاً ایران اور روما کی برتری سے مرعوب اور مغلوب تھے۔ غزوہ تبوک نے برتری کے اس طلسم کو کمزور کردیا اور عرب ذہنی طور پر ان طاقتوں سے ٹکرا جانے کیلئے تیار ہوگئے۔

آخری فوج ظفر موج

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنوبی عرب کی طرف سے اطمینان ہو چکا تھا۔ اس علاقے کے عوام نے اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بدل وجان تسلیم کرلی تھی۔ شمال کی طرف سے برابر خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ کیونکہ رومی عیسائی سلطنت مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو رہی تھی۔ لہٰذا حجۃ الوداع سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیوں کے خطرہ کا سدباب کرنے کیلئے عملی اقدامات شروع کردیئے۔ غزوہ موتہ کے موقع پر رومیوں کے ہاتھوں اسلامی فوج کی تباہی کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ اگر حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی جنگی مہارت سے کام نہ لیتے اور مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے نہ نکال لاتے تو لشکر کا ایک آدمی بھی نہ بچتا' اس صورت حال کے پیش نظر ضرورت تھی کہ شمالی سرحدوں کی سختی سے نگرانی کی جائے تاکہ سلطنت اسلامیہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہو اور رومیوں کی جارحانہ سرگرمیوں کا سدباب ہو نیز یہ کہ جو عیسائی عرب سے نقل مکانی کر گئے تھے' فلسطینی عیسائیوں کی مدد سے وطن لوٹ کر باعث شر نہ بن سکیں۔ جوں

ہی رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ رومی عرب پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر تیار کیا اور اس کو لیکر خود بنفس نفیس تبوک پہنچ گئے۔ جب رومیوں کو معلوم ہوا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھاری افواج لے کر مقابلہ پر نکلے ہیں تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ انہوں نے اپنی افواج کو سرحدوں سے ہٹا لیا۔ اس کے باوجود رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شمال کی جانب سے مطمئن نہ ہوئے۔ اس امر کا خدشہ تھا کہ نجران اور عرب کے جلاوطن عیسائی مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ چنانچہ حجۃ الوداع سے واپس آتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفر المظفر سنہ 11 ہجری میں رومیوں کے مقابلہ کیلئے ایک لشکر کی روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر اور اوّلین صحابی شامل تھے۔ لشکر کا سردار حضرت اسامہ بن زیدؓ کو منتخب فرمایا اور انہی کی طرف لشکر کشی کا حکم صادر فرمایا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں غزوہ موتہ واقع ہوا تھا' جس میں حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت جعفر طیارؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہوئے تھے۔ یہ آخری سریہ تھا اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرستادہ فوجوں میں آخری فوج تھی۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ سردار لشکر

حضرت اسامہ بن زیدؓ اس زمانہ میں بیس برس کے تھے۔ انہیں مہاجرین اوّلین اور کبار صحابہ کا امیر بنا دینا مسلمانوں کو بڑا عجیب معلوم ہوا۔ حضرت اسامہؓ کو سردار مقرر کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر کئی مصلحتیں تھیں۔ اوّل یہ کہ حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زید بن حارثہؓ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے' اس لئے حضرت اسامہؓ کو امیر لشکر بنا دیا۔ دوئم یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوجوانوں میں عزم و حوصلہ کی روح پھونکنا چاہتے تھے۔ سب سے اہم مصلحت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو کامل اطاعت و فرمانبرداری کا سبق سکھانا اور انہیں یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ ان پر خواہ کس قدر کم حیثیت حاکم مقرر کیا جائے' اس کی دل و جان سے اطاعت کرنی چاہیے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو حکم دیا کہ فلسطین پہنچ کر موتہ کے قریب بلقاء اور داروم کی سرحد پر حملہ کر دیں جہاں ان کے والد شہید ہوئے تھے۔ حملہ صبح سویرے کریں' دشمنوں پر قابو چلے تو انہیں قتل کر دیں۔ سفر خاموشی سے طے

کریں تاکہ دشمنوں کو اس فوج کشی کی اطلاع نہ ہو ورنہ وہ پہلے سے اپنے دفاع کا سامان کرلیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ فتح سے ہمکنار کرے تو مال غنیمت لے کر جلد واپس مدینہ پہنچ جائیں۔ باوجود علالت کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے نشان بنا کر حضرت اسامہؓ کو دیا اور فرمایا۔

اُغْزُ بِاسْمِ اللّٰهِ وَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَاتِلْ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰهِ

اللہ کے نام پر اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اللہ سے کفر کرنے والوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔

حضرت اسامہؓ کا فوج سے خطاب

''اے مجاہدین اسلام! حملہ کیلئے تیار رہو' دشمن اگر بھاگنے لگے تو اس کا پیچھا نہ کرنا۔ آپس میں متحد و متفق رہو۔ ہلکی آواز سے بولو۔ اللہ کو اپنے دلوں میں یاد کرو۔ تلواریں جب ایک مرتبہ نیام سے باہر نکالو تو پھر جب تک تم اپنے دشمن جو تم پر ہتھیار اٹھائے ہوئے ہوں' کے سر قلم نہ کردو' ان تلواروں کو نیام میں مت رکھو۔''

(تاریخ ابن عساکر' ج 1' صفحہ 124-123)

حضرت اسامہ بن زیدؓ نشان لے کر باہر تشریف لائے اور بریدہ اسلمیؓ کے سپرد کیا۔ تمام جلیل القدر اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین بسرعت وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیمارداری کی غرض سے مدینہ واپس آ گئے اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اجازت لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے آتے تھے۔ جب مرض شدت اختیار کر گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز نہ پڑھا سکے تو حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ حضرت اسامہؓ معہ فوج ظفر موج مدینہ منورہ سے ایک میل باہر مقام جرف میں مقیم تھے۔ ایک دو روز میں معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے' اس لئے لشکر کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ مسلمانوں کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیماری کی حالت میں مدینہ چھوڑ کر اتنا لمبا سفر اختیار کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی انہیں ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی' وہ ایسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر کس طرح جا سکتے تھے' جس کا ہولناک انجام انہیں سامنے نظر آ رہا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کو سکون ہوا اور صحابہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھے ہو گئے ہیں تو حضرت اسامہؓ نے روانگی کا ارادہ کر لیا۔ اسی تیاری میں تھے کہ حضرت اسامہؓ کی والدہ ام ایمنؓ نے آدمی بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت نازک ہے۔ صحابہ کی بے چینی اور بے قراری کی حد نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لشکر اسلامہ کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔

اہل قبور سے خطاب

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوجہ شدت درد رات کو نیند نہ آئی' گرمی کے موسم میں خوش گوار ہوا چل رہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہل قدمی کا ارادہ فرمایا' بستر سے اٹھے' اپنے غلام ابو مویہبہؓ کو ساتھ لیا اور جنت البقیع کی طرف تشریف لے گئے۔ قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل قبور کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

''اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو۔ جس حالت میں تم ہو' تمہیں مبارک رہے۔ یہ حالت اس حالت سے بہتر ہے' جس میں لوگ گرفتار ہیں۔ دیکھو فتنے اس طرح یکے بعد دیگرے چلے آ رہے ہیں' جس طرح اندھیری رات کے پردے' ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا۔ آخر کا فتنہ پہلے سے بدر جہا بڑھ کر ہو گا۔

حضرت ابو مویہبہؓ اس واقعہ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بلا کر فرمایا۔

''اے ابو مویہبہ! مجھے بقیع الرقد کے مدفونین کیلئے دعائے مغفرت کا حکم دیا گیا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔''

''چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قبرستان گیا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل قبور کیلئے مندرجہ بالا دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا ''اے ابو مویہبہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ دنیا کے خزانوں' حیات جاودانی اور جنت میں سے کسی ایک کو پسند کروں۔ چنانچہ میں نے حیات جاودانی اور دنیا کے خزانوں کے مقابلے میں اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو پسند کر لیا ہے''

میں نے عرض کیا

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔حضور پہلے دنیا کے خزانوں اور دنیا کی زندگی کو اختیار فرمائیں اس کے بعد اپنے رب سے ملاقات اور جنت کی خواہش فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب فرمایا

''ابو مویہبہ! نہیں' میں نے تو خدا ہی کی ملاقات کو اختیار کر لیا ہے''

جس رات رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اس سے اگلے دن صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔لوگوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کی روانگی رک گئی۔ جب کچھ سکون ہوا تو حسب عادت تمام ازدواج مطہرات کے پاس چکر لگانے کا ارادہ فرمایا' لیکن مرض آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔حضرت میمونہؓ کے گھر تشریف لائے ہی تھے کہ درد کی شدت سے بیتاب ہو گئے اور تیمارداری کی حاجت محسوس کرنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ازدواج مطہرات رضوان اللہ عنہا کو وہاں بلایا اور فرمایا کہ مجھ میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ہے۔تم مجھے عائشہ کے حجرے میں رہنے کی اجازت دیدو۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت دیکھ کر سب بیویوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخوشی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر پر پٹی باندھی اور لڑکھڑاتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے کمرے میں تشریف لے آئے۔

بحالت بیماری مسجد میں تشریف آوری

مرض کے ابتدائی ایام میں بخار تیز ہو جاتا جیسے جسم سے شعلے نکل رہے ہوں لیکن پھر بخار ہلکا ہو جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھتے۔اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرت اسامہ بن زید کی امارت پر معترض ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب خیال فرمایا کہ یہ فتنہ ابتداء میں ہی دب جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخار کی حالت میں مسجد تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔اللہ کی حمد وثنا اور اصحاب اُحد کیلئے مغفرت فرمانے کے بعد فرمایا۔

''اے لوگو! اسامہؓ کے لشکر کو جانے دو۔آج تم نے اس کی امارت پر اعتراض کیا ہے اور کل

اس کے باپ کی امارت پر معترض ہو چکے ہو۔ حالانکہ وہ بھی امارت کے لائق اور اس کا باپ بھی امارت کے لائق تھا۔"

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد دوبارہ تقریر شروع کی اور فرمایا "اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس آخرت میں جو کچھ ہے اسے قبول کرے لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔

یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے اور لوگ بھی خاموش و ساکت بیٹھے رہے گویا سکتہ میں آ گئے ہیں۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہان فانی سے ملاء اعلیٰ کو کوچ کرنے کی تیاری فرما رہے ہیں۔ ان پر رقت طاری ہو گئی اور وہ اپنے آپ کو نہ روک سکے۔ اسی حالت حالت میں انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہماری جانیں اور ہماری اولاد آپ پر نثار ہونے کیلئے تیار ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو خاموش ہونے کا ارشاد فرمایا اور حکم دیا کہ مسجد کے تمام دریچے بند کر دیئے جائیں سوائے ابو بکرؓ کے دریچہ کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ کلام جاری رکھا اور فرمایا۔

"سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں وہ ابو بکر ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا خلیل بنا سکتا تو ابو بکرؓ کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کیلئے کافی ہے یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس اکٹھا کرے۔"

یہ تقریر فرما کر منبر سے اترے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کی طرف قدم بڑھائے لیکن ایک یا دو قدم بڑھائے تھے کہ واپس تشریف لائے اور فرمایا۔

"اے گروہ مہاجرین! تم انصار سے اچھا سلوک کرنا۔ کیونکہ دوسرے لوگ بڑھتے جائیں گے، لیکن انصار کی تعداد میں اضافہ نہ ہو گا۔ انصار میرے محرم ہیں جن کے دامن میں مجھے پناہ ملی ہے۔ لہٰذا ان کی خوبیوں کی قدر کرنا اور ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا۔"

(سیرۃ الرسول، محمد حسین ہیکل، صفحہ 630)

اور پھر لعنت ہو اللہ کی یہود و انصاری پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔ مقصود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کو آگاہ کرنا اور خبر دار کرنا تھا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا اور فرمایا اے لوگو مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے خوف زدہ ہو۔ کیا کوئی نبی مجھ سے پہلے امت میں ہمیشہ رہا ہے جو میں تم میں سے ہمیشہ رہوں۔ وماجعلنا لبشر من قبلک الخلد وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسول آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا سے ملنے والا ہوں اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم بھی خدا سے ملنے والے ہو۔ میں تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اوّلین کے ساتھ خیر اور بھلائی کا معاملہ کریں اور مہاجریں اوّلین کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اور عمل صالح پر قائم رہیں کیونکہ حق کا ارشاد ہے۔ والعصر O ان الانسان لفی خسر O الا الذین آمنو وعملو الصالحات و تواصو بالحق وتواصو بالصبر O

اور اے مسلمانو! میں تمہیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ خیر اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔ انصار نے اسلام کو ٹھکانہ دیا اور مکانوں' زمینوں اور باغوں اور پھلوں میں تم کو اپنا شریک بنایا اور باوجود فقرہ و فاقہ کے تم کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة اور فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ میں تم سے پہلے جا رہا ہوں اور تم بھی مجھ سے آ کر ملو گے۔ حوض کوثر پر ملنے کا وعدہ ہے۔ اس کے بعد منبر سے اترے اور حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے۔

(البدایہ والنہایہ' ج 5' صفحہ 229)

صدیق اکبرؓ کو امامت کا حکم

تقریر ختم کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ جو کوفت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برداشت کرنا پڑی تھی' اس کا نتیجہ تھا کہ بیماری کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے باوجود جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طاقت رہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے رہے اور نماز پڑھتے رہے۔ آخری نماز جو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ جب عشاء کا وقت ہو گیا تو فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتظر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار اٹھنے کا قصد فرمایا مگر شدت مرض سے بے ہوش ہو جاتے۔ آخر میں فرمایا کہ ابوبکر صدیق کو میری طرف سے حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ کی خواہش تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ خود نماز پڑھائیں۔ انہوں نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ رقیق القلب آدمی ہیں۔ جب قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو زار وقطار رونے لگتے ہیں۔ جب وہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ نماز پڑھائیں گے تو ان پر ایسی رقت طاری ہوگی کہ لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات کی طرف التفات نہ فرمایا اور دوبارہ حکم دیا کہ ''ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں'' اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بلند آواز سے فرمایا ''یقیناً تم وہی عورتیں ہو جنہوں نے حضرت یوسف کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔'' چنانچہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ لوگوں کو نماز پڑھائی۔

ایک دن حضرت ابوبکرؓ کو مسجد آنے میں دیر ہو گئی۔ حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کو کہا۔ حضرت عمر فاروقؓ بلند آواز تھے۔ جب انہوں نے تکبیر کہی تو آواز رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرے میں سنی۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ابوبکر کہاں ہیں' اللہ اور مسلمان اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ابوبکر کی بجائے اور کوئی شخص نماز پڑھائے'' اس اشارے سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا کیونکہ امامت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا اوّلین مظہر ہے۔

مرض میں روز بروز شدت ہوتی گئی۔ بخار تیز ہوتا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے مبارک پر کپڑا پڑا ہوا تھا۔ جب تیمار دار اور ازواج مطہرات اس پر ہاتھ رکھتے تو انہیں بخار کی گرمی محسوس ہوتی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا روزانہ عیادت کیلئے حاضر ہوتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بے حد محبت تھی۔ ایک دن جب وہ حسب معمول عیادت کیلئے حاضر ہوئیں۔ تو آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کانوں میں چپکے سے کوئی بات کہی جسے سن کر وہ رو پڑیں۔ اس کے بعد دوبارہ چپکے سے کوئی بات فرمائی جسے سن کر وہ ہنس پڑیں۔ حضرت عائشہؓ نے رونے پھر ہنسنے کا سبب پوچھا۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز افشا نہ کروں گی۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خود ہی انہوں نے ذکر کیا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ یہ بات سن کر میں رو پڑی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میرے خاندان میں سے سب سے پہلے تم مجھے ملو گی۔ یہ سن کر فرط مسرت سے میں ہنس پڑی۔ بخار کی شدت کے باعث ٹھنڈے پانی کا ایک بڑا برتن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھ دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے۔ اس اثناء میں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غشی کے دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ ایک دن جب درد و کرب میں بہت زیادتی ہوئی تو حضرت فاطمہؓ نے بے چین ہو کر کہا ''ہائے میرے باپ کی تکلیف۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج کے بعد تمہارے والد کو کبھی تکلیف نہ ہو گی'' رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے چینی کو دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہم کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ بیماری کی حالت میں درد و کرب کا اظہار نہ کرنا چاہیے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر بے چین کیوں ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ''مجھے اس وقت جس قدر تکلیف ہے وہ دو مریضوں کے برابر ہے۔''

واقعہ قرطاس

وفات سے چار دن پہلے' جب مرض میں شدت ہوئی تو جو صحابہ حجرہ نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے' ان سے فرمایا کاغذ دوات لے آؤ تا کہ تمہارے لئے وصیت نامہ لکھوا دوں۔ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ یہ سن کر اہل مجلس اختلاف کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہیں۔ درد کی شدت ہے' ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہیں۔ کتاب اللہ ہمارے پاس ہے۔ جو ہم کو گمراہی سے بچانے کیلئے کافی ہے۔ بعض حضرات نے حضرت عمرؓ کی تائید کی اور بعض نے کہا دوات قلم لا کر لکھوا لینا چاہیے اور یہ کہا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیماری کی

شدت میں اور بے ہوشی کی حالت میں معاذ اللہ کوئی لغو یا ہزیان کی بات کی ہے۔ مجلس میں جب اختلاف زیادہ ہوا اور شور وشغب ہونے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس حالت میں ہوں وہ بہتر ہے اس سے کہ جس طرف تم مجھ کو بلا رہے ہو۔ اس تکلیف کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو تین چیزوں کی نصیحت فرمائی۔

1- مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ جزیرۃ العرب میں کوئی مشرک نہ رہنے پائے۔

2- وفود کو رخصت کے وقت جائزہ یعنی ہدیہ وتحفہ دیا کرو جس طرح میں ان کو دیتا رہا ہوں۔

3- تیسری بات سے آپ نے سکوت فرمایا یا راوی بھول گیا۔

بعد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ لوگوں نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل نہ کر کے بہت کچھ گنوایا ہے لیکن حضرت عمرؓ ان سے متفق نہ تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝

(سورۃ الانعام۔38)

ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں ۝

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشویش ناک حالت کی خبر دور دور تک پھیل گئی۔ حضرت اسامہؓ اور جرف میں مقیم ان کے ساتھیوں کو جب معلوم ہوا تو وہ لوگ مدینہ منورہ آئے۔ حضرت اسامہؓ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' لیکن اس وقت تک طاقت گویائی ختم ہو چکی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہؓ کو اپنے سامنے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کیلئے اپنے ہاتھ اٹھائے اور پھر انہیں حضرت اسامہؓ پر رکھ دیا۔ لوگوں کے چلے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ آرام فرمایا۔ ظہر کی نماز کے وقت جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا اور مرض میں کچھ افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا سات مشکیں پانی کی میرے سر پر ڈالو' شاید کچھ سکون ہو جائے۔ حسب الحکم مدینہ منورہ کے سات مختلف کنوؤں سے سات مشکیں

پانی لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈالی گئیں، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک گونہ سکون ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سہارے سے مسجد میں تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ تھا۔

(فتح الباری، ج 1، صفحہ 103۔ زرقانی، ج 8، صفحہ 258)

آخری پونجی کا صدقہ

بیماری کے دنوں میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سات دینار تھے۔ جب بیماری نے شدت اختیار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور یہ دینار پڑے رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر والوں کو ہدایت فرمائی کہ یہ دینار صدقہ کر دیئے جائیں لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیمارداری میں منہمک ہونے کے بعد اہل خانہ کے ذہن سے یہ بات نکل گئی۔ جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غشی سے افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا کہ ان دیناروں کا کیا ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ وہ ابھی میرے پاس ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لانے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"اگر یہ دینار کسی طرح رہ جاتے تو میں اپنے رب کے پاس کیا گمان لے کر جاتا"

اس کے بعد اسی وقت انہیں مسلمان فقراء میں تقسیم فرما دیا۔

آخری بار مسجد میں

رات رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطمینان اور سکون سے گزاری، بخار بھی اتر گیا۔ طبیعت میں اس حد تک سکون ہوا کہ آپ صلی اللہ عایہ وآلہ وسلم فجر کی نماز کے وقت سر پر پٹی باندھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور فضل بن عباسؓ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز پڑھا رہے تھے مسلمانوں کو نماز میں مشغول دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کو آہٹ سے احساس معلوم ہوا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور لوگ آپ کیلئے راستہ بنا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی جگہ سے ہٹ کر پچھلی صف میں

آنے کا ارادہ کیا لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیٹھ پر دست مبارک رکھ کر فرمایا ''لوگوں کو تم ہی نماز پڑھاؤ۔'' خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دائیں پہلو میں بیٹھ کر ان کی امامت میں نماز ادا فرمائیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے بلند آواز میں فرمایا۔

''اے لوگو! آگ بھڑک اٹھی ہے اور اندھیری رات کی طرح فتنے اُمڈے چلے آرہے ہیں۔ خدا کی قسم! میرے فرمان کے علاوہ تمہیں اور کسی چیز سے تمسک نہ کرنا چاہیے۔ میں نے تمہارے لئے صرف وہی چیزیں حلال کی ہیں جو قرآن نے حلال قرار دی ہیں اور ایسی چیزیں حرام کی ہیں جنہیں قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔''

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحالئ صحت دیکھ کر مسلمان خوش ہوئے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے لشکر لے کر شام کی طرف کوچ کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ آپ کی صحت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اچھی ہے' کیا میں اپنی زوجہ حبیبہ بنت خارجہ کے ہاں سے ہو آؤں' رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی اور وہ مدینہ کے نواحی گاؤں سخ چلے گئے۔ حضرت عمر اور حضرت علیؑ بھی اپنے اپنے کام کاج میں مشغول ہو گئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں واپس تشریف لے آئے۔ آپ باوجود نقاہت وکمزوری بہت خوش تھے کہ مسلمانوں کو نماز کے ساتھ کس قدر لگاؤ اور عشق ہے۔ اس وقت حضرت علی جب حجرہ مبارکہ سے باہر آئے تو حضرت عباس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا اے علی! تین دن کے بعد تو لاٹھی کا غلام ہوگا۔ حاکم اور کوئی ہوگا اور تم اس کے غلام ہو گے۔ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بیماری میں وفات پا جائیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرلیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟! اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے۔ حضرت علی نے کہا ممکن ہے رسول رحمت ہمارے متعلق انکار کردیں تو پھر ہم ہمیشہ کیلئے ان سے محروم ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم! میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارہ میں

ایک لفظ بھی نہ کہوں گا۔

(ابن ہشام' ج4' صفحہ 302۔ البدایہ والنہایہ' ج5' صفحہ 227-224)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد میں تشریف لانا محض ایک سنبھالا تھا۔ حجرہ شریف میں واپس تشریف لاتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت بگڑنی شروع ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین ہو گیا کہ آخری وقت قریب آ پہنچا ہے اور زندگی کے محض چند لمحات باقی ہیں۔ سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا برتن رکھا ہوا تھا' جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار ہاتھ ڈالتے اور پھر اسے سر اور منہ پر ملتے اور فرماتے جاتے لا الہ الا اللہ۔ ان الموات سکرات کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ بیشک موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ پھر چھت کی طرف دست مبارک اٹھاتے اور فرماتے "اے اللہ میں رفیق اعلیٰ میں جانا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک یہ کلمات نکلے' میں سمجھ گئی کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں نہ رہیں گے۔ اسی دوران حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایک لڑکا مسواک لے کر حجرہ شریف میں داخل ہوا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مسواک بھائی سے لے کر چبائی۔ جب اس کے ریشے خوب نرم ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے دندان مبارک پر ملا۔ اب نزع کی حالت شروع ہو گئی تھی جو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ناقابل برداشت تھی۔ اس موقع پر گڑگڑا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی۔

"اے اللہ! اس جان کنی کے وقت میری مدد فرما"

(زرقانی' ج3' صفحہ 110۔ فتح الباری' ج8' صفحہ 98)

دوشنبہ 12 ربیع الاوّل سنہ 11 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ بیماری کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی دوا استعمال نہ فرمائی۔ 12 ربیع الاوّل سے پہلے تھوڑی سی دوائی استعمال فرمائی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کراہت کا اظہار فرمایا۔ اس وقت حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، حضرت عباسؓ آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا، اسامہ بن زیدؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کے بیٹے، شکرانؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اوس بن خولیؓ اور ساری ازواج مطہراتؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے موجود تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا۔ میں اس زمانہ میں جوان تھی۔ مجھے کیا پتہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب وصال پہنچ چکے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ جب عورتیں اور مرد رونے لگے تب مجھے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے۔

انا اللہ وانا الیہ راجعون

یہ جان گداز اور روح فرسا واقعہ جس نے دنیا کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات سے محروم کر دیا بروز دوشنبہ 12 ربیع الاوّل سنہ 11 ہجری مطابق 8 جون 632ء ہوا۔ اختلاف دو امور میں ہیں ایک یہ کہ کس وقت روح مبارک قفس عنصری سے وداع ہوئی اور دوسری یہ کہ ربیع الاوّل کی کونسی تاریخ تھی۔ ابن اسحاق چاشت کا وقت بتاتے ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ زہری اور عروۃ ابن زبیر زوال کا وقت بیان کرتے ہیں۔ چاشت اور زوال میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ مشہور قول یہی ہے کہ 12 ربیع الاوّل سنہ 11 ہجری کو چاشت اور زوال کے درمیان وصال ہوا۔ دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ کے پاس سوائے ایک خچر اور چند تلواروں کے کچھ بھی نہ تھا اور یہ شاہ حبشہ نے ہدیتاً پیش کی تھیں۔

وصال

12 ربیع الاوّل سنہ 11 ہجری یوم دوشنبہ بوقت چاشت جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کیا۔ اس وقت عمر مبارک 63 سال قمری تھی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے اس حادثہ فاجعہ پر کہا

پیارے باپ نے دعوت حق کو قبول کیا اور فردوس بریں میں نزول اجلال فرمایا آہ! ہم

جبریل کو خبر انتقال پہنچاتے ہیں۔"

پھر فرمایا

الٰہی روح فاطمہ کو روح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا دے۔ الٰہی مجھے دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسرور بنا دے۔ الٰہی مجھے اس مصیبت کے عوض ثواب سے' تو بے نصیب نہ رکھ اور بروز محشر شفاعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم نہ فرما۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ بنت صدیق نے اس واقعہ ہائلہ پر کہا۔

"دریغا! وہ نبی جس نے فقر کو غنا پر اور مسکینی کو تونگری پر اختیار فرمایا' حیف! وہ دین پرور' جو امت عاصی کے فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا' جس نے ہمیشہ بڑی استقامت و استقلال سے نفس کے ساتھ محابہ کیا' جس نے منہیات کو ذرہ بھر بھی نگاہ التفات سے نہ دیکھا' جس نے جودواحسان کے دروازے ارباب فقر واحتیاج پر کبھی بند نہ کیے، جس کے ضمیر منیر کے دامن پر دشمنوں کی ایذا واضرار کے ذرہ بھر بھی غبار نہ بیٹھا' حیف! وہ جس کے موتی جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے' جس کی نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا' آج دنیا سے رخصت ہوا۔"

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرما چکے تھے لیکن بعض اصحاب النبی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا ہرگز یقین نہ تھا۔ جب مسلمانوں کو مسجد میں اچانک وفات حسرت آیات کے حادثہ فاجعہ کی خبر پہنچی تو وہ حیران وششدر رہ گئے کیونکہ انہوں نے تھوڑی دیر پہلے فجر کی نماز میں آپ کی زیارت کی تھی اور آپ کی ظاہری حالت سے پتہ چلتا تھا کہ طبیعت روبہ صحت ہے کسی کو اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر جلد داغ مفارقت دے جائیں گے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر سن کر حضرت عمرؓ فوراً حجرہ رسول میں پہنچے۔ انہی کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما چکے ہیں۔ انہوں نے چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹایا تو جسم اطہر میں حرکت کے آثار نظر آئے۔ انہوں نے اس حالت کو بے ہوشی سے تعبیر کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے اصرار پر انہوں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو اور باہر آ کر مسجد میں تقریر شروع کر دی۔

"بعض منافقین یہ خبر اڑا رہے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔لیکن یہ بالکل غلط ہے۔وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابن عمران کی طرح اپنے رب کے پاس گئے ہیں۔حضرت موسیٰ بھی چالیس دن تک اپنی قوم سے غیر حاضر رہے اور ان کی غیر حاضری میں لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ فوت ہو گئے لیکن جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام آ گئے اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی واپس آئیں گے اور جو لوگ آپ کی وفات کی خبر مشہور کر رہے ہیں ان کے ہاتھ پاؤں قلم کریں گے۔"

مسلمان عجب سراسیمگی کی حالت میں تھے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں عورتوں کی آہ بکا کی آوازیں آ رہی تھیں۔ادھر حضرت عمر مسجد میں اعلان کر رہے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی خبر منافقوں نے اڑائی ہے اور عنقریب آپ اپنے رب سے واپس آ کر منافقین کے سر قلم کر دیں گے۔ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس کی بات پر یقین کریں۔ایک قیامت سی برپا تھی۔صحابہ کے ہوش و حواس اڑے ہوئے تھے۔عثمان غنی ذی النورین سکتہ کے عالم میں تھے۔شدت غم سے بات تک نہ کر سکتے تھے۔حضرت علی زار و قطار روتے اور غش کھا جاتے تھے۔ازواج مطہرات اور حضرت عائشہ صدیقہ غم و الم کا پہاڑ بنی ہوئی تھیں' حضرت عباس پریشانی میں بے حواس تھے۔ان حالات میں حضرت عمر نے تلوار کھینچ لی اور کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے کہا کہ آپ ہرگز نہیں مرے اور کہا کہ "جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر گئے ہیں اس کی گردن مار دوں گا۔کسی کی مجال نہ تھی کہ یہ کہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے۔آہستہ آہستہ لوگوں کو حضرت عمرؓ کی باتوں کا یقین آنے لگا اور یہ امید بڑھتی گئی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائیں گے۔

سنخ سے حضرت ابو بکرؓ کی واپسی

حضرت ابو بکر صدیقؓ وصال کے وقت موجود نہ تھے۔دوشنبہ کی صبح دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکون ہوا تو اجازت لے کر گھر چلے گئے۔زوال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔جب اس جان گداز حادثہ کی خبر پہنچی تو آپ بسرعت سنخ سے واپس آ گئے۔مسجد نبوی میں حضرت عمر کی تقریر کو سنا لیکن اس طرح التفات نہ فرمایا اور سیدھے حضرت عائشہ صدیقہ

کے حجرے کی طرف گئے اور اجازت لے کر اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا۔

"کیا ہی بابرکت تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور کیا ہی پاکیزہ ہے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت۔ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! خدا کی طرف سے جو موت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مقدر تھی وہ تو ہو چکی۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے بعد کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت وارد نہ کرے گا۔"

یہ کہہ کر حجرہ سے باہر آ گئے۔ مسجد میں ابھی تک حضرت عمرؓ لوگوں کو یقین دلانے میں مصروف تھے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھ کر راستہ صاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو کہا "عمر خاموش ہو جاؤ" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں، غور سے سنو۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

"اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فوت ہو گئے، لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو یقیناً اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اس پر کبھی موت وارد نہ ہوگی۔

"محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر محمد وفات پا جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل کفر کی جانب پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کی بل پھر جائے وہ اللہ کو ذرا بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر گزار بندوں کو نیک بدلہ دے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا کہ بیشک آپ مرنے والے ہیں اور یہ کہ سب لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ سب چیز فنا ہونے والی ہے، صرف خداوند ذوالجلال کی ذات بابرکات باقی رہے گی۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ قیامت کے دن سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔"

اور ابوبکر صدیقؓ نے کہا

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عمر دراز کی اور ان کو باقی رکھا، یہاں تک کہ اللہ کے دین کو قائم

کر دیا اور اللہ کے حکم کو ظاہر کر دیا اور اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو ایک سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑ کر دنیا سے گئے ہیں۔ اب جو ہلاک اور گمراہ ہو گا وہ حق واضح ہونے کے بعد گمراہ ہو گا۔ پس اللہ تعالیٰ جس کا رب ہو تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے' اس کو کبھی موت نہ آ سکتی اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کرتا تھا اور ان کو خدا جانتا تھا تو جان لے کہ اس کا معبود ہلاک ہو گیا۔ لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑو اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھو' تحقیق اللہ کا دین قائم اور دائم رہے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اللہ اس شخص کا مددگار ہے جو اس کے دین کی مدد کرے۔ اللہ اپنے دین کو عزت اور غلبہ دینے والا ہے اور اللہ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے اور وہی نور ہدایت اور شفاء دل ہے' اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راستہ بتلایا اور اس میں اللہ کی حلال و حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے۔ خدا کی قسم ہمیں اس شخص کی ذرہ برابر پرواہ نہیں جو ہم پر فوج کشی کرے۔ (یہ باغیوں اور مرتدین کی طرف اشارہ تھا) تحقیق اللہ کی تلواریں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس کے دشمن پر برستی رہی ہیں وہ تلواریں ابھی تک ہاتھ سے رکھی نہیں اور خدا کی قسم ہم اپنے مخالفوں سے اب بھی اسی طرح جہاد کریں گے جیسا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کیا کرتے تھے۔ پس مخالف خوب سمجھ لیں اور اپنی جانوں پر ظلم نہ کریں۔''

(البدایہ والنہایہ' ج 5' صفحہ 243۔ زرقانی' ج 8' صفحہ 280)

صدیق اکبرؓ کی تقریر کے اختتام پر یک لخت حیرت کا عالم دور ہو گیا اور غفلت کا پردہ اٹھ گیا اور سب کو یقین ہو گیا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقتاً وصال ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں نے اس سے پہلے یہ آیات سنی ہی نہ تھیں۔ جسے دیکھو وہ یہی آیات تلاوت کر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری حالت ایسی تھی جیسے ان آیات کو آج ہی پڑھا ہے اور اپنے خیال سے رجوع کیا۔

مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو بتایا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرستش کرتا تھا' وہ جان لے کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر گئے مگر جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا'

تو بیشک اللہ زندہ ہے جو کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی۔

(ترجمہ) ''یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض ایک پیغامبر تھے۔ ان سے پہلے بھی پیغمبر گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے قدموں پر پھر جاؤ گے یعنی دوبارہ مشرک ہو جاؤ گے اور جو شخص اپنے پاؤں پر پھر جائے گا تو وہ اللہ کو ہرگز کچھ نقصان نہ پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شاکر لوگوں کو اجر دے گا۔''

جب مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبان سے یہ آیت سنی تو انہوں نے ایسا محسوس کیا گویا انہیں اس کی تنزیل کا علم نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جب میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو میں زمین پر گر پڑا اور میرے پاؤں تھرا گئے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الواقع انتقال فرما گئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت بھی تلاوت کی تھی۔

(ترجمہ) ''یعنی اے نبی! بیشک تو مرنے والا ہے اور وہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔''

سقیفہ بنو ساعدہ اور بیعت خلافت

مسلمان اس وقت سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ اسی دوران خبر ملی کہ سعد بن عبادہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ انصار کا گمان یہ تھا کہ استحقاق خلافت انصار کو ہے اس لئے کہ انصار نے دین کی مدد کی اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد و قتال کیا۔ بعضوں نے اس کی مخالفت کی۔ باہم سخت تکرار ہونے لگی۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ وہاں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہ ایک کمبل میں لپٹے ہوئے وہاں موجود تھے۔ مریض تھے انصار ان کو اس لئے لائے تھے کہ انہیں امیر بنائیں۔ سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

اے گروہ مہاجرین! تم ہم میں ایک قلیل جماعت ہو یعنی تم اقلیت میں ہو اور ہم اکثریت میں ہیں اور تحقیق تمہاری قوم کی ایک قلیل جماعت ہمارے یہاں پناہ گیر ہوئی اور اب وہ ہم سے ہمارا حق خلافت غصب کرنا چاہتے ہیں۔''

ابن اثیر کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے اپنی تقریر میں فرمایا۔

''اے معشر انصار! تم کو دین اسلام کے بارے میں ایسی سبقت اور فضیلت حاصل ہے جو عرب میں سوائے تمہارے کسی کو حاصل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم میں تیرہ برس اسلام کی دعوت دیتے رہے' مگر اس مدت میں بہت تھوڑے لوگ آپ پر ایمان لائے جن میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ آپ کی حفاظت کر سکتے اور نہ ان میں آپ کے دین کو عزت دینے کی اور سربلندی کرنے کی طاقت تھی۔ یہاں تک ان میں یہ بھی طاقت نہ تھی کہ کسی دشمن کے ظلم کو اپنے سے ہٹا سکیں۔ حق تعالیٰ نے جب تم کو فضیلت دی تو عزت و کرامت کا سامان تم تک پہنچایا اور تم کو ایمان لانے کی توفیق دی اور نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی حفاظت تم سے کرائی اور اپنے دین کی عزت تم سے کرائی اور خدا کے دشمنوں سے تم نے جہاد کیا اور خدا کے دشمنوں پر تم سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے یہاں تک کہ تمام عرب حکم خداوندی کے سامنے جھک گیا اور دور والوں نے بھی مجبور ہو کر گردن جھکا لی اور تمہاری تلواروں سے تمام عرب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانبردار بنا اور پھر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات دی اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت دنیا سے رحلت کی تو وہ تم سے راضی تھے اور آپ کی آنکھیں تم سے ٹھنڈی تھیں' پس تم ہی اس منصب خلافت کو حاصل کرو۔ یہ تمہارا ہی حق ہے اوروں کا نہیں۔''

(ابن اثیر' ج2' صفحہ 125)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی بعض انصار اسی قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے تھے لہٰذا جوں ہی حضرت عمر نے یہ الفاظ سنے' انہوں نے جواب دینے کا ارادہ کیا۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو احساس تھا کہ حضرت عمر کی طبیعت میں بلا کی سختی ہے' اس لئے انہوں نے حضرت عمر کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ حضرت عمرؓ حضرت صدیق اکبر کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے خاموش بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انصار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

''تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا کہ جو امت کی نگرانی کرے تاکہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے پتھر اور لکڑی کے بنائے ہوئے بتوں کی

پرستش کرتے تھے' عرب کو اپنے آبائی دین کا چھوڑنا بہت شاق اور گراں گزرا۔ پس حق جل شانہٗ نے آپ کی قوم سے مہاجرین اوّلین کو توفیق خاص عطا فرمائی کہ سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور سب سے پہلے آپ کی خدمت کی اور آپ کے غم گسار بنے اور قوم کی طرف سے جو سخت سے سخت ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کیا حالانکہ اس وقت تمام لوگ ان کے مخاطب تھے' مگر باوجود قلت تعداد کے لوگوں کی دشمنی سے گھبرائے نہیں اور اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا' پس مہاجرین اوّلین تمام لوگوں میں سب سے اوّل ہیں جنہوں نے روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے اور یہی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولیاء اور عشیرہ ہیں یعنی آپ کے قرابتدار اور کنبہ دار ہیں اور یہی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امر خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ اس معاملہ میں سوائے ظالم کے کون ان سے نہیں جھگڑ سکتا اور اے گروہ انصار تمہاری فضیلت اور دین اسلام میں سبقت کا کسی کو انکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو پسند کیا کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے دین کا انصار یعنی معین و مددگار بنائے اور اپنے رسول کو تمہاری طرف ہجرت کرائی۔ پس مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تمہارا ہی مرتبہ ہے کسی اور شخص کا نہیں' پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو۔ بغیر تمہارے مشورہ کے امور انجام نہیں دیئے جائیں گے۔"

(ابن اثیر ج 2' صفحہ 125)

ایک اور روایت میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے انصار کے جواب میں فرمایا۔

"اے گروہ انصار! تم نے جو محاسن بیان کئے ہیں۔ بیشک تم اس کے اہل ہو لیکن اہل عرب امر خلافت کو سوائے قبیلہ قریش کے کسی اور کیلئے قبول نہیں کریں گے' کیونکہ قبیلہ قریش باعتبار حسب و نسب کے اور باعتبار مکان کے سب سے افضل اور برتر ہے۔

اے گروہ انصار! خدا کی قسم ہم تمہاری فضیلت اور اسلام کی خدمت اور اعانت اور تمہارے حق واجب کے منکر نہیں۔ لیکن تم خوب جانتے ہو اور پہچانتے ہو کہ قبیلہ قریش کو عزت و وجاہت کا جو مرتبہ ملک عرب میں حاصل ہے وہ کسی دوسرے قبیلہ کو حاصل نہیں اور عرب کے باشندے سوائے

قبیلہ قریش کے اور کسی شخص کی امارت پر متفق نہیں ہو سکتے اور بغیر ملک کے اتفاق کے کارخانہ حکومت نہیں چل سکتا۔ اس لئے قریش امراء ہوں گے اور انصار وزراء ہوں گے۔ پس اے انصار اللہ سے ڈرو اور اسلام میں سب سے پہلے بدعت جاری کرنے والے نہ بنو میری رائے یہ ہے کہ خلافت و امارت کیلئے یہ دو آدمی پسندیدہ ہیں ایک عمر اور دوسرا ابو عبیدہ' ان میں جسے جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لو گے' تمہارا قابل وثوق اور قابل اطمینان امیر ہوگا۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تقریر کے بعد حباب بن المنذر بن الجموع کھڑے ہوئے اور کہا کہ مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ صدیقؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ الائمۃ من القریش یعنی خلفاء اور امراء قریش میں سے ہوں گے۔

(کنزالعمال' ج2' صفحہ 219)

محمد بن اسحاق راوی ہیں کہ صدیق اکبر نے فرمایا۔

''تحقیق یہ امر بالکل روا نہیں کہ مسلمانوں کے دو امیر ہوں۔ اس سے مسلمانوں کے امور اور احکام میں اختلاف پیدا ہوگا اور جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا اور آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے اور اس وقت سنت متروک ہو جائے گی اور بدعت ظاہر ہو جائے گی اور ایک عظیم فتنہ برپا ہو جائے گا۔ اس میں مسلمان کی خیر نہیں اور یہ امر کہ خلافت قریش میں رہے گی' جب تک قریش اللہ کی اطاعت کریں اور اس کے حکم پر قائم رہیں اور یہ حدیث تم کو پہنچ چکی ہے یا تم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن چکے ہو' آپس میں نزاع نہ کرو' بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے' پس ہم امیر ہے اور تم ہمارے وزیر ہو' دینی بھائی اور دین میں ہمارے معین اور مددگار ہو۔

(کنزالعمال' ج3' صفحہ 37)

بعدازاں صدیق اکبرؓ نے کہا یہ عمر اور ابوعبیدہ موجود ہیں۔ ان دونوں میں سے جن کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہو' بیعت کر لو۔ ابوعبیدہ امین الامت نے کہا' خدا کی قسم یہ ناممکن ہے' آپ کے ہوتے ہوئے ہم امر خلافت کے ولی بنیں۔ آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں اور نماز جو دین کا ستون ہے اور دین اسلام کا سب سے اعلیٰ اور افضل رکن ہے' اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے۔اے ابوبکرؓ آپ اپنا دست مبارک بڑھایئے' ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں۔عمر نے ابوبکرؓ سے کہا تم افضل ہو۔اس وقت شور وشغف بہت بڑھ گیا اور اختلاف کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا۔اس پر حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا۔

''ابوبکرؓ! اپنا ہاتھ بڑھایئے۔'' حضرت عمرؓ نے فوراً ان کی بیعت کر لی اور کہا ''ابوبکرؓ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم نہ دیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں۔اس لئے آپ ہی خلیفۃ اللہ ہیں۔ہم آپ کی بیعت اس لئے کرتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب تھے۔'' حضرت عمرؓ کی یہ بات تمام حاضرین کے دل کو لگی اور انہیں فوراً اس امر کا احساس ہو گیا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جگہ حضرت ابوبکر صدیق کو امام الصلوٰۃ مقرر کر کے دراصل اپنی زندگی میں ہی اپنے جانشین کا فیصلہ فرما دیا تھا۔کیونکہ امامت جانشینی کا اوّلین مظہر ہے۔چنانچہ مہاجرین اور انصار نے صدق دل سے آپ کی بیعت کر لی۔

(البدایہ والنہایہ ج 5' صفحہ 248)

مسجد نبوی میں بیعت عامہ

الغرض ابوبکر صدیقؓ باجماع مہاجرین وانصار خلیفہ منتخب ہو گئے اور بیعت کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کا جلسہ ختم ہو گیا۔یہ بیعت دوشنبہ کی شام کو ہوئی جس دن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا یعنی 12 ربیع الاوّل 11 ہجری بوقت شام دوشنبہ کے دن بیعت خاصہ تھی اور بیعت عامہ وفات کے دوسرے دن بروز سہ شنبہ مسجد نبوی میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئی۔ اس روز عامتہ الناس مسجد نبوی میں جمع ہوئے۔تمام صحابہ کبار مہاجرین' انصار موجود تھے۔سب سے پہلے حضرت عمر کھڑے ہوئے اور کہا۔

''مجھے امید تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہم سب کے بعد ہو گی' اس لئے میں نے کل ایسی بات کہہ دی جو نہ کتاب اللہ میں پائی جاتی ہے اور نہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی سنی تھی۔لیکن میں اپنی محبت کے جوش میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ ہمیشہ رہیں گے اور ہمارے تمام کاموں کی نگرانی بہ نفس نفیس فرماتے رہیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ

کتاب باقی رکھی ہے جس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت حاصل کی۔ پس اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو اسی طرح ہدایت پاؤ گے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پائی۔ تمہارا خلیفہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بنایا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے۔ یہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقرب ہے اور یہی ہے جسے غار ثور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ اس لئے اٹھو اور اس کی بیعت کرو۔"

ایک روایت میں ہے کہ فاروق اعظم نے فرمایا۔

"اے مسلمانو! بتاؤ سوائے ابوبکرؓ کے کون ہے جس کو اللہ نے "ثانی اثنین اذ ھما فی الغار" فرمایا ہو اور کون ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاحب خاص فرمایا ہو اور کون ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر اس کے ساتھ ہو' اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا' مطلب یہ تھا کہ یہ وہ صفات ہیں کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی فرد بشر ایسا نہیں جو ان صفات فاضلہ میں ابوبکرؓ کا شریک اور سہیم ہو' استحقاق خلافت میں کیسے کوئی ان کا شریک اور سہیم ہو سکتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ جس کو حق جل شانہ اثنین فرمائیں' وہ بلاشبہ لاثانی ہے۔ لہذا اے مسلمانو تم اس لاثانی کی طرف بڑھو اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کے بعد یہ دوسرا ہاتھ ہے۔"

(البدایہ والنہایہ' ج 5' صفحہ 248)

حضرت صدیق اکبرؓ سے بیعت لینے کی درخواست

خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ منبر پر چڑھئے حضرت ابوبکرؓ نے تامل کیا مگر حضرت عمرؓ اصرار کرتے رہے۔ تب حضرت صدیق اکبرؓ منبر پر بیٹھے اور عامۃ الناس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ عام بیعت تھی۔ جبکہ سقیفہ بنو ساعدہ میں صرف خاص خاص لوگ شریک ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ منبر پر بیٹھے' مگر جس درجہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوا کرتے تھے اس سے ایک درجہ نیچے بیٹھے اور بیعت سے فراغت کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے لوگو! میں تمہارا حاکم تو بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں نیک

کروں تو اس میں میری مدد کرو اور اگر برا کام کروں تو مجھے ٹوکو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تمہارا قوی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک اس کے ذمے جو حق ہے اس سے نہ لے لوں۔ جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ترک کر دیتی ہے اس پر اللہ ذلت و خواری مسلط کر دیتا ہے اور اگر کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اور اللہ اس پر بلائیں اور عذاب عام کر دیتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کروں' لیکن اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اب نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔''

(البدایہ والنہایہ' ج5' صفحہ 341۔ شرح الشمائل' ج2۔ کنز العمال' ج3' صفحہ 129)

موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں اور حاکم نے مستدرک' میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بتایا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ:۔

''خدا کی قسم میں خلافت اور امارت کا کبھی خواہش مند نہیں ہوا نہ دن میں نہ رات میں اور نہ کبھی اس کی طرف مائل ہوا اور نہ حق تعالیٰ سے اعلانیہ یا پوشیدہ طور پر میں نے کبھی امارت کی دعا مانگی۔ البتہ مجھے ڈر ہوا کہ کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو جائے' اس لئے بادل ناخواستہ میں نے امارت کو قبول کر لیا ورنہ مجھے امارت میں کوئی رغبت نہیں ہے۔ میری گردن پر ایک عظیم بوجھ ڈالا گیا جس کے اٹھانے کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتا مگر یہ کہ اللہ میری مدد فرمائے۔''

(شرح الشمائل' ج2' صفحہ 222)

کنز العمال کی کتاب الخلافت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ ان الفاظ میں منقول ہے۔

''صدیق اکبرؓ نے خطبہ دیا اور یہ کہا' اے لوگو! اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نے خلافت اس لئے قبول کی ہے کہ میں خلافت اور امارت میں راغب تھا یا میں مسلمانوں پر برتری اور فوقیت چاہتا تھا' تو قسم ہے اس خداوند ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس ارادہ سے خلافت کو قبول نہیں کیا۔ خدا کی قسم میں نے امارت اور خلافت کیلئے دن اور رات

کسی ساعت میں کبھی حرص نہیں کیا اور نہ ظاہر و باطن مین خدا سے اس کی دعا مانگی۔ میری تمنا تو یہ تھی کہ میرے سوا کسی اور صحابی کو یہ منصب سونپ دیا جاتا جو مسلمانوں میں عدل کرتا اور اب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ یہ تمہاری خلافت اور امارت تم کو واپس ہے اور بیعت تم میرے ہاتھ پر کر چکے ہو سب ختم ہے۔ اب جس کو چاہو امارت اور خلافت سپرد کر دو۔ تم جیسا فرد میں بھی ہوں والسلام۔''

(کنزل العمال' ج3' صفحہ 131)

رسولؐ رحمتؐ کی تجہیز و تکفین

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت خلافت سے فارغ ہونے پر لوگ تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس موقعہ پر مہاجرین و انصار میں اختلاف پیدا ہوا۔ مہاجرین کی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مکہ میں دفن کیا جائے جو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پیدائشی وطن تھا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عزیز و اقارب رہائش پذیر تھے۔ بعض نے بیعت المقدس کی صلاح دی جہاں اکثر و بیشتر انبیاء مدفون ہیں۔ تعجب ہے یہ تجویز کس طرح پیش کی گئی درآں حالیکہ بیت المقدس اس زمانے میں رومی سلطنت میں شامل تھا اور رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان غزوہ موتہ اور تبوک کی وجہ سے سخت دشمنی پیدا ہو چکی تھی' حتی کہ اپنی وفات سے چند دن قبل آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو شام پر لشکر کشی کا حکم دے دیا تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت نے اس رائے سے اتفاق کیا نہ مکہ میں دفنانے پر راضی ہوئے' مدینہ طیبہ میں ہی دفن کرنے کی صلاح پر زور دیا جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر پناہ گزین ہوئے تھے اور جہاں کے لوگوں نے ہر طرح دیدہ و دل وفرش راہ کئے تھے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا کہ پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی روح قبض ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مسجد نبوی میں منبر کے قریب دفن کیا جائے جہاں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے حدیث بیان کی کہ مرض الموت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر ایک سیاہ چادر پڑی ہوئی تھی۔ مرض کی شدت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کبھی اتار دیتے اور کبھی چہرے پر ڈال لیتے تھے۔ اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ اس قوم پر لعنت کرے جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔''

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات مطابق فیصلہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اسی جگہ کھودی جائے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا۔ چنانچہ اسی جگہ بستر ہٹا کر قبر کھودنا تجویز ہوا۔

غسل

جب غسل کا ارادہ ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہیں چنانچہ پیراہن مبارک میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا گیا۔ حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ حضرت عباس بن عبدلمطلب ان کے دونوں لڑکوں فضل اور قثم اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نے غسل دیا۔ شکرانؓ اور اسامہؓ پانی ڈالتے تھے۔ غسل کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے خوشبو آتی رہی۔ غالب خیال یہ ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی میں کثرت سے خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ پینے کے پانی کو معطر فرماتے۔ عطر کی خوشبو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم میں رچ بس گئی تھی۔ غسل کے بعد کفن پہنایا گیا جو ایک دھاری دار اور دو یمنی چادروں پر مشتمل تھا۔

(اتحاف ج 10 صفحہ 304۔ البدایہ والنہایہ ج 5 صفحہ 260)

آخری دیدار اور جنازہ

تجہیز وتکفین کے بعد جنازہ کو چارپائی پر رکھ دیا گیا تاکہ عاشقان رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری دیدار سے مشرف ہوسکیں۔ مسلمان مسجد کی جانب سے حجرہ مبارک میں داخل

ہوتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر الوداعی نظر ڈالتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے اور غم وحزن کے جذبات لئے ہوئے دوسرے دروازے سے نکل جاتے۔ اب جنازہ کو قبر کے کنارے رکھ دیا گیا۔ ایک گروہ آتا اور تنہا جنازہ پڑھ کر باہر آجاتا۔ کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا۔ الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کر واپس آجاتے۔ جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نماز پڑھنے کیلئے حجرہ شریفہ میں داخل ہوئے تو تمام حجرہ لوگوں سے بھر گیا اور خاموشی چھا گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بلند آواز سے کہا۔

''اسلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاۃ، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کیلئے اپنی پوری قوت صرف کردی اور اس کے راستے میں اس وقت تک جہاد میں مشغول رہے جب تک اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل فتح عطا نہ فرمادی۔ ہم اس بات پر بھی گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے اپنے پروردگار کے ساتھ جو عہد باندھا تھا وہ پورا کر کے دکھایا اور لوگوں کو اس بات کی تلقین کی کہ جو خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں۔ اے اللہ ہم کو ان لوگوں میں سے بنا جنہوں نے آپ کی وحی کا اتباع کیا اور ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے۔ ہم اپنے ایمان کا کوئی معاوضہ اور قیمت نہیں چاہتے۔''

(البدایہ والنہایہ، ج5، صفحہ 265)

مسلمان ابوبکر صدیقؓ کے ہر جملہ پر بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ آمین کہتے تھے۔ جب مرد نماز جنازہ سے فارغ ہو گئے تو عورتیں آنی شروع ہوئیں۔ عورتوں کے بعد بچوں کی باری آئی اور انہوں نے بھی اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری دیدار کا شرف حاصل کیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے باعث ہر شخص حسرت ویاس کی مکمل تصویر بنا ہوا تھا اور کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جس کے چہرے سے اداسی اور بے چارگی نہ ٹپکتی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس بروایت ابن ماجہ کہتے ہیں کہ منگل کے روز جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جنازہ کو قبر کے کنارہ پر رکھ دیا گیا۔ایک گروہ حجرہ شریف میں آتا اور تنہا نماز پڑھ کر واپس آ جاتا۔کوئی کسی کی امامت نہیں کرتا تھا۔الگ الگ بغیر امام کے نماز پڑھ کر واپس آ جاتے۔ترمذی کی روایت ہے کہ لوگوں نے صدیق اکبرؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے' تو آپ نے فرمایا ہاں جنازہ پڑھو۔لوگوں نے دریافت کیا کس طرح؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا' لوگوں کا ایک ایک گروہ حجرہ میں جائے اور تکبیر کہے' پھر درود اور دعا پڑھے اور باہر آ جائے۔اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔قاضی عیاض فرماتے ہیں' صحیح یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حقیقتاً نماز جنازہ پڑھی گئی اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔امام شافعیؒ نے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الوفات میں ایک روز اہل بیت کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں بلایا۔اہل بیت نے دریافت فرمایا' یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے جنازہ کی نماز کون پڑھائے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو تھوڑی دیر کیلئے حجرہ سے باہر چلے جانا۔سب سے پہلے مجھ پر جبریل نماز پڑھیں گے' پھر باقی فرشتے' پھر تم ایک ایک گروہ کر کے اندر آنا اور مجھ پر صلوۃ وسلام پڑھنا۔

(زرقانی شرح موطا' ج 2' صفحہ 16۔شرح مواہب' ج 8' صفحہ 291)

تدفین

دوشنبہ کو دوپہر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا۔یہ وہی دن اور وہی وقت تھا۔جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔چہارشنبہ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دفن ہوئے۔بعض کہتے ہیں کہ سہ شنبہ کو مدفون ہوئے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ' حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں فضلؓ اور قثمؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر میں

اتارا۔ جب دفن سے فارغ ہوئے تو تربت شریف کو کوہان کی شکل میں تیار کیا گیا اور اوپر پانی چھڑکا گیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین دفن سے فارغ ہو کر کف افسوس ملتے خون کے آنسوں بہاتے ہوئے اور اس مصیبت کبریٰ پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے۔

(الحافظ دمیاطی' 12۔ طبقات ابن سعد' ج2' صفحہ 76۔ سیرۃ حلبیہ' ج2' صفحہ 489)

فتنہ ارتداد

حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا سے رخصت ہونا تھا کہ باستثنائے مکہ و مدینہ پورے عرب میں یکا یک ارتداد و بغاوت کا طوفان اس زور وشور سے اٹھا کہ اسلام کی عمارت کے در و دیوار ہل گئے اور صحابہ کرام میں محصور ہو کر رہ گئے۔ ایک راوی کے بیان کے مطابق مسلمانوں کی اس وقت حالت اس بکری جیسی تھی جو موسم سرما کی بارش والی رات میں کھڑی ہو۔ ایک طالب علم کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آخر اسلام جو ایک دین حق اور مذہب فطرت ہے اس کا یہ نشہ کیسا تھا کہ چڑھا اور فوراً ہی اتر گیا۔ اس خیال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مورخ اس فتنہ کو عام طور پر فتنہ ارتداد کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ہم نے بھی ان کی پیروی میں ''ارتداد'' کا ہی لفظ استعمال کیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ارتداد نہیں تھا اور جو لوگ مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے وہ زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہوں نے اگرچہ اسلام کو رسمی طور پر کسی لالچ یا دباؤ سے قبول کر لیا تھا مگر قرآن کے الفاظ میں اسلام ان کے حلق سے نیچے نہیں اترا تھا۔ اسی لئے بعض مورخ انہیں مسلمان ہی نہیں مانتے اور ان کی بغاوت کو سیاسی بغاوت کہتے ہیں۔

(طبری' ج2' صفحہ 261۔ تاریخ الاسلام السیاسی' صفحہ 629)

وفات نبوی کے وقت عرب قبائل میں دو گروہ

اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت راسخ العقیدہ مسلمانوں کے علاوہ جو حجاز اور طائف میں آباد تھے عام عرب قبائل دو قسم کے تھے جو ذیل میں درج ہیں۔

اعراب

یہ قسم ان قبیلوں کی تھی جو مدینہ طیبہ کے قرب جوار میں آباد تھے۔ مثلاً عبس' ذبیان' بنو کنانہ' غطفان اور فزارہ۔ یہ لوگ تھے جن تک اگرچہ اسلام پہنچا تھا لیکن چونکہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیرون حجاز میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کے تمام فرائض و واجبات کی تعلیم کا باقاعدہ پروگرام وفات سے صرف ڈیڑھ دو برس پہلے ہی شروع کیا تھا اور اس مقصد کیلئے منتظمین و مبلغین کا تقرر عمل میں آیا تھا' اس بنا پر مدینہ کے قرب و جوار میں رہنے والے قبائل نے اس پیغام کو سنا اور اسے قبول بھی کیا۔ لیکن چونکہ ان کو براہ راست رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و خدمت میں رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا' اس لئے اسلام کی اصل روح سے آشنا نہیں ہو سکے تھے۔

قرآن میں مرتدین کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا مَنْ يَّرتَدَّ مِنكُمْ عَنْ دِينِهٖ فَسَوْفَ يَاتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآ ئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُوْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ O

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا تو اللہ ان کے آگے ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں۔ وہ مسلمانوں پر نرم دل اور کافروں پر زبردست ہیں۔ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کسی کے الزام سے ڈرتے نہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے وہ عطا کرتا ہے اور وہ کشائش والا اور خبردار ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں پیشین گوئی

فرمائی کہ آگے چل کر مسلمانوں میں سے بعض لوگ مرتد ہو جائیں گے۔ یعنی اسلام سے پھر جائیں گے تو اسی وقت اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے کیلئے ایسے لوگ کھڑے کرے گا جو ان مرتدوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کریں گے اور مرتدین سے مقاتلہ کرنے والے خدا تعالیٰ کے محبوب ہوں گے چنانچہ صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں فتنہ ارتداد پیش آیا اور صحابہ کرام نے مرتدین سے جہاد وقتال کیا اور مرتدین کو شکست دی۔ موضح القران میں بیان ہوا ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر عرب دین سے پھرے تو حضرت صدیق اکبر نے یمن سے مسلمان بلائے اور ان سے جہاد کروایا یہاں تک کہ سب عرب مسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا سے رخصت ہونا تھا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سوا پورے عرب میں یکایک ارتداد و بغاوت کا طوفان اس شدت سے اٹھا کہ اسلام کی عمارت کے درو دیوار ہل گئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس میں محصور ہو کر رہ گئے بالفاظ طبری مسلمانوں کی حالت اس بکری جیسی تھی جو موسم سرما کی بارش والی رات میں کھڑی ہو۔ عربوں نے حکومت مدینہ کا جوا کندھوں سے اتارنے اور بعثت نبوی سے قبل کی بدویانہ اور غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نفاق کا ستارہ اوج کو پہنچ گیا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کی بن آئی۔ چاروں طرف سے مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اہل مکہ تک نے اسلام سے روگردانی اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا' حتی کہ عتاب بن اسید کو جو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مکہ کے عامل تھے' خوف کے مارے روپوشی اختیار کرنا پڑی۔ اسی وقت سہیل بن عمروؓ نے زبردست جرأت ایمانی کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اہل مکہ کے سامنے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس واقعہ سے اسلام کی شان وشوکت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جو شخص اسلام کے متعلق شک وشبہ کو اپنے دل میں جگہ دے گا' ہم اس کی گردن اڑا دیں گے۔ اے اہل مکہ! تم وہ لوگ ہو جو سب سے آخر میں اسلام لائے۔ اب سب سے پہلے ارتداد اختیار کرنے والے نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا' جیسا کہ وہ اپنے رسول سے وعدہ کر چکا ہے۔''

سہیل بن عمروؓ کی اس تقریر سے اہل مکہ کے متزلزل دل دوبارہ ثبات وقرار پکڑ گئے اور وہ

بدستور اسلام پر قائم رہے۔ دراصل رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر راسخ العقیدہ مسلمانوں کے علاوہ عام عرب قبائل دو قسم کے تھے۔ اعراب جو مدینہ طیبہ کے قرب وجوار میں آباد تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن تک اگرچہ اسلام کا پیغام پہنچا تھا۔ لیکن اسلام کی اصل روح سے ناآشنا تھے اوران کا ایمان پختہ نہیں تھا۔ قرآن مجید میں ان کو اعراب کہا گیا اور جگہ جگہ ان کو متنبہ کیا گیا کہ ان کا ایمان پختہ نہیں ہے۔ سورہ الحجرات میں ارشاد ہوا۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۃ الحجرات۔14)

یہ بدوی کہتے ہیں کہ ''ہم ایمان لائے'' ان سے کہو''تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ''ہم مطیع ہو گئے'' ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کر لو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے ۝

ان اعراب میں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں میں کیا فرق تھا؟ قرآن نے اس کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے تاکہ کسی شخص کو اعراب کے سمجھنے میں پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو' فوراً ہی ارشاد ہوا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

(سورۃ الحجرت۔15)

حقیقت میں مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی لوگ سچے ہیں ۝

یہ اعراب وہی لوگ ہیں جو آگے چل کر مانعین زکوۃ بنے۔ ان اعراب نے اسلام کی ظاہری شوکت وسطوت اور سیاسی اقتدار کو دیکھ کر اپنے آپ کو مسلمان کہلانا شروع کیا لیکن درحقیقت ایمان ان کے دلوں میں اترا نہیں تھا۔ اس لئے شکوک وشبہات میں مبتلا تھے اور اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کیلئے آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ اعراب کی اس کم مائیگی کو ایک اور آیت میں صاف صاف بیان کر دیا گیا۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○

(سورۃ الفتح۔11)

اے نبیؐ! بدوی عربوں میں جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ اب وہ آ کر ضرور تم سے کہیں گے کہ ''ہمیں اپنے اموال اور بال بچوں کی فکر نے مشغول کر رکھا تھا۔ آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔'' یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔ ان سے کہئے ''اچھا یہی بات ہے تو کون تمہارے معاملے میں اللہ کے فیصلے کو روک دینے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے۔ اگر وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا نفع بخشنا چاہے؟ تمہارے اعمال سے تو اللہ ہی پوری طرح باخبر ہے○

قرآن نے ان اعراب کی ایمانی کمزوریوں کی ہی پردہ دری نہیں کی ہے بلکہ اس بات کی بھی پیشین گوئی کر دی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں یہ اعراب پکے مسلمان ہو جائیں گے اور پھر ان کو ایران وروم جیسی طاقتور قوموں کے مقابلہ میں جنگ کرنے کیلئے بھیجا جائے گا۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

(سورۃ الفتح۔16)

کہہ دیجئے ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی (مقابلہ کی) ایسے لوگوں سے جو بڑے زور آور ہیں۔تم کو ان سے جنگ کرنی ہوگی یا وہ مطیع فرمان ہو جائیں گے۔پھر اگر تم نے اطاعت کی (ہمارے حکم کی) تو دے گا تم کو اللہ اچھا اجر۔اور اگر تم منہ موڑو گے جیسے منہ موڑتے رہے ہو اس سے پہلے تو تم کو اللہ دردناک عذاب دے گا ۝

یعنی کہہ دیجئے بچھڑنے والے اعراب سے کہ تم سخت رعب وداب والی ایک قوم کی طرف بلائے جاؤ گے۔تم ان سے لڑو گے اور وہ مسلمان ہو جائیں گے۔پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تم ایسی ہی روگردانی کرو گے جیسی کہ تم نے پہلے کی تو اللہ تم کو سخت عذاب دے گا۔مدینہ کے قرب وجوار میں جو قبائل آباد تھے یہی وہ لوگ ہیں جن کو قرآن نے اعراب کہا۔چنانچہ قرآن میں ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ

(سورۃ التوبہ۔120)

مدینہ کے باشندوں اور گردونواح کے بدویوں کو یہ ہرگز زیبا نہ تھا کہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہتے۔

یعنی اہل مدینہ اور وہ اعراب جو ان کے اردگرد یعنی اطراف واکناف مدینہ میں رہتے ہیں۔ان کیلئے مناسب نہیں کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ جائیں۔یہی وہ لوگ تھے جن کی خاطر خواہ تہذیب نفس اور تنظیم نہیں ہو سکتی تھی اور اسلام کی پوری حقیقت ان کے ذہن نشین نہیں ہوئی تھی اور دیہاتی گنوار ہونے کی وجہ سے ان کا ذہن امر حق کو فوراً قبول کرنے کی استعداد سے بے بہرہ تھا۔اس بنا پر خود ان اعراب میں بھی دو قسم کے لوگ تھے۔ایک وہ جو دل و جان سے مسلمان ہو چکے تھے اور دوسرے وہ جو عصبیت جاہلیہ اور اسلام کے درمیان کشمکش سے دوچار تھے اور ابھی تک اپنے لئے کوئی قطعی راہ عمل متعین نہیں کر سکے تھے۔قرآن نے اعراب کی

ان دونوں قسموں کو بھی الگ الگ بیان کیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(سورۃ التوبہ۔98-97)

یہ بدوی عرب کفر ونفاق میں زیادہ سخت ہیں اوران کے معاملے میں اس امر کے امکانات زیادہ ہیں کہ اس دین کے حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے۔اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ان بدویوں میں ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو راہ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر زبردستی کی چٹی سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں زمانہ کی گردشوں کا انتظار کر رہے ہیں (کہ تم بری گردش میں پھنسو تو وہ اس نظام کی اطاعت کا قلادہ اتار پھینکیں جس میں تم نے انہیں کس دیا ہے) حالانکہ بدی کا چکر خود انہی پر مسلط ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے ۝

اوراعراب میں بعض وہ ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسکو اپنے اوپر ڈنڈ سمجھتے ہیں اور اے مسلمانو اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ تم پر کوئی وبال نازل ہو۔یہ وبال انہی کے اوپر پڑے گا کہ اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۃ التوبہ۔99)

اور انہی بدویوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ہاں وہ ضرور ان کیلئے تقرب کا ذریعہ ہے اور اللہ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل

کرے گا۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے ○

یعنی اعراب کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق نہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام اتارے ہیں ان کے حدود کو نہ جانیں اور اللہ علیم اور حلیم ہے یعنی اعراب میں بعض وہ ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ سے تقرب کا اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں! بیشک ان کے تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اللہ عنقریب ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ غفور و رحیم ہے۔ غور کیجئے پہلی قسم کے اعراب کی خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو ڈنڈ کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ طبعاً بخیل یا کم از کم انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت ان کے ذہن نشین نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں لیکن ان کے نزدیک اسلام صرف نماز روزہ کا نام ہے۔ ان کا اصول زندگی منفعت دنیا تھا۔ قبائل عرب میں اعراب کا یہی وہ طبقہ تھا جن کو مورخین نے مرتد لکھا حالانکہ حقیقت میں مرتد نہ تھے بلکہ مسلمان تھے البتہ مختلف وجوہات کی بنا پر اپنی زکوٰۃ مدینہ کی نوزائیدہ سٹیٹ کو نہیں دینا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے جہاد و قتال کو حق بجانب سمجھا گیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہوتے ہوتے سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا۔ علامہ طبری کے مطابق حجتہ الوداع کے موقع پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان برات کے بعد کفار عام طور پر مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کے بعد بغاوت و سرکشی کا طوفان اٹھا تو اس کو ارتداد کے سوا اور کیا کہیں۔ حق یہ کہ قبائل سرے سے اسلام کی لذت سے آشناء ہی نہیں ہوتے تھے۔ ان صبر آزما نازک حالات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی۔ یہ مسلمانوں کیلئے بڑا ہی کٹھن وقت تھا۔ سب سے بڑا زخم جوان کے قلب وجگر پر لگا تھا، رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حادثہ وفات تھا جس نے دنیا ان کی نگاہوں میں تیرہ و تار کر دی تھی۔ مدینہ کے اندر بھی منافقوں کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جو فتنہ انگیزی کیلئے موقع و بہانہ کی تلاش میں رہتا تھا۔ جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے فتنہ نے آنحضرت کی زندگی میں سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ جن قبیلوں کو مدینہ کی سیادت گوارا نہیں ہو سکتی تھی وہ کل پرزے درست کرنے کی فکر میں تھے۔ غرضیکہ دقتوں، دشواریوں اور مشکلات کا ایک پہاڑ تھا جو خلیفہ رسول کی آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا۔ رسول رحمت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات نے مسلمانوں کو ایسے حالات سے دوچار کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمت نہ بخشتے تو نوزائیدہ اسلام ہلاک ہو جاتا۔ ان سب اندرونی اور بیرونی دشواریوں کے باوجود جو اہم معاملہ سب سے پہلے درپیش تھا وہ حضرت اسامہ بن زید کی سرکردگی میں شام کی طرف لشکر کی روانگی کا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اس لشکر کو جس مہم کیلئے مقرر کیا گیا تھا اس پر جانے دیا جائے یا پہلے مرتدین کی سرکوبی کی جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین گھبرا رہے تھے لیکن خلیفہ رسول امواج حوادث سے سراسیمہ ہونے والا نہ تھا۔ اس کے سامنے سب سے پہلے کرنے والا کام جیش اسامہ کی روانگی کا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اصحاب النبی سے کہا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں ہی اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھ کو بھنبھوڑ کر کھا جائیں' میں اس وقت بھی اسامہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق اس مہم پر روانہ کردوں گا۔''

(طبری' ج 2 'صفحہ 461۔ ابن عساکر' ج 1 'صفحہ 117)

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اس لشکر میں سن رسیدہ اور تجربہ کار صحابہ شامل ہیں تجربہ کار صحابہ شامل ہیں اور اسامہ نوجوان ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ امیر لشکر کسی معمر آدمی کو بنادیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیق یہ سنتے ہی غصہ سے بے قابو ہو کر بولے ''اے خطاب کے بیٹے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اسامہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور اب تم کہتے ہو کہ میں ان کو معزول کروں۔'' حضرت عمرؓ واپس آ گئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سخت سست سننا پڑا۔

(طبری' ج 2 'صفحہ 462)

جیش اسامہ کی روانگی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اعلان عام کر دیا جیش اسامہ میں جو لوگ نامزد کئے گئے تھے ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے۔ سب مقام جرف میں پہنچ جائیں اور خود وہاں پہنچ کر فوج کو روانگی کا حکم دیا۔ لشکر روانہ ہوا تو پا پیادہ اس کے ساتھ چلے۔ حضرت اسامہ جو گھوڑے پر سوار تھے۔ عرض کیا یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے پیادہ ہونے کی اجازت دیں۔ فرمایا نہ تم اترو گے اور نہ میں سوار ہوں گا۔ کیا ہوا اگر اللہ کی راہ میں میرے پاؤں غبار آلود ہو گئے۔ اس کے بعد اسامہ سے فرمایا

''اگر تم مناسب سمجھو تو حضرت عمر کو میرے پاس چھوڑ جاؤ' مجھ کو ان کے مشورہ کی ضرورت ہو گی۔''
حضرت اسامہ اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لشکر کو روک کر نہایت قیمتی ہدایات دیں۔ ابھی لشکر اسامہ کو روانہ ہوئے بیس روز نہ گزرے تھے کہ مسلمانوں نے بلقاء کی سرحد پر حملہ کر دیا۔ حضرت اسامہؓ نے جنگ موتہ میں شہید ہونے والے مسلمانوں اور اپنے والد زید بن حارثہؓ کا انتقام لے لیا اور اس طرح اس ذمہ داری کو باحسن پورا کیا جو رسول رحمت اور بعد ازاں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان پر ڈالی تھی۔ جب یہ لشکر مدینہ واپس آیا تو حضرت اسامہ اپنے والد کے قاتل کے گھوڑے پر سوار تھے اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو علم انہیں مرحمت فرمایا تھا وہ اس گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا تھا۔

(طبری' ج 2' صفحہ 462۔ ابن عساکر' ج 1' صفحہ 124-122)

حضرت فاطمہؑ کی میراث طلبی

مسند امام بن حنبل میں بسند صحیح مروی ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث آپ ہیں یا ان کی اولاد۔ حضرت ابو بکر نے جواب دیا ''میں نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلقین یعنی اہل'' حضرت فاطمہؑ نے کہلا بھیجا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ کہاں ہے جو زمین فدک اور خیبر میں تھی اس میں سے ان کا حصہ دے دیا جائے جواب میں حضرت ابو بکرؓ نے کہا ''میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کھلاتا پلاتا ہے اور جب وہ اس دنیا سے اٹھا لیا جاتا ہے تو نبی کا جو حصہ ہوتا ہے وہ اس شخص کی تحویل میں چلا جاتا ہے جو اس کا قائم مقام ہوتا ہے'' تاہم اگر آپ کے والد بزرگ نے یہ زمین آپ کے نام ہبہ کر دی ہو تو میں آپ کے فرمانے کے بموجب آپ کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت فاطمہ نے جواب دیا ''اگرچہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی لیکن ام ایمن نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ زمینیں مجھے ہبہ کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ حضرت عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور خیبر و فدک میں سے

اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا ''کیا تم کو خوف خدا نہیں ہے؟ کیا تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہوگا۔ جب میں دنیا میں نہ ہوں گا تو میرا حصہ اس شخص کیلئے ہوگا جو میرا خلیفہ ہوگا۔''

حضرت عائشہ کی یہ باتیں سن کر ازواج مطہرات نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔

(فتح البلدان' بلاذوی' صفحہ 37۔ مسند امام احمد حنبل' ج 1 'صفحہ 7)

حضرت صدیق اکبر نے حضرت فاطمہ سے یہ بھی عرض کیا نبی نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں نہ ان کے مال کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ نبی جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ اور خیرات ہے۔ البتہ جو نفقہ اور خرچ مقرر ہے وہ بدستور جاری رہے گا اور جس کام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرچ کرتے تھے' ابوبکر بھی اس میں اسی طرح خرچ کرے گا اور آل رسول اس مال میں سے اسی طرح کھائے گی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کھاتی تھی اور خدا کی قسم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان مجھے اپنی قرابت کے سلوک اور احسان سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

(البدایہ والنہایہ' ج 5 'صفحہ 246۔ مسند امام حنبل' ج 1 'صفحہ 10)

متروکات نبوی

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔ ہفتوں گھر میں چولہا نہ جلتا۔ خالص پانی اور سوکھی کھجور پر گزر بسر ہوتی۔ کچے حجروں میں زندگی گزارتے تھے۔ کمبل پوش تھے بورے اور ٹاٹ پر بیٹھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھا ہی کیا تھا جو وفات کے بعد وارثوں کیلئے چھوڑ جاتے۔ حضرت عمرو بن حارثؓ اور ام المومنین حضرت جویریہؓ فرماتی ہیں۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار اور نہ غلام نہ باندی اور نہ کوئی شے مگر ایک سفید خچر اور چند ہتھیار اور کچھ زمین جس کو اپنی زندگی میں ہی مسلمانوں کیلئے صدقہ و وقف کر گئے تھے۔'' (بخاری)

عمرو بن حارثؓ کی اس حدیث میں جس زمین کا ذکر ہے اس سے تین جائیدادیں مراد ہیں۔

1- جائیداد مدینہ

اس سے بنونضیر کی زمین مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور فی عطا فرمائی تھی اور جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ یہ زمین برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں رہی۔ اس کی آمدنی سے اہل وعیال کو سالانہ خرچہ دیتے اور جو بچتا اس سے ہتھیار اور گھوڑے اور سامان حرب وضرب خرید تے۔

(صحیح بخاری، تفسیر سورہ حشر)

2- خیبر کی زمین

خبر کی فتح کے بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا، ان میں سے اٹھارہ حصے اپنے لئے مخصوص فرمائے اور باقی حصص مجاہدین میں تقسیم فرمادیے۔ خیبر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محیصہ بن مسعودؓ انصاری کو دعوت اسلام دینے اہل فدک کے پاس بھیجا۔ یوشع بن نون ان کا سردار تھا۔ اہل فدک نے صلح کی درخواست کی اور نصف زمین معاہدہ میں دینی منظور کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو منظور فرمالیا۔ اس وقت سے یہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مخصوص ہوگئی۔

3- فدک کی نصف زمین

فتح خیبر کے بعد فدک کی نصف زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل خیبر سے صلحاً حاصل ہوئی۔ خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی اس کو وقتی اور ناگہانی ضروریات میں صرف فرماتے۔ یہ زمینیں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سمجھی جاتی تھیں اور تاحین حیات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان زمینوں سے صرف بقدر نفقہ اہل وعیال لیتے تھے اور بقیہ آمدنی مسلمانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں پر خرچ فرماتے۔ ان جائیدادوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصرف مالکانہ نہ تھا بلکہ متولیانہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متولی تھے اور حکم خدا کے مطابق خرچ فرماتے تھے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرات اہل بیت کو خیال آیا کہ یہ زمینیں رسول رحمت کی ملکیت اور ذاتی جائیدادیں ہیں۔ اس لئے بطور وراثت اہل بیت میں تقسیم ہونی چاہئیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباسؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے

خیبر و فدک کی زمینوں سے بحیثیت وارث حصہ طلبی کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کام کو جس طرح سرانجام دیتے تھے میں بھی اسی طرح کروں گا۔ حضرت فاطمہؓ سن کر کبیدہ خاطر ہوئیں اور واپس چلیں گئیں باوجود کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس امر کی یقین دہانی کرائی تھی کہ آل رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان جائیدادوں میں سے اس طرح کھائے گی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کھاتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ خیبر اور فدک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ مخصوص تھا تاہم ''اللہ نے جو چیز اپنے رسول کو بطور فی کے دی ہے تم نے اس پر اپنے گھوڑے یا سواریاں نہیں دوڑائی تھیں۔ لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔'' (القرآن) اس آیت میں فی کا ذکر ہے۔ اس سے مراد خیبر اور فدک مراد لئے گئے' لیکن ایک پیغمبر' ایک بادشاہ یا ایک صدر ریاست کیلئے کسی چیز کے خاص ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز اس کی ذاتی ملکیت ہو اور دوسری یہ کہ صدر ریاست ہونے کی حیثیت سے وہ اس کے اخراجات کیلئے وقف ہو۔ پہلی صورت میں صدر ریاست کے انتقال کے بعد وہ شے اس کے وارثوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسری صورت میں چونکہ وہ ذاتی نہیں ہوتی اس لئے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی' بلکہ اس کے بعد جو شخص صدر ریاست ہوتا ہے۔ اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیشک خیبر اور فدک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے خاص مانتے تھے' لیکن پہلی صورت کا خاص ہونا نہیں جس میں وراثت چلتی ہو بلکہ دوسری کا جس کو لازمی طور پر خلیفہ رسول کی طرف منتقل ہونا چاہیے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے عمل تو اسی پر کیا جو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا اور کسی کو اس جائیداد میں سے بطور وراثت کچھ نہیں دیا حتیٰ کہ اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کو بھی اس میں سے کچھ نہ دیا اور نہ حضرت حفصہؓ کو کچھ دیا اور نہ ازواج مطہرات کو کچھ بطور وراثت دیا' البتہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو راضی کر لیا اور ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے معذرت کی تاآنکہ وہ راضی ہو گئیں۔

(البدایہ والنہایہ' ج 5' صفحہ 249۔ صحیح بخاری۔ کتاب الفرائض۔ مسند امام احمد حنبل' ج 1' صفحہ 10)

میراث نبویؐ

حضرت صدیق اکبرؓ، دیگر خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور حضرت عائشہؓ وغیرہ ہم سے ثابت ہے کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہم انبیاء کے گروہ کے مال میں میراث نہیں۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات ہے۔

1- اس میں حکمت یہ ہے کہ خلق خدا کو معلوم ہو جائے کہ حضرات انبیاء نے دعوت حق اور تبلیغ دین میں جو محنت و مشقت اٹھائی وہ محض اللہ تعالیٰ کیلئے تھی۔ اس سے دنیا مطلوب نہ تھی، یہاں تک کہ اولاد کو بھی اس میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔

2- حضرات انبیاء کرام علیہ السلام امت کے حق میں روحانی باپ ہیں، لہٰذا ان کے مال امت کے تمام افراد کیلئے وقت ہوگا۔ کسی خاص کیلئے مخصوص نہ ہوگا۔

3- حضرت انبیاء کرام علیہ السلام ہر وقت بارگاہ خداوندی میں حاضر اور مقیم رہتے ہیں اور مالک حقیقی کی ملکیت ہر وقت ان کی نظروں میں رہتی ہے، اس لئے انبیاء کرام علیہ السلام اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہیں سمجھتے۔

عوام کی نظروں سے مالک حقیقی کی ملکیت چونکہ پوشیدہ ہے۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو مالک مجازی سمجھتے ہیں۔ مگر انبیاء کرام علیہ السلام اپنے آپ کو مالک مجازی بھی نہیں سمجھتے۔ جو چیز ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اس کو خدا ہی کی تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم خداوند ذوالجلال کے دسترخوان پر بیٹھے ہیں، ہم کو اس سے متمتع اور مستفید ہونے کی اجازت ہے۔ اس وجہ سے ان اموال میں انبیاء کرام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور نہ وفات کے بعد ان میں میراث اور وصیت جاری ہوتی ہے۔

مدعیان نبوت

حجۃ الوداع کے بعد جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس تشریف فرما ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کی خبر تمام اطراف میں پھیل گئی، چنانچہ اسود عنسی یمن میں اٹھ کھڑا ہوا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح مسیلمہ نے یمامہ اور طلحہ بن خولید نے قبیلہ اسد میں ظہور کر کے نبوت کا دعویٰ کیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف

اعلان جنگ کر دیا اور اپنے عاملوں کی طرف قاصد بھیجے اور جو لوگ اسلام پر ثابت قدم تھے ان کو لکھ بھیجا کہ ان جھوٹے مدعیون کے خلاف جہاد کریں۔ چنانچہ اسود عنسی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ایک دن پہلے مارا گیا۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت علیل تھے تاہم علالت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام خداوندی کی تعمیل اور دین اسلام کی حمایت میں بدستور مصروف و مشغول رہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کذابوں کے خلاف گردونواح کے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مسیلمہ کذاب کا ایک مراسلہ موصول ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب تحریر فرمایا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ان مرتد باغیوں کے بارے میں جو حکم خداوندی تھا' پورا ہو گیا۔

سجاح بنت الحارث

نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی ہوا کچھ ایسی چلی تھی کہ مرد تو مرد عورتیں بھی اس میدان میں قسمت آزمائی کیلئے اتر پڑیں۔ چنانچہ سجاح نے جو بنو تغلب سے تعلق رکھتی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ بنو تغلب اور بنو تمیم کے کچھ لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ ان کے علاوہ قبیلہ ہذین جو عیسائی تھا وہ بھی اس کا حامی ہو گیا اور مسیحیت کو ترک کر دیا۔ مالک بن نویرہ جو مرتد ہو گیا تھا اس کا دست راست تھا لیکن سجاح اور مسیلمہ کذاب جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا دونوں میں ازدواجی تعلق ہو گیا۔ اس تعلق کی ابتداء کیونکہ ہوئی اور یہ کس نوعیت کا تعلق تھا' ابن جریر طبری نے اس کی تفصیل جو نہایت فحش ہے جلد دوئم' صفحہ 497 میں دی ہے۔ اس طرح کہ سجاح کی نبوت مسیلمہ کذاب کی نبوت میں مدغم ہو گئی۔

مسیلمہ الکذاب

مسیلمہ کے باپ کا نام حبیب تھا اور کنیت ابوثمامہ یا ابوثمالہ تھی۔ فتوح البلدان بلاذری نے صفحہ 97 پر اس کا حلیہ اس طرح لکھا ہے کہ پست قامت' زردرو' چپٹی ناک والا تھا۔ بلاذری کے

مطابق حبیب مسیلمہ کا باپ نہیں دادا تھا اور باپ کا نام کبیر تھا۔ لیکن طبری وغیرہ مسیلمہ بن حبیب لکھتے ہیں۔ بنو حنیفہ کا جو وفد 9 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اس کا ایک رکن مسیلمہ بھی تھا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ وعدہ کریں کہ اپنے بعد مجھ کو اپنا قائم مقام بنالیں گے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرلوں گا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی ایک شاخ جو آپ کے پاس تھی اس کی طرف اشارہ کر کے صاف جواب دے دیا کہ اگر تو مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے تو میں نہیں دوں گا۔ اسی قبیلہ کے ایک اور شخص ہوزہ بن علی نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح بات لکھی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بھی یہی جواب دیا اور ساتھ ہی دعا فرمائی کہ اے اللہ تو مجھ کو اس کے شر سے بچا' چنانچہ ہوزہ چند روز بعد ہی مر گیا۔

(بلاذری' صفحہ 54)

مسیلمہ بنو حنیفہ کے ساتھ واپس اپنے قبیلے میں پہنچا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے یہ خبر اڑا دی کہ محمد رسول اللہ نے مسیلمہ کو اپنا شریک کار تسلیم کرلیا ہے۔ بنو حنیفہ اور ان کے حلیف سب کے سب مسیلمہ کے ساتھی ہو گئے۔ مسیلمہ کے ساتھیوں میں کثرت ایسے لوگوں کی تھی جو مسیلمہ کو جھوٹا سمجھتے تھے لیکن صرف قبائلی عصبیت کے باعث اس کا ساتھ دیتے تھے۔ اب مسیلمہ کو اتنی جرأت ہو گئی کہ اس نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خط لکھا کہ جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ خود مسیلمہ کا موذن جس کا نام مجید تھا' جب اذان دیتا تھا تو برملا کہتا اشھد ان مسیلمہ بزعم انہ رسول اللہ یعنی اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ مسیلمہ بھی یہ سن کر کہتا ''افصح مجید'' اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیلمہ خود بھی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ لیکن صرف اپنا کام نکالنے کیلئے چہرہ پر نبوت کا نقاب ڈال رکھا تھا۔ یوں تو مدعیان نبوت کے اور بھی دو تین نام ملتے ہیں لیکن ان کو فروغ نہیں ہوا اور وہ جلد ہی گمنامی کی موت مر گئے۔ ارتداد و بغاوت کا عرب میں یک بیک جو طوفان اٹھا تھا۔ اس کی راہبری اور قیادت بھی مذکورہ بالا چار افراد تین مرد اور ایک عورت کر رہے تھے ان کے

علاوہ عینیہ بن حص الفرازی اور مالک بن نویرہ قسم کے لوگ انہی میں سے کسی نہ کسی کے اعوان و انصار تھے۔ ان چار میں سے ایک شخص یعنی اسود عنسی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ہی میں مارا گیا اور اس کے ساتھیوں میں جو بچ رہے تھے انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اب فتنہ کے سرخیل و سرغنہ طلحہ' سجاح اور مسیلمہ کذاب باقی رہ گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کا خاتمہ کر دیا اور اس طوفان پر مکمل قابو پالیا۔

رسول اللہ کی روحانی وراثت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو یہاں کی فانی چیزوں میں سے کوئی چیز اپنے پیچھے چھوڑ کر نہ گئے۔ جس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے' اسی حالت میں دنیا سے چلے گئے۔ البتہ بنی نوع انسان کیلئے دین اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن کا ایک ایسا لازوال ورثہ چھوڑ گئے۔ جس کے حیات بخش چشمہ سے پیاسی دنیا ہمیشہ کیلئے سیراب ہوتی رہے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید کو' جو دنیا سے بالکل مٹ چکی تھی' دوبارہ قائم فرما دیا اور بت پرستی کے تمام مظاہر کو نیست ونابود کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہمی نیکی اور محبت سے پیش آنے اور ہر معاملہ میں تقویٰ کو ملحوظ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اپنے بعد کتاب اللہ کو انسانوں کیلئے ہدایت ورحمت کا سرچشمہ کی حیثیت میں چھوڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کیلئے کامل نمونہ تھے اور جو کچھ فرمایا اس پر پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ مرض الموت میں ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے۔ وہ مجھ سے اپنا انتقام لے لے۔ اگر میری زبان سے کسی کے متعلق کوئی ناروا بات نکل گئی ہو تو وہ اسی طریقہ سے مجھ سے انتقام لے لے۔ اگر میرے ذمہ کسی کا کوئی قرضہ ہو تو یہ میرا مال حاضر ہے' اس میں سے اپنی رقم لے لے۔ ایسے لوگوں کی طرف سے میرے دل میں ہرگز بغض یا کینہ پیدا نہیں ہوگا' کیونکہ بغض اور کینہ رکھنا میری عادت نہیں۔"

اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر تین درہم کا مطالبہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

کھڑے کھڑے اسے تین درہم دلوا دیئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عظیم الشان روحانی میراث چھوڑ کر اس جہان فانی سے سفر آخرت اختیار فرمایا جو تا قیامت قائم و دائم رہے گی اور جس سے دنیا کے ہر طبقہ اور ہر زمانہ کے لوگ راہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرمائے گا اور اسے تمام ادیان پر غالب کر کے سرخ رو کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

رسول کریمؐ داخلی و خارجی پالیسی

داخلی تعلقات

ایام حج کے دوران رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ کے میدان میں ایک قبیلے کے وفد سے دوسرے قبیلہ کے کیمپ میں ملنے کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج پر آنے والوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ وہ ان قبائل کے نمائندوں کو اسلام کی دعوت کے ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع فراہم کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ وہ ان سے ناقابل یقین وعدہ بھی کرتے ہیں کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو بہت جلد تم دنیا کی دو بڑی سلطنتوں، بازنطینی اور ساسانی کے مالک بن جاؤ گے۔
ایک موسم حج میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ سے زائد وفود سے رابطہ پیدا فرمایا۔ بعض نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو نہ مانا اور بعض نے بہانے بنا کر ٹال دیا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر اسلام کی دعوت جاری رکھی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن قبائل سے رابطہ کیا وہ شائد پورے جزیرہ نمائے عرب کے نمائندے تھے۔

حج کعبہ کی روحانی برتری سے مکہ کی تجارت خوب چمکتی تھی، جس کے سہارے مکہ کو عرب کا بین الاقوامی تجارتی شہر کہا جاسکتا تھا۔

منیٰ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش کامیابی کا پیغام لائی اور چھ افراد پر مشتمل ایک گروپ جن کا تعلق بنی خزرج سے تھا' وہی قبیلہ جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی والدہ محترمہ تعلق رکھتی تھیں' منیٰ میں حجامت بنوا رہا تھا۔ وہ بڑے جمرہ کے قریب بیٹھے ایک دوسرے کے بال کاٹ رہے تھے۔ قبیلہ خزرج نے قبیلہ اوس پر فتح حاصل کی تھی۔ بنو اوس کفار مکہ سے فوجی معاہدہ کی کوشش کر رہا تھا۔ بنو خزرج دوسرے قبائل کی نسبت متوقع نبی آخر الزماں کی آمد کے تصورات سے بہتر طور پر آگاہ تھے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے قرآنی آیات کی تلاوت فرمائی تو مدینہ کے ان افراد کو یاد آیا کہ کس طرح یہودی کہا کرتے تھے کہ کچھ عرصہ انتظار کرو' جلد ہی اللہ کا آخری نبی آنے والا ہے اور اس کی معیت میں ہم تو لوگوں پر بالادستی حاصل کر لیں گے' مدینہ والوں نے محسوس کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس انداز میں دعوت اسلام پیش کی ہے' ہم پیش قدمی کر کے موقع سے کیوں فائدہ نہ اٹھائیں۔ انہوں نے نہ صرف اسلام قبول کر لیا بلکہ یہ بھی وعدہ کیا کہ مدینہ جا کر اسلام کی تبلیغ کریں اور آئندہ سال اسی جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھی خبر سنائیں گے۔ بنو خزرج مدینہ میں اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس مقصد کیلئے ابن ابی کو یثرب کا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا اور اس کا طلائی تاج بنوانے کیلئے زرگر کو آرڈر بھی دے دیا تھا۔ لیکن بنو اوس ابن ابی کو کسی قیمت بادشاہ تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ حج سے واپس آنے والے بنو خزرج کے چھ آدمی امن اور بھائی چارے کا جو پیغام لے کر آئے تھے' جلد ہی سارے شہر میں پھیل گیا۔ چنانچہ بنو اوس بھی اسلام قبول کرنے لگے اور اسلام قبول کرنے والے بنو اوس کے افراد کو بنو خزرج نے بھائیوں کی طرح گلے لگا لیا۔ اگلے سال موسم حج میں بارہ خاندانوں کے نمائندے منیٰ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے۔ ان میں سے نو کا تعلق خزرج سے تھا اور تین کا بنو اوس سے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو حلف وفاداری اٹھایا اور وعدہ کیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ چوری نہیں کریں گے' زنا سے اجتناب کریں گے' اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں' نہ بہتان کی اولاد لائیں گے' جسے اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان نطفہ شوہر سے جنی ہوئی اولاد کی طرح بنالیں' نہ کسی نیک بات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کریں گے۔ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ

نقیب (اپنے بارہ نمائندے) نامزد کئے اور ان میں سے ایک کو نقیب النقباء (سربراہ) مقرر فرمایا۔ رسول خدا نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بحیثیت معلم ان کے ہمراہ بھیج دیا۔ حضرت مصعبؓ کی کوششوں سے مدینہ کے اکثر و پیشتر قبائل مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت مصعبؓ کی کامیابیوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ ایک روز انہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط موصول ہوا' جس میں لکھا تھا کہ ہر جمعہ کو دوپہر کے بعد مسلمانوں کی نماز باجماعت کا اہتمام کریں اور خود اس کی امامت کریں' چنانچہ پہلے جمعہ کی نماز میں بارہ افراد شریک ہوئے۔ اگلے سال موسم حج میں پانچ صد مدنی حج بیت اللہ کیلئے وارد ہوئے۔ حضرت مصعبؓ ان میں شامل تھے۔ ان میں دو خواتین بھی تھیں۔ چاند کی چودھویں شب کو مدینہ سے آنے والوں کی ملاقات منیٰ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوئی۔ وہ یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے' اسلام لانے کا اقرار کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی کہ ہم اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ کریں گے جس طرح ہم اپنے اہل وعیال کا تحفظ کرتے ہیں' خواہ اس کیلئے ہمیں اسود واحمر یعنی ساری دنیا سے جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے' ہم ہر صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیں گے خواہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدمقابل ہمارے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں پھر انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میزبان ہوں گے اور ہر طرح سے ان کی حفاظت کریں گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدنی مسلمانوں کے اظہار وفاداری سے مطمئن ہوگئے اور فرمایا ''آج کے بعد تمہارا خون میرا خون ہے اور تمہارا خون بہنے کا مطلب میرا خون بہنا ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہوں'' کفار مکہ کو اس کی سن گن مل گئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ خطرہ بڑھ رہا ہے۔ ان کے تجارتی راستے مدینہ سے ہوکر گزرتے تھے۔ جو منقطع ہوسکتے تھے اور مدنی قبائل کی مدد سے مستقبل میں مکہ پر فوج کشی بھی ہوسکتی تھی' چنانچہ کفار مکہ کے چند نمائندے حجاج کے کیمپ میں آئے اتفاق سے انہوں نے مدینہ کے غیر مسلمانوں سے رابطہ قائم کیا۔ بعد میں انہیں مدنی مسلمانوں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد وپیمان کا پتہ چل گیا۔ اس وقت تک مدینہ کے مسلمان منیٰ سے جاچکے تھے تاہم ایک مسلمان ان کے ہتھے چڑھ گیا لیکن بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا

کہ اس کی موت کی صورت میں اس کا قبیلہ کفار کے خلاف سر گرم عمل ہو جائے گا۔

مکہ کے مسلمان خاموشی سے مدینہ روانہ ہونے لگے جہاں انہیں خوش آمدید کہا جاتا تھا حتیٰ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کوئی مسلمان مکہ میں نہ رہا البتہ وہ مسلمان مکہ میں ہی رہے جنہیں زبردستی روک لیا گیا تھا۔ ان میں کچھ نوعمر بچے اور کچھ غلام تھے۔ البتہ ایک زرگر نے خاموشی سے اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنی مرضی سے مکہ ہی میں رہا۔ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص آدمی تھا تاکہ یہاں کی اطلاعات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتا رہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی اسی غرض سے مکہ ہی میں مقیم رہے۔ وہ مقدس چشمہ زم زم کے متولی اور مکہ کی حکمران کونسل کے رکن تھے۔ کفار مکہ نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی املاک ضبط کر لیں اور ایک مجلس مشاورت ''یوم الزحمہ'' نام سے منعقد کی جس میں یہ قرار داد منظور کی گئی کہ ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا جائے مگر اس قتل میں تمام قبائل سے منتخب نوجوان شامل ہوں چونکہ قتل کی ذمہ داری تمام قبائل پر عائد ہوگی۔ اس لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبیلہ تمام قاتلوں کے خلاف اعلان جنگ سے باز رہے گا اور خوں بہا کے اکتفا پر مجبور ہو جائے گا۔ چنانچہ خون بہا مشترکہ فنڈ سے ادا کیا جائے گا'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب کچھ بتا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے اور انہیں اس سازش سے آگاہ کیا۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ ربیع الاوّل کی ابتدائی چاندنی راتوں میں دونوں مکہ سے نکل کر غار ثور میں شب گزین ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رات بھر کیلئے اپنے بستر پر لٹا دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کی امانتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے کیں تاکہ اصل مالکان تک پہنچائیں۔ غار ثور میں صفائی کے باوجود ایک سانپ نکل آیا اور اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایڑی میں ڈس لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے زانوں پر سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ تکلیف کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چند آنسو آپ کے چہرہ مبارک پر گرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ابوبکر کے زخم پر لگایا جس سے تکلیف جاتی رہی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی اسماء بنت ابی بکرؓ غار میں کھانا پہنچاتی رہیں۔

کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش شروع کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش پاء کی مدد سے غار ثور تک پہنچ گئے مگر وہاں مکڑی کے جالے اور کبوتر کے انڈے دیکھ کر کفار مکہ دھوکہ کھا گئے۔ کفار مکہ کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے آس پاس کہیں موجود نہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گرفتاری کیلئے انعام مقرر کر دیا۔ سراقہ بن مالک مدلجی نے انعام کے لالچ میں پیچھا کیا مگر فال نکالنے پر اس قافلے کو روکنے سے گریزاں رہا۔ ان سے معافی مانگی اور اپنا مہمان بنانا چاہا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کو آٹھ دن تک طویل سفر کرنا پڑا۔ راستے میں ام معبد کے خیمے میں ایک بوڑھی بکری دیکھی جو معذور تھی اور چراگاہ تک بھی نہ جا سکتی تھی۔ اس روز معجزانہ طور پر اس بکری نے اتنا دودھ دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قافلے کے علاوہ معمر خاتون کے خاندان کیلئے بھی کافی تھا۔ دوران سفر ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ ینبوع کے قریب بنو اسلم نے قافلہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کی مگر قبیلہ کا سردار قرآن حکیم کی دلکش آیات سنتے ہی مسلمان ہو گیا' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے رفقاء کو گارڈ آف آنر پیش کیا اور قبیلہ کے محافظ قافلہ کو باعزت اپنی حدود کے آخر تک پہنچا آئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطلاع مدینہ پہنچ چکی تھی۔ لوگ ہادی برحق کے منتظر تھے۔ پیر 12 ربیع الاوّل مطابق 21 مئی سنہ 622ء ایک بلند مینار سے کسی نے ایک قافلہ شہر کی طرف بڑھتے دیکھا۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کیلئے' بہترین لباس میں ملبوس اور پوری طرح مسلح آگے بڑھے۔ لڑکوں اور لڑکیوں نے دفیں سنبھالیں جو مسرت وخلوص سے ہم آہنگ ہو کر استقبالیہ اشعار گا رہے تھے۔

چودھویں کا چاند ہمارے سامنے نکلا ثنیات الوداع سے
جب تک اللہ سے دعائیں کی جاتی رہیں
اس وقت تک اس کا شکر ادا کرنا ہم پر فرض ہے
اے! کہ اللہ نے تمہیں ہمارے لئے بھیجا
تو ایسے احکام لایا جن کی اطاعت فرض ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوروں کے ایک جھنڈ میں آرام فرمایا۔ یہاں کے

بعد دیگرے لوگ گروہ در گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کرنے اور سلام نیاز پیش کرنے آتے رہے۔ فوراً ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے مل کر ایک جھونپڑی تیار کی جو مسجد کا کام دیتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچوں وقت امامت فرماتے اور تبلیغ اسلام کرتے رہتے۔ عام لوگ' مدینہ کے انصار اور مکہ کے مہاجر' مل جل کر مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے۔ چند روز بعد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء کے عارضی مستقر سے نکلے اور ناقہ پر سوار ہو کر مستقل انتظام کرنے کیلئے جگہ کی تلاش فرمانے لگے۔ ہر قدم پر لوگ اپنے یہاں قیام کی استدعا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ہی جواب تھا۔ "میری ناقہ میرے لئے جگہ کا انتخاب کرے گی' اسے نہ روکو وہ جس جگہ چاہے بیٹھ جائے گی۔ ناقہ ایک کھلی جگہ پر بیٹھ گئی۔ اسے اٹھایا گیا' چند قدم چل کر وہ پھر اسی جگہ بیٹھ گئی۔ جہاں سے اٹھایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کیلئے پسند فرمایا تھا۔ چنانچہ یہ قطعہ زمین خرید لیا گیا تاکہ وہاں مسجد اور چند حجرے رہائش کیلئے بنائے جائیں۔ اس قطعہ زمین کے قریب حضرت ایوب سلطان (حضرت ایوب انصاری جو قسطنطنیہ کی دیواریوں کے نیچے ابدی استراحت فرما رہے ہیں) کا مکان تھا۔ وہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کی والدہ کے قبیلے میں سے تھے۔ اس غیر متوقعہ اور اللہ کے فرستادہ مہمان کی آمد پر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اپنے گھر لے گئے۔ نئے حجروں کی تعمیر تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوایوب انصاریؓ کے مہمان رہے۔

مہاجرین کی آبادکاری

مکی مسلمان مدینہ میں پناہ لے چکے تھے۔ انہیں مقامی معیشت میں کھپانا نہایت ضروری تھا۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ سرمایہ مکہ سے لائے تھے' اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد اونٹنیاں اور بکریاں خریدیں جن سے اہل بیت اور مہمانوں کی ضروریات پوری ہونے لگیں۔ متعدد مدنی مسلمانوں نے اپنے باغوں کے پھل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وقف کر دیئے۔ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ' خیبر اور فدک میں زرعی زمینیں خریدیں۔ یہ زمینیں مسلم ریاست کی ملکیت تھیں۔ ان زمینوں کی پیداوار سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اہل بیت کی ضروریات پوری فرماتے اور جو بچ جاتا وہ بیت المال کے سپرد فرما دیتے۔ مدینہ کے ایک خاندان نے اپنا دس سالہ بیٹا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور خدمت گار پیش کیا اس کا نام اُنس تھا۔ یہ خاندان اپنے طرز عمل پر فخر کیا کرتا تھا۔ مہاجرین کی آباد کاری اور فلاح و بہبود کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اجلاس طلب کیا۔ اجلاس میں تجویز کیا گیا کہ مدینہ کے باوسیلہ اور متمول مسلمان ایک ایک مکی کو اپنا بھائی بنالیں۔ دونوں بھائیوں کے خاندان مل کر کمائیں اور کھائیں یہاں تک کہ ایک دوسرے کے ترکہ میں بھی حصہ دار ہوں۔ رسول خدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز سے سب نے اتفاق کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود انفرادی خوبیوں کی بنا پر مکی اور مدنی کا انتخاب کر کے انہیں بھائی بھائی بنادیا۔ یہ انتظام کئی سال تک جاری رہا۔ مکی مسلمان طفیلی بن کر رہنے کو پسند کرتے تھے۔ جب انہوں نے محنت کر کے کافی دولت پیدا کر لی تو انہوں نے انصار کا شکریہ ادا کر کے آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ جیسے مہاجر نے اپنے مدنی بھائی سے کہا ''ایک دن میں باغ کو سینچوں گا' اور آپ دربار رسالت میں حاضری دیں اور اس دن جو کچھ بھی دربار رسالت میں پیش آئے مجھے شام کو بتادیں۔ اگلے روز آپ باغ میں کام کریں اور میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہوں گا اور جو کچھ گزرے گا آپ کو بتاؤں گا۔'' عبدالرحمان بن عوفؓ کے مدنی بھائی نے کہا ''یہ میری جائیداد ہے' اس کا نصف آپ کی ملکیت ہے۔ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک آپ کی ہے۔ میں اسے طلاق دے دوں گا اور آپ اس سے نکاح کر لیں۔'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا ''خدا آپ کو آپ کی املاک اور اہل خانہ مبارک کرے۔ مجھے صرف مقامی منڈی کا رستہ بتادیں......''
کچھ دن کی محنت کے بعد آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نیا قیمتی لباس زیب تن تھا جیسے نئے نئے شادی کی ہو۔ وہ بڑے مخیّر اور غریب پرور تھے اور اسلام کی سربلندی کیلئے ہر کام میں پیش رہتے تھے۔

مکیوں کا ردعمل

کفار مکہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچ کر نکل جانے کا بہت برا منایا۔ انہوں نے ایک وفد مدینہ بھیجا اور مطالبہ کیا کہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ سے نکال دیا جائے

یا ان کے سپرد کو دیا جائے۔ کفار مکہ کا یہ وفد بے نیل و مرام واپس ہو گیا۔ اس وقعہ کے دو دورس نتائج نکلے۔ مدنی ریاست کا آئین مرتب ہوا اور مدینہ کے اردگرد ایک بفرسٹیٹ کا قیام عمل میں آیا۔

مدنی ریاست

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں اور مدینہ کے غیر مسلموں کا ایک عام اجلاس بلایا۔ عام بخاریؒ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اجلاس میں تجویز کیا کہ مدینہ کے لوگوں میں باہمی تنازعات کے خاتمہ اور کسی بیرونی حملہ کی صورت میں مدینہ کی ایک ریاست قائم کی جائے۔ اس ریاست کے تمام یونٹ خود مختار ہوں۔ کسی جرم کے بارے میں سزا کے خلاف ریاست کے سربراہ سے اپیل کی جا سکے۔ سربراہ مملکت کو جنگ یا امن کے دنوں میں کسی مہم کیلئے افراد کے انتخاب کا اختیار ہوگا۔ سماجی تحفظ کیلئے بھی ایک مضبوط نظام قائم کیا گیا۔ خون بہا کی صورت میں بھاری رقم متعین کی گئی جو اس صورت میں ادا کرنا ضروری تھی جب قتل کے مجرم کو سزائے موت نہ دی جائے۔ جنگی قیدیوں کی رہائی کیلئے فدیہ بھی مقرر کر دیا گیا۔ معاہدے کی تمام دفعات پر اتفاق رائے کے بعد انہیں ضبط تحریر میں لایا گیا۔ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے جو کسی سربراہ مملکت نے جاری اور نافذ کیا ہے اس تاریخی دستاویز کی تفصیل درج ذیل ہے جو ''میثاق النبی'' کے عنوان سے معروف ہے۔ میثاق النبی کا پہلا تحریری دستور یا آئین ہے جو بے حد اہم دستاویز ہے اور ہم تک لفظ بلفظ پہنچا ہے۔ اس معاہدے کا متن علامہ محمد حمید اللہ کی عربی کتاب ''مجموعہ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافہ الراشدہ'' جس کا اردو ترجمہ ''سیاسی وثیقہ جات از عہد نبوی تا خلافت راشد'' کے نام سے مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا ہے' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

میثاق مدینہ (میثاق النبیؐ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری معاہدہ مدینہ کے مندرجہ ذیل طبقوں کے درمیان ہے۔

1- محمد نبی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

2- مسلمان قریش مکہ از ساکنین شہر مدینہ

3- مدینہ کے مسلمان

4- مدینہ کے یہودی

5- مدینہ کے نصرانی

6- مدینہ کے غیر مسلم

متذکرہ الصدور ہر شش گروہ سیاسی طور پر ایک جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دفعہ دوم

ان میں سے ہر ایک گروہ فرداً فرداً مندرجہ ذیل امور کا ذمہ دار ہے اور اس دفعہ میں مدینہ کے مندرجہ ذیل گروہ بھی شامل ہیں۔

1۔ بنو عوف 2۔ بنو حارث از قبیلہ خزرج 3۔ بنو ساعدہ

4۔ بنو جشم 5۔ بنو نجار 6۔ بنو عمرو بن عوف

7۔ بنو نبیت 8۔ بنی اوس

دفعہ سوئم

1- کوئی گروہ دیت کی مقررہ حدوں میں تخفیف کی راہ پیدا نہ کرے۔

2- کوئی مسلمان کسی مسلمان کے مظلوم حلیف (موالی) کے مقابلے میں اپنے حلیف (موالی) کی ناحق حمایت نہ کرے۔

3- جو شخص باہم ادائے دیت میں سفارش کی راہ پیدا کرنے کی سعی کرے اس شخص کے خلاف دوسرے مسلمانوں کو ورثائے قتیل کی مناسب طرفداری کرنا ہوگی۔

4- جو مسلمان خود یا اس کا بیٹا جماعت میں فساد اور تفرقہ پیدا کرنے میں ساعی ہو اس کے خلاف تمام مسلمانوں کو یک جا ہو کر یہ فتنہ فرو کرنا ہوگا۔

5- اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کافر مارا جائے تو مسلمان کا کافر کی حمایت میں مسلمان پر جور و تعدی کرنا خلاف معاہدہ ہوگا۔

6- اگر کافر مسلمان کے در پے ہو تو کسی مسلمان کو ایسے کافر کی حمایت نہ کرنا ہوگی۔

7- مسلمانوں کا ہر فرد یکساں طور پر خدا کی پناہ میں ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوستدار ہیں۔

دفعہ چہارم

1- مسلمان کیلئے کسی یہودی کے ایسے معاملے میں مدد کرنے کا کوئی حرج نہیں جس سے وہ یہودی مسلمان کے انصاف پر اطمینان حاصل کر سکے۔

2- مسلمان کے لڑائی میں شہید ہونے کے بعد کسی دوسرے مسلمان پر اس کی ذمہ داری عائد نہ کی جائے گی۔

3- تمام مسلمان اسلام کے احسن اور اقوم طریق پر ثابت قدم رہیں گے۔

4- کوئی مسلمان کسی مشرک کو مسلمان کے خلاف پناہ نہ دے گا' نہ کسی ایسے مال کا ضامن ہوگا جو مشرک نے ناجائز طور سے مسلمان کے مال سے حاصل ہوا اور نہ کوئی مسلمان مشرک کی حمایت میں مسلمان کے درپے ہوگا۔

5- مومن کے قتل ناحق پر اگر ورثاء قتیل رضامندی سے دیت لینے پر راضی نہ ہوں تو قاتل کو جلاد کے حوالے کر دیا جائے گا۔

6- جو مسلمان اس معاہدہ میں شامل ہے' اگر وہ دل سے خدائے تعالیٰ اور روز محشر پر ایمان لا چکا ہے تو اسے کسی مفسد کی حمایت نہ کرنا ہوگی۔ مفسد کو پناہ دینا بھی اس کی حمایت میں شامل ہے۔ ایسے بے انصاف مسلمان پر دینا اور آخرت دونوں میں خدا کی لعنت اور عذاب ہے' جس عذاب کے بدلے میں اس سے کوئی بدل قبول نہ کیا جائے گا۔

ذیلی دفعہ نمبر 7 بلا استثناء تمام مسلمانوں پر لاگو ہے۔

7- مسلمان اپنے باہمی تنازعات میں خدا اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہوں گے۔

یہود شرکاء معاہدہ کیلئے

1- مسلمانوں کی جنگوں میں ان کی مالی اعانت کرنا ہر یہودی پر واجب ہوگا۔

2- قبیلہ عوف کے تمام یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق کی حیثیت سے مل کر رہنا ہوگا۔ مسلمانوں اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے۔

3- یہ ذمہ داری بنو عوف کے غلاموں پر بھی ان کے آقاؤں کی مانند عائد ہو گی اور عدم پابندی کی صورت میں ان کے آقاؤں کی طرف سے جواب دہ ہوں گے۔ سرکشی کی صورت میں نہ صرف بنی عوف کے مرد بلکہ ان کے بال بچوں پر بھی مواخذہ کیا جا سکتا ہے۔

4- اس دفعہ میں مدینہ کے مندرجہ ذیل یہود بھی شامل ہیں۔

1- بنو نجار 2- بنو حارث 3- بنو ساعدہ

4- بنو ثعلبہ اور ان کے حلیف 5- بنو جشم 6- بنو جفنہ جو بنو ثعلبہ کی شاخ ہے۔

7- بنو شطیبہ

الغرض یہ دفعہ ہر یہودی قبیلہ کے حلیفوں پر لاگو ہے۔

5- ان میں سے کوئی فرد یا شاخ یا قبیلہ اس دفعہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اجازت کے بغیر مستثنیٰ قرار نہیں پا سکتا۔

6- نہ ان میں سے کوئی فرد یا جماعت کسی کو مجروح کرنے پر مواخذہ سے بری الذمہ قرار پا سکتا ہے۔

7- ان میں جو فرد یا جماعت ناحق کا ارتکاب کرے' اس کا وبال اس کی ذات اور اہل و عیال سب پر آ سکتا ہے۔

8- ان یہود میں سے کسی پر ناحق ایسی تہمت پر اس کا ناصر اور حامی خدا ہے۔

9- مسلمان اور یہود دونوں اپنے مصارف زندگی کے خود کفیل ہوں گے۔

10- دونوں میں سے جو فرد اس قرارداد سے منحرف ہوگا' دوسرا فریق اس باغی پر قابو حاصل کرنے میں پہلے فرق کا معاون ہوگا۔

11- یہود اور مسلمان دونوں ایک دوسرے گروہ اور فرد کے ساتھ صلح اور نصیحت پر عامل رہیں گے اور صلح و نصیحت میں کسی قسم کی رخنہ اندازی درمیان نہ آنے دیں گے۔

12- فریقین میں سے کوئی فرد یا جماعت دوسرے فریق کی حق تلفی گوارا نہ کرے گا۔ البتہ ایک دوسرے گروہ کے مظلوم کی حمایت کرنا اس کا فرض ہوگا۔

13- مسلمان جب تک اپنے دشمنوں سے مصروف پیکار ہیں' یہودان کی مالی اعانت کرتے رہیں گے۔

14- شہر مدینہ میں ایک دوسرے فریق کے ساتھ جنگ کرنا حرام ہے۔

15- ہر فرد اپنے ہمسایہ کی طرفداری اپنے نفس کی مانند کرتا رہے گا۔

16- اس معاہدہ کے پابند افراد اور گروہ باہمی اختلافات اور تنازعہ کا مقدمہ خدا اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پیش کریں گے۔

17- شرکائے معاہدہ میں سے کوئی فرد یا جماعت قریش مکہ کو اپنے ہاں پناہ نہ دے گی اور نہ قریش مکہ کے کسی حلیف کی حمایت کرے گی۔

18- مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں شرکائے معاہدہ میں سے ہر فرد اور جماعت حملہ آور کی مداخلت کے خلاف دوسرے فریق کی حمایتی ہوگی۔

19- شرکاءقرارداد کسی جماعت کی طرف سے دشمن کے ساتھ مصالحت میں دوسرے گروہ میں شریک نہ ہوں گے۔

20- دشمن سے صلح کی صورت میں اگر کسی نوع کی منفعت ہوگی تو مسلمانوں کی مانند دوسرے شرکاءقرارداد بھی اس سے نفع اندوز ہوں گے۔

21- البتہ جو شخص اپنے دین سے منحرف ہو جائے اس کیلئے یہ دروازہ بند رہے گا۔

22- جنگی حالت میں فریق معاہدہ کے ہر فرد کو مالی اعانت میں اپنا حصہ ادا کرنا ہوگا۔

23- قبیلہ اوس کے یہود اوران (یہود) کے موالی (حلیف) بھی اس قرارداد کے اسی طرح پابند ہوں گے جس طرح وہ قبائل جس کا نام بنام اوپر ذکر آچکا ہے۔

حرف آخر

1- اس معاہدہ کی خلاف ورزی ظالم اور مفسد کے سوا اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

2- جو شخص مدینہ میں خلوص اور امن کے ساتھ سکونت اختیار رکھے اور وہ مدینہ سے خلوص اور امن کے ساتھ کسی اور جگہ نقل مکانی کرنا چاہے' ان دونوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن فساد اور شرارت کرنے کیلئے قیام مدینہ اور یہاں سے ترک اقامت دونوں پر گرفت ہے۔

3- جو شخص دوسروں کے ساتھ بھلائی کا طلب گار ہے' خدائے تعالیٰ اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے خیر اندیش ہیں۔

دفاعی معاہدے

داخلی امن مستحکم ہونے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر آباد قبائل سے رابطہ پیدا کیا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قبائل سے خاص طور پر تعلق پیدا کیا جن کے علاقوں میں سے قریش مکہ کے تجارتی قافلے گزر کر عراق' شام یا مصر کی طرف آتے جاتے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان قبائل کے ساتھ بیرونی حملہ کے خلاف باہم فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدے کرنے میں کامیاب رہے۔ معاہدہ کے مطابق مسلمانوں کے فوجی دستے ان قبائل کے علاقوں میں گشت کرنے کے مجاز تھے' مگر کافروں کو ایسا کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جن قبائل سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدے کیے ان میں ضمرہ' اور مزینہ نامی قبائل شامل تھے۔ یہ قبائل علی الترتیب مدینہ کے شمال میں اور مغرب میں آباد تھے۔ مدینہ کے اردگرد رہنے والے ان قبائل کی معیشت کا انحصار بھی مدینہ کی منڈی پر تھا۔ ممکن ہے کہ قبل از اسلام اہل مدینہ اور نواحی قبائل کے درمیان بھی معاہدے ہوئے ہوں۔ بنو ضمرہ حضرت ابوذر غفاریؓ کا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ظہور اسلام کے شروع میں ہی اسلام لائے۔ بنو ضمرہ سے مسلمانوں کا دفاعی معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے میں کہا گیا تھا کہ اگر مذہب کے بنیاد پر جنگ ہو جائے تو بنی ضمرہ اس میں شریک نہ ہوں گے۔ بنو ضمرہ' بنو غفار' بنو زبعہ اور بنو زرعہ سے کیے جانے والے معاہدات کے متن کتب سیرہ میں درج ہیں لیکن بنو مدلجی کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کا متن معلوم نہ ہو گا۔ بنو مدلجی کے سراقہ کا رویہ' جس نے سفر ہجرت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے رفقاء کو ہراساں کرنے کی کوشش کی تھی' نہایت ہمدردانہ تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کے خلاف کاروائی کیلئے العشیرہ گئے تو سراقہ نے فوجی دستہ کے اعزاز میں دعوت دی لیکن دشمن کے تجارتی کاروان سے مڈبھیڑ نہ ہو سکی۔ ان دفاعی معاہدوں نے اسلامی ریاست کی سلامتی اور دفاع کو مضبوط بنایا اور پرامن طور پر کام کرنے کی راہ ہموار ہو گئی اور دین اسلام قبائل میں سرایت کرنے لگا۔ بنو ضمرہ میں سے اسلام کو ایک بہترین سفیر میسر آیا' یہ عمرو بن امیہ ضمری

تھے۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنے وفادار تھے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی آپ نے جنگ بدر کے بعد انہیں سفیر بنا کر حبشہ کے دربار میں بھیجا تا کہ کفار مکہ کی سازشوں کا دربار نجاشی میں توڑ کر سکیں۔ مدینہ کے قبائل سے دفاعی اور دوستانہ معاہدوں کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ پر اقتصادی دباؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ قریش مکہ کے تجارتی قافلے شمال کی طرف سفر کرتے وقت انہی علاقوں سے گزرتے تھے۔ جن علاقوں کے قبائل سے مسلمانوں نے معاہدے کر رکھے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اقدام اخلاقی اعتبار سے درست تھا۔ کفار مکہ نے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے مسلمانوں کی املاک ضبط کر لی تھیں۔ فریقین حالت جنگ میں تھے۔ دنیا میں یہی دستور ہے کہ دشمن کے آدمی گرفتار کیے جائیں' قتل کیے جائیں اور ان کی املاک لوٹ لی جائیں۔ کفار مکہ اپنے تجارتی منافع سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اسلامیان مکہ کے زیر اثر علاقوں میں سے نہ گزریں۔ ان کے تجارتی قافلوں پر چھاپے تو محض ایک سزا تھی۔ کفار نہ اسلامی علاقوں سے گزرتے نہ ان کے کارواں خطرے میں پڑتے۔

مکہ سے تعلقات

مکہ بنجر علاقہ ہے۔ نہ وہاں زراعت ہوتی ہے اور نہ ہی کسی صنعت کا وجود ہے۔ لوگوں کا ذریعہ روزگار صرف تجارت ہے۔ اس زمانہ میں یمن کی تجارت مغربی ممالک سے شام کے راستہ سے ہوتی تھی اور تجارتی قافلے مکہ سے ہو کر گزرتے تھے۔ سورہ القریش کی تفسیر میں موضح القرآن میں بیان ہوا ہے کہ عرب جوج کو آتے تھے کعبہ کے خاتم' قریش' کی عزت اور ان سے اچھا سلوک کرتے۔ یہی ان کی معاش تھی۔ جاڑے میں یمن کی طرف سے گرمی میں وہ ایک دوسرے کے بیر سے آپس میں لڑتے تھے' حالانکہ یہی تجارتی قافلے ان کیلئے خوش حالی اور آسودگی کا ذریعہ تھے۔ اگر ان تجارتی قافلوں کا مدینہ سے گزرنے والا راستہ بند کر دیا جاتا تو ان کے مفادات پر زد پڑتی۔ چنانچہ مکی بزور شمشیر مدینہ کا راستہ کھلا رکھنا چاہتے تھے۔ یہی بات مسلمانان مدینہ کے ساتھ کفار مکہ سے مسلح تصادم کا باعث بنی۔ پہلے جنگ بدر ہوئی اور اس کے یکے بعد دیگرے دو جنگیں' جنگ احد اور جنگ خندق ہوئیں اور آخری جنگ مکہ میں ہوئی جو مسلمانوں کیلئے فتح و کامرانی کا پیغام ثابت

ہوئی۔ محض یہ پابندی کہ کفار کے قافلے مسلمانوں کی سرزمین سے نہ گزریں' کافی نہ تھی۔ چنانچہ مدینہ کے اردگرد رہنے والے قبائل کے ساتھ جوں ہی دفاعی معاہدے ہوئے' مسلم افواج کے دستے ان علاقوں میں گشت کرنے لگے تاکہ کفار کے تجارتی قافلوں کو ہراساں کیا جاسکے۔ قافلوں پر چھاپہ مارنے کیلئے ان کی نقل وحرکت کی صحیح اطلاع ناگزیر ہوتی ہے۔ ابتدا میں مسلمانوں کو پوری اطلاعات نہیں مل رہی تھی لیکن جب دفاعی معاہدوں کے تحت اسلامی علاقہ میں توسیع ہوئی تو مسلمانوں کا اثر نفوذ بھی بڑھ گیا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے قافلے رات میں مسلمانوں کے علاقہ سے گزر نہیں سکتے تھے یہ سب کچھ مسلسل نگرانی سے ممکن ہوسکا۔ جب کفار کو اطلاع ملی کہ ان کے بڑے قافلے کو خطرہ ہے تو انہوں نے فوج جمع کی تاکہ مسلمانوں کو سبق سکھایا جائے لیکن وہ جنگ بدر میں بری طرح ناکام رہے۔ مسلمانوں نے اپنے سے تین گنا زیادہ کافروں کا تہس نہس کردیا' ستر کافر مارے گئے۔ اتنے ہی جنگی قیدی بنائے گئے۔ جنہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اس ذلت آمیز شکست کے باوجود کافروں کے دل نہ بدلے اور انتقام لینے کی زبردست تیاری میں مصروف ہوگئے اور اُحد کے میدان میں نبرد آزما ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو کچھ نقصان بھی پہنچایا مگر جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ دشمن پسپا ہوکر مکہ لوٹ گیا اور اپنے زخم چاٹتا رہا تاہم کفار کے تجارتی راستے مسدود ہی رہے۔ مکی تاجروں نے راستہ تبدیل کیا اور صحرائے نجد میں سے گزر کر عراق پہنچنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں کی فوج کی مدافعت سے اس راستہ پر مکی تاجروں کو دوبارہ سفر کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اس طرح دشمنان اسلام کی تجارت بند ہوکر رہ گئی۔ اب انہوں نے یہودیوں کے ساتھ سازش کر کے ایک اور کوشش کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ بنونضیر نے ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی اور مدافعت کرنے والے ایک مسلمان جوان کو قتل کردیا۔ بنونضیر نے ہتھیار ڈال دیئے اور مدینہ سے جلاوطن ہوگئے۔ بنونضیر نے خیبر کو اپنا مسکن بنایا اور مسلمانوں کے خلاف ایک وسیع سازش میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے مکہ سے دفاعی معاہدہ کیا' بنوغطفان اور بنوسلیم کو حلیف بنایا تاکہ مسلمانوں پر بیک وقت حملہ کریں۔ کفار کی فوج مدینہ کے محاصرہ کیلئے آئی خندق کی کھدائی دیکھ کر حیران ہوئی۔ دشمن نے مدینہ کا محاصرہ کیا لیکن کئی ہفتے گزر جانے کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ رسد ختم ہوگئی۔ جانوروں کیلئے چارہ بھی میسر نہ آسکا۔ بادو باران کے طوفان میں اس طرح گھر گیا کہ نہ

جائے رفتن نہ پائے ماندن کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

کفار مکہ کیلئے صورت حال مایوس کن تھی۔ انہی دنوں مکہ میں قحط رونما ہوا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قحط زدہ مکیوں کیلئے پانچ سو اشرفیاں اور ان کے سردار ابوسفیان کو بھاری مقدار میں کھجوریں بھجوائیں۔ یہ باور کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کو یقین دلایا کہ ان کے تجارتی قافلوں کو بلا روک ٹوک گزرنے کی اجازت دے دی گئی۔ انہی دنوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہؓ سے نکاح کیا۔ وہ اسلام لا چکی تھیں اور حبشہ میں پناہ گزیں تھیں۔ ان کا شوہر حبشہ جا کر عیسائی ہو گیا تھا۔ ام حبیبہؓ اسلام پر استقامت سے قائم رہیں۔ ام حبیبہؓ کا شوہر ڈوب کر مر گیا۔ ام حبیبہؓ کی استقامت اور اللہ کی راہ میں محبت سے متاثر ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے شادی کی پیش کش کی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں شامل ہونا قبول کر لیا اور یوں وہ اہل اسلام کی ماں قرار پائیں۔ ان واقعات کے اثرات اسلام کے حق میں اچھے ثابت ہوئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ وہ حج بیت اللہ کیلئے مکہ جا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ پہنچے اور قریش مکہ کے پاس ایلچی بھیج کر چند روز کیلئے مکہ میں پرامن داخلہ کی اجازت طلب کی تاکہ عمرہ کا فریضہ ادا کر سکیں۔ اس پر مکہ والوں نے ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ معاہدہ امن کوئی مشکل امر نہ تھا کیونکہ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکہ کی انا کی خاطر تمام مطالبات تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے دو مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اوّل امن اور دوئم قریش مکہ سے یہ وعدہ کہ مسلمانوں اور کسی تیسری طاقت کے درمیان جنگ کی صورت میں وہ غیر جانبدار رہیں گے۔ مکی اس معاہدہ پر رضا مند ہو گئے۔ معاہدہ میں کہا گیا تھا۔

1۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال عمرہ نہیں کریں گے بلکہ ایک سال بعد آئیں گے اور مکہ میں صرف تین دن قیام کریں گے۔

2۔ افراد کی واپسی کا یک طرفہ نظام ہوگا۔ اگر کوئی مکی مدینہ جا کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پناہ حاصل کرے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے مکہ لوٹا دیں گے لیکن

اگر کوئی مسلمان اسلام ترک کر کے مدینہ سے مکہ میں پناہ گزین ہو جائے تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

3- فریقین میں دس سال کیلئے جنگ ممنوع ہوگی مگر مسلمانوں کو مکہ اور طائف جانے کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح مکی تجارتی قافلے اسلامی مملکت کی حدود سے گزر کر شام جا سکیں گے۔

4- فریقین معاہدہ کے ایک فریق کی کسی تیسری طاقت کے ساتھ جنگ کی صورت میں غیر جانبدار رہیں گے۔

5- دوسرے قبائل بھی اس معاہدہ میں شامل ہو سکتے ہیں اور وہ جس فریق سے چاہیں شامل ہو سکیں گے۔

چنانچہ بنوخزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور بنوبکر نے قریش کے ساتھ اس معاہدہ میں شمولیت اختیار کی۔

اس معاہدے کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے۔

1- مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان خفیہ رابطے ہو گئے اور فریقین کے درمیان بات چیت کو فروغ ملا۔ اس ضمن میں حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی مثال بہترین ہے جنہوں نے اس واقعہ کے بعد اسلام کا دامن تھاما۔

2- مکہ میں بہت سے مسلمان جنہیں ان کے والدین یا سرپرستوں نے نظر بند کر رکھا تھا یا زبردستی روک رکھا تھا، معاہدہ حدیبیہ کی دفعہ چار کے باوجود بھاگ کر مدینہ پہنچنے لگے۔

معاہدہ کی اس دفعہ پر عمل درآمد کی بعض تفصیلات کا بیان محل نظر ہوگا۔ حدیبیہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیمپ میں ایک مکی ابوجندل ابن سہیل بن عمروؓ آیا اور سیاسی پناہ طلب کی لیکن اس کے والد کے مطالبہ پر اسے مکہ واپس بھجوا دیا گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ کیا کہ ابوجندل کے والد سے عہد لیا کہ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں وہ اپنے بیٹے پر تشدد نہیں کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب واپس مدینہ جا رہے تھے تو ایک اور مکی مسلمان ابوبصیرؓ انہیں راستے میں ملا۔ وہ مکہ سے بھاگ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں آیا تھا۔ ابوبصیرؓ کے خاندان کے دو افراد اور رسول خدا صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے اس کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ اثنائے راہ میں ابوبصیر نے ایک محافظ کو قتل کر دیا اور واپس اسلامی کیمپ میں پہنچ گیا۔ صلح حدیبیہ کے بعد مکی قافلے شام کو آنے جانے لگے۔ ابوبصیرؓ بھاگ کر بدر کی وادی میں چھپ گیا۔ جب کسی کافر کو ادھر گزرتے دیکھا تو اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیتا۔ مکہ کے متعدد مسلمان بھاگ کر ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ اس طرح ابوبصیر کے پاس ایک مضبوط فوجی دستہ جمع ہو گیا اور مکی قافلوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ جب قریش ابوبصیرؓ کی تاخت کی تاب نہ لا سکے تو انہوں نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عریضہ پیش کیا کہ وہ معاہدہ کی دفعہ چار سے دست بردار ہوتے ہیں اور اس کے بدلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبصیرؓ کو مدینہ بلا لیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخوشی اس دفعہ کی تنسیخ کو قبول فرمایا۔ اس دفعہ کی تنسیخ سے قبل مکہ سے دو خواتین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جنہوں نے اسلام کی کشش سے کفر سے توبہ کی تھی ان میں عقبہ بن ابی مغیط کی بیٹی بھی تھی جو مکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور بدر میں گرفتاری کے بعد اس کا سر قلم کیا گیا۔ اس کی نوجوان بیٹی نے چپکے سے اسلام قبول کیا اور مدینہ پہنچ گئی۔ اس کے دو بھائی مدینہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا مطالبہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس دفعہ کا اطلاق مردوں پر ہے نہ کہ مستورات پر۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بہن کی واپسی پر اصرار نہ کیا۔ ایک اور خاتون جو مدینہ کی رہنے والی تھی مگر اس کی شادی مکہ میں ہوئی تھی۔ اپنے خاندان کو چھوڑ کر مدینہ آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے حق مہر کی رقم اس کے خاوند کو ادا کر دی۔ اسلام میں کسی مسلمان خاتون کی شادی غیر مسلم سے نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی مسلمان خاتون غیر مسلم شوہر سے ازدواجی تعلقات برقرار رکھ سکتی ہے۔ مسلمان مرد کو بھی اہل کتاب کے بغیر کسی غیر مسلم عورت سے شادی کی ممانعت ہے۔

-3 صلح حدیبیہ کے بعد خیبر کے یہودی مکی حلیفوں کی مدد سے محروم ہو گئے۔ اس لئے جلد ہی انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی جس کے بعد تیماء، وادی القرا اور فدک وغیرہ

کے علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے۔

4- رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر ملکی فرمانرواؤں کو خط لکھے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ خطوط ہرقل' کسریٰ اور شاہ نجاشی کے علاوہ متعدد دوسرے حکمرانوں کو بھیجے گئے۔ اسلام کو جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہ رہنا تھا۔ یہ المناک واقعہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سفیر حارث بن عمیرؓ کو عیسائی سردار شرجیل نے موتہ کے مقام پر شہید کر دیا۔ ہرقل روم نے اس جرم کے مرتکب کو سزا دینے سے انکار کر دیا۔ اس کی سلطنت اللہ کے غضب کی سزاوار ہو چکی تھی۔ افسوس ناک بات یہ تھی کہ عیسائی پہلے اسلام کے اتنے مخالف نہ تھے تاہم اپنی دانش' سائنسی ترقی اور علم وفہم کے باوجود اسلام کے بارے میں بے بنیاد اور گمراہ کن تصورات رکھتے تھے۔

5- اہل مکہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیفوں کے درمیان خون ریز معرکہ ہوا۔ یہ دونوں قبیلے بعد میں معاہدہ حدیبیہ میں شامل ہوئے تھے۔ بعض غلط کار مکیوں نے خفیہ طور پر اپنے حلیف قبیلہ کو افرادی قوت اور اسلحہ کی امداد فراہم کی تاکہ وہ مسلمانوں کے حلیف کو ختم کر سکے۔ اس قبیلہ کے بیشتر افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔ مکیوں کی طرف سے یہ صلح نامہ کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ اور مکیوں کے اذہان میں نفسیاتی تبدیلی قابل غور ہے۔

مسلمانوں کے حلیف قبیلہ پر کفار مکہ کے حلیف قبیلہ کے حملہ کی خبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی سرحدیں بند کر دیں اور ساتھ ہی حکم دیا کہ ایک بڑی فوجی مہم تیار کی جائے مگر یہ نہ بتایا کہ اس فوجی مہم کا ہداف کیا ہو گا۔ پھر مسلمان قبائل کو اسلامی فوج میں شامل ہونے کا حکم بھیجا۔ تین ہزار کے لگ بھگ اسلامی فوج رسول رحمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ ہوئی اور ادھر ادھر سے مختلف قبائل کے فوجی دستے اسلامی فوج میں شامل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ فوج کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ بالآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے نواح میں پڑاؤ ڈالا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ رات کو ہر سپاہی الگ الگ آگ جلائے۔ مکہ کی پہاڑیوں پر آباد خاندانوں نے دیکھا کہ

پہاڑ کے دامن میں ہر طرف آگ ہی آگ ہے اور اندازہ کیا کہ مسلمانوں نے پچاس ہزار فوج سے مکہ پر حملہ کر دیا ہے۔ ابوسفیان جاسوسی کی غرض سے دامن کوہ میں اترا۔ مسلمانوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اگلی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کو مختلف یونٹوں میں تقسیم فرمایا اور ہر یونٹ کو الگ الگ راستے سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تا کہ مکیوں کے فرار کے تمام راستے مسدود ہو جائیں اور کمانڈروں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ صرف اپنے دفاع میں ہتھیار استعمال کریں۔ فوج کی روانگی پر ابوسفیان کو رہا کر دیا گیا۔ وہ حیران پریشان اسلامی فوج کا مارچ دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ اسلامی فوج کے نقیب شہر میں اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ جو شخص اپنے گھر میں رہے گا اسے امان ہے' جو شخص کعبہؑ کے صحن میں داخل ہو گا' اس کیلئے بھی امان ہے' جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کیلئے بھی امان ہے' اس آخری رعایت سے ابوسفیان اور کفار مکہ ہکا بکا رہ گئے۔ اسلامی فوج ہر طرف پھیل گئی اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مکہ پر قبضہ کر لیا۔ جلد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ لوگ کعبۃ اللہ میں جمع ہو جائیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطاب فرمائیں گے۔ لوگ خوف و ہراس اور تجسس میں کعبہ کے اندر جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلامی فوج کے جلو میں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا انکسار تھے اور اپنی اونٹنی پر ہی سر بسجود تھے۔ آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبۃ اللہ کو بتوں سے پاک کرنے کا حکم صادر فرمایا' پھر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دیواروں پر بنی ہوئی تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا۔ حضرت بلالؓ کو چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم دیا۔ کفار مکہ کے سردار عتاب بن اسید نے ایک کافر سے کہا ''خدا کا شکر ہے میرا باپ مر چکا ہے' ورنہ یہ کالا (اشارہ حضرت بلالؓ کی طرف تھا) کعبہ کی چھت پر آوازیں نہ نکال سکتا'' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔ پھر کفار سے مخاطب ہو کر فرمایا کفار مکہ کو اکیس سال پہلے کے سلوک کی یاد دہانی کرائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا ''اب تم مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو'' کفار کی گردنیں شرم سے جھک گئیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا ''آج کے دن تم پر کوئی جبر نہیں' جاؤ تم آزاد ہو'' عتاب بن اسید آگے بڑھا اور کہنے لگا ''میں عتاب بن اسید ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے

کرلیا۔ بنوسلیم نے بنوغطفان سے مل کر مدینہ پر حملہ کی تیاری کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحرین اور ذوامر کو مہمیں بھیجنا پڑیں۔ بحرین کی مہم کے دوران رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو ماہ تک موقع پر موجود رہنا پڑا۔ آخر کار بنوسلیم کے تعلقات بنوکلاب کے ذریعہ خوشگوار ہو گئے۔ رئیس قبیلہ نے 4 ہجری میں ذاتی حفاظت کے تحت اسلام کے مبلغین طلب کئے۔ مسلمانوں نے چالیس سے ستر افراد پر مشتمل وفد بھیجا مگر انہیں دھوکہ سے بیر معونہ کے قریب شہید کر دیا گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ سے بڑا دکھ ہوا۔ بنوسلیم کے سرداروں کی مخالفت کے باوجود قبیلہ کے افراد اسلام قبول کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تحفہ میں زمینیں بھی عطا فرمائیں۔ بنو سلیم کے معاندانہ اقدام کے باوجود فتح مکہ میں بنوسلیم کے ایک فوجی دستہ نے حصہ لیا خصوصاً بنوسلیم کا گھڑ سوار دستہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہا۔ فتح مکہ کے بعد اور بنو ہوازن کی سرکوبی کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوسلیم کے جوانوں کی مال غنیمت میں وافر حصہ عطا فرمایا۔ اس طرح آہستہ آہستہ ان کی پرانی عداوت فراموش ہوگئی۔

بنو ہوازن

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضائی والدہ بی بی حلیمہ کا تعلق بنو ہوازن سے تھا۔ فتح مکہ کے بعد بنو ہوازن مسلمانوں سے خوفزدہ ہو گئے۔ جنگ حنین میں شکست کے بعد بنو ہوازن نے طائف کے محاصرہ میں مسلمانوں کی سخت مخالفت کی لیکن طائف والے مکہ کی منڈی اور اپنے دوستوں سے کٹ چکے تھے۔ ایک ہی سال میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا تاہم انہوں نے بعض دینی معاملات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مراعات حاصل کرلیں۔ اسلام کے طریقہ تبلیغ کے نقطہ نظر سے مراعات کے حصول کا یہ واقعہ بے حد اہم ہے۔ بنو ہوازن کے ایک وفد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ان کے بت ''لات'' کو نہ چھیڑا جائے۔ وہ اللہ کی واحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کو تیار ہیں لیکن انہیں نماز کی ادائیگی، زکوٰۃ اور جہاد سے سبکدوش سمجھا جائے۔ انہیں حرمت شراب، امتناع زنا اور سود کی ممانعت سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ طائف شہر کو حرام علاقہ قرار دیا جائے جہاں درختوں کی کٹائی اور جنگلی جانوروں کا شکار ممنوع ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زکوٰۃ اور جہاد کیلئے

رضا کاروں کی فراہمی اور طائف شہر کو حرام علاقہ قرار دینے پر رضامند ہو گئے۔ نماز کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مذہب ہی نہیں جس میں بندے کے خالق کی عبادت کا تصور نہ ہو۔ جنسی اختلاط کی آزادی میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال کیا ''کیا تم سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اسکی بیوی' ماں' بہن یا بیٹی کی عصمت کوئی لوٹ لے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو جس عورت کے ساتھ تم کھیل کھیلو گے وہ بھی کسی کی بیوی' ماں' بہن یا بیٹی ہو گی۔ اس پر وفد کے ارکان نے یہ مطالبہ ترک کر دیا۔ سود کے سلسلہ میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند ماہ کی مہلت دے دی تاکہ پرانے قرضے سودی نظام کے مطابق نمٹا سکیں' لیکن رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کر دیا کہ جو نئے قرضے دیئے جائیں ان پر سود حرام ہو گا۔ بنو ہوازن کے بت ''لات'' کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہیں لات یا اس کے بت خانہ کو خود توڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے آدمی بھیج کر لات کو پاش پاش کرا دیں گے اور یوں بت کا غضب ان پر نازل نہ ہو گا۔'' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتناع شراب کے سلسلہ میں کوئی رعایت دینے سے انکار فرمایا کیونکہ شراب کا نشہ انسان کو درندوں سے بھی بدتر بنا دیتا ہے۔ بنو ہوازن کا وفد واپس چلا گیا۔ اہل مدینہ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا زکوٰۃ اور جہاد کے احکام منسوخ ہو گئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا ''نہیں' مگر جب ان لوگوں کے دلوں میں اسلام راسخ ہو جائے گا تو وہ خود ہی ان مراعات سے اظہار بریت کریں گے۔ دو سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے پہلے طائف کے لوگوں نے اسلامی حکومت کو زکوٰۃ کی ادائیگی شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر انہوں نے مسلح دستے مدینہ بھیجے تاکہ مرتدوں کی شورش کو کچلنے مین اسلامی حکومت کی مدد کر سکیں۔ لات کی تباہی ایک قابل دید منظر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ کی قیادت میں ایک دستہ طائف بھیجا۔ اس میں ابوسفیان بھی شامل تھا۔ مغیرہ نے طائف کی آبادی کو بت کی تباہی کا منظر دیکھنے کی دعوت دی۔ المغیرہ نے چند زوردار ضربوں سے بت کو پاش پاش کر دیا۔ اس سے ان لوگوں کے ایمان کی پختگی میں اضافہ ہوا جو ابھی تک ڈھلمل یقین تھے۔

بنو غطفان کلی طور پر خانہ بدوش قبیلہ تھا اور اپنی اقتصادی ضروریات خیبر سے پوری کرتے

تھے۔ بنو سلیم بنو غطفان کا عم زادہ قبیلہ تھا۔ اسلیئے بنو غطفان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے تھے۔ پیغمبر السلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وسیع القلبی کی پالیسی اختیار فرمائی جس سے سادہ دل بدو بہت متاثر ہوئے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تعزیری مہم امر روانہ فرمائی۔ دشمن راہ فرار اختیار کر گیا اور مسلمانوں سے لڑنے والا کوئی نہ رہا۔ اسی اثناء میں بارش ہونے لگی۔ بارش رکنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لباس اتارا اور سکھانے کیلئے ایک درخت سے لٹکا دیا۔ صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ پیغمبر خدا کو اکیلے ہی ایک درخت کے نیچے دیکھ کر دشمن کے سردار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار پر قبضہ کر لیا اور چلا کر بولا ''اب تجھے کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطمینان سے جواب دیا ''میرا خدا'' اس جواب نے بدوی کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اٹھائی اور بدوی سے پوچھا ''اب تمہیں میری ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے'' سردار نے جواب دیا' کوئی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحم دلی سے اس قدر متاثر ہوا کہ نہ صرف خود بلکہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ جب تک اہل خیبر مسلمانوں کے دشمن رہے غطفان کا سردار عیینہ بن حسن الفرازی بھی مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا' لیکن جب عقل آ گئی تو غطفان میں تیزی سے اسلام پھیل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر عیینہ مرتد ہو گیا لیکن جلد ہی تائب ہو کر خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش ہو کر دوبارہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی خطائیں معاف کر دیں۔

یہود سے تعلقات

یہود کی بستیاں شام سے یمن اور عمان تک پھیلی ہوئی تھیں مگر ان کا گڑھ خیبر کا علاقہ تھا۔ مدینہ میں وہ مجبوراً مقیم تھے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی مملکت مدینہ کیلئے جو آئین نافذ کیا اس میں یہود کا ایک یونٹ کے طور پر ذکر نہیں کیا۔ وہ قبیلہ اوس یا خزرج کے حلیف کے طور پر تسلیم کیئے گئے۔ یہودیوں کا تعلق تین بڑے قبائل بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ سے تھا۔ چونکہ ان یہودی قبائل میں باہمی مناقشت تھی اس لیئے ان کے حلیف بھی الگ الگ تھے۔ بعض بنو

اوس سے اور دوسروں نے بنو اوس کے مخالفین بنو خزرج سے ناطہ جوڑا ہوا تھا۔ بنو قینقاع پست اخلاق اور زرگر پیشہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک مسلمان خاتون کو برہنہ کر دیا' اس پر یہودیوں اور مسلمانوں میں فساد ہو گیا۔ چنانچہ بنو قینقاع کو جلاوطن کر دیا گیا اور وہ شام چلے گئے۔ بنو نضیر نے ان ہی دنوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دینے کی سازش کی۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور انہیں بھی مدینہ سے اخراج کا حکم دے دیا گیا تاہم انہیں اپنی املاک ساتھ لے جانے اور اپنے قرضے وصول کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ انہوں نے اہل مکہ' بنو سلیم' بنو قینقاع اور دیگر قبائل کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی سازش کی۔ جس کے نتیجہ میں جنگ خندق ہوئی۔ بنی قریظہ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے احسانات کئے تھے اور وہ ابھی تک مدینہ میں مقیم تھے۔ یہود کے دیگر قبائل بنو قریظہ کو کمتر سمجھتے تھے۔ اگر کوئی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو اس کا خوں بہا مقررہ رقم کا نصف ادا کیا جاتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کی عزت اور حرمت بحال کی اور انہیں دوسروں کے مساوی قرار دیا لیکن ان احسانات کے باوجود بنو قریظہ نے غداری کر کے جنگ خندق میں حملہ آوروں کا ساتھ دیا مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا لیا۔ جنگ کے خاتمہ پر مسلمانوں نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پھر بچا لیا۔ انہوں نے خود ہی اپنی سزا کیلئے سعد بن معاذ کو حکم مقرر کیا۔ جس کے فیصلہ کے مطابق تین چار سو یہودیوں کو موت کی سزا دی گئی۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو نیلام کر دیا گیا اور ان کے اموال پر مسلم فوج نے قبضہ کر لیا اور وہ شام چلے گئے۔ ایک سال بعد صلح حدیبیہ ہو گئی۔ اہل مکہ یہودیوں کے معاملے میں غیر جانبدار ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر پر حملہ کر دیا۔ یہودیوں نے مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے چند ہفتوں کے اندر اندر خیبر کے تمام قلعے سر کر لئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا۔ اسلامی فوج نے بھی اہل خیبر سے اچھا سلوک کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشراف یہود کی ایک خاتون سے نکاح کر لیا۔ اب خیبر کے یہودی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو سرکاری اراضی پر مزارعوں کی حیثیت سے رہنے کی اجازت دے دی۔ مدینہ میں صرف بنو اریض کے یہودی رہ گئے۔ ان سے بھی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے فیاضانہ سلوک کیا۔ انہیں مذہبی' قانونی اور اقتصادی معاملات میں خودمختاری حاصل تھی۔ اہل کتاب امت ہونے کی وجہ سے یہودیوں کے ساتھ بت پرستوں کی نسبت ترجیحی سلوک کیا جاتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ 9 ہجری میں مالیاتی اصلاحات نافذ کیں جن کے تحت ٹیکسوں کی ادائیگی کے معاملہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معمولی سا فرق رکھا گیا۔ مسلمان دوسری چیزوں کے علاوہ اپنی بچت پر ٹیکس ادا کرتے تھے اور روپیہ جمع کرنا ان کے لئے قابل تعزیز تھا تاکہ روپیہ گردش میں رہے اور ثابت ہو کہ غیر مسلموں پر ٹیکس نافذ نہیں کیا گیا۔ اس کی بجائے وہ جزیہ ادا کرتے تھے۔ بچوں' خواتین اور ناداروں کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ قرضوں پر مسلمانوں کیلئے سود لینا حرام تھا۔ غیر مسلم سودی کاروبار کرسکتے تھے۔ کسٹمز غیر مسلموں سے دوگنا اور زرعی ٹیکس معاہدہ کے مطابق دونوں سے یکساں لیا جاتا تھا۔

خارجہ تعلقات

بازنطین

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے تامل کے ساتھ دفاع کی خاطر ہتھیار اٹھائے۔ جب اسلام کے پرانے دشمنوں کی غیر دانشمندانہ معاندت ختم ہوگئی تو ان کا صرف ایک ہی کام اور ایک ہی مقصد رہ گیا کہ عرب اور دیگر ممالک میں پرامن طور پر اسلام کی تبلیغ کی جائے۔ حدیبیہ سے واپسی کے بعد جہاں وہ اہل مکہ سے پرامن بقائے باہمی پر مفاہمت میں کامیاب رہے اور خیبر کی فتح کے بغیر فتح مکہ کا تو ذکر ہی کیا' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیرونی ممالک میں قاصد روانہ کرنا شروع کردیئے۔ سنہ 7 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بازنطینی فرمانروا' والئی مصر' شاہ حبشہ اور شاہ ایران کے نام مراسلے ارسال کئے جن میں ان فرمانرواؤں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ ان ممالک کو بھیجنے کیلئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے افراد کا انتخاب کیا جو پہلے ہی ان ممالک سے واقف تھے اور وہاں کی زبان کسی حد تک سمجھ سکتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن فرمانرواؤں کو خطوط ارسال کئے ان میں ہرقل جو قسطنطنیہ

میں ایک فوجی بغاوت کے نتیجہ میں برسر اقتدار آیا تھا' اس نے ان ہی دنوں ایرانیوں پر فتح حاصل کی تھی۔ فطری طور پر شہنشاہ ہرقل حقیر عرب کے کسی باشندے کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہوسکتا تھا۔ جبکہ عرب کا ایک حصہ اس کی سلطنت کی ایک نوآبادی تھا۔ ہرقل نے اپنے ایک سردار کو محض اس لئے پھانسی دے دی کہ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے سفیر کو قتل کرنے والے گورنر کو پناہ دی جس نے بین الاقوامی اصول وقواعد کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفیر کے قتل کا بدلہ لینے کیلئے فوجی مہم موتہ بھیجی تو ہرقل نے ایک زبردست فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اس کا رویہ ایک بے اصول ظالم اور جابر بادشاہ کا تھا۔ اس کے ایک بڑے پادری نے اسلام سے رغبت کا اظہار کیا تو لوگوں نے اس کی تکا بوٹی کردی۔ ممکن ہے اس واقعہ کے باعث ہی ہرقل نے اسلام کے متعلق بے توجہی برتی ہو حالانکہ اس نے نجوم کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیوں کا بھی علم تھا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خط ہرقل کو لکھا تھا اس کا اصل مسودہ صدیوں اسپین میں رہا اور اب یہ خط دوبارہ نمودار ہوا ہے اور یہ دیکھنا باقی ہے جو خط منظر عام پر لایا گیا ہے کہ وہ جعلی تو نہیں۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوں کے جواب نرم زبان میں انکار کے مترادف تھے۔ انسانی معاشرہ میں مذہب اور اعتقادات کے بارے میں سب سے زیادہ قدامت پرستی اور تعصب کارفرما رہتا ہے لیکن جسے اپنے دعوے پر مکمل یقین ہو کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ ایرانیوں اور بازنطینیوں نے عرب کے اندر اور گردونواح میں اپنی نوآبادیاں قائم کررکھی تھیں اور عربوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ وہ عربوں کو کمتر نسل تصور کرتے تھے ان سے دوسرے درجے کے شہریوں کا سلوک کرتے تھے۔ عرب دور دور تک آباد تھے بلکہ انہوں نے شمالی علاقہ (دمشق) میں اپنی سرداریاں قائم کررکھی تھیں اور اس علاقے کا حکمران حارث نامی ایک شخص تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں یہاں عرب قبیلہ غسان آباد تھا جس نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قبیلہ کے نام بھی خط بھجوائے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ پہلا خط حارث بن شمیر کو لکھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی دعوت مسترد کر دی اور جلد ہی انتقال کیا۔ پھر اس کے جانشین جبلہ الایہم کو نامہ بھیجا۔ اس کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں متضاد روایات ملتی ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاکم بصرہ کے نام بھی اسلام کا دعوت نامہ ارسال کیا۔ یہ خط حارث ابن عمیر الازدیؓ لے کر گئے۔ مگر عیسائی سردار شرجیل ابن عمرو الغسانی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفیر کے قتل کا تاوان طلب کیا اور مطالبہ کیا کہ مجرم کو سزا دی جائے لیکن شہنشاہ ہرقل نے مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج کے مقابلے ایک لاکھ فوج روانہ کر دی جو ایران کی مہم سے فارغ ہوئی تھی مسلمانوں کا مقابلہ ہرقل کی فوج کے ساتھ موتہ کے مقام پر ہوا۔ جنگ ہوئی مسلمانوں کے تین سینئر جرنیل زید بن حارثہؓ اور جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ شہید ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ فوج کے سالار مقرر ہوئے۔ انہوں نے دشمن کو سخت نقصان پہنچایا اور اسلامی فوج کو بتدریج دشمن کے نرغے سے بچا لائے، مگر دشمن کی فوج کو تعاقب کی جرأت نہ ہو سکی۔

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ تبوک کی تیاری کی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود سنہ 8 ہجری میں تیس ہزار فوج لے کر نکلے۔ راستے میں اسلامی فوج جگہ جگہ پڑاؤ ڈالتی جہاں مسجد تعمیر کر دی جاتی۔ اسلامی فوج نے دومتہ الجندل عقبہ (ایلہ) جربا اور اذرح پر قبضہ کر لیا۔ ان میں ایلہ کی بندرگاہ زبردست اہمیت کی حامل تھی۔ علاقہ کی عرب آبادی جو عیسائی تھی، نے ظالم بازنطینیوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ وہ روادار اور اصول پرست مسلمانوں کے سائے میں زندگی بسر کرنے میں خوش تھے۔ تاہم ابھی اسلامی مملکت کی سرحدوں کی صورت حال مستحکم نہ تھی۔

چنانچہ ڈیڑھ سال بعد ایک اور فوجی مہم روانہ کی گئی۔ خلیفہ اوّل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ برقرار رکھتے ہوئے فوج کے کمانڈر اسامہ بن زیدؓ کو اس مہم پر روانہ کر دیا۔ حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ جنگ موتہ میں اسلامی فوج کی کمان کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ اس فوج نے اسلامی مملکت کی حدود کو شمال کی طرف مزید وسعت دی اور فلسطین مسلمان کے زیر نگیں آ گیا۔ معان کے عرب گورنر کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام قبول کرنے کی

دعوت دی تھی۔ اس نے اسلام قبول کرلیا مگر ہرقل کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

مصر

سلطنت مصر بازنطینی سلطنت کا ایک حصہ تھی جب ایرانیوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ انہوں نے قبطیوں سے فیاضانہ سلوک کیا جو بازنطینی مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔ ایرانیوں نے قبطیوں میں سے ایک شخص کو ان کا حکمران بنادیا جسے مقوقس کا خطاب دیا گیا۔ ایرانیوں کو جب نینوا میں ہرقل نے شکست دی تو وہ مصر کو بھی خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبطیوں کے سردار مقوقس کو خط لکھا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا مودبانہ جواب دیا۔ مقوقس کے قبول اسلام کا صحیح علم نہیں البتہ اس نے اسلامی سفیر کو تحفے تحائف دیئے جو مدینہ لے آیا۔ ان میں دو چار کنیزیں بھی شامل تھیں۔ ایک کا نام ماریہ تھا' جو کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ماریہؓ عیسائی تھیں۔ انہوں نے برضا ورغبت اسلام قبول کرلیا۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنی زوجہ بنانے کا اعزاز بخشا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقوقس مصر کو جو خط لکھا تھا' اس کا اصل مسودہ اب تک محفوظ ہے اور آج کل قسطنطنیہ (استنبول) ترکی کے کتب خانہ ''توپ کاپی'' میں موجود ہے۔

حبشہ

حبشہ کا علاقہ یمن کے قریب تھا۔ ظہور اسلام سے پہلے مکہ کے حبشہ سے قریبی اقتصادی تعلقات قائم تھے۔ یہودی حکمران ذونواس نے عیسائیوں پر مذہبی اختلاف کی وجہ سے اتنے مظالم کئے کہ حبشہ کے عیسائیوں نے یمن پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کرلیا۔ حبشہ کے جرنیلوں کے درمیان حسد و رقابت کی وجہ سے اتفاق نہ رہ سکا۔ اس جنگ وجدل کے بعد ابرہہ حبشہ کے وائسرائے کی حیثیت سے یمن کا حکمران بنا۔ یہی ابرہہ کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کی غرض سے مکہ پر حملہ آور ہوا کیونکہ وہ مکہ کو عیسائیت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتا تھا۔ اس کی فوج میں ہاتھی بھی تھے۔ یہ فوج جب طائف سے گزری تو اس نے لات کے بت خانہ کو نہیں چھیڑا۔ قرآن کریم

کی سورہ فیل اس وقت نازل ہوئی جب ان لوگوں میں سے بہت سے بقید حیات تھے' جنہوں نے مکہ پر ابرہہ کا حملہ خود دیکھا تھا۔ سورہ فیل میں بتایا گیا ہے کہ ''اصحاب فیل کو پرندوں (ابابیل) کے جھنڈ نے مکمل تباہی سے ہمکنار کیا جنہوں نے ان پر کنکریاں برسائیں'' یہ واقعہ اسی سال رونما ہوا جس سال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تولد ہوئے تھے۔ اس کے بعد جلد ہی ایرانیوں نے یمن پر فوج کشی کی اور حبشہ کی حکومت کے مخالف یمنیوں کی مدد سے حکمرانوں کو مار بھگایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن حکمرانوں کو خطوط لکھے ان میں حبشہ کا بادشاہ نجاشی بھی شامل تھا۔ مسلمانوں کے شاہ نجاشی سے پہلے ہی تعلقات استوار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت کے پانچ سال بعد مکہ میں مسلمانوں پر اتنے مظالم ڈھائے گئے کہ انہوں نے ہجرت کر کے حبشہ میں پناہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک اور خط رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر ابن ابی طالب کے ہاتھ شاہ حبشہ کو بھیجا تھا۔ یہ خط تعارفی تھا۔ کفار مکہ نے پے در پے سفارتیں حبشہ بھیجیں تاکہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال کر اہل مکہ کے حوالے کیا جائے۔ جب مکہ کا دوسرا وفد حبشہ گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنا سفیر حبشہ بھیجا۔ نجاشی شاہ حبشہ کے تعلقات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہایت خوشگوار اور دوستانہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جو خط رسول خدا نے شاہ حبشہ کے نام تحریر فرمایا تھا' اس کا اصل مسودہ دمشق میں موجود ہے۔ شاہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ نجاشی کا قبول اسلام اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کے مطابق نجاشی کی وفات کی خبر پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کے جانشین کو بھی خط لکھا تھا۔ حبشہ کے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں شاہ نجاشی کا ایک بیٹا بھی تھا۔ وہ مدینہ آ گیا اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر کفالت فرد کی حیثیت سے مدینہ ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حبشہ بازنطین حکومت کے ماتحت نہ تھا بلکہ دوست اور حلیف ملک کی حیثیت سے برابری کا دعوے دار تھا۔ ممکن ہے گہرے تعلقات کی بنا ہم مذہبیت ہو کیونکہ دونوں ملک عیسائیت کے پیروکار تھے۔ ابتدائی زمانہ میں حبشہ کے کئی لوگ عرب میں ملتے ہیں موذن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلالؓ کو حبشی اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ ایک اور شخص یاسر کا تعلق

نوبیا سے تھا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو آزاد فرمادیا تھا۔اس کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم کی حیثیت سے مدینہ ہی رہائش پذیر ہو گئے۔

ایران

بازنطینیوں کی طرح ایران نے بھی عرب میں نو آبادیاں قائم کر رکھی تھیں۔عربوں کے درمیان باہمی اختلافات کے باوجود انا اور عزت نفس کا احساس بہت زیادہ تھا۔اسی لئے وہ ہمیشہ وفادار حلیف ثابت ہوئے ہیں۔بنوغسان بازنطینیوں کے نہایت وفادار حلیف تھے۔اسی طرح حیرہ (موجودہ کوفہ) کے لوگوں کے ایران سے تعلقات تھے۔ایک وقت حیرہ کے حکمرانوں نے ایران کے شاہی خاندان میں اتنا اعتماد پیدا کر لیا کہ ولی عہد شہزادہ بہرام گور کو بچپن میں مدائن کے شاہی محل میں رکھنے کی بجائے حیرہ بھیج دیا گیا تا کہ اس کی پرورش اور تربیت کی جاسکے۔ایک شہنشاہ ایران نے خواہش کی کہ والئی حیرہ کی بیٹی شاہی حرم میں بھیجی جائے مگر گورنر نے انکار کر دیا۔اس پر گورنر کو مدائن طلب کیا گیا جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔اس پر عربوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ایران نے حیرہ پر فوج کشی کر دی۔مگر عربوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور شاہی فوج کو ذوقار کے مقام پر تہس نہس کر دیا۔یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب مسلمان کفار مکہ کے خلاف جنگ بدر لڑ رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ذوقار کی جنگ میں عربوں نے ''یا محمد'' کے نعرے بلند کئے جب ذوقار کے جنگ کی خبریں مدینہ پہنچیں تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز میں فرمایا ''یہ پہلا موقع ہے کہ عربوں نے ایرانیوں سے انتقام لیا ہے اور انہیں میری وجہ سے یہ فتح نصیب ہوئی ہے'' رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایران کے شہنشاہ نوشیرواں کی عادلانہ حکومت کے معترف تھے۔لیکن ایرانیوں کی آتش پرستی اور زرتشت کے مذہبی نام پر روا رکھی جانے والی بدعتوں کے سخت مخالف تھے۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے قبل ایرانیوں نے سلطنت روما پر حملہ کر کے شام، فلسطین اور مصر پر قبضہ کر لیا۔قرآن میں کہا گیا ہے ''رومی ہمسایہ ممالک میں شکست سے دوچار ہوئے ہیں لیکن چند سالوں کے اندر اندر وہی فتح یاب ہوں گے'' عیسائیوں کو مسلمانوں کے قریب تر تصور کیا جاتا تھا اور زرتشتی کفار مکہ کے ہم مشرب تصور ہوتے تھے۔سنہ 7 ہجری میں جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خسرو پرویز شاہ ایران کو دعوت اسلام دی۔

انہی دنوں ایرانیوں کو نینوا میں مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور شہنشاہ ایران کو بیٹے نے قتل کر دیا اور پایہ تخت مدائن میں وارثان تخت بدل رہے تھے بہر حال اسلامی سفیر سے توہین آمیز سلوک کیا گیا اور اسے ایرانی دربار سے نکال دیا گیا۔ ایران کی ملکہ نے مدینہ میں سفارت بھیجی۔ ایرانی سفیر تحفے لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایران کی یہ ملکہ غالباً پوران دخت تھی جو غالباً اس بات سے خوفزدہ تھی کہ عرب میں ایرانی نو آبادیات ایران کے خلاف بغاوت کیے ہوئے ہیں۔ دراصل ایران کے بادشاہوں سے مایوس ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام تر توجہ عرب میں ایرانی مقبوضات پر مرکوز کر دی تھی۔ کیونکہ ان ایرانی مقبوضات کی نہ صرف رعایا بلکہ حکمران طبقہ بھی عرب تھا۔ یمن' عمان' بحرین اور جزیرہ نمائے عرب کے انتہائی شمال مشرقی علاقے ایرانی مقبوضات پر مشتمل تھے۔

یمن

یمن میں صورت حال خاص طور پر بڑی تشویش ناک تھی۔ یمن ترقی یافتہ علاقہ تھا اور شاندار ماضی کا حامل تھا۔ یمن میں ایتھنز اور روم سے بھی پہلے مہذب حکومتیں قائم تھیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے یمن میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم تھی جس میں سارا عرب اور دیگر وسیع علاقے شامل تھے جو بعد میں بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں کے حصے بنے۔ یمنی ایرانیوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کیلئے یمن میں آباد ایرانیوں' ایرانی النسل اور حکام اور فوجیوں کو قتل کرنے کی سازش میں مصروف تھے۔ اس موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اہل یمن کو قبول اسلام کی کامیاب دعوت دی۔ پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہاں بھیجا گیا۔ یمن کے بہت سے علاقے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور نجران کے عیسائیوں نے اسلام کی اطاعت قبول کر کے امن سے رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یمن کا ایرانی گورنر بازان حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بازان کو بدستور گورنر رکھا اور اس کی وفات کے پر اس کے بیٹے کو گورنر مقرر فرما دیا۔ اس اقدام سے یمن میں مقیم ایرانیوں کو احساس تحفظ مل گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے نیک اور پرہیز گار لوگوں کو یمن بھیجا ان میں ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے یمنی النسل تھے۔ انہوں نے یمن میں بطور جج' استاد'

ٹیکس کلکٹر اور عام انتظامی افسروں کی حیثیت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ حضرت معاذ ابن جبلؓ کی مسجد آج بھی قصبہ جند میں موجود ہے' انسپکٹر جنرل تعلیم کے عہدے پر فائز کئے گئے۔ انہوں نے یمن میں ہر جگہ دینی تعلیم کے مراکز قائم کئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ فوجی دستے اس بت خانہ کو مسمار کرنے کیلئے بھیجے جسے کعبہ کا ہمسر کہا جاتا تھا۔ اس بت کی مسماری سے یمن کے لوگوں میں موہوم خدشات دور ہو گئے۔ جلد ہی پورا یمن نور اسلام سے منور ہو گیا۔ صرف نجران کے علاقہ کے عیسائی قبائل اور اکا دکا یہودی خاندان باقی رہ گئے۔ جو اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ نجران کے عیسائی بے حد منظم تھے۔ یہاں اکثر عیسائی مبلغ آتے تھے۔ ایسا ہی ایک مبلغ اٹلی کا بنام گریگنس تھا' جس نے نجران میں مسیحیت کو راسخ کیا۔ یہودی بادشاہ ذونواس نے مذہبی اختلاف کی بنا پر نجران پر بہت مظالم توڑے جس کی وجہ سے ان کا اپنے مذہب پر اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا۔ ان کا ایک وفد سقف اعظم کی سربراہی میں مدینہ گیا۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ میں عقائد پر بحث مباحثہ بھی کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذاکرات کے دوران ان کی عبادت کا وقت آ گیا۔

مسلمان تجسس کے گہرے جذبات کے ساتھ انہیں عبادت کرتے دیکھے رہے۔ عبادت کے بعد عیسائی وفد نے پھر مذاکرات شروع کئے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سوالوں کے مسکت جواب دیئے اور کہا ''اگر تمہارا اطمینان نہیں ہوا' تو آیئے ہم خدا سے رجوع کرتے ہیں۔ آیئے ہم دونوں فریق اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر' اس کے خاندان اور بال بچوں پر اپنا غضب نازل کرے۔''

اس پر عیسائی وفد نے غور کرنے کی مہلت مانگی۔ انہوں نے دانشمندی سے سوچا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان کی بددعا ہمیں دونوں جہانوں میں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی۔ بہتر ہے کہ ان سے معاہدہ صلح کر لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے رضا کارانہ طور پر اسلامی حکومت کی بالادستی تسلیم کر لی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تحریری معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے کے مطابق نجران کے عیسائیوں کو انتظامی اور مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دی گئی۔ انہیں اختیار تھا جسے چاہیں اپنا بشپ منتخب کریں اور انتخاب کی توثیق

اسلامی حکومت کرے گی' لیکن انتخاب میں مکمل آزادی دی گئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے عیسائی قرضوں پر سود ادا نہ کریں گے۔ صرف اصل زر حاصل کریں گے اور مستقبل کے قرضوں پر سود وصول نہیں کریں گے۔ یمن کے متعدد دیگر قبائل نے بھی اپنے وفود بھیجے اور اسلام قبول کرلیا۔ یمن کا وسیع وعریض علاقہ تین سال کے اندر کسی جنگ کے بغیر اسلامی سلطنت کے زیرنگیں آ گیا۔

عمان

عمان عرب کے جنوب مشرق میں ایک ریاست تھی جہاں جلندی کے دو بیٹے جیفر اور عبد مشترکہ طور پر حکومت کرتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو عمان کی حکومت پر برقرار رکھا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اشارہ بھی دے دیا کہ اسلام میں مشترکہ حکومت روا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمان میں ایک نمائندہ مقرر فرمایا جو مسلمانوں میں تعلیم کی نگرانی کرتا تھا۔ عمان کا علاقہ اقتصادی طور پر بڑا اہم تھا۔ اس کی بین الاقوامی بندرگاہیں اور وہاں کے تجارتی میلے اسلامی مملکت کیلئے وقار اور قوت کا باعث بنے۔ عبدالقیس کا قبیلہ جیفر کی حکومت کے تحت نہ تھا۔ انہوں نے اپنا الگ وفد رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا۔ وفد سے بات چیت خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ امام بخاریؒ کے مطابق مسجد نبوی کے بعد جس مسجد میں پہلی بار باجماعت نماز ادا کی گئی۔ وہ عبدالقیس کے علاقہ کی مسجد جواثا' تھی۔ یہ علاقہ اقتصادی اہمیت کا حامل تھا۔ یہاں سالانہ تجارتی میلے لگتے تھے۔ جن میں مختلف ممالک کے تاجر شریک ہوتے تھے۔ دیاء عرب کی بڑی بندرگاہ تھی۔ یہاں چینی' ہندی' سندھی اور مشرق ومغرب سے تاجر اپنا مال تجارت لے کر میلوں میں شریک ہوتے تھے۔ چینی تاجر بڑی بڑی کشتیوں میں سیدھے دباء آتے۔ انہوں نے اپنی شاندار مصنوعات سے یہاں اچھا تاثر قائم کیا تھا۔

جب یہ علاقہ غیر ملکی تسلط سے آزاد ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دباء' کا الگ گورنر مقرر فرمایا۔ یہ گورنر دباء کا رہنے والا مسلمان تھا۔ اس کے فرائض میں بندرگاہ' شہر اور منڈی کی دیکھ

بھال شامل تھی۔

یہ خلیج فارس میں جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں واقع ہے۔ بحرین کا لغوی ترجمہ د
سمندر ہے۔ یہ سعودی عرب کا موجودہ ضلع الاحساء ہے۔ غالباً ظہور اسلام کے وقت اس میں
موجودہ قطر بھی شامل تھا۔ اس علاقہ کے عرب گورنر المنذر ابن سادہ نے اسلام قبول کیا اور اسلا
حکومت کا پرجوش منتظم ثابت ہوا۔ تاریخ میں اس کے نام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نصف درجن سے زائد خطوط کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے ایک خط کا اصل متن برلن کے
پبلشر نے شائع کیا ہے۔

سماوہ

شمال مشرق عرب کے قبیلہ بنوتمیم نے نہایت آسانی سے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے مز
شمال میں جنوبی علاقہ بھی عربوں کا گہوارہ تھا۔ حیرہ کی عرب ریاست سمیت یہاں کے عرب قبائ
آزاد تھے۔ ایرانی حکومت کی گرفت ان نوآبادیات پر کمزور تھی تاہم حیرہ کے بنولخم کے متعدد قبائ
نے اسلام قبول کرلیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انہیں اسناد فراہم کی گئیں، ج
کا ذکر تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خط کا ذکر
ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سماوہ کے فرمانروا النصاصہ الدبانی کے نام لکھا تھا۔ یہ باد
عربی النسل تھا۔ ایرانیوں سے نجات پانے کیلئے اس نے اسلام قبول کرلیا۔

ہندوستان

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہندوستان کوئی تعلقات تھے؟ اس ضمن میں یق
سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ عرب تجار ظہور اسلام سے پہلے ہی سندھ اور مالا بار کی بندرگاہوں پر کثر
سے آتے جاتے تھے۔ ہندی تاجر بھی عرب کی بندرگاہ 'دباء' کے تجارتی میلوں میں شرکت کر
تھے۔ ہندی تاجر یمن میں سیف بن ذی یزن حکمران کے دربار میں آتے جاتے تھے۔ ان کو ہن
کو ے کہا جاتا تھا۔ ابوہریرہؓ جو یمنی تھے' اکثر کہا کرتے تھے "رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہم سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہندوستان کی طرف ایک مہم بھیجی جائے گی۔ اگر میں وہاں ہند میں ہلا

ہو جاؤں تو میں بہترین شہداء میں سے ہوں گا اور اگر میں صحیح و سالم واپس آ جاؤں تو میں وہی آزاد شدہ غلام ابو ہریرہ رہوں گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اور حدیث بھی منسوب کی جاتی ہے' مجھے ہندوستان کی طرف سے تازہ ہوا آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں صرف ہندی لوگوں کا ہی نہیں' ان کے مذہب کا بھی ذکر آیا ہے۔ قدیم مسلم مورخ عبدالکریم الجیلی اور دور حاضر کے پروفیسر مناظر احسن گیلانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ پیغمبر ذوالکفل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کفیل دراصل کپل وستو کی عربی شکل ہے' وہ ریاست جس میں گوتم بدھ پیدا ہوا تھا۔ ایک اور توضیح اس طرح ہے کہ کفل کے لفظی معنی 'خوراک' کے ہیں اور گوتم بدھ کے والد کے نام 'سندودھن کے معنی بھی' خوراک کے ہی ہیں۔ قرآن کی سورہ التین میں ہے۔

''انجیر اور زیتون کی قسم اور طور سینا کی اور اس شہر (مکہ) کی جو امن والا ہے..........''

مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ آیہ مبارک میں شہر سے مراد مکہ ہے۔ کوہ سینا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سینائی پہاڑ ہے۔ اور زیتون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جہاں تک انجیر کے درخت کا تعلق ہے' اس کا اشارہ بڑھ کے درخت کی طرف ہے۔ جو جنگلی انجیر ہے۔ بدھ کو بڑھ کے درخت کے نیچے ہی نروان حاصل ہوا تھا۔ کسی اور پیغمبر کی زندگی میں بڑھ کے درخت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ ہندوستان کے جنوب مغربی ساحلی علاقہ مالابار میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ اس علاقہ کے ایک بادشاہ نے (چکرورتی فرماس) اس سلسلے میں جب تحقیقات کی تو اسے معلوم ہوا کہ عرب میں ایک پیغمبر کے ظہور کی پیشین گوئی موجود ہے اور شق القمر کا مطلب یہ ہے کہ وہ پیغمبر خدا ظاہر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو اسلام قبول کیا اور پھر ان کے حکم پر واپس ہندوستان روانہ ہو گیا۔ راستے میں یمن کی بندرگاہ ظفار میں اس کا انتقال ہو گیا۔ یہاں آج بھی ''ہندی بادشاہ'' کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ انڈیا آفس لائبریری میں ایک پرانا مسودہ موجود ہے۔ جس میں اس کی تفصیل درج ہے۔ زین الدین المعبری کی تصنیف ''تحفۃ المجاہدین فی بعد اخبار پرتگالین'' میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ ''رتن ہندی'' ابن حجر' اصابہ اور سرباتک ہندی کا جو علی الترتیب چوتھی اور آٹھویں صدی ہجری میں گزرے ہیں کا دعویٰ تھا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں اور انہوں نے کئی سو سال عمر پائی

مگران کے معاصرین ان کے دعوے کو محض افسانہ قرار دیتے ہیں۔

(ابن حبیب المجر صفحہ 265۔ابن ہشام صفحہ 290-265۔انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج1)
(ابن حنبل 470 صفحہ 229-216۔ابن سعد ج1 صفحہ 72)
(اصابہ ابن حجر 2759۔انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج1)

ترکستان

ترکی کے لوگوں کے بارے میں بہت کم مواد موجود ہے۔علامہ بلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف ج1 صفحہ 485 میں روایتؒ کرتے ہیں کہ اسلام کی پہلی شہید خاتون سمیہ عمار بن یاسر کی والدہ تھیں۔انہیں ابو جہل نے شہید کیا تھا۔ان کا اصل نام پامیخ تھا اور ان کا تعلق ایران کے علاقہ کسنگر سے تھا۔جدید ترکی میں پامیخ کو پاموک کہتے ہیں جس کے لغوی معنی کپاس کے ہیں اور یہ نام کسی ترک خاتون کا ہی ہو سکتا ہے۔خدا اس خاتون کے درجات بلند کرے۔ہندوستان کی طرح ترکی میں بھی ایک شخص مقلاب ابن ملکان الخوارزمی گزرا ہے جس نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

(ابن حجر اصابہ 2126)

چین

مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ چینی ظہور اسلام سے قبل بڑی بڑی کشتیوں میں بحرین اور عمان آتے تھے۔ابن حبیب دباء کے تجارتی میلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں" یہ دباء عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھی اور اس کے سالانہ تجارتی میلے میں ہند سندھ چین اور مشرق و مغرب سے تجار آتے تھے" چینی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ چین کے دربار میں سفیر بھیجا تھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔اس سفیر کا نام حضرت ابوعبیدہؓ تھا۔وہ بعد میں دوبارہ چین گئے اور وہاں ہی ان کا انتقال ہوا۔ان کا مقبرہ سنگاں فو میں ہے۔ملاحظہ کیجئے وین لینگ ود کی "مذہبی کتاب" پیکنگ 1957ء اور بروم ہال مارشل کی "چین میں اسلام" صفحہ 90-77-66)

غزوات و سرایا

تاریخ اسلام میں وہ لڑائیاں غزوات کہلاتی ہیں جن میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس شرکت فرما کر جہاد فرمایا اور جس جہاد یا معرکہ آرائی کیلئے صحابہ کرام کو سپہ سالار مقرر فرمایا، وہ سرایا کہلاتی ہیں، جس کے لغوی معنی ''قصد'' اور ''سیر'' کے ہیں۔

نمبر	نام غزوہ	تعداد	تاریخ	مقابلہ
1	ابوا (ودان)	70	2ھ	انسداد قافلہ قریش
2	بواط	200		ایضاً
3	صفوان	70		تعاقب کرز بن جابر ڈاکو
4	ذی العشیرہ	150		برائے معاہدہ قبائل ینبوع
5	بدر الکبریٰ	313	17 رمضان سنہ 2	کفار قریش ایک ہزار
6	بنو قینقاع		شوال 2ھ	قبائل یہود
7	السویق	200		تعاقب صخر بن حرب اموی
8	بنو سلیم	200	محرم 3ھ	قبیلہ بنو سلیم غطفان
9	غطفان انسار	450	ربیع الاوّل 3ھ	بنو ثعلبہ، بنو محارب
10	اُحد	650	16 شوال 3ھ	مدینہ سے 3 میل کفار عرب
11	حمراء الاسد	540	17 شوال 3ھ	اُحد کے دوسرے دن تعاقب دشمن
12	بنو نضیر	ایضاً	ربیع الاوّل 4ھ	یہودی قبائل کا تعاقب
13	بدر اخریٰ	1510	ذیقعدہ 4ھ	انسداد قبیلہ قریش
14	دومتہ الجندل	1000	ربیع الاوّل 5ھ	مختلف قبائل عرب
15	مریسیع	ایضاً	شعبان 5ھ	انسداد بنو مصطلق
16	خندق (احزاب)	3000	شوال ذیقعدہ 3ھ	سرداران قبائل یہود
17	بنو قریظہ	ایضاً	ذوالحجہ 3ھ	یہود قبیلہ بنو قریظہ
18	بنی لحیان	200	ربیع الاوّل 6ھ	اہل رجیع قاتلین مبلغین اسلام

19-	ذی قرہ (غابہ)	500	ربیع الثانی 6ھ	ڈاکوؤں کے خلاف
20-	حدیبیہ	1400	ذیقعد 6ھ	قریش مکہ مانعین عمرو
21-	خیبر	1400	محرم 7ھ	یہودی قبائل
22-	وادی القریٰ	382	محرم 7 ہجری	ایضاً
23-	ذات الرقاع	400	10 محرم 7ھ	مختلف قبائل
24-	فتح مکہ	10000	رمضان 8ھ	قریش
25-	حنین	1200	شوال 8ھ	مختلف قبائل
26-	طائف	1200	شوال 8ھ	ایضاً
27-	تبوک	30000	رجب 9ھ	افواج ہرقل قیصر روم کا انسداد

غزوات کے علاوہ سرایا کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے۔ یہ 2 ہجری سے 9 ہجری تک آٹھ سال میں معرکے ہوئے۔ ان جنگوں میں فریقین کے نو سو اٹھارہ افراد مارے گئے۔ کفار کے چھ ہزار پانچ سو پینٹھ افراد قیدی بنائے گئے، جن میں سے چھ ہزار تین سو سنتالیس افراد کو رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کر دیا۔

رسول رحمتؐ کے قاصد

نمبر	اسمائے گرامی	جن کی طرف روانہ کئے
1-	حضرت عثمان بن عفان الاموئ	قریش کی جانب
2-	حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ	نجاشی شاہ حبش کی جانب
3-	حضرت وحیہ بن حلیف کلبیؓ	ہرقل قیصر روم کی طرف
4-	حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی	خسرو پرویز شاہ ایران کی طرف
5-	حضرت حاطب بن ابی بلعہ لخمیؓ	مقوقس شاہ مصر کی طرف
6-	حضرت شجاع بن وہب الاسدی	حارث بن شمر
7-	حضرت سلیط عمروؓ	ہوزہ بن علی اور ثمامہ بن اثال کی جانب

8-	حضرت عمرو بن العاص السہمیؓ	جیفر بن الجلندی اور عبداللہ بن الجلندی کی طرف
9-	حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومیؓ	حارث بن کلال حمیری کی طرف
10-	حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ	یمن
11-	حضرت معاذ بن جبلؓ	یمن
12-	حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ	ذوالکلاع الحمیری کی طرف
13-	حضرت عباس بن ربیعہ المخزومیؓ	حارث مسروح اور نعیم بن کلیل کی طرف
14-	حضرت حارث بن عمیرؓ	مصر کے حاکم کی طرف

حضور رحمتہ اللعالمینؐ کے مدنی نقیب

ہجرت سے پہلے مدینہ کے جن بارہ اصحاب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نقیب مقرر فرمایا تھا ان میں نو خزرج کے تھے اور تین اوس کے اور یہ سب قبائل مدینہ کے رؤساء تھے۔

1-	حضرت سعید بن خضیرؓ	2-	حضرت ابوالہیثم بن الیتہان
3-	حضرت سعد بن خثیمہ	4-	حضرت سعد بن زرارہ
5-	حضرت سعد بن الربیع	6-	حضرت عبداللہ بن رواحہ
7-	حضرت سعد بن عبادہ	8-	حضرت منذر بن عمر
9-	حضرت برار معرور	10-	حضرت عبداللہ بن عمرو
11-	حضرت عبادہ بن الصامت	12-	حضرت رافع بن مالک

نبی رحمتؐ کے مقرر کردہ محصلین

1-	حضرت صفوان بن صفوان	بنو عمرو
2-	حضرت عدی بن حاتم	بنو طے و بنو اسد
3-	حضرت عمر الفاروق بن خطاب	مدینہ منورہ
4-	حضرت ابوجہم بن حذیفہ	بنو یعث
5-	حضرت بریدہ بن مصعب اسلمی	بنو غفار و اسلم

-6	حضرت عبادہ بن بشیر	بنوسلیم و مدینہ
-7	حضرت ضحاک بن سفیان	بنوکلاب
-8	حضرت رافع	بنوجہینہ
-9	حضرت قیس بن عاصم	بنوسعد
-10	حضرت عمرو بن العاص	بنوفزارہ
-11	حضرت بشیر بن سفیان	بنوکعب
-12	حضرت ابوعبیدہ بن الجراح	نجران
-13	حضرت عبداللہ بن واحد	خیبر
-14	حضرت زیاد بن لبید	حضرموت
-15	حضرت ابوموسیٰ الاشعری	یمن
-16	حضرت عمرو بن سعید بن عاص	تیمار
-17	حضرت ابان بن سعید	بحرین
-18	حضرت عبداللہ بن لیث	بنوابیان

سواری کے جانور

اسپ

گھوڑے سات تھے۔ خاص صفت کی وجہ سے ان کے نام یہ تھے۔

1- کلب 2-لحیف 3-سلجہ 4-طرب 5-لزاز 6-مزجہ 7-ابور

خچر، بغال

1-دلدل 2-فضہ 3-صاحب 4-دومتہ الجندل 5-دراز گوش (نجاشی شاہ حبش نے تحفتاً بھیجا تھا۔)

اونٹ

زیادہ تعداد میں تھے۔ قصویٰ پر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور حجتہ الوداع بھی

اسی پر ادا فرمایا۔

حیات طیبہ ماہ و سال کے آئینہ میں

1- ولادت حضور سرور کائناتؐ 9 ربیع الاول عام الفیل 22 اپریل 571ء بروز دوشنبہ صبح صادق

2- بعثت 17 رمضان المبارک مطابق 12 فروری 610ء

3- ہجرت حبشہ 5 نبوی۔ پانچ افراد

4- معراج 27 رجب المرجب 10 نبوی 22 مارچ 610ء

5- شعب ابی طالب 7 نبوی

6- سفر طائف 10 نبوی

7- ہجرت مدینہ منورہ 27 صفر 13 نبوی مطابق 12 ستمبر 622ء بروز چہارشنبہ

8- غار ثور سے روانگی یکم ربیع الاول 13 نبوی مطابق 16 ستمبر 622ء بروز دوشنبہ

9- قبا میں ورود و قیام 21 ربیع الاول 1 ہجری مطابق 27 ستمبر 622ء بروز جمعۃ المبارک

10- یثرب میں ورود ....

11- بنیاد مسجد نبوی 1 ہجری

12- فرضیت روزہ و تدوین اذان 2 ہجری

13- غزوہ بدر 17 رمضان المبارک 2 ہجری مطابق 16 مارچ 624ء بروز منگل

14- فرضیت زکوٰۃ، حرمت شراب 2 ہجری

15- غزوہ اُحد 6 شوال المکرم 3 ہجری مطابق 21 مارچ 625ء بروز اتوار

16- فرضیت حج اور احکام پردہ 5 ہجری

17- غزوہ احزاب 28 شوال المکرم 5 ہجری مطابق 23 مارچ 627ء

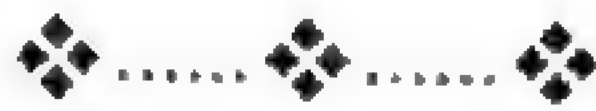
18- صلح حدیبیہ ذیقعدہ 6 ہجری، مارچ 628ء

19- سلاطین کے نام خطوط یکم محرم الحرام 7 ہجری، 14 مئی 628ء

20- غزوہ خیبر محرم الحرام 7 ہجری، 14 مئی 628ء

21- عمرہ قضا	ذیقعدہ 7 ہجری' یکم اپریل 629ء
22- فتح مکہ مکرمہ	20 رمضان المبارک 8 ہجری' 12 جنوری 630ء بروز جمعرات
23- غزوہ حنین	11 شوال المکرم 8 ہجری' یکم فروری 630ء
24- محاصرہ طائف	13 شوال المکرم 8ھ '3 فروری 630ء بروز جمعہ المبارک
25- جنگ تبوک	رجب المرجب تا رمضان المبارک 9ھ اکتوبر تا دسمبر 630ء
26- حجۃ الوداع	9 ذی الحجہ 10 ہجری ہمراہ ایک لاکھ 24 ہزار صحابہ بروز جمعہ المبارک 9 مارچ 631ء
27- وصال	12 ربیع الاول 11 ہجری 25 مئی 632ء بروز بدھ بوقت چاشت
28- تجہیز و تکفین	14 ربیع الاول 11 ہجری 27 مئی 632ء بروز بدھ بوقت نصف شب
29- عمر مبارک	63 سال بہ یوم ولادت تا وصال 330 ,23 دن 6 گھنٹے فانی دنیا کا قیام

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً کثیرا



سیرۃ النبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسولِ رحمت

ڈاکٹر خواجہ سلام الدین نیاز

سابق وزیر قانون حکومت آزاد کشمیر

کلاسیک
42- دی مال، لاہور